هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

شاہ ولی اللہ نمبر

الفرقان (بریلی)

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

قال اللہ تعالیٰ

اِنَّ وَلِیِّ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ

ماہنامہ

الفرقان (بریلی)

کا

شاہ ولی اللہ نمبر

بیادگار

حکیم الامۃ محی السنّۃ مجدد الملّت وارث کمالات نبوّت

استاذ الاساتذہ شیخ المشائخ مجدد صدی دوازدہم

امام الہند سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فاروقی

قدس اللہ روحہ وبرّد مضجعہ ونوّر مرقدہ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

(کاتبہ عفت علی خاں …)

سالانہ چندہ تین روپے ۳ ؎

قیمت شاہ ولی اللہ نمبر عہ

(مولانا محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے بریلی الکٹرک پریس بریلی میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" بریلی سے شائع کیا)

سب سے پہلے میری معذرت اور شکریہ احباب

اخوتی الکرام محبی فی اللہ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مہینوں کے انتظار کی تکلیف کے بعد "یہ شاہ ولی اللہ نمبر" آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، آپ کو اس انتظار سے ضرور تکلیف پہونچی ہوگی لیکن ادارہ "الفرقان" اس زحمت کا آپ کو پہلے سے عادی بنا چکا ہے اور اس باب میں یہ اس کا پہلا گناہ نہیں ہے اس لیئے اگرچہ کسی "معذرت" کی چنداں ضرورت نہ تھی، تاہم آپ کی اطلاع اور اپنے جرم کو ہلکا کرنے کیلئے چند کلمات عرض کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اس نمبر کی تیاری کی کوشش ۱۳۵۸ھ کے اواخر ہی سے شروع کردی گئی تھی جن بزرگوں اور دوستوں سے مقالات لکھانے تھے ان کو گزشتہ ذی الحجہ میں گویا اب سے ٹھیک ایک سال پہلے عریضے لکھدیئے گئے تھے۔ بلکہ بعض حضرات کی خدمت میں اس سے بھی پہلے درخواست پیش کردی گئی تھی۔ اور اندازہ تھا کہ چھ مہینے میں انشاء اللہ سارا کام ختم ہو کر رجب یا شعبان ۱۳۵۹ھ تک یہ نمبر شایع ہوسکے گا۔ لیکن اولاً کچھ تو مقالہ نگار حضرات کی طرف سے تاخیر ہوئی، پھر جمادی الاولیٰ میں اچانک میں علالت کا شکار ہوگیا جس نے دو مہینے تک کسی کام کے لائق نہیں رکھا، میری علالت کے شروع ہونے سے قریباً ایک مہینہ پہلے "الفرقان" کے ناظم اور دفتر "الفرقان" کے مہتمم مولوی محمد عطاء اللہ صاحب قاسمی بہاری اپنے چھوٹے جوان بھائی کی اطلاع وفات پر اپنے وطن (ضلع مونگیر) جاچکے تھے پھر اُن کے وہاں پہونچنے پر ان کے دوسرے چھوٹے بھائی اور دو بہنوں نے اُن کی موجودگی ہی میں اس دُنیا کو "خیرباد" کہا (اللہ تعالے ان سب مرحومین کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے) ان پے در پے حوادث نے کچھ دنوں کیلئے اُن کو بالکل بیکار کردیا اور پورے پانچ مہینے کے بعد وہ واپس تشریف لاکر اپنا کام سنبھال سکے ——— غرض میری اس علالت اور اُن کی اس طویل غیبوبت نے سارے کام اور پروگرام کو درہم برہم کردیا۔ تاہم علالت نے جونہی مجھے مہلت دی اپنی نقاہت کے باوجود میں پورے انہماک سے اس نمبر ہی کی ترتیب اور تیاری کے کاموں میں لگ گیا لیکن کام کی کثرت اور اپنی کمزوری اور پھر تنہائی کی وجہ سے ہر کام اندازہ سے موخر ہوتا گیا۔ تاآنکہ اس نمبر کی اشاعت کے متعلق آخر ذیقعدہ یا شروع ذی الحجہ کا جو اعلان شعبان کے رسالہ میں کیا گیا تھا اور جو متعدد اعلانوں کے بعد گویا "آخری اعلان" تھا وہ بھی غلط ہوگیا۔ اور اب آخر ذی الحجہ میں اس کی طباعت مکمل ہوسکی ہے ——— جس حالت میں یہ پیش ہو رہا ہے اگر آپ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھ لیں اور آپ کی زحمت انتظار کو بھلادینے یا اس کی تلافی کردینے میں یہ کامیاب ہو جائے تو میں سمجھونگا کہ گناہ کا بار مجھ پر نہیں رہا ——— ورنہ میں مجرم ہی ہوں اور اس صورت میں صرف آپ کی محبت ہی سے معافی کی درخواست کرسکتا ہوں۔

الفرقان نوازوں کا شکریہ:-

مقالات نگار حضرات وغیرہ کا شکریہ "نگاہ اولیں" کے ذیل میں ادا کیا جاچکا ہے لیکن ایک حیثیت سے میری تشکر و امتنان کے سب سے زیادہ مستحق "الفرقان" کے وہ ناظرین کرام ہیں جنکی قدردانیوں اور الفرقان نوازیوں کے بل بوتے ہی پر باوجود اپنی بے سروسامانی اور بے مایگی کے ایسے نمبر شایع کرنے کی ہمت کرلی جاتی ہے، دوستوں کو معلوم ہے کہ "الفرقان" کے پاس نہ خود کچھ مایہ ہے بلکہ وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتا ہے اور اس نمبر کے سلسلہ میں مزید چار سو روپیہ کا مقروض ہوگیا ہے نہ دولتمندوں کی سرپرستی ہی حاصل ہے مالی حیثیت سے توکل علی اللہ کے بعد ہمارا ظاہری سہارا صرف ہمارے خریداروں کا چندہ ہے اس لحاظ سے اس نمبر کی تیاری میں ہمارے خریداروں کی خاص شرکت ہے اور بڑی موثر شرکت ہے اسلئے اپنے ان تمام احباب کا بھی میں خاص طور سے شکرگزار ہوں جو ہزار کوتاہیوں کے باوجود الفرقان سے اپنا تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں اور اسکی قدر فرماتے ہیں۔ والسلام

آپکا ممنون محبت ——— محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

ناظرین کرام سے

چند ضروری دفتری گزارشات

از ناچیز محمد عطاء اللہ قاسمی بہاری غفرلہ

(۱) کئی مہینے کی ہماری مسلسل محنتوں کا ثمرہ "شاہ ولی اللہ نمبر" پیش خدمت ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف !!

(۲) اس میں خالص مضامین کے صفحات چار سو آٹھ ہیں گویا الفرقان کے عام پرچوں کے لحاظ سے اس کی ضخامت آٹھ مہینے کے پرچوں کے برابر ہے لیکن کتابت چونکہ باریک و گھنی ہے اسلئے مضامین اس نمبر میں سال کے بارہ پرچوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں بایں ہمہ اس کو صرف تین ماہ (رمضان، شوال، ذی القعدہ) کے قایم مقام کرنیکا ارادہ تھا اور ذی الحجہ کا پرچہ الگ اس کے بعد نکالنے کا خیال تھا لیکن چونکہ ماہ ذی الحجہ بھی اب ختم ہو رہا ہے بلکہ غالباً شروع محرم میں یہ نمبر کہیں آپکے پاس پہنچ سکے گا اسلئے "مجبوراً" اب اس کو چار ماہ کے قایم مقام کر دیا گیا ہے ـــــ لہذا مستقل خریدار صاحبان اس کو چار مہینے (رمضان، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ) کا مشترک پرچہ سمجھیں گویا الفرقان کی ساتویں جلد (بابت ۵۹ھ) اس نمبر پر ختم ہو گئی، اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ۶۰ھ کا پرچہ آخر محرم تک آپ کی خدمت میں پہونچیگا اور وہ آٹھویں جلد کا پہلا پرچہ ہوگا۔

(۳) جن حضرات کی خریداری کا حساب ابتداء سال (ماہ محرم) سے شروع ہوتا ہے انکی مدت خریداری اس نمبر پر ختم ہو گئی لہذا آئندہ سال کیلئے وہ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر ممنون فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ حسب دستور ان کی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا جس کا وصول فرمانا ان کا اخلاقی فرض ہوگا ـــــ جن حضرات کو کسی مجبوری سے آئندہ خریدار رہنا منظور نہ ہو وہ براہ کرم فوراً ہی (زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ کے اندر) ایک کارڈ لکھ کر انکاری اطلاع دیدیں تاکہ دفتر الفرقان کو وی پی کی زیرباری نہ ہو۔

(۴) پہلے الفرقان کا ایک ارزاں ایڈیشن رف کاغذ پر بھی شایع ہوتا تھا جس کا سالانہ چندہ صرف عہ تھا چونکہ وہ کاغذ دیگر ممالک سے آتا تھا اسلئے جنگ کی وجہ سے بہت کمیاب ہو گیا ہے اس واسطے اس ایڈیشن کی اشاعت بند کر دی گئی ہے اور اب ڈیڑھ سال سے الفرقان صرف قسم اول (اچھے ہی کاغذ پر) شایع ہوتا ہے اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ ہے اور کاغذ کی بیحد گرانی کی وجہ سے فی الحال اسمیں کسی تخفیف و رعایت کی مطلق گنجایش نہیں ہے، نیز اس وقت دفتر الفرقان میں کم استطاعت حضرات کیلئے مدِ خیر کی کوئی رقم بھی جمع نہیں ہے لہذا چندہ میں تخفیف کی فرمایش سے ہم کو شرمندہ نہ فرمائیے ـــــ اس اعلان کے بعد جو حضرات تین روپیہ سے کم چندہ ارسال فرمائیں گے انکا منی آرڈر مجبوراً واپس کر دیا جائیگا۔

(۵) جن حضرات کی خریداری کا سلسلہ اس "ولی اللہ نمبر" ہی سے شروع ہو رہا ہے ان کی خریداری ماہ رمضان سے محسوب ہوگی اور اس لحاظ سے اُن کا حساب شعبان ۶۰ھ پر ختم ہو جائیگا۔ اُن حضرات کو خاص طور سے نوٹ کر لینی چاہیے۔

(۶) خواہ آپ منی آرڈر روانہ فرمائیں یا دفتر کو کوئی اطلاع دیں بہر حال اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیے۔ اس معاملہ میں آپ کا ذرا سا تغافل ہمارے لیے بڑی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور بسا اوقات اندراجات میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے ہمیشہ جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیے ورنہ عدم جواب کی شکایت معاف !!

ناظم الفرقان بریلی

(یو۔پی)

چندہ سالانہ الفرقان
تین روپے
سے

ممالک غیر سے
سات شلنگ
فی پرچہ ۵

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

فہرست مضامین

شاہ ولی اللہ نمبر "الفرقان" بریلی

جلد ۷ | بابت ماہ رمضان و شوال و ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲

فہرست حصہ نثر

فہرست حصۂ نظم

نمبر کے تین مقالے کتابی شکل میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، اور مولانا سندھی کے مضامین اس نمبر کے خاص اور اہم مقالے ہیں۔ جن کی علمی طبقوں میں زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے اسی خصوصی اہمیت کے پیش نظر ان کو علحدہ علحدہ کتابی شکل میں بھی تیار کرایا جارہا ہے قیمتوں کی تفصیل یہ ہے:۔

مولانا سندھی کا مقالہ "ولی اللّٰہی حکمت کا تعارف"۔ ۹ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت ۸/

مولانا گیلانی کا مقالہ "آغوش موج کا در تابندہ"، ۱۳۶ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت ۱۰/

مولانا مودودی کا مقالہ "منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہؒ کا مقام"۔ ۹۰ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت چھ آنے ۶/

تینوں مقالوں کی مجموعی رعایتی قیمت عمہ

یہ تینوں مقالے کتابی شکل میں انشاء اللہ اس مہینے کے آخر تک تیار ہو جائیں گے اور آخر ماہ محرم میں شائقین کو روانہ کیئے جاسکیں گے لیکن کاغذ کی گرانی اور اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے ان کی صرف ڈھائی سو کاپیاں تیار کرائی جارہی ہیں لہذا جو صاحب طلب فرمانا چاہیں جلد ہی آرڈر دیدیں ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نسخے بہت جلد ہاتھوں ہاتھ نکل جائینگے۔ المعلن:۔ ناظم مکتبہ الفرقان بریلی

بسم اللہ
الولی العزیز الرحیم

سویدائے دل یابی اندر پیچ و تاب ایں[1]
نقوش عالم اُمّ الکتابش میتواں گفتن

(حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

[1] یہ شعر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ہی کا ہی اور حسن اتفاق سے اس نمبر پر اس قدر چسپاں ہی کہ گویا حضرت ممدوح نے عالم الہام میں اس نمبر ہی کیلئے کہا ہی ہم نے اس میں اتنا تصرف کیا ہی کہ پہلے مصرع کی آخر میں "او" تھا اُس کے بجائے "ایں" کر دیا گیا ہی (نعمانی غفرلہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نگاہِ اوّلیں

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

آنانکہ ز آدمی بہمی رستند | با نجم انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں میجو | دروازۂ فیض قدس ایشاں ہستند

(حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

اب سے قریبًا دو سال پہلے "الفرقان" کا "مجدد الف ثانی نمبر" شایع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، جس کے ذریعہ خدا کے ایک مقبول بندے اور "مبعوث مجدد"[1] حضرت شیخ احمد سرہندی (قدس سرہ) کا کام اور پیغام چودھویں صدی کے اُن مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا جو اس وقت اوپر قسم کے جاہلی فتنوں میں گھر رہے ہیں اور گھرتے چلے جا رہے ہیں جس قسم کے فتنوں کو شکست دینے کیلئے ہی حضرت ممدوح کو بحیثیت مجدد قدرت کی جانب سے کھڑا کیا گیا تھا اور ان فتنوں کے طوفان سے اسلامی ہند کو بچا لینا ہی حضرت کا وہ خاص کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آپ کا نام ہی اسلامی تاریخ میں "مجدد الف ثانی" ہے۔

آج اُس سے دو سال کے بعد "شاہ ولی اللہ نمبر" شایع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کے ذریعہ ہم نے دورِ حاضر کے مسلمانوں کے سامنے اُس "چراغ ہدایت" کی روشنی کو پیش کرنا چاہا ہے جو اب سے قریبًا سوا دو سو برس پہلے قدرت کی طرف سے اس ہندوستان میں اُس وقت روشن کیا گیا تھا جب سلطان اسلام غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد چاروں طرف سے نہایت مہیب فتنوں کے بادل اسلامی ہند کی طرف کو اُٹھ رہے تھے اور اس ابتلائی اسبابی دور میں اپنی غفلت کیشیوں اور بداعمالیوں کا خمیازہ بھگتنے کے لئے کفر کی طاقتوں سے زیر ہو جانا ہندی مسلمانوں کیلئے طے ہو چکا تھا۔

یہ چراغ ہدایت، اس دورِ اخیرہ کے امام بارھویں صدی کے مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا وجود مسعود تھا جس نے کتاب و سنت کی صحیح معرفت، خداوندی الہام اور ایمانی بصیرت، ملاء اعلیٰ کی اعانت اور مجددانہ فراست کی مدد سے وہ روشنی پیدا کی جو دو صدیاں گزر جانے پر آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔

---

[1] فی الحدیث "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد)

نمبروں کے اس سلسلہ سے ہماری غرض:-

"خاص نمبر" نکالنے کی رسم اگرچہ فی زمانا ایک مبتذل اور بے مقصد "رسم" بن چکی ہے اور اب عموماً ادائیگی رسم کے علاوہ اگر اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے تو بس یہی کہ "صحافت کی دوکان" کو چندنئے قمقموں اور جاذب نظر تصویروں سے سجا کر تجارت کو فروغ دیا جائے — اور کوئی شک نہیں کہ ان حضرات کا یہ مقصد بڑی حد تک پورا بھی ہو جاتا ہے مجھے معلوم ہے اور ہر واقف کار کو معلوم ہوگا کہ جن مشہور رسائل کے "خاص نمبر" اور "سالنامے" اچھی شان والے ان بان سے نکلتے ہیں ان کے تمام مصارف صرف "اشتہاروں" کی اجرت سے پورے ہو جاتے ہیں اور جو قیمت اپنے خریداروں سے ان کو وصول ہوتی ہے وہ انکا "خالص نفع" ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں کا حال اس بارہ میں جو کچھ ہے اس کا اندازہ آپ حضرات خود بھی فرما سکتے ہیں۔ اس نمبر میں ایک پیسہ کی اجرت کا کوئی اشتہار نہیں ہے، قریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ اس پر لاگت آئی ہے، مستقل خریدار صاحبان کو یہ چار مہینے کے پرچوں کے بدلہ میں جائیگا قریباً ایکسو ایسے حضرات کو جائیگا جنھوں نے صرف اس نمبر کیلئے ڈیڑھ روپیہ پیشگی بھیجدیا ہے اس کے بعد ایکسو سے کچھ کم رسالے بچ رہینگے جو حسب اعلان سابق دو روپیہ کے حساب سے بعد میں منگوانے والے حضرات کو دیئے جا سکیں گے، اب یہ حساب آپ حضرات خود لگا سکتے ہیں کہ اس اعتبار سے ہم کو کس قدر "نفع" ہوگا یا کتنا خسارہ — لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے انشاء اللہ اس میں خسارہ کا کوئی احتمال ہی نہیں، اگر حق جل جلالہ ہماری اس محنت کو قبول فرمالیں اور اس سلسلہ سے ہم مسلمانوں میں جو روح پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کسی درجہ میں بھی پیدا ہو جائے تو ہم مالا مال ہیں اور الحمد للہ کہ یہی ہمارے نزدیک نفع اور نقصان کا واحد معیار ہے۔

دراصل نمبروں کے اس سلسلہ سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس طرح ہم اپنے اُن مجددین اور مصلحین امت کے کارناموں کو روشن اور ان کی ہدایتوں کو زندہ کر کے مسلمانان حال کے سامنے پیش کر سکیں جنھوں نے بگڑے ہوئے ہندوستان ہی میں اقامت دین، احیاء سنت اور اشاعت کتاب و سنت کے سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جن کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمان آج تک اس ملک میں باقی ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام کیلئے جو کچھ اور جیسا کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے بحیثیت مجموعی دوسری جگہ نہیں ہو رہا — درحقیقت یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب طفیل اور صدقہ ہے ہمارے اُن ہی مقدس بزرگوں کا جن کے ناموں کو تو ہم نے ناموں کی حد تک ضرور یاد رکھا ہے اور خوب یاد رکھا ہے۔ لیکن ان کے کاموں اور پیغاموں کو ایسا بھلا یا گیا ہے کہ بیچارے عوام و ہر کتا رخواص تک ناواقف ہیں۔

ہم نے اس سلسلہ کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے شروع کیا ہے کیونکہ بقول حضرت امام ربانی رحؒ ہزارہ دوم کی آغاز ہی سے یہاں دین کی "غربت" اور "جاہلیت" کے غلبہ کا خاص دور شروع ہوا ہے اور ہندوستان میں تجدیدی نوعیت کا کام وہیں سے شروع ہوتا ہے [اس سے پہلے یہاں دین کی خدمت کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر ہمارے ناظرین مولانا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور کے اس سلسلۂ مضامین میں ملاحظہ فرما رہے ہیں جس کا نصف حصہ پچھلے دو سال میں قسطوار الفرقان میں شایع ہو چکا ہے اور باقی انشاء اللہ آئندہ شایع ہوگا، نیز اس عہد کی اجمالی تاریخ اسی نمبر میں مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کے مقالہ میں بھی آگئی ہے]

بہرحال اس ملک میں تجدیدی نوعیت کا کام چونکہ ہمارے خیال میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ہی سے شروع ہوا ہے اسلئے ہم نے اپنے نمبروں کا سلسلہ بھی وہیں سے شروع کیا ہے۔ "مجدد الف ثانی نمبر" ہمارے اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، ہم کو بیحد مسرت ہے کہ علمی حلقوں میں وہ ہماری توقعات سے زیادہ

قبول ہوا، بہت زیادہ پڑھا گیا اور ہندوستان کے علمی طبقہ پر اس نے اپنا ایک خاص اثر ڈالا

اسی سلسلہ کی یہ دوسری کڑی "شاہ ولی اللہ نمبر" ہے جو اس وقت آپکے زیر نظر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جو کچھ اسکے متعلق سوچا گیا تھا اور اعلانوں میں جو وعدے کئے گئے تھے الحمدللہ کہ ان کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہے۔

نمبر کے مضامین کے متعلق چند کلمات:-

اس نمبر میں چند مقالات ایسے ہیں جن پر مجھے مستقل تقریبی نوٹ لکھنے چاہیئے تھے، اور ارادہ تھا کہ "نگاہ اولیں" کے ذیل میں ہر ہر مضمون کے متعلق پوری تفصیل سے اظہار خیال کرونگا۔ مگر اتفاق کہ اب صفحات میں اس کے لئے کم سے کم بھی گنجائش نہیں ہے ـــ اس کمی کے پورا کرنیکے لئے دس بیس صفحہ کا مزید اضافہ کچھ مشکل نہ تھا لیکن اس وقت جو رسالہ آپکے ہاتھ میں ہے اگر اس پر ایک ورق کا بھی اور اضافہ کیا جائے تو علاوہ مصارف طباعت وغیرہ کے رسالہ پر محصول ڈاک بھی ڈیوڑھا لگ جائیگا اور اس طرح قریباً چالیس روپے کا صرف ڈاک خرچ اور بڑھ جائیگا لہٰذا محض اس غرض کیلئے ضخامت میں مزید اضافہ کی اب ہمت نہیں کی جاسکی ـــ علاوہ ازیں اصل مقالات آپکے سامنے ہیں اور شاید یہی زیادہ اچھا ہو کہ بجائے "عطار" کی زبان سے سننے کے اس کے پیش کردہ "مشک و گلاب" کو آپ خود ہی سونگھ کر دیکھ لیں ـــــ پھر بھی چند کلمات عرض کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں ـــ سو پہلی بات تو یہ ہے کہ مضامین کی ترتیب میں نہ تو مضامین کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ مضامین نگار حضرات کے مراتب و درجات کا، بلکہ صرف کتابی ترتیب کے لحاظ سے مقالات کو مقدم یا موخر کیا گیا ہے ـــ یعنی اگر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ پر کوئی مستقل کتاب لکھی جاتی تو جو ترتیب اس کے مضامین کی ہوتی اسی کے لحاظ سے اس نمبر کے مقالات کو ترتیب دیا گیا ہے

شروع میں میری معروضات کے بعد متصلاً حضرت مولانا سید حسین صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کا ارشاد گرامی اور اس کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر "صدق" لکھنؤ کا ایک گرامی نامہ ہے ــــــــ اس کے بعد پہلا مقالہ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کا ہے جسمیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر تبصرہ کیا گیا ہے گویا اس مقالہ کا تعلق صرف "اسلامی ہند" ما قبل شاہ صاحب" سے ہے، اسی واسطے اسکو سب مقالوں سے مقدم رکھا گیا ہے، اس مقالہ کو کس قدر محنت اور قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کرسکتے ہیں جن کو اس قسم کے کاموں سے واسطہ پڑتا ہے اور اس لئے وہی اس کی صحیح قدر بھی کرسکینگے۔

اس کے بعد دوسرا مقالہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور کا ہے جسمیں مولانا ممدوح نے "حقیقت تجدید" اور "منصب مجددیت" کے متعلق اصولی بحث فرمانیکے بعد "اسلام میں تجدید کی تاریخ" پر اپنے مخصوص محققانہ انداز میں تبصرہ فرمایا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں جو کام پہلے نہیں ہوا اور آج اسکی ضرورت ہے اسکو بھی انھوں نے اپنے عندیہ کے مطابق پوری جرأت سے پیش کر دیا ہے، محترم مولانا کی مقالہ کا یہ حصہ عصر حاضر میں خدمت دین کا صادق جذبہ رکھنے والوں کیلئے خاص طور پر قابل غور ہے اگرچہ اسکے بعض حصے بہتوں پر زیادہ گراں گزریں گے لیکن اسکے باوجود انکو یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دین کا ایک خادم کی رائے ہے ان چیزوں پر غور کر لینا چاہئے، صرف تاثر، ناراضی، گرانی اور ناگواری سے مشکلیں حل نہیں ہوسکتیں اور کام چل نہیں سکتا ـــ خود راقم سطور کو بھی اس کے بعض اجزاء سے پورا اتفاق نہیں ہے تاہم ان کے ان افکار پر بار بار ہم کو غور کرنا اور ٹھنڈے دل اور آزاد ذہنیت سے غور کرنا چاہئے عسیٰ ان تکرھو شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم"

تیسرا مقالہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ کا ہے ناظرین الفرقان کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ بالخصوص مقبولین بارگاہ الٰہی کی سیرت نگاری میں

مولنا ممدوح ایک نرالے طرزِ نگارش کے مالک بلکہ موجد ہیں خود مولنا ہی کی اصطلاح میں اگر یہ کہا جائے کہ اس خاص موضوع پر وہ جب لکھتے ہیں تو دماغ سے نہیں بلکہ دل سے لکھتے ہیں اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دماغی افکار کو نہیں بلکہ قلبی کیفیات و واردات کو ثبت کرتے چلے آتے ہیں، تو یہ تعبیر انشاء اللہ حقیقت سے بہت قریب ہوگی ــــ یہ مقالہ بھی مولنا کا اسی قبیل سے ہے ــــ اس میں آپ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی ماحول اور اس عہد کے انقلابی وقائع کو کافی تفصیل سے لکھنے کے بعد آپ کے کام کو عہدِ حاضر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ راہِ عمل کے انتخاب اور پھر عملی سرگرمیوں میں اُس سے روشنی حاصل کر سکیں، اس سلسلہ میں بعض عصری نظریات کی موافقت یا مخالفت میں بھی ممدوح کو اپنی رائے ظاہر کرنی پڑی ہے اور شدتِ احساس کی وجہ سے اس میں کہیں کہیں کچھ تیزی بھی آگئی ہے لیکن اس کے متعلق جو نوٹ خود انھوں نے آغازِ مضمون میں لکھدیا ہے اس کے بعد کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے البتہ ایک وجگہ محترم مولنا نے وقت کے اقتصادی مسئلہ کی اہمیت کو بہت زیادہ گرا دیا ہے ــــ اس بارہ میں آج کل جو "افراط" ہو رہا ہے اس کے ردِّ عمل کے طور پر اگرچہ اس "تفریط" کیلئے جواز نکل سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی سے اس مسئلہ کا جو واقعی اور حقیقی تعلق ہے اس کو تسلیم کر کے اُس کا صحیح حل پیدا کرنا ہمارا فرض اور دینِ اسلام کا اہم باب ہے، اور شاید اس نکتہ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اسلام کے کسی عالم اور مصنف نے نہیں سمجھا ہے جیسا کہ حجۃ اور بدور کے ابواب ارتفاقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال مولنا محترم کا یہ مقالہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کام اور اُس زمانہ کے احوال پر سب سے زیادہ مبسوط اور جامع مقالہ ہے، درمیان درمیان میں بہت سے ایسے علمی اور تاریخی افادات بھی آگئے ہیں جن سے ہمارے علمی اور خصوصاً درسی حلقے بہت کچھ روشنی اور بصیرت حاصل کر سکتے ہیں ــــ الفرقان کی خوش نصیبی ہے کہ اُس کو محترم مولنا کی خصوصی نظرِ عنایت و التفات حاصل ہے ورنہ اتنے بسیط اور پھر ایسے مقالہ کیلئے جو مختلف کتابوں کے ہزاروں صفحات کی اُلٹ پلٹ کے بغیر نہیں لکھا جا سکتا کون اپنا اتنا وقت قربان کر سکتا ہے فاحسن اللّٰہ الیہ فی الدنیا والآخرۃ کما احسن الینا وجزاہ عنا احسن ما یجزی بہ المحسنین

اسکے بعد چوتھا مقالہ حضرت مولنا عبید اللہ سندھی مدظلہ کا ہے جس میں آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی "حکمت" کا تعارف کرایا ہے اور قرآن، حدیث، فقہ، اور تصوف سے متعلق علوم میں شاہ صاحب نے جو تجدید فرمائی ہے اور ان ابواب میں آپکے جو خاص افکار ہیں ان کو مولنا نے اپنی تحقیق کے مطابق اس مقالہ میں پورے طور پر پیش فرمایا ہے ــــ میں یہاں صفائی کے ساتھ یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مولنا ممدوح جب ہندوستان واپس آئے تو یکے بعد دیگرے چند چیزیں انکی طرف سے ایسی پریس میں آئیں جنکی وجہ سے خود مجھے مولنا کی علمی یا سیاسی حیثیت کے متعلق کچھ زیادہ حسن ظن نہیں ہے اس کے باوجود چونکہ عہدِ حاضر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کے مولنا ہی سب سے بڑے علمبردار اور داعی ہیں اس لئے میں نے "ولی اللہ نمبر" کیلئے آپ سے مقالہ کی درخواست کی تاکہ ہم جیسے لوگوں کو بھی معلوم ہو سکے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے جس فلسفہ کی طرف وہ دنیا کو دعوت دے رہے ہیں انکی تحقیق میں وہ کیا ہے اور جو پروگرام ایک سیاسی مفکر ہونیکی حیثیت سے وہ ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کا اُس فلسفہ سے کیا ربط ہے۔ میں بیحد ممنون ہوں کہ مولنا نے میری پہلی ہی درخواست پر یہ مقالہ بطور املاء قلمبند کرا کے مرحمت فرما دیا، اس مقالہ کو مکرر سہ کرر مطالعہ کے بعد چند جگہ اختلافِ رائے کے باوجود مجھے مولنا کی علمی حیثیت کا کافی حد تک قائل ہو جانا پڑا۔ یہ مقالہ مجھے مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں مل گیا تھا جولائی میں یکلخت میں بسترِ علالت پر پڑ گیا اور دو تین مہینے پڑے پڑے کتابیں دیکھنے کے سوا کوئی کام نہ کر سکا اس عرصہ میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی کتابیں ہی میرے زیرِ مطالعہ رہیں اور یہ مطالعہ جتنا بڑھتا گیا حضرت مولنا سندھی کے اس مقالہ سے میرا اختلاف بھی اسی نسبت سے کم ہوتا گیا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مقالہ کے بعض مقامات کا صحیح مطلب میں شاہ صاحب کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی سمجھ سکا۔ پھر بھی چند مقامات ایسے رہے جہاں مولنا کے فکر سے میں متفق نہ ہو سکا ــــ

یہاں تک کہ ذیقعدہ کے آخری اور ذی الحجہ کے پہلے ہفتہ میں اس نمبر ہی کی تیاری کے سلسلہ میں مجھے بارہ[12] چودہ[14] دن دہلی رہنا پڑا اس عرصہ میں چند طویل صحبتوں میں

مولانا کے افکار و نظریات کو خود مولانا ہی کی زبان سے پوری تفصیل سے سننے کا موقع ملا تو اپنے خیالات میں مجھے بہت کچھ ترمیم کرنی پڑی اور مقالہ کے بعض مقامات اس بالمشافہہ گفتگو کے بعد سمجھ میں آئے، اور مستقل فیصلہ کرنا پڑا کہ مولانا جو کچھ فرماتے ہیں بالخصوص جس سیاسی پالیسی کی طرف مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں اُس کی غایت و حقیقت خود مولانا سے سننے کے بعد آخری رائے قائم کرنی چاہیئے (حضرت مولانا معاف فرمائیں) اس باب میں اُن کا طرز عمل "ملامتیہ مشائخ" کے طریق سے بہت ملتا جلتا ہے۔ وہ بہت سی ایسی باتیں فرماتے ہیں جن سے خواہ مخواہ ہم جیسوں کو بھی وحشت بلکہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور جب اس کی حقیقت بیان فرماتے ہیں تو وہ اکثر و بیشتر تو قابل قبول ہوتی ہے ورنہ قابل برداشت تو ہوتی ہی ہے۔ وہ اپنی تعبیرات میں کسی ایک طبقہ کی استمالت کا اتنا لحاظ فرماتے ہیں کہ دوسرے طبقوں کی وحشت اور ان کے تنافر سے بالکل ہی "صرف نظر" فرما لیتے ہیں۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا مولانا نے نہایت گہرا مطالعہ فرمایا ہے اور وقت کے خاص مسائل کو ان کی روشنی میں حل کرنا مولانا کا خاص فن ہے مولانا خود چاہتے ہیں کہ اُن کے اس مطالعہ اور پچاس سالہ تجربات سے ذی استعداد اور صاحب واقفیت علماء فائدہ حاصل کریں اور اس کی بہترین صورت کم از کم مہینے دو مہینے ان کے پاس قیام کرنا ہے۔ دہلی میں "یادگار شیخ الہند" کے قیام سے اُن کا اصل منشا یہی ہے۔

مولانا کے مزاج میں اپنے خیالات کے بارہ میں ایک خاص قسم کا غیر معمولی تشدد ہے، استفادہ کا ارادہ رکھنے والے رائے کے اختلاف کے باوجود اگر دو چار دن بھی اس کو برداشت کر سکے (اور برداشت کرنا چاہیئے) تو وہ اپنی رائے پر قایم رہتے ہوئے بھی مولانا سے بہت کچھ حاصل کر سکیں گے ——— نیز مولانا کے افکار و خیالات میں کہیں کہیں بے نظمی اور ناہمواری بھی محسوس ہوگی جو نتیجہ ہے غالباً خاص قسم کے حالات کا لیکن صاف اور سلجھی ہوئی ذہنیت رکھنے والا شخص مولانا سے مسلسل استفادہ کے بعد ان افکار کو مرتب کر کے ایک منظم پروگرام اور واضح پالیسی مرتب کر سکے گا۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اپنے ذاتی تجربہ کے بعد لکھا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

مولانا کے "مقالہ" کے متعلق چند ضروری نوٹ اس کے شروع میں بھی لکھ دیئے گئے ہیں وہ وہاں ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

یہاں دو باتیں مولانا کی زبانی ہدایت کے مطابق خود مولانا ہی کی طرف سے اور عرض کرنی ہیں:-

مولانا کا ارشاد ہے کہ جن دیانت دار اہل علم کو میرے مضمون کے کسی حصہ سے اختلاف ہو وہ مجھ سے مل کر سمجھنے کی کوشش کریں "تحریر بازی" کے پھیر میں نہ پڑیں میں اس قسم کی کسی چیز کا جواب تحریر سے نہیں دونگا۔ نیز مولانا کا اعلان ہے کہ جو بات میں ایسی کہوں جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ اور اُن کے مستفیضین تا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے یہاں نہ دکھا سکوں میں اس کو ہر وقت واپس لینے پر تیار ہوں، میں ان اکابر کے علوم سے باہر نہیں جاتا اگر فرق ہوتا ہے تو صرف تعبیر کا۔ (انتہی بلفظہ)

حضرت مولانا سندھی کے بعد پانچواں مقالہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا ہے اور جیسا کہ اُس کے ابتدائی سطور میں تصریح بھی فرما دی گئی ہے وہ انتہائی عدیم الفرصتی کی حالت میں صرف میری درخواست بلکہ میرے اصرار پر لکھا گیا ہے اسی لیے مختصر ہے لیکن اس کے باوجود افادہ کے لحاظ سے مختصر نہیں ہے میں سید صاحب مدظلہ کا بیحد ممنون ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ ممدوح کو کم سے کم فرصت بھی نہ تھی میری درخواست کو

روانہ فرمایا، اور مجھے اُمید ہو کہ حضرت شاہ صاحب ؒ پر جو کچھ اور جس تفصیل سے لکھنے کو خود آپکا جی چاہتا تھا انشاء اللہ کسی فرصت میں وہ بھی ہیں لکھوں گا
باللہ الموفق !

سید صاحب مدظلہ کے اس مقالہ کے بعد ہمارے محترم دوست اور علمی بھائی مولٰنا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے و فاضل دیوبند کا مقالہ ہے جس میں آج کل کی ایک عام غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے آپ نے یہ واضح فرمایا ہو کہ شاہ صاحبؒ کا اصلی مقام ایک "صاحب عزیمت مجدد دین و ملت" کا ہے نہ کہ ایک اصطلاحی "انقلابی" کا اگر یہ مقالہ اس نمبر میں نہ ہوتا تو یقیناً ایک بڑی کمی رہ جاتی۔

اس کے بعد ہمارے محترم اور مخلص ترین دوست مولٰنا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا مقالہ ہو جس میں اسلام کی تصنیفی تاریخ پر ایک بصیرت افروز تبصرہ کے بعد اسلامی مصنفین کی صف میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام دکھلایا گیا ہے ——— موصوف اس مقالہ کو اس سے بہت زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے تھے لیکن ٹھیک اُس وقت جبکہ آپ نے اس کے لکھنے کے لیئے قلم اُٹھایا یکلخت علیل ہوگئے اور اسی حالت میں میرے تقاضوں سے مجبور ہوکر یہ مضمون لکھا جو اُن کے نزدیک بہت مختصر اور ناکافی ہو لیکن دوسروں کی نظر میں انشاء اللہ کافی ہی ہوگا اور فی الحقیقت بھی وہ کافی ہی ہو۔

اس کے بعد مولٰنا اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ کا مقالہ ہو جس میں آپنے بتلایا ہو کہ ہندستانی علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو امتیازی شان اور ایک خاص رنگ نظر آتا ہو تو اس میں خود ان کی ذاتی صلاحیتوں اور جہادی بصیرتوں کے علاوہ اس کا بھی اثر ہو کہ موصوف کو علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا اور انھوں نے آپ پر اپنا خاص اثر ڈالا، یہ مضمون بصورت موجودہ اگرچہ مختصر ہو لیکن شاہ صاحب اور امام ابن تیمیہ کی کتابوں کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے بعد اس کو بہت زیادہ پھیلایا جاسکتا ہے نیز اُس باریک فرق کو بھی معلوم کیا جاسکتا ہو جو اس استفادہ کے باوجود شاہ صاحب اور علامہ موصوف کے نظریات میں ہے کہ علامہ کے یہاں "ظہر" کا غلبہ ہے اور شاہ صاحب کے یہاں "بطن" بھی اپنی پوری تجلیوں کے ساتھ موجود ہے۔

اس کے بعد مولٰنا ابوالنظر رضوی امروہوی کا مقالہ ہے، موصوف بھی اُن اہل علم و نظر میں سے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں سے خاص اعتناء اور اشتغال رکھتے ہیں۔ آپ نے اس نمبر کے لیئے دراصل ایک اور مقالہ لکھا تھا جو قریباً ۳۰-۳۲ صفحات کا تھا لیکن اُسمیں چند بحثیں بہت غامض تھیں اور بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو قطع نظر اختلاف و اتفاق سے میرے خیال سے وہ عام اسٹیج پر لانے ہی کی نہ تھیں اور عام طبقہ میں اُن سے بہت سی غلط فہمیوں کا اندیشہ تھا اس لیئے میں نے موصوف سے اس پر نظر ثانی اور ترمیم کی درخواست کی مولٰنا نے اس کے بجائے یہ دوسرا مستقل مقالہ سپرد قلم فرماکر روانہ فرمادیا اور اُس کو واپس منگوالیا، مجھے اس پہلے مقالہ کے شایع نہ ہوسکنے پر خود افسوس ہو لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اب مولٰنا کا جو مقالہ شایع ہو رہا ہے یہ بہت مختصر ہو اور جیسا کہ موصوف نے اپنے گرامی نامہ میں لکھا تھا میرے خط کے پہونچنے پر اسی مجلس میں قلم برداشتہ لکھدیا ہے، مولٰنا کی اس مکرر عنایت کا میں تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

اس کے بعد مولٰنا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری اور محترمی مولٰنا خیر محمد صاحب جالندہری کے دو مقالے ہیں جن میں "تقلید" اور "حنفیت" کے متعلق حضرت شاہ صاحب کے طرز عمل اور تحقیق سے بحث کی گئی ہو۔ ناچیز راقم سطور کی اس باب میں جو رائے ہو وہ اپنے مختصر مضمون میں ظاہر کردی گئی ہے جو ان مقالوں کے بعد متصلاً ہی درج ہو اور اسی پر مضامین کا یہ سلسلہ ختم ہو۔

میرا اصل مقالہ درحقیقت میں نے اس نمبر کے لئے جو مقالہ قریباً آٹھ دس مہینے کے مطالعہ اور محنت کے بعد شاہ صاحب رہ کے سوانح و علمی خدمات اور آپ کی مساعی تجدید و ارشاد پر پورے بسط و تفصیل سے لکھا تھا وہ جو اس نمبر کے قریباً ڈیڑھ سو صفحات میں سماتا، نمبر کی ضخامت اندازہ سے بڑھ جانے اور اس سے زیادہ ضخامت کا انتظام نہ کر سکنے کی وجہ سے اُس کو روک لینا پڑا۔ دوسرے حضرات سے جو مقالات حاصل کیے گئے تھے اُن میں سے کسی کا روکنا میں نے اخلاقاً اچھا نہ سمجھا نیز میں نے اپنے مقالہ کو کسی دوسرے مقالہ پر ترجیح کے قابل بھی نہیں سمجھا اس لئے اسی کو روک لیا، لیکن اب اس اتفاقی مجبوری میں ایک خیر کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ اس نمبر میں حضرت شاہ صاحب اور آپ کے علوم و خدمات کے تعارف کے سلسلہ میں بہت کچھ بلکہ سب کچھ آ جانے کے باوجود آپ کے اُن علوم کا حصہ کم آسکا جس کی ذی نماننا اسلامی دنیا کو شدید احتیاج ہے۔ میں نے اپنے اصل مقالہ میں قریباً سو صفحات پر آپ کی صرف اس قسم کی تعلیمات کے اقتباسات لیئے تھے لیکن چونکہ اس کی تیاری کے وقت صفحات کی محدود وسعت سامنے رکھ لی گئی تھی اس لیئے بہت سے مسائل میں پھر بھی اختصار سے کام لینا پڑا اور انتخاب جبکہ ایک اتفاقی مجبوری سے وہ مقالہ اشاعت سے رہ گیا تو اس کو اب از سرِ نو پھر سے ترتیب دینے کا ارادہ ہے اس طرح کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو مباحث اس "نمبر" میں کافی تفصیل سے آ گئے ہیں اُن کو تو اُس سے بالکل ہی نکال دیا جائے اور جو مضامین اس میں نہیں آسکے یا ناکافی درجہ میں آسکے ہیں اُن کو پورے شرح و بسط کے ساتھ لکھا جائے، بالخصوص تفسیر قرآن، شرح حدیث، تنقیح فقہ، تنقید تصوف مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی اعتقادی و عملی اصلاح، فلسفۂ و تشریع اسلام کے نظریۂ سیاسی اور نظام خلافت و امارت کی تشریح، اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر اقتصادیات کی تنظیم غرض ان تمام اہم مباحث پر حضرت شاہ صاحب رہ نے اپنی تصانیف کے ہزارہا صفحات میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے، ارادہ ہے کہ اختصار کی کسی کوشش کے بغیر اُس کے پورے پورے اقتباسات لیکر اس مقالہ کو ایک مستقل کتاب کر دیا جائے اور "الفرقان" کے دوسرے "شاہ ولی اللہ نمبر" کی حیثیت سے اس کو شایع کر دیا جائے۔ اب یہی طے کر لیا گیا ہے

ولی اللہ نمبر کی نظمیں۔

اس نمبر کے مقالات کا مختصر تعارف آپ سے کرایا جا چکا۔ ان مقالات کے علاوہ اس میں چند نظمیں بھی ہیں۔ ایک غیر شاعر جو شعر کے محاسن کو جانتا بھی نہ ہو اور جس نے عمر بھر میں سلیقہ کا ایک مصرعہ بھی موزوں نہ کیا ہو وہ نظموں کے متعلق اظہار خیال کیا اور کیونکر کرے —— اس فن سے اسکی اجنبیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ شعر کی دنیا کے مشاہیر سے بھی اس کو کوئی نیاز حاصل نہیں، جن چند حضرات کا منظوم کلام آپ اس نمبر میں پائیں گے اُن سے اس نمبر کے مرتب (راقم سطور) کا تعلق شناسائی صرف اس لیئے ہے کہ یہ حضرات شاعر ہونے کے ساتھ اس زمانہ کے اچھے مسلمان بھی ہیں اور ہم جیسوں کے ساتھ بس یہی رشتہ کسی کو ملا دیتا ہے —— بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا میں چونکہ فن شعر سے نابلد ہوں اس لیئے رائے دینے کا بھی حق نہیں رکھتا آپ خود ملاحظہ فرمائیں اور رائے قایم کرتے رہیں میرا فرض بس ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جن کی عنایت اور توجہ نے نمبر کی اس کمی کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالےٰ ان کو بہتر جزا دے۔

میرے برادر معظم مولٰنا محمد حسن صاحب بدر (فاضل دیوبند) کو حق تعالیٰ نے "استخراج تاریخ" کا خاص ملکہ عنایت فرمایا ہے جس سے ناظرین الفرقان ناواقف نہیں ہیں۔ آپ کی صحت چونکہ عرصہ سے اچھی نہیں رہتی اس لیئے اس سال "ولی اللہ نمبر" کی تاریخ کیلئے میں نے

عرض بھی نہیں کیا تھا مگر آپ نے اب سے کئی مہینے پہلے خود ہی وہ "تاریخیں" نکال کر بھیجدیں جو اس نمبر کے سب سے آخری صفحہ پر ناظرین کرام ملاحظہ فرمائینگے لیکن وہ سب ۱۳۵۹ھ اور ۱۹۴۰ء کے لحاظ سے ہیں اور اُس وقت اشاعت کے متعلق یہی اندازہ اور یہی اعلان بھی تھا، اب جبکہ آپ نے دیکھا کہ وہ دونوں گزر گئے تو فوراً ۱۹۴۱ء اور ۱۳۶۰ھ کی چند تاریخیں بھی نکال کر بھیجدیں جو ناظرین کرام ص۱۶ پر ملاحظہ فرمائینگے

ہاں بڑی ناسپاسی ہوگی اگر یہاں اُن حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کی مدد سے وہ چند فوٹو حاصل ہوئے جو اس نمبر میں ص۲۳ اور ص۲۴ کے درمیان آپ ملاحظہ فرمائینگے۔ پہلا فوٹو تو حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالرحیمؒ کے مزارات کا ہی یہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مدظلہ کے صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمٰن اور ان کے برادر خورد خلیل الرحمٰن صاحب کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہی۔

دوسرا فوٹو اکبر آبادی مسجد کا ہے جو آثار الصنادید کے مطبوعہ نسخے سے لیا گیا ہی اور اس کے لئے میں مولوی عبدالمجید صاحب مالک کتب خانہ رشیدیہ دہلی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنے نسخہ سے یہ فوٹو حاصل کرنے کی اجازت دی۔ تیسرا فوٹو حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا پٹنہ کے کتب خانہ سے محترمی مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے اور چوتھا فوٹو دیوبند کے کتب خانہ سے مولوی سید محبوب صاحب رضوی نے اپنے ہی اہتمام سے تیار کراکے بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے۔

میری مثال۔

اب یہ نمبر جس حالت میں آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہی ترتیب اور انتظام اشاعت یا چند مختصر نوٹوں کے سوا میری کوئی خاص محنت اس میں شریک نہیں ہی، آخر میں ایک مختصر سا مضمون صرف ۲۴ صفحے کا ضرور میرا لکھا ہوا ہی لیکن جیسا کہ میں نے خود اس کے تمہیدی نوٹ میں عرض کر دیا ہی اس کی حیثیت "انگلی کٹوا کے شہیدوں میں نام لکھوانے" سے زیادہ کچھ نہیں ہے ــــ پس میری مثال اس وقت اُس مالی کی سی ہے جو مختلف باغوں اور مختلف درختوں کے پھول چُن لاتا ہی اور ایک خاص ترتیب سے سجا کر گلدستہ کی شکل میں ان کو پیش کر دیتا ہی، جس طرح اس گلدستہ کے رنگ و بو میں اُس کی صناعی کو کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس نمبر کی خوبیوں میں میرا کوئی حصہ نہیں ہی اسلئے آپ کی بھی تحسین اور شکریہ کے مستحق فی الحقیقت صرف وہ حضرات ہیں جن کی محنتوں نے اس کو اتنا مکمل کیا ہی ـــ اور میں بھی انہی کا شکرگزار ہوں اور کھلے دل سے معترف ہوں کہ

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح! تری مہربانی

میری آرزو اور حضرات اہل علم سے ایک خاص التجا:۔

کاش میرے پاس وافر سرمایہ ہوتا تو میری آرزو تھی کہ اس نمبر کے ہزاروں نسخے بلا قیمت اُن علماء اور مدارس عربیہ کے اُن طلبہ تک پہنچا سکتا جو اپنی بے مقدوری یا "بے نیازی" کے باعث اس کو حاصل نہیں کر سکیں گے یا حاصل نہیں کریں گے لیکن افسوس کہ مالی حیثیت سے "الفرقان" کی بے سرو سامانی میں اس آرزو کیلئے کوئی گنجایش نہیں۔

گونڈل کاٹھیاواڑ کے ایک مخلص صاحب خیر دوست سے اس مد میں پچیس روپیہ ؏ اور دہلی کے ایک صاحب خیر بزرگ کے پندرہ ؏

عرض بھی نہیں کیا تھا مگر آپ نے اب سے گئی مہینے پہلے خود ہی وہ "تاریخیں" نکال کر بھیجدیں جو اس نمبر کے سب سے آخری صفحہ پر ناظرین کرام ملاحظہ فرمائینگے لیکن وہ سب ۱۳۵۹ھ اور ۱۹۴۰ء کے لحاظ سے ہیں اور اُس وقت اشاعت کے متعلق یہی اندازہ اور یہی اعلان بھی تھا، اب جبکہ آپ نے دیکھا کہ وہ دونوں گزر گئے تو فوراً ۱۹۴۱ء اور ۱۳۶۰ھ کی چند تاریخیں بھی نکال کر بھیجدیں جو ناظرین کرام ص۱۶ پر ملاحظہ فرمائینگے

ہاں بڑی ناسپاسی ہوگی اگر یہاں اُن حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کی مدد سے وہ چند فوٹو حاصل ہوئے جو اس نمبر میں ص۲۳ اور ص۲۴ کے درمیان آپ ملاحظہ فرمائینگے۔ پہلا فوٹو تو حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالرحیمؒ کے مزارات کا ہی یہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مدظلہ کے صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمٰن اور ان کے برادر خورد خلیل الرحمٰن صاحب کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہی۔

دوسرا فوٹو اکبرآبادی مسجد کا ہے جو آثار الصنادید کے مطبوعہ نسخہ سے لیا گیا ہی اور اس کے لیئے میں مولوی عبدالمجید صاحب مالک کتب خانہ رشیدیہ دہلی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنے نسخہ سے یہ فوٹو حاصل کرنے کی اجازت دی۔ تیسرا فوٹو حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا پٹنہ کے کتب خانہ سے محترمی مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے اور چوتھا فوٹو دیوبند کے کتب خانہ سے مولوی سید محبوب صاحب رضوی نے اپنے ہی اہتمام سے تیار کرا کے بھیجا ہے۔ اللہ تعالٰی ان سب حضرات کو جزائے خیر دے۔

میری مثال:-

اب یہ نمبر جس حالت میں آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہی ترتیب اور انتظام اشاعت یا چند مختصر نوٹوں کے سوا میری کوئی خاص محنت اس میں شریک نہیں ہی، آخر میں ایک مختصر سا مضمون صرف ۴۴ صفحے کا ضرور میرا لکھا ہوا ہی لیکن جیسا کہ میں نے خود اس کے تمہیدی نوٹ میں عرض کر دیا ہی اس کی حیثیت "انگلی کٹوا کے شہیدوں میں نام لکھوانے" سے زیادہ کچھ نہیں ہے — بس میری مثال اس وقت اُس مالی کی سی ہے جو مختلف باغوں اور مختلف درختوں کے پھول چُن لاتا ہی اور ایک خاص ترتیب سے سجا کر گلدستہ کی شکل میں ان کو پیش کر دیتا ہی، جس طرح اس گلدستہ کے رنگ و بو میں اُس کی صناعی کو کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس نمبر کی خوبیوں میں میرا کوئی حصہ نہیں ہی اسلیئے آپ کی بھی تحسین اور شکریہ کے مستحق فی الحقیقت صرف وہ حضرات ہیں جن کی محنتوں نے اس کو اتنا مکمل کیا ہی — اور میں بھی انہی کا شکرگزار ہوں اور کھلے دل سے معترف ہوں کہ

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح! تری مہربانی

میری آرزو اور حضرات اہل علم سے ایک خاص التجا:-

کاش میرے پاس وافر سرمایہ ہوتا تو میری آرزو تھی کہ اس نمبر کے ہزاروں نسخے بلاقیمت اُن علماء، اور مدارس عربیہ کے اُن طلبہ تک پہنچا سکتا جو اپنی بے مقدوری یا "بے نیازی" کے باعث اس کو حاصل نہیں کر سکیں گے یا حاصل نہیں کریں گے لیکن افسوس کہ مالی حیثیت سے "الفرقان" کی بے سروسامانی میں اس آرزو کیلئے کوئی گنجایش نہیں۔

گونڈل کاٹھیاواڑ کے ایک مخلص صاحب خیر دوست سے اس مد میں پچیس روپیہ ۲۵ اور دہلی کے ایک صاحب خیر بزرگ کے پندرہ ۱۵

روپیہ دفتر الفرقان کو وصول ہوئے ہیں چنانچہ ان دونوں رقموں سے تیس اہل علم حضرات کی خدمت میں یہ نمبر مفت جائے گا۔ اپنی بے سروسامانی کے باوجود ۲۰ حضرات کو دفتر الفرقان کی جانب سے بھی پیش کیا جائے گا ــــ اس کے علاوہ علماء کرام سے گزارش ہو کہ جو حضرات اس کو قیمتاً یا کہیں سے عاریتاً ہی حاصل فرما سکتے ہوں تو حاصل فرما کر ملاحظہ فرمائیں اور "اردو کا ایک رسالہ" ہونے کے باوجود اس کے ملاحظہ کے لئے تھوڑے سے وقت کے ایثار سے دریغ نہ فرمائیں ــــــــ

پھر یہ ضروری نہیں کہ اس میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہو اُس سے آپ کو اتفاق ہی ہو کتاب اللہ کے بعد جمہور اہل علم کے نزدیک صحیح بخاری کا درجہ ہو لیکن اُس میں بھی کتنے ہی ایسے مواقع ہیں کہ آپ حضرات اپنے درس میں وہاں امام بخاری کی رائے اور ان کے اجتہاد سے اختلاف کرتے ہیں اور اُن کی روایت کی ہوئی بعض احادیث پر تنقید بھی کرتے ہیں، تو اس مجموعہ میں بھی لامحالہ ایسی بہت سی چیزیں ہونگی جن سے بہت سے حضرات کو اتفاق نہ ہوگا بالخصوص حضرت مولٰنا سندھی اور مولٰنا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقالات میں ایسی متعدد چیزیں نظر آئینگی۔ لیکن ایسے مواقع پر ناراض ہو کر نمبر کو ہاتھ سے رکھ نہ دیجئے بلکہ ایک خدا ترس عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس پر غور فرمالیجئے کہ لکھنے والے نے جو لکھا ہے اس سے آپ کا اختلاف کس بنیاد پر ہو آیا وہ کسی "آیت محکمہ" کے خلاف ہو یا "سنت ثابتہ" کے یا "اجماع معتبر" کے اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کے بھی خلاف ہو تو ضرور وہ قابل رد ہو بلکہ واجب الرد ــــــ اور اگر آپ کا اختلاف صرف اس بنیاد پر ہو کہ وہ آپ کی یا آپ کے اکابر و اساتذہ کی تحقیق کے یا بعض ممتاز علمی حلقوں کے "خیال عام" کے خلاف ہو تو اگرچہ اس صورت میں بھی آپ کو اس سے اختلاف کا پورا حق ہو لیکن صرف اتنی وجہ سے مضمون یا صاحب مضمون کو "مردود" نہ کر دیجئے ضروری نہیں جبکہ غیر اصولی چیزوں میں بھی ہر شخص کا زاویہ نظر وہی ہو جو آپ کا ہو۔

مجھے صرف اُن حضرات سے یہ گزارش کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کی کتابوں سے استفادہ نہیں کیا ہو ورنہ جن حضرات نے "حجۃ اللہ البالغہ" کا دیباچہ بھی دیکھا ہوگا ان کو معلوم ہوگا کہ حضرت ممدوح نے اپنی تحقیقات پیش کرنے سے پہلے اپنے اہل عصر کے سامنے یہی اصول لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

وانا بریءٌ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشہود لہا بالخیر او ما اختارہ جمہور المجتہدین ومعظم سواد المسلمین فان وقع شیءٌ من ذلک فانہ خطأ رحم اللہ تعالیٰ من ایقظنا من سنتنا او نبہنا من غفلتنا۔ اما ہولاء الباحثون بالتخریج والاستنباط من کلام الاوائل المنتحلون مذہب المناظرۃ والمجادلۃ فلا یجب علینا ان نوافقہم فی

جو بات کتاب اللہ کی کسی آیت، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت قائمہ، یا قرون مشہود لہا بالخیر کے اجماع یا جمہور مجتہدین اور معظم سواد مسلمین کے مسلک مختار کے خلاف ہو میں اس سے بری اور بیزار ہوں، پس اگر ایسی کوئی بات نکلی ہو تو یقیناً وہ خطا اور چوک کا نتیجہ ہے، اللہ تعالےٰ کی رحمت ہو اس پر جو ہم کو خبردار اور غفلت سے متنبہ کرے ــــ لیکن یہ بعد کے مصنفین جن کا کام ائمہ متقدمین کے کلام سے تخریج اور استنباط ہے اور "بحث و مجادلہ" جن کا شیوہ ہو ضروری نہیں ہو کہ اُن کی تمام باتوں سے ہم اتفاق ہی کریں ــــ وہ بھی انسان ہیں

کل ما یتفوھون بہ ونحن رجال وھم رجال الامر بیننا وبینھم سجال (حجۃ اللہ البالغہ ۹)

اور ہم بھی انسان اور ہمارا اُن کا معاملہ قریباً برابر سرابر ہی ہے

نیز ان سطروں سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ نے "اہل السنۃ" کی تحقیق میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے ضروری ہے کہ مسائل اور تحقیقات کے اختلاف کی بنیاد پر کسی کو مقبول یا مردود ٹھیراتے ہوئے ہماری نظر اُس پر بھی رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اہل السنت" ہونے کا مدار صرف اُن مسائل پر ہے جن کا ذکر کتاب اللہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مستفیضہ میں صراحۃً آگیا ہے اور صحابہ و تابعین کا جن پر عقیدہ رہا ہے سو ان مسائل کو اُسی طرح جوں کا توں ماننا "اہل سنت" ہونے کیلئے بیشک ضروری ہے۔ جیسے کہ عذاب قبر، وزن اعمال، مرور علی الصراط، اور رویت باری تعالےٰ وغیرہ، لیکن جن مسائل کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحۃً نہیں آیا اور نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر کبھی کلام کیا اور قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد ہی اہل علم نے بضرورت ان سے بحث کی اور ان کے بارہ میں رائیں مختلف ہوئیں جیسے کہ صفاتِ الٰہیہ کے تفصیلی مباحث اور ابطال ہیولیٰ واثبات اجزاء لا تتجزیٰ کی بحثیں یا جیسے کہ تفضیل انبیاء بر ملئکہ کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ، تو اس قسم کے مسائل میں کسی ایک گروہ کے مسلک کا پابند ہونا اہلسنت ہونے کیلئے ضروری نہیں ہے — اور اس قسم کے مسائل میں کسی خاص مسلک کی پابندی کی وجہ سے کسی گروہ کو "اہل السنت" اور اس سے اختلاف رکھنے والوں کو "غیر اہل السنۃ" نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اصل سنت تو ان مسائل میں بحث نہ کرنا ہے جس طرح کہ صحابہ کا طرز عمل رہا — اور پھر جب، بعد میں ان مسائل پر کلام کرنا ناگزیر ہوگیا تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی ایک گروہ نے ان مباحث میں جو کچھ سوچا اور کہا وہ سب صحیح ہی ہو اور دوسروں نے جو کچھ سمجھا وہ سب غلط ہی ہو"———

اس کے بعد شاہ صاحب رحؒ فرماتے ہیں:۔

ولما ذکرنا من ان کون الانسان سنیاً معتبراً بالقسم الاول دون الثانی تری علماء السنۃ یختلفون فیما بینھم فی کثیر من الثانی کالاشاعرۃ والماتریدیۃ وتری الحذاق من العلماء فی کل قرن لا یحتجزون من کل دقیقۃ لا تخالفھا السنۃ وان لم یقل بھا المتقدمون، حجۃ اللہ البالغہ ۵

اور اسی وجہ سے کہ اہل سنت ہونے کا مدار صرف قسم اول کے مسائل پر ہے نہ دوسری قسم کے مسائل میں کسی خاص مسلک کی پابندی پر، تم دیکھوگے کہ خود علماء سنت قسم ثانی کے بہت سے مسائل میں مختلف الرائے ہیں چنانچہ اشاعرہ وماتریدیہ کے اختلافات اسی قبیل سے ہیں۔ اور نیز تم دیکھوگے کہ کسی زمانہ میں بھی علماء ماہرین ایسے دقائق کے بیان سے باز نہیں رہے جو فی نفسہٖ "سنت" کے خلاف نہ ہوں اگرچہ متقدمین اُن کے قائل نہ ہوئے ہوں،

الغرض اس نمبر کے کسی مقالہ کے کسی مضمون میں اگر آپ کو کوئی نکارت اور غرابت معلوم ہو تو اعتدال اور توازن کو

ہاتھ سے نہ دیجئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تحقیقات کی روشنی میں ردّ و قبول کا فیصلہ کیجئے ——— اس طرح ان شاء اللہ آپ بہت سی غلطیوں اور بے اعتدالیوں سے بچ جائیں گے اور جو رائے بھی آپ قایم کریں گے وہ بصیرت اور عدل کی رائے ہوگی۔

نیز اس نمبر ہی کے بعض مقالات کا بعض دوسرے مقالات سے تصادم اور تدافع بھی کہیں کہیں آپ کو محسوس ہوگا۔ اور جب مختلف نقطہ ہائے نگاہ رکھنے والے ایک موضوع پر اظہار خیال کریں تو ایسا اختلاف یا تدافع ناگزیر ہی ہے لیکن جن خوش نصیبوں کو شاہ صاحب کی حکمت سے کچھ حصہ ملا ہو ان کی نظروں میں ایسے اختلافات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ——— امام ابن تیمیہ و حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات اور تحقیقات میں بظاہر کیسا تدافع اور کس قدر بعد ہے لیکن شاہ صاحب کی نظر میں یہ اختلاف بھی مضمحل اور غیر اساسی ہے اسی لیئے وہ ان تینوں بزرگوں کو قبول کرتے ہیں بلکہ اُن کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔

اپنے ایک مکتوب میں جو امام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع ہی کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے یہ اصول بیان فرمانیکے بعد کہ "جو علماء کہ ہم کتاب و سنت اور فقہ کے حامل و ناشر و مبلغ گزرے ہیں اور جنھوں نے طریقہ سلف (عقیدہ اہلسنت) کی حمایت کی خدمت انجام دی ہے انکے متعلق اچھا ہی عقیدہ رکھنا چاہئے اگرچہ انکے کلام میں بعض ایسی چیزیں بھی ملتی ہوں جنکو ہم پسند نہ کرتے ہوں بشرطیکہ انکی یہ باتیں نص کتاب و سنت اور اجماع سلف سے مردود نہوں خواہ یہ باتیں باب عقائد میں ہوں یا مباحث فقہیہ میں یا حقائق وجدانیہ میں" اس اصول کی تحریر کے بعد ارقام فرماتے ہیں:۔

وعلی ھذا الاصل اعتقد نا فی الشیخ الاجل محی الدین محمد بن علی بن العربی وفی الشیخ المجدد احمد بن عبد الاحد السرھندی انھما فی صفوۃ عباد اللہ ولم نلتفت الی ما قیل فیھما وکذا الک ابن تیمیہ الخ

(مکتوبات ص۲۶ و ۲۷)

اور اسی اصول پر شیخ اجل محی الدین محمد بن علی بن العربی اور مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی کے بارہ میں ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور ان پر جو اعتراضات کیئے جاتے ہیں ہم ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے اور یہی حال ہمارے نزدیک علامہ ابن تیمیہ کا ہے

اور مکتوب مدنی میں شاہ صاحبؒ نے شیخ اکبر کے نظریہ "وحدۃ الوجود" اور امام ربانی کے نظریہ "وحدۃ شہود" میں جہاں تطبیق یا تقریب کی کوشش کی ہے اور علماء اُمت کے خلافیات کے متعلق وہاں جو ایک بصیرت افروز اصولی تقریر فرمائی ہے۔[1] اُس کے ذہن نشین کر لینے کے بعد تو اس قسم کے اختلاف آرا کی اہمیت بہت ہی گھٹ جاتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر مقامات پر تو صرف لفظوں کا پھیر اور تعبیروں کا اختلاف ہی رہ جاتا ہے۔

بہر حال اس نمبر کے بعض مقالات میں جہاں آپ کو اختلاف آراء نظر آئے تو اسکو دو متحارب فریقوں کی لفظی جنگ نہ سمجھا جائے اور علما کے اختلاف رائے سے زیادہ ان کو کوئی حیثیت نہ دی جائے ہیں تو جب سے حضرت شاہ صاحبؒ کے ان اصولوں کو اپنا مسلک بنایا ہے الحمد للہ زمانہ ماضی اور زمانہ حال کے علما کے غیر اصولی اختلافات کی اہمیت میری نظر میں بہت گھٹ گئی بلکہ کچھ بھی نہیں رہی۔ اور اب میں اپنی علمی اور دینی برادری کو پہلے سے بہت زیادہ وسیع پاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللّٰھم زد فزد!! ——— نیز اس نمبر کے کسی مقالہ میں اگر کوئی تاریخی بات ایسی آگئی ہو جس سے کسی فرقہ یا قوم کے جذبات متاثر ہو سکتے ہوں تو اُس کے متعلق یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس نمبر کا موضوع تذکرہ اور تاریخ ہے اور مورخ مجبور ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کو بلا کم و کاست بیان کرے ورنہ کسی کی دل آزاری ہمارے نزدیک انسانیت کا سخت ترین گناہ ہے اور لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ہمارے مقدس مذہب کی خاص اور تاکیدی تعلیم ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

[1] ملاحظہ ہو مکتوب مدنی مندرجہ کلمات طیبات ص۲۳۲ تا ۲۵۳ ۱۲ منہ

انشاء اللہ آئندہ سے

"ولی اللّٰہی حکمت" اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت الفرقان کا خاص مشن رہے گا

اپنے اُس مقالہ کے علاوہ جس کو پھر ترتیب دی کر دوسرے **شاہ ولی اللہ نمبر** کی شکل میں پیش کرنے کا ارادہ ہے ـــــ شاہ صاحبؒ کے خاص خاص افادات کو "الفرقان" کے عام پرچوں میں بھی انشاء اللہ پیش کیا جاتا رہیگا، اور حتی الوسع التزام کیا جائیگا کہ "الفرقان" کا کوئی شمارہ آئندہ اس سے خالی نہ رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اُن خاص مضامین کو جن میں آپنے اسلام کی "توحید خالص" کو پیش کیا ہے اور امت مسلمہ میں مختلف راہوں سے شرک جن جن شکلوں اور صورتوں میں آرہا ہے شاہ صاحب نے ایک صاحب عزیمت مجدد وقت کی حیثیت سے اُس پر اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے اور نہایت بے لاگ طریقہ پر خالص فاروقی شان سے جو مدلل اور زبردست تنقید اُس پر فرمائی ہے ـــــ

راقم سطور نے ان تمام ولی اللّٰہی افادات و تاثرات کو حجۃ اللہ البالغہ، بدور بازغہ، ازالۃ الخفا اور تفہیمات الٰہیہ سے جمع کر کے حضرت **شاہ ولی اللہ کا درس توحید** کے عنوان سے ایک مستقل مقالہ اس نمبر کے لیئے اور مرتب کیا تھا وہ بھی عدم گنجایش کی وجہ سے روک لینا پڑا۔ انشاء اللہ ربیع الاول کے پرچہ میں وہ بھی ایک ہی دفعہ بتمامہ شایع کر دیا جائے گا۔ اگر مناسب سمجھا گیا تو شاہ صاحب کا نایاب رسالہ "تحفۃ الموحدین"، جو اسی موضوع پر ہے اور جس کا ذکر ناظرین کرام نمبر ہذا کے صفحہ ۳۰۷ پر میرے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے وہ بھی اس "درس توحید" میں شایع کر دیا جائے گا ـــــ بعض اور مضامین بھی جو اس نمبر ہی کیلئے لکھے گئے تھے اور عدم گنجایش کی وجہ سے اس میں نہ آسکے انشاء اللہ وہ سب الفرقان کے ذریعہ ہدیہ ناظرین ہوں گے۔ واللہ الموفق وھو المستعان!

الفرقان کا "دوسرا ولی اللہ نمبر"

انشاء اللہ اسی سنہ ۱۳۶۰ھ میں ہم اپنے ناظرین کی سامنے پیش کر سکینگے ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ خدمت ہماری آرزوں اور ارادوں کے مطابق لے لے اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے وما ھو علیہ بعزیز ابھی ضخامت اور قیمت کے متعلق کچھ اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ مہینہ کی کوئی تعیین کی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد اگر زندگی رہی اور توفیق الٰہی نے مساعدت کی تو انشاء اللہ آئندہ سال ۶۱ھ میں امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی یادگار میں ہم اپنے اس سلسلہ کی تیسری کڑی **شہیدین نمبر** پیش کریں گے۔ اس سے پہلے ۵۵ھ میں بھی الفرقان کا ایک شہید نمبر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی یادگار میں نکل چکا ہے لیکن اسکی حیثیت کچھ اور تھی اور اُس وقت نقطۂ نظر دوسرا تھا اسکے واسطے اپنے قلمی معاونین کی خدمت میں ہم ابھی سے درخواست پیش کرتے ہیں۔

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیت علماء ہند (مدظلہ العالی)

امام الملۃ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس ہستی اُن ممتاز ہستیوں میں سے ہے جن کے وجود باجود سے اللہ تعالےٰ نے اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو دیگر امم پر امتیاز اور شرف بخشا ہے۔ منبع الفیوض الربانیہ اور قاسم الحکم الازلیہ آقائے نامدار حضرت خاتم النبیین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی نسبت رکھنے والے اشخاص جیسی کہ آفتاب سے آئینہ کو ہے ملت مرحومہ میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب موصوف اُنھیں میں سے ہیں ان کی علمی تصانیف، اُن کے مضامین عالیہ، اُن کے اعلیٰ پایہ کے تلامیذ، اُن کے سلاسل علوم ظاہریہ اور معارف باطنیہ کا علی مر الدہور جاری ہونا ان کے منتسبین کا تقویٰ اور علم میں بے نظیر ماہر ہونا بتلا رہا ہے کہ یہ مقدس ہستی منظور نظر الٰہی اور مخلصین عباد اور مجددین اُمت میں خصوصی شان رکھنے والی تھی اور ہے۔ صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی پر ان کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہونے کا شرف مخصوص نہیں رہا بلکہ ان کے فیوض سے سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (شارح قاموس وشارح احیاء العلوم وصاحب عقود الجواہر المنیفہ وغیرہ) حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی ثم المکی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ حضرات نے ملک عرب، مصر، شام، مغرب اقصےٰ وغیرہ کے مسلمانوں کو بھی بہت بڑے درجے تک مالامال فرمایا ——— اس ہستی پر اہل ہند جس قدر بھی ناز کریں بجا ہے اور ان کے بحار فیض سے تشنگان معارف جس قدر بھی اپنی پیاس بجھائیں مفید اور کارآمد ہے۔ انھیں کے فیوض غیر متناہیہ ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمانوں کے لیئے آج مشعل ہدایت اور رہنمائی طریقت ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیہ ہندوستان انھیں کے انوار کے چراغ ہیں۔ ان کے کمالات متنوعہ کے اظہار کے لیئے دفاتر کی ضرورت ہے۔ "الفرقان" کے ولی اللہ نمبر میں اگرچہ بہت کچھ لکھا گیا ہوگا مگر وہ سب کچھ ان کے بحر کمالات کا غرفہ یعنی چلّو یا اُس سے بھی کم ہے ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد کہ "مجھ کو اللہ تعالےٰ نے تمام دُنیا کی مثل کف دست سیر کرائی" میں نے اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا میری معروضات پر روشنی ڈالتا ہے۔ میں ناظرین نمبر مذکور سے اُمید وار ہوں کہ وہ اس کو ضرور پڑھیں گے اور اس برگزیدہ امت محمدیہ کی محبت وتوقیر سے اپنے دین اور دنیا کو درست کرینگے۔ واللہ الموفق!

(دستخط بقلم خود)

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۵ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ

ہندوستان میں قرآن فہمی کا چرچا اور حضرت شاہ ولی اللہ

مکتوب گرامی مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی بی۔اے مدیر "صدق" لکھنؤ

[مولانا ممدوح سے بھی "ولی اللہ نمبر" کیلئے مقالہ کی درخواست کی گئی تھی اور موصوف نے آمادگی کا کچھ اظہار بھی فرمایا تھا لیکن وہ ارادہ پورا نہ ہوسکا اسکی معذرت کے سلسلہ میں محترم مولانا کا جو گرامی نامہ صادر ہوا تھا وہ بجنسہ ہدیہ ناظرین ہے ۔۔۔۔۔ "مدیر"]

مخدوم ومکرم! السّلامُ علیکمُ ورحمۃ اللہ

آپکے سجائے ہوئے دربار ولی اللہی میں حاضری آپکے لیئے باعث مسرت وشکر گزاری ہو یا نہ ہو بہرحال میری لیئے دلیل سعادت وخوش نصیبی تھی ؎

مادح خورشید مدّاح خود است ۔۔۔ کیں دو چشمم روشن و نامُ مد است

اور کیا عرض کروں کہ اس سعادت سے محرومی پر دل کیسا خون ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب جیسے جامع کمالات پر سرسری نظر ڈالنے کی ہمت تو میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا تھا لے دے کے ان کی خدمات قرآن پر کچھ لکھنے کی ہمت کر رہا تھا۔ اس کا جزو اعظم شاہ صاحب کا فارسی ترجمۃ القرآن معہ حاشیہ فتح الرحمٰن تھا اتفاق سے وہی مہیا نہ ہوا۔ اس کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس موجود ضرور ہے بچپن میں بارہا پڑھا ہوا لیکن اب وہ محض تبرک ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کام ہی کا نہیں کہ اس سے کام لیا جا سکے۔ کیا عرض کیا جائے کہ آپ کے ارشاد کی عدم تعمیل سے دل کیسا تڑپ تڑپ کر رہا!

ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے، اور یہ اُردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شایع ہو چکے ہیں، شایع ہو رہے ہیں یا آئندہ شایع ہوں گے۔ ان سب کے اجر کا جزو اعظم یقیناً حضرت شاہ صاحبؒ کے حسنات میں لکھا جائے گا یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں۔ اگر اس کی ابتدا آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے نہ کر جاتے تو نہ شاہ رفیع الدینؒ کا اُردو ترجمہ وجود میں آتا، نہ شاہ عبدالقادرؒ کا۔ اور متاخرین کا تو ذکر ہی کیا۔ جو شخص اُمت کی بے شمار نسلوں کے لیئے اتنی بڑی رحمت کا دروازہ کھول گیا اُس کے اجر بے حساب کا حساب اور مزد بے نہایت کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے! ۔۔۔۔۔ جسے تصنیف، تالیف، و ترجمہ کا ادنیٰ سا تجربہ بھی ہے وہ جانتا ہے کہ ایک موجود نمونہ کو ترقی دینے، اُسے بڑھانے چڑھانے، اُس میں گل بوٹے پیدا کرنے، اور خود ایک نمونہ قایم کرنے کے درمیان کیسا زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔۔۔۔۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ بالفرض بالکل ناقص ہوتا جب بھی فضل تقدم وشرف اولیت کے لحاظ کر بے مثال ہوتا۔ چہ جائیکہ جب صحت وتحقیق کے لحاظ سے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر ہو، اور فتح الرحمٰن کو وہ جچے تلے چھوٹے چھوٹے اشارے اور حاشیہ ایجاز وجامعیت میں اپنی نظیر آپ

حالات نے مساعدت کی ہوتی تو ایک مستقل مقالہ شاہ صاحب کے ترجمۃ القرآن کی خصوصیات پر ناظرین الفرقان کی نذر کیا جاتا۔

اولاد صلبی نے جو کچھ خدمت قرآن کی کی وہ تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اُس وقت سے اب تک بڑے چھوٹے جتنے بھی خادمانِ قرآن پیدا ہو چکے ہیں یہ سب اگر حضرت کی اولاد معنوی نہیں تو اور کیا ہیں؟

فقیر عبدالماجد عفی عنہ

پیامِ ولی اللہی

"تمسّک بالقرآن"

(از)

جناب مولوی سید انیس الدین احمد صاحب رضوی امروہوی ایم۔ اے آنرز (علیگ)

زمانہ آیا کہ زندگی کا شباب پھر رنگ لا رہا ہے
پیامِ "اعلون" کان میں کوئی چپکے چپکے سنا رہا ہے

عروسِ قسمت کے سر سے آخر سیاہ چادر اتر رہی ہے
نقابِ ظلمت سرک رہا ہے جبیں کی بندی نکھر رہی ہے

طلسمِ عشق و وفا نے دل کو پھر اپنا آماجگہ بنایا
فسردہ جو ہو چکا تھا پودا اب اس نے پھر اپنا سر اٹھایا

حریمِ حسنِ ازل سے پیہم نزولِ انوار ہو رہا ہے
یہ حال ہے صحنِ دل کا گویا کسی کا دربار ہو رہا ہے

یہ کیسے سجدے تڑپ رہے ہیں کہ کائنات اہتزاز میں ہے
کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جانِ شیریں نماز میں ہے

الٰہی ہو تو نہیں رہی ہے فسانۂ عصرِ نو کی تدوین
کہ ذرّہ ذرّہ ہے خاکِ دل کا بہار پرور بہار آگیں

عروقِ مُردہ میں کس نے آکر نفخۂ روحِ حی کا صُور پھونکا
یہ برقِ انوار کیا تھی جس نے کہ قلب کا کوہِ طور پھونکا

دِل و جگر میں شرار بن کر یہ کس کا پیغام آ رہا ہے
نگاہ میں کون پھر رہا ہے، زباں پہ کیا نام آ رہا ہے

سروشِ غیبی کے لعلِ لب سے سرودِ مستانہ بہہ رہا ہے
وہ روح سے ہم کلام ہو کر دبی زباں میں یہ کہہ رہا ہے

ولیؒ دہلی کے پاس سے آ رہا ہوں ارشادِ نازلے کر
یہاں سے لوٹوں گا ان کے مستوں سے ہدیۂ نیاز لے کر

وہ کہہ رہے ہیں کہ اے مسلماں ترے مرض کا علاج بھی ہے
دَوا جو کل کارگر ہوئی تھی ترے مرض کو وہ آج بھی ہے

قبلۂ آفاق گل بہ داماں ترے لیئے ہی ترے لیئے ہے
مگر یہ پہلے سمجھ کہ قرآں ترے لیئے ہے ترے لیئے ہے

ترے لیئے ہے کہ اس کو لے کر نشانِ جہد و عمل نکالے
جو حوصلہ ہو تو موڑ بیکس جبینِ قسمت کے بل نکالے

تجھے کلیدِ عمل ملی ہے کہ بابِ افلاک باز کر لے
کتاب جب تیرے ہاتھ میں ہی تو ہاتھ کو پھر دراز کر لے

اصولِ انسانیت ہے پیارے یقینِ ارشادِ حق نما پر
فلیس[1] للمرءِ فی السماءِ والارضِ الا بما سعیٰ پر

[1] ارشاد باری تعالیٰ "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" کی تشریح ۱۲ منہ

"ہدیۂ نایاب مادّہائے تاریخ"

۱۳۶۰ ہجری

"لالہ ہائے رنگا رنگ از محمد حسن بدر سنبھلی علومی"

۱۳۶۰ ہجری

"الفرقان بریلی کا عنقا ولی اللہ نمبر"

۱۳۶۰ ہجری

"الفرقان کا بلند طبع شاہ ولی اللہ نمبر"

۱۳۶۰ ہجری

گلستانِ ہدی للناس و بینات من الہدیٰ

۱۳۶۰ ہجری

نزولِ "ھدی للناس و بینات من الھدیٰ و الفرقان

۱۳۶۰ ہجری

"تواریخ بیش بہا ولی اللہ نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

"کواکب درخشاں از محمد حسن بدر سنبھلی علومی"

۱۹۴۱ عیسوی

"الفرقان کا تحفۂ نادر شاہ ولی اللہ نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

پرتوِ نور "و بیّنات من الھدیٰ و الفرقان"

۱۹۴۱ عیسوی

قطعۂ خوشرنگ ۱۳۶۰ ھ — از محمد حسن بدر سنبھلی ۵ ۸ ۱

۱۹۴۱ عیسوی

غنچۂ طبع من چو گل بشگفت — دید چوں گلستاں "ولی نمبر"

بدر تاریخِ سال طبعش گفت — غنچۂ دلستاں ولی نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

فقیر محمد حسن بدر سنبھلی فاضل دیوبند

۱۹۴۱ عیسوی

امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے

اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء

(از جناب مولٰنا مسعود عالم صاحب ندوی)

ہندوستان پہلی صدی ہجری ہی میں اسلام کی روشنی سے جگمگا چکا تھا اور یہ سرزمین صحابہ و تابعین کے بابرکت قدموں سے یکسر محروم نہ رہی تھی[1] پر یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلام کی پہلی کرنیں سندھ کے ریگستان سے آگے نہ بڑھ سکیں اسی طرح عرب تاجر اور جہاز راں، جو مغربی ساحل سے گزر کر سیلون اور جنوبی ہند کے دوسرے جزیروں کا رُخ کرتے تھے، ملک کے اندرونی علاقوں میں کم آئے اور اسی لیے ان کا حلقۂ فیض ساحلی علاقوں (ملیبار اور اس کے آس پاس کے خطے) تک محدود رہا[2]

عرب اور مغل فاتحین کا فرق

اس ملک، اور خاص کر شمالی خطہ کی انتہائی بدبختی یہ ہوئی کہ یہ عرب فاتحین کے فیض سے تقریباً محروم رہا، اور ان کے بدلے ترکوں، مغلوں کی غیر اسلامی حکومت اس کے حصّہ میں آئی، حالت یہ تھی کہ درۂ خیبر سے آنے والے سپاہی اور جرنیل اسلام کی خوبیوں سے بالکل ناواقف تھے، ان کے رگ و پے میں ابھی دین حنیف کی سچائیاں سرایت نہ کرسکی تھیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ اسلامی رنگ، جسے آج کل کلچر کہتے ہیں، بالکل نہ رچ سکا تھا یہ اسلام بھی ایسے وقت (تیسری صدی ہجری کے بعد) لائے، جب خود اسلامی مرکزوں (حجاز، عراق، شام) میں انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا اور عباسی خلافت ترکوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی تھی، یہ سپہ سالار اکثر ترک غلام تھے جن کے کان اسلام کے قانون جنگ سے

---

[1] ہندوستان پر بحری حملے حضرت فاروق رضؓ ہی کے عہد میں شروع ہو گئے تھے (بلاذری، باب فتوح السند) اس لئے یہ خیال کوئی بعید نہیں کہ گجرات کے علاقے جہاں یہ حملے ہوئے، صحابہ کرام کے قدموں سے مشرف ہوئے ہوں،

[2] "ہندوستان میں اسلام کیوں کر پھیلا" اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) عرب و ہند کے تعلقات (علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ) (۲) "ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا؟" (علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ معارف ۲۳ء)

(۳) انتشار الاسلام فی الہند (مسعود عالم ندوی، الضیاء ج ۴ عدد ۲) ، الفتح ج ۱۰ ع ۳۵۱ تا ۳۶۰

(۴) دعوت اسلام (آرنلڈ)

یکسر نا آشنا تھے، ان کی فوج کے سپاہی، مال اور لوٹ کے لالچ میں چلے آئے تھے، ان کے دلوں میں نہ ابو عبیدہؓ کی تڑپ تھی اور نہ ان کے ذہن دماغوں میں عمر فاروقؓ کا ولولۂ جہاد ــــ درۂ خیبر کی راہ سے سب سے پہلا داخل ہونے والا جرنیل محمود غزنوی تھا اس کی سپاہ کا بھی یہی حال تھا، اکثر نو مسلم تھے، یہی نہیں بلکہ اس کی فوج میں ہندو سپاہی بھی تھے[1]

مغل تو محمود کے حملہ کے وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے، علاء الدین خلجی (۶۹۵-۱۶، ہجری) کے زمانہ تک ان کا شمار کفار میں تھا، یہی حال اکثر افغانی قبائل کا تھا، محمود غزنی کے عہد تک وہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اہل غور بھی بیشتر چوتھی صدی ہجری میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ تو ان فاتح قوموں کے اسلام کا حال تھا، اب اسلامی تربیت اور زندگی کو لیجئے، ان کی آبادیوں میں محمود غزنی (۳۸۸-۴۲۱ ہجری) سے پہلے مدرسوں کا رواج نہ تھا۔ دوسرے ذریعوں سے بھی اسلامی تعلیمات عام نہ ہو سکی تھیں، پھر ان سے یہ توقع کیسے ہوتی کہ ان کے زیر سایہ ہندوستان میں دین حنیف کی اصلی تعلیم پھیلے گی اور صحیح اسلامی حکومت کے قانون جاری ہوں گے؟ نہ یہ توقع ہو سکتی تھی اور نہ ایسا ہوا، ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض نامور بادشاہ ایک طرف تو غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرتے ہیں، اور دوسری جانب ان کے عبادت خانوں کے انہدام سے بھی دریغ نہیں کرتے، یہی نہیں بلکہ ان مسلمان نامی مغل فاتحین میں سے بعض ہندو مسلمانوں دونوں کو یکساں موت کے گھاٹ اُتارنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ تیمور اور نادر کے حالات کچھ ڈھکے چھپے نہیں۔ ابن بطوطہ (ج ۳ ص ۱۷ مطبوعہ پیرس) کا بیان ملاحظہ ہو:-

"ہرات کے آس پاس کے رہنے والے بڑے بہادر ہیں، اہل ہند پر برابر دھاوا بولتے ہیں۔ اور بسا اوقات مسلمان عورتوں کو بھی لونڈیاں بنا کر لے آتے ہیں الخ"

BHATNIR کو بچانے کے لیے مسلمان راجپوتوں کے دوش بدوش دل کھول کر صرف لڑے ہی نہیں، بلکہ جب فتح کی اُمیدیں جاتی رہیں، تو راجپوتوں کی طرح وہ بھی اپنی بی بیوں بچوں کو تہہ تیغ کر کے جان دینے کے لیے میدان میں آگئے۔

STUDIES IN INDIAN HISTORY BY S.N. SEN P 119

ہندوستان میں اسلام کی عام حالت

پس آپ نے دیکھا کہ اس ملک کی قسمت میں، اسلام کے ایسے پیامبر تھے، جو اس کے احکام سے بھی صحیح طور پر واقف نہ تھے، اور اگر تھوڑی بہت واقفیت تھی تو اس پر عامل نہیں تھے، نتیجہ ظاہر ہے، بھارت کی سرزمین میں، حجاز سے نکلے ہوئے نکھرے توحیدی مذہب کی مٹی پلید ہو گئی، اللہ کی کتاب عربی زبان میں تھی، اور یہ خدا کے بندے فارسی لکھتے بولتے تھے، عربی سے دور کا لگاؤ بھی نہیں تھا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ تو طاق نسیان کی زینت بن گئی اور دین توحید ہندوانہ آلودگیوں میں لت پت ہو گیا، اللہ کی کتاب جب سامنے نہ ہو، تو پھر ہندوانہ عقیدوں اور رویدانت کی دوراز کار موشگافیوں کا اسلامی عقائد میں گھل مل جانا کیا تعجب

---

[1] ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۳۵، مطبوعہ لیدن ۱۲

کی بات ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ محمد بن عبد اللہ (فداہ امی و ابی صلے اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کی جو بُری گت اس ہندوستان میں بنی، شاید دُنیا کے کسی خطہ میں ایسا نہ ہوا ہو، ہندوستانی اسلام کی اس بدحالی پر اپنے تو اپنے، غیر بھی طعنہ زن ہیں، عبرت کیلئے ایک دو شہادتیں سُن لیجئے:-

"ہندوستانی اسلام کا مطالعہ کرتے وقت، ایک محقق کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس مذہب کی بُری طرح مٹی پلید ہوئی ہے۔" (تمدن ہند فرنچ میں، از لوبون، اردو ترجمہ صفحہ ۳۱)

"اگر ہندوستان میں دین محمدی نے اپنے کچھ اثرات چھوڑے ہیں، اور یہاں کے مذہب اور عقائد میں کچھ تبدیلی کی ہے تو اس سے زیادہ وہ خود یہاں کے تمدن اور مذہب سے متاثر ہوا ہے۔" (تمدن ہند صفحہ ۴۵۵)

"ہندوان سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے جتنا یہ ہنود سے،، (صفحہ ۱۳۵)

زیادہ تفصیل کا موقع نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ گو اسلام کے اس دیس پر ہزاروں احسان ہیں اور اس کی روشن تعلیمات کے اثر سے یہاں کے مذاہب میں تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی ہیں تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ہندوستان میں اسلام جتنا بھی موثر ہو سکا اُس سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور یہاں مسلمانوں نے جو زبان، تہذیب، لباس اختیار کیے وہ سب ہندوانہ ہیں، یا ہندو مسلمانوں کے امتزاج کا نتیجہ۔ اور یہ بے میل ہندوانہ تہذیب اور معجون مرکب مذہب عوام تو عوام علماء اور صوفیوں کے دل و دماغ پر کچھ ایسا چھا گیا، کہ حضرت مجدد سرہندیؒ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) سے لے کر آج تک تین سو سال سے کچھ اوپر کی مسلسل اصلاحی کوششوں کے بعد بھی یہ صدیوں کا بیٹھا ہوا زنگ دور نہیں ہو سکا ہے اور اللہ جانے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے سچے دین کی اصلی تعلیمات یہاں اپنے سادہ اور اصلی رنگ میں کبھی جلوہ گر ہو بھی سکیں گی یا نہیں؟

دسویں صدی ہجری سے پہلے

یہ ہندوانہ اسلام اور تصوف و ویدانت سے مرکب مذہب تو ہر دور میں دماغوں پر مستولی رہا ہے، پر دسویں صدی ہجری سے پہلے کفر و شرک کی یہ اندھیاری اپنی آخری حد کو پہونچ چکی تھی اور گجرات و سندھ کے ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر، جن کے تعلقات عربی ملکوں سے زندہ تھے، صحیح اسلام کی روشنی کہیں دکھائی نہیں پڑتی تھی، جدھر نگاہ اُٹھاؤ، ایرانی ہندی تصوف، حلول، بروز اور "وحدۃ الوجود"[1] کے عقیدے، اعمال ہندوانہ، اور مشرکانہ، گھر قرآن و حدیث سے خالی اور کتاب و سنت کے چشمۂ صافی سے پیاس بجھانے والوں کا عام قحط۔

---

[1] ہر قوم میں کسی نہ کسی طرح پر وحدۃ الوجود کے عقیدہ کا رواج رہا ہے، بعض اہل یونان بھی اس کے قائل تھے۔ نصاریٰ اور یہود کے ہاں بھی اس کا چرچا رہا تھا، اور برہمنوں کے ویدانت کی تو بنیاد ہی اس پر ہے، مسلمان صوفیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے، اس کی بعض قسمیں، تو انکے ہاں حلول کے ہم معنی ہو گئی ہیں، ہمارے پاس اسکی کوئی شہادت نہیں کہ ویدانت کا ترجمہ عربی میں ہوا ہو حالانکہ یہ عقیدہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں (حسین بن منصور حلاج کا زمانہ) مسلمان صوفیوں کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) کے ہاں جاکر یہ فلسفہ پختہ اور مُدوّن ہو گیا پھر چلا

ان بُت پرستانہ عقیدوں اور بدعات کے رواج کی سب سے بڑی وجہ قرآن و حدیث کا جہل ہی، وہ کتاب جو خلق کی ہدایت اور تذکیر کے لیئے اُتری تھی، قبروں پر قرآن خوانی کے لیئے وقف کر دی گئی، اور سنت کا کیا ذکر، کہ شمالی ہند کی سرزمین "حدثنا" اور "اخبرنا" کی آوازوں سے یکسر نا آشنا تھی، یہاں ماوراء النہر سے اسلام آیا اور وہیں سے علم بھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا علم فقہ اور اصول فقہ سے آگے نہ بڑھ سکا، اسی کی جامد تقلید پر یہ قانع ہو گئے اور متاخرین فقہا کی کتابیں "اصل دین" قرار دے دی گئیں، اور یونان کی سڑی ہوئی ہڈیوں پر فاتحہ خوانی دینی خدمت کے ہم معنی سمجھ لی گئی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان میں حدیث کا چرچا کبھی ہوا ہی نہیں۔ ہاں البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ سندھ اور گجرات کے ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر شمالی ہند میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) بلکہ امام ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے پہلے سُنتؐ کی گرم بازاری نہیں ہوئی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ھ) سے پہلے، درۂ خیبر سے آنیوالے مسلمانوں میں، حدیث کا کوئی مستند عالم پیدا نہیں ہوا۔ نویں صدی ہجری میں بھی جبکہ گجرات میں حدثنا و اخبرنا، کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، دلّی اور اس کے نواح میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، تا آنکہ شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ) کا دور آیا، اور انھوں نے معقولات اور فروع کی اندھیاری میں حدیث کی شمع روشن کی، لیکن صغانی اور علی متقی دو ناموں سے پانچ چھ سو برس کی اندھیاری کا فور نہیں ہو سکتی، اور درۂ خیبر سے آنے والے عالموں، صوفیوں اور پادشاہوں کی پیشانیوں کے بدنما داغ، ان دو کارناموں سے نہیں مٹ سکتے اور گجرات میں بھی یہ حدیث و سنت کی چہل پہل اسی وقت تک رہی، جب تک شمالی ہند کا سایہ اس پر نہیں پڑا، بیچ کی دو صدیوں (۹۹۰۔۸۰۰ھ) میں، وہ مرکزی حکومت کے دباؤ سے محفوظ رہا تو علم و عمل کی خوب گرم بازاری رہی، اور جب اکبر (۹۶۳۔۱۰۱۴ھ) نے مملکت گجرات کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تو یہاں بھی وہی جہل و تاریکی لوٹ آئی۔

حدیث سے بے اعتنائی کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ تاریخوں میں شیخ نظام الدین اولیا (م ۷۲۵ھ) اور بعض علماء کے مناظرہ کا حال آتا ہے، بحث سماعؔ سے متعلق تھی، اثناء گفتگو میں شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے دعوے کے ثبوت میں "حدیث"(؟) پیش کی تو مقابل والے بول اُٹھے:۔

"اس حدیث سے تو شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں"

اس سے حدیث کی وقعت کا اندازہ ہو گا، اب ذرا وہ "حدیث" (؟) بھی سُن لیجئے جو بقول فرشتہ موقع استدلال میں لائی گئی تھی، بیان اس طرح آتا ہے:۔

"قاضی رُکن الدین، شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، "سماع اور غناء کے جواز پر آپ کی دلیل

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ویدانت کا ترجمہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان صوفی برہمنوں کے ویدانت سے بُری طرح متاثر ہوئے لیکن اس عقیدہ کا پرجوش علمبردار ابن العربی اندلس کا رہنے والا تھا اس لیئے قرین قیاس یہ ہی کہ وہ نو افلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوا ہو ۱۲

کیا ہے ؟" شیخ نے اس حدیث (؟) سے استدلال کیا "السماع مباح لاھلہ"[1] قاضی بولے: "آپکو حدیث سے کیا تعلق ؟" آپ تو امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں، اپنے امام کا کوئی قول پیش کیجئے تو ہم اسے دیکھیں" شیخ کا ارشاد ہوا، "بندۂ خدا میں رسول اللہ (ص) کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ امام ابو حنیفہ کا قول چاہتے ہیں؟"

علاؤالدین خلجی (۶۹۵-۷۱۶ھ) کے دور کا ایک عبرتناک سانحہ بھی گوش گزار کر دیا جائے تو اچھا ہو، مصر سے ایک محدث شمس الدین ترک حدیث کی ترویج اور تبلیغ کے دُھن میں ہندوستان تشریف لائے، کہا جاتا ہے کہ وہ اسی غرض سے حدیث و متعلقات کی کوئی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں، پر ابھی وہ ملتان ہی تک پہونچے تھے، کہ انھیں معلوم ہوا............... کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، اور نہ جمعہ جماعت کا اسے خیال ہے" رنجیدہ ہوئے اور اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔

بعض مصلحین

دسویں صدی ہجری سے پہلے کی زبوں حالی پر بہت کچھ مسالہ فراہم کیا جاسکتا ہے اندازہ کے لیے اتنا کافی ہے۔ ہاں جہاں ہم نے سندھ، گجرات کے علم بردارانِ حدیث کا ذکر کیا ہے، وہاں شمالی ہند کے ان نیک نفسوں کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے، جنھوں نے کسی نہ کسی درجہ میں اس صورت حال کے بدلنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں بعض بدعات کا ذکر بھی آئے گا۔

محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲)

اس سلسلہ میں بادشاہوں کے زمرہ میں سب سے پہلے محمد تغلق کا نام زبان پر آتا ہے، محمد تغلق سے پہلے قطب الدین ایبک (۶۰۲-۶۰۶ھ) اور شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) جیسے معتدل اور صاحب حزم فرماں روا بھی گزرے ہیں، لیکن دینی تجدید کے سلسلہ میں، ان کا کوئی قابل ذکر کارنامہ ہمارے سامنے نہیں۔ ہمارے علم میں محمد تغلق پہلا بادشاہ ہے جس نے بدعات کی بیخ کنی اور شعائر اسلام کے رائج کرنے کی دلی کوشش کی، اس کے "جنون" اور سخت گیری کے بارے میں جو کچھ کہا جائے، پر ہمیں یہ محبوب ہے، اس لیئے کہ اس نے حکومت کی گدّی پر بیٹھ کر مذہب کو فراموش نہیں کیا،

ابن بطوطہ (م ۷۷۹ھ) کے سفرنامہ میں اس کے دربار اور اخلاق و عادات کی دلچسپ تفصیلات ملتی ہیں محمد تغلق کے

---

[1] یہ حدیث نہیں بلکہ امام غزالی کا قول ہے، جو احیاء العلوم میں فتوے کے طور پر منقول ہے۔ غالباً فرشتہ نے اسے "حدیث" کہنے میں غلطی کی ہے اور بہت ممکن ہے کہ خود حضرت "مُسْتَدِل" کو غلط فہمی ہوئی ہو،

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" (از اُستاذ محترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ) ہمارے سامنے اس وقت اس کا عربی ترجمہ ہے جو "علم الحدیث فی الہند" کے عنوان سے "الضیاء" (جلد ۲ ع ۵،۴ ، ۶،۷) میں مسلسل شائع ہوا تھا ممکن ہے، ترجمہ در ترجمہ کے وجوہ سے ترتیب کلام میں کچھ تبدیلی ہو گئی ہو۔

کے متعلق اس چشم دید شہادت سے زیادہ مستند بیان نہیں مل سکتا، ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

"دین کے شعائر اس کے ہاں محفوظ ہیں اور نماز کے معاملہ میں وہ سخت گیر ہے" تارکین کے لیے سزائیں مقرر ہیں" (جلد ۳ ص۲۱۶، مطبوعہ پیرس)

سلطان نمازوں کی حرمت برقرار رکھنے میں بہت سخت تھا، جماعت کی سخت تاکید تھی، ترک صلوٰۃ پر سزائیں دیتا تھا، صرف اس جرم میں اُس نے ایک دن نو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جن میں ایک گویا تھا"

"بازار میں اس کے کارندے جاتے، جماعت کے وقت جو کوئی بھی ملتا سزا کا مستوجب ہوتا الخ ص۲۸۶ ج۳

"پہلے غیر شرعی محصول لیئے جاتے، ۷۴۱ھ میں محمد تغلق نے تمام ناجائز ٹیکس منسوخ کر دیئے، صرف زکوٰۃ اور عشر کی وصولی باقی رہی،" (ص۲۸۸)

"آستانہ خلافت سے تعلقات کی تجدید بھی اسی کا کارنامہ ہے، عہد فیروز شاہی کے ایک مستند مورخ کے بیان کے مطابق شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳) بھی بارگاہ خلافت کے "اذن ومنشور" سے مشرف ہوا تھا[1] بعد کے بادشاہوں نے اس سے غفلت برتی، اور سلاطین ہند کا رشتہ مصر کی عباسی خلافت سے ٹوٹ گیا، تا آنکہ محمد تغلق سریر آرائے خلافت ہوا اور اس نے یہ رسم کہن زندہ کی، بادشاہ کو خیال تھا کہ بارگاہ خلافت کی "اذن ومنشور" کے بغیر اس کے "احکام شرعی طور پر قابل اتباع نہیں ہوں گے۔ اسی اعتقاد کی بنا پر اُس نے ۷۴۴ھ میں حاجی رجب برقعی کو عریضہ اور ہدایا کے ساتھ مصر بھیجا،...

.... اور ۷۴۵ھ میں محمد تغلق نے بارگاہ خلافت کی شمشیر کمال عقیدت کے ساتھ زیب کمر کی، اس کے بعد پھر ہر سال "مناشیر" خلافت آنے لگے۔ اور محمد تغلق کے انتقال کے بعد، اس کے جانشین فیروز شاہ کو بھی "منشور وخلعت" سے نوازا گیا اور اب تک ہر سال یہ نوازش ہوتی ہے.......

ملخص از سیرت فیروز شاہی مخطوطہ خدا بخش لائبریری (ص۲۸-۲۸۵)

سیرت فیروز شاہی کے مندرجہ بالا بیان کی تائید ابن بطوطہ کی اس تفصیل سے بھی ہوتی ہے[2]

"سلطان نے خلیفہ ابو العباس کو مصر ہدایا بھیجے، "اور خلیفہ" سے ہندوستان اور سندھ پر حکومت کی اجازت طلب کی، خلیفہ نے اس کی درخواست قبول کی، اور مصر کے شیخ الشیوخ "رکن الدین کی معرفت مطلوبہ اجازت نامہ بھیج دیا، شیخ رکن الدین کی آمد پر سلطان نے اس کی توقیر وتعظیم میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا" (ص۲۴۵ ج۳)

[1] خلیفہ بغداد نے التمش کی حکومت تسلیم کرلی تھی، اور وہ "اذن" قاصد سے نوازا گیا تھا، یہ ۶۲۶ھ کا واقعہ ہے (خلافت اور ہندوستان ص۱۳۵)

[2] نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) (مخطوطہ کتب خانہ پٹنہ ص۱۰۱) ایسٹ جلد ۳ ص۲۳۵-۲۴۹۔

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ محمد تغلق کو مقام خلافت سے گہری عقیدت تھی، امیر غیاث الدین محمد بن عبد القاہر بن یوسف بن عبد العزیز بن مستنصر باللہ عباسی کی آمد اور ان کی توقیر کی جو تفصیلی سرگزشت ابن بطوطہ نے درج کی ہے (جلد ۲ صـ ۲۵۸-۲۶۶) اس سے بھی اس کی دلی کیفیت اور عباسیوں سے محبت کا حال معلوم ہوتا ہے، مصر کی نام نہاد خلافت جیسی بھی رہی ہو، پر محمد تغلق کی یہ عقیدت مقام خلافت کے ساتھ تھی، جو اپنی جگہ پر مسلمانوں کی بین الاقوامی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قابل قدر اور دوسرے بادشاہوں سے اُسے ممتاز کرتی ہے۔

ابن بطوطہ کے سفرنامہ (جلد ۳ صـ ۲۵۲-۲۵۳) سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے شاگردوں سے اس کے تعلقات تھے،

ابن بطوطہ، شیخ عبد العزیز الاردویلی کی آمد اور سلطان کی طرف سے توقیر و تکریم کا ذکر کرتا ہے (صـ ۲۵۲)

یہ شیخ عبد العزیز دمشق میں امام ابن تیمیہ، جمال الدین المزی (م ۷۴۲ھ) اور حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکے تھے، اس پے سلطان پر ان کا اثر ضرور ہوا ہوگا، بھلا یہ کوئی بات ہے کہ ابن تیمیہؒ کا فیض یافتہ دربار میں آئے اور اپنا اثر نہ چھوڑ جائے۔[1] "دینی تجدید کے علاوہ محمد تغلق اپنی علمی قابلیت کے لحاظ سے بھی ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ممتاز درجہ رکھتا ہے"

(فہرست مشروح انگریزی خدا بخش لائبریری، جلد ۷، صـ ۲۷)

فیروز تغلق ۷۵۲-۷۹۰ھ محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق نے بھی اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور بہتیری ہندوانہ رسوم کی اصلاح کی، خوش قسمتی سے اس کی اصلاحی کوششوں کی مختصر رُوداد، خود اسی کی زبانی ہم تک پہونچ گئی ہے، فتوحات فیروز شاہی[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس وقت ہندویت کس حد تک مسلمان دماغوں پر چھا گئی تھی"، فیروز شاہ لکھتا ہے:۔

---

[1] ایک طرف ہم ابن تیمیہؒ کے شاگردوں کی آمد کی وجہ سے توقع کرتے ہیں کہ محمد تغلق بدعات سے متنفر رہا ہوگا، دوسری طرف ضیاء برنی سر سالار مسعود کی قبر کی زیارت اور عقیدت مندانہ "نذر و نیاز" کا ذکر کرتا ہے جس سے وحشت ہوتی ہے اور حسن ظن ختم ہوتے لگتا ہے (تاریخ فیروز شاہی، برنی ایلیٹ جلد ۳ صـ ۲۴۹) بہرحال آٹھویں صدی کے تاریک ہندوستان میں یہ بسا غنیمت تھا۔

[2] عہد فیروز شاہی کی چار مستند تاریخیں ہمارے سامنے ہیں (۱) تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) (۲) تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) ایلیٹ جلد ۳ صـ ۲۶۹-۳۷۳ (۳) سیرت فیروز شاہی (از نوادر مخطوطات خدا بخش لائبریری) (۴) فتوحات فیروز شاہی۔ ان میں سے پہلی دو مشہور ہیں۔ تیسری نادر ہے اس وقت بحث اس چوتھی کتاب سے ہے، جو ۳۲ صفحات سے زیادہ نہیں۔ اصل کا تو پتہ نہیں چلتا لیکن اس کا مکمل ترجمہ ایلیٹ جلد ۳ صـ ۳۷۴-۳۸۸ میں دیدیا گیا ہے، یہ خود فیروز شاہ کے قلم سے ہے (ملاحظہ ہو، فرشتہ جلد ۱ صـ ۲۷۱، نیز فہرست مشروح خدا بخش لائبریری جلد ۷، صـ ۲۹) فتوحات فیروز شاہی میں جن اصلاحات اور تجدیدی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے سیرت فیروز شاہی سے بھی انکی پوری پوری تائید ہوتی ہے تاریخ فیروز شاہی

زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر لوگوں کو زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا، رات کو وہ دینوں اور مٹنے والوں کے ساتھ ایک مقررہ جگہ پر جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، اور وہ اسے مذہبی عبادت قرار دیتے، وہ اپنی بیبوں، ماؤں اور لڑکیوں کو بھی ساتھ لاتے، جو جس کا دامن پکڑ لیتا، اس کے ساتھ اسے صحبت کا حق حاصل تھا۔ میں نے اس فرقہ کے سرغناؤں کو موت کی سزا دی اور باقی کو جلا وطنی اور قید سے نوازا، کہ آئندہ اس جماعت کی دوڑ دھوپ بالکل ختم ہو جائے"۔

(ملاحظہ ہو صلاح ۶)

فیروز شاہ نے ہندوانہ تصوف پر بھی نگاہ رکھی، گجرات کے ایک صوفی کا حال بیان کرتا ہے:۔

"گجرات میں ایک شخص نے اپنے کو "شیخ" مشہور کرنا شروع کیا، اپنے مریدوں کے غول میں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ "انا الحق" کہتا اور سب یک زبان ہو کر اس کی تائید کرتے، وہ اپنے کو "باقی" اور "غیر فانی" بھی کہتا (ملاحظہ ہو، اصلاح ۹)

بادشاہ کے حکم سے اس گجراتی زندیق کی ایک کتاب جلا دی گئی، لیکن یہاں تو سارا ملک اس قسم کی آوازوں سے گونج رہا تھا، بیچارہ فیروز شاہ کہاں تک کیا کرتا؟ اس کی زبانی ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسی وقت سے مسلمان عورتیں قبروں کی زیارت کو جانے لگی تھیں، سنئے "شہنشاہ" کہتا ہے:۔

"مسلمان شہروں میں ایک غیر شرعی رواج عام ہو گیا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پیادہ پا، یا سواریوں پر، جھنڈ کی جھنڈ مقبروں کی زیارت کو جاتی ہیں،" (ملاحظہ ہو صلاح ۱۴)

بادشاہ نے اس بُری عادت کے روکنے کی بھی کوشش کی،

تفصیل کہاں تک کی جائے مختصر طور پر، خود فیروز شاہ کی ترتیب کے مطابق، ذیل میں "فتوحات" کا خلاصہ[۵] درج کرتے ہیں:۔

(۱) پہلی بادشاہتوں میں مسلمانوں پر نا روا ظلم ہوتے تھے، میں نے ان سب کا خاتمہ کر دیا،

(ص ۳۷۵، ملخص)

(۲) خطبہ میں ان بادشاہوں کی یاد تازہ کرائی، جن کی بدولت آج اس ملک میں اسلامی چرچہ سننے میں آتا ہے (ص ۳۷۶، ملخص)

(۳) اگلے بادشاہوں کے زمانہ میں ناجائز ٹیکس وصول کیے جاتے تھے، میں نے تمام ناروا اور

شمس سراج عفیف) میں بھی انکی مذہبی کارناموں اور تشدد کا ذکر ہے۔ ضیا برنی کی کتاب میں عہد فیروز شاہ کے صرف ابتدائی چھ سالوں کا ذکر ہے۔

[۵] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الیٹ ۲ جلد ۳ ص ۳۷۴ — ۳۸۸)

غیر شرعی منسوخ کر دیئے، اور تحصیل کنندہ غیر شرعی ٹیکس وصول کرتا، اسے سزا دی جاتی۔۔۔۔ خزانہ عامرہ میں اب صرف وہی محصول داخل ہوں گے، جن کی شرع نے اجازت دی ہے[2] (صفحہ ۳۷۵ نیز ملاحظہ ہو، تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف)

(۴) مجھ سے پہلے یہ رواج تھا کہ مال غنیمت کا صرف ایک خمس سپاہیوں میں تقسیم ہوتا اور باقی سب کا سب خزانہ میں داخل کر لیا جاتا" میں نے اس غیر شرعی تقسیم کا سدباب کیا اور حکم دیا کہ اسٹیٹ صرف ایک خمس لے، باقی چار خمس سپاہیوں میں تقسیم کیا جائے" (صفحہ ۳۷۷)

(۵) شیعوں کے فرقہ نے جسے روافض بھی کہا جاتا ہے، اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی انھوں نے کتابیں اور رسالے لکھے، اور ہمارے مذہب کے پہلے سردار اول FIRST CHEIFS OF OUR RELIGION کی بے حرمتی کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے ان سب کو گرفتار کیا اور سزا دی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کی کتابیں جلا دیں، اور اس طرح پر اللہ کے فضل سے اس فرقہ کا بالکل قلع قمع ہو گیا۔[3] (صفحہ ۳۷۷)

(۶) زندیقوں کے اُسی فرقہ کا ذکر ہے جو رات کو جمع ہوتا، اور عورت و مرد آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہم کنار ہوتے (صفحہ ۳۷۸) مختصر تفصیل اوپر گزری،

(۷) ایک شخص احمد بہاری کا ذکر کرتا ہے، جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا اور معتقدوں کا ایک گروہ اس کے گرد جمع ہو گیا تھا، فیروز شاہ نے انھیں سخت سزائیں دیں۔ (صفحہ ۳۷۹ ملخص)

(۸) ایک اور رکن الدین کا ذکر کرتا ہے جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا بادشاہ نے اس کی بھی خبر لی اور قتل کا حکم صادر ہوا، وہ کہتا ہے:-

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ حقیر بندہ سے یہ کام لیا، اور اس کے ذریعہ سے شرارت اور الحاد کا خاتمہ ہوا اور صحیح مذہب کی تجدید کی طرف میری رہنمائی کی۔۔۔۔۔۔ ان واقعات کو سن کر مذہب کا ہر بہی خواہ فیصلہ کرے گا کہ ان لوگوں کو بجا طور پر سزا دی گئی، اور میں اس

---

[1] محمد تغلق کے کارناموں کے سلسلہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں نے اس غیر شرعی طریقہ کے ختم کرنے کی کوشش کی ہو لیکن صدیوں کا بیٹھا ہوا زنگ آسانی سے تو دور ہوتا نہیں۔

[2] الیٹ، جلد ۳ صفحہ ۳۶۳، بعض ناجائز محصولوں کی تفصیل بھی اس میں درج ہے۔

[3] فیروز شاہ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری ہی میں شیعیت یہاں پھیل چکی تھی، بہر حال یہ فیروز شاہ کی کوششوں کا اثر ہو یا نامساعد حالات کا، کہ ہمایوں سے پہلے انھیں سربلندی نہ حاصل ہو سکی تھی۔

پاداش میں، آخرت میں جزا کی توقع رکھتا ہوں"۔ (ص۳۷)

(۹) گجرات کے وحدۃ الوجودی پیر اس کی سزا اور کتاب کے جلانے کا تذکرہ جوش و خروش کے ساتھ کرتا ہے (ص۳۸) مختصر تفصیل اوپر گزری"۔

(۱۰) عورتوں کو قبروں کی عام زیارت سے روکنا بھی اس کا ایک کارنامہ ہے خود اسی کی زبانی سُنئے :-

میں نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزارات پر نہیں جاسکتی، اب اللہ کا شکر ہے کہ کوئی شریف مسلمان عورت قبروں کی زیارت کو نہیں جاتی، یہ رواج اب بالکل موقوف ہوگیا ہے (ص۳۸)

آٹھویں صدی ہجری میں تو یہ مذموم رواج رُک گیا تھا، لیکن آج کتاب و سنت کی عام اشاعت اور علماء کی تبلیغی جدوجہد کے باوجود یہ طریقہ عام ہے، البتہ "شریف" عورتیں شاید کھلے بندوں جلوس بنا کر زیارت کو نہ جاتی ہوں، اور فیروز شاہ نے عام "عورتوں" کی زیارت اور میلوں کی شرکت کی تردید بھی نہیں کی ہے۔

(۱۱-۱۲-۱۳) ہندو جو اہل جزیہ ہیں، نئے عبادت خانوں کی تعمیر سے روک دیئے گئے جہاں کہیں کسی نئے مندر کا سُراغ ملا، اسے منہدم کردیا گیا، (ص۳۹-۳۸۱)

(۱۴-۱۵-۱۶) اگلے بادشاہ سونے چاندی کے برتن، زریں لباس، اور ریشمی کپڑے عام طور پر استعمال کرتے تھے "میں نے یہ سب چیزیں روک دیں، میں نے یہ حکم دیا کہ صرف وہ برتن استعمال ہوں، جن کی شرع نے اجازت دی ہے"۔

نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) (ص ۳۸۱-۳۸۲)

تصویروں کے امتناع کے سلسلہ میں شمس سراج عفیف لکھتا ہے :-

ان بدعات میں سے ایک بادشاہوں کے خاص کمروں میں تصویروں کا رواج تھا، پہلے بادشاہ اسے اچھا سمجھتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے اللہ کے خوف سے جانداروں کی تصویریں بند کرادیں اور ان کے بدلے باغات اور مناظر کی تصویر کشی کی اجازت دی"۔

(ایلیٹ، جلد ۳ ص۳۶۳)

ان اصلاحات کے علاوہ مسجدوں، اور دوسری عام نفع کی عمارتوں کی تعمیر اور متفرق بھلائی کے کاموں کا تذکرہ ہے، جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، خاتمہ کی چند سطریں قابل غور ہیں :-

"اس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ کی ان عنایات اور احسانات کا شکر ادا کرنا ہے جو اس نے مجھ پر کی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اچھے کام کرنے کے متمنی ہوں،

اسے پڑھیں اور صحیح طریقہ سے واقف ہوں "....... ص ۳۸۰

شمس سراج عفیف بعض ایسے واقعات کا ذکر کرتا ہے جن سے فیروز شاہ کی مذہبی پابندی پر مزید روشنی پڑتی ہے اس سے پہلے برہمنوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، عہد فیروز شاہی میں ان پر بھی جزیہ عائد کیا گیا جو ان کے مسلسل احتجاج اور فاقہ کشی کے باوجود قایم رہا (الیٹ جلد ۳ ص ۳۶۶) اسی طرح ایک برہمن کے سر دربار جلانے کا واقعہ شمس سراج عفیف کی عینی شہادت کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے قصہ یہ ہے کہ دہلی میں ایک برہمن بتوں کی پوجا بر سر عام کیا کرتا تھا، جہاں ہندو تو ہندو مسلمان بھی شریک ہوتے، آخر افسروں کو خبر ہوئی، برہمن دربار میں بلایا گیا، اور پھر اسے سزا دی گئی۔ (ص ۳۶۵)

سکندر لودی ۸۹۴ - ۹۲۳

سکندر لودی کے متعلق اتنا تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ عالم، علم دوست اور صالح بادشاہ تھا۔ الفنسٹن نے تاریخ ہند میں اس کی بڑی برائی کی ہے، اور جرم وہی تعصب، بربریت اور مذہب کا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ مذہبی لحاظ سے سرگرم اور قابل تعریف ہا ہوگا الفنسٹن کا پورا بیان ملاحظہ ہو:۔

"لیکن وہ ہندوستان کے چند متعصب ترین بادشاہوں میں سے تھا، اس نے مندر گرائے اور لوگوں کو تیرتھ سے باز رکھنے کی کوشش کی، اپنے قلمرو کے اندر بعض دریاؤں پر اشنان کرنے سے بھی منع کیا، کبھی کبھی وہ اپنے جوش میں بے انصافی اور بے رحمی کی حد تک پہونچ جاتا تھا ایک برہمن کو اس حقیقت کی تبلیغ پر :۔

"کہ تمام مذاہب، اگر صحیح طور پر برتے جائیں پرمیشور کے نزدیک قابل قبول ہیں"

"تنبیہ کی اور علماء سے مناظرہ پر مجبور کیا، جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو اسے تہ تیغ کر دیا۔

"خود ایک مسلمان نے جب اس تیرتھ کو روکنے پر بحث وحجت کی، تو سکندر تلوار کھینچ کر چلا اٹھا

"خبیث! تو بت پرستی کی حمایت کرتا ہے؟

"اس مسلمان نے جواب دیا:۔

"نہیں! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بادشاہ رعایا پر تشدد نہ کرے،

ایک دفعہ وہ کسی مہم پر جا رہا تھا، راستہ میں ایک قلندر نے اسی کو مخاطب کر کے (شاید اکی دہائی دے کر) دعا مانگی: بادشاہ نے جواب دیا۔

اس سے دعا مانگو، جو واقعی اپنی رعایا (مخلوق) کی بھلائی کی فکر رکھتا ہے"

(تاریخ ہند، الفنسٹن۔ طبع ہفتم ص ۴۱۹)

الفنسٹن کے علاوہ، ایک معاصر ہندو مورخ کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی سکندر لودی کے متعلق کچھ حسن ظن پیدا ہوتا ہے:-

فیروز شاہ کی اصلاحی کوششیں ناکام رہیں، اس لیئے کہ سکندر لودی کو از سرنو اس کے بعض منع کردہ رسم و رواج کا قلع قمع کرنا پڑا۔[1]

غیروں[2] کی ان شہادتوں کے علاوہ لودیوں کی مستند تاریخ "تاریخ داؤدی" میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں، نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:-

"وہ ایک پرجوش مسلمان تھا، اس نے بت پرستوں کے مختلف عبادت خانے منہدم کرا دیئے اس نے بُت پرستی کے مرکز، متھرا کی تیرتھ گاہیں تباہ کر دیں اور مشہور ہندو عبادت خانوں کو کارواں سرائے اور مدرسوں میں منتقل کر دیا۔" (تاریخ داؤدی؛ ایلیٹ جلد ۴ ص ۴۴۷)

اُس نے نومسلموں کو مختلف جگہوں میں زمینیں دیں (ص ۴۴۷) اس طرح ہر شہر اس کی خواہش کے مطابق اسلامی رسم و رواج کا پابند ہو گیا (ص ۴۴۷)

"سر سالار مسعود کے نیزہ کا سالانہ جلوس اس نے یک قلم موقوف کرا دیا۔" (ص ۴۴۷)

عورتیں بھی قبروں کی زیارت سے روک دی گئیں۔" (ص ۴۴۷)

محمد تغلق، فیروز تغلق، سکندر لودی کے متعلق ان بیانات سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مذہب سے لگاؤ تھا، اور وہ جس چیز کو شرعی طور پر بُرا خیال کرتے تھے، اس کے روکنے اور مٹانے کی بھی کوشش کرتے تھے،

پر دُشواری یہ تھی کہ مذہب کی روح سے ناواقفیت اور اسلام کے قانون حرب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے وہ اپنے جوش میں ایسے کام بھی کر جاتے تھے جن کی شرع نے اجازت نہیں دی عرب اور درہ خیبر سے آنے والے بادشاہوں کے درمیان یہی بڑا فرق ہے، محمد بن قاسم نے اپنی ساری جنگی مہم میں کوئی ایسا کام نہیں کیا، جسے اسلام کا قانون حرب روا نہ رکھتا ہو، وہ اور اس کے ساتھی صحیح اسلام کا نمونہ دیکھ کر آئے تھے۔ درۂ خیبر سے آنے والے بیچارے کتاب و سنت سے یکسر ناآشنا۔ بس متاخرین کی فقہ اور اس کی جزئیات میں اُلجھے ہوئے دین کی اصلی روح سے بیگانہ رہے، اس لیئے

---

[1] ملاحظہ ہو: S. N. Sen کا مضمون (ہندویت اور مسلم زندیق) HINDUISM AND MOHAMMADAN HERETICS مندرجہ STUDIES IN INDIAN HISTORY اس کی تائید تاریخ داؤدی سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ درج کردہ مثالوں سے واضح ہوگا۔

[2] الفنسٹن اور سین نے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ غالباً تاریخ داؤدی ہی ان کا ماخذ رہی ہے اس لیئے کہ لودیوں کی تاریخ میں یہ مشہور ہے

اگران میں فیروز تغلق جیسا زندہ دل پیدا بھی ہوا تو، اسے صحیح راہ دکھانے والا کہاں سے ملتا؟

اس بے راہ روی کا ایک اور نمونہ پیش خدمت ہے، ابھی آپ نے محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) فیروز تغلق (م ۷۹۰ھ) اور سکندر لودی[1] (م ۹۲۳ھ) کو اسلام کے نام پر اصلاح کرتے اور کافروں پر سختیاں کرتے دیکھا ہے، اب آئیے، اسی دوران میں امیر صاحبقران کا اسلامی جہاد بھی ملاحظہ فرمائیے، نویں صدی ہجری کا شروع ہے[2] اور آل تغلق (۷۲۱-۸۱۵ھ) کا آفتاب غروب ہو رہا ہے۔

فیروز تغلق کی وفات کو ابھی دس سال ہوئے ہیں، دلی کے تخت پر برا بھلا مسلمان نامی بادشاہ جلوہ افروز ہوا امیر تیمور (م ۸۰۷ھ)، جہاد کا نام لے کر ہندوستان پر فوج کشی کرتا ہے، جہاد کا مقصد ارشاد ہوتا ہے:-

ہندوستان آنے اور ان تمام مشقتوں کے برداشت کرنے سے میرے خاص دو مقصد ہیں:-

سب سے پہلے اسلام کے دشمن، بت پرستوں سے جنگ کرنا۔ دوسرا مقصد دنیوی ہے وہ یہ کہ بت پرستوں کے مال و دولت کو لوٹ کر اسلام کی سپاہ کچھ حاصل کر سکے"۔

(ملفوظات تیموری، ایلیٹ جلد ۳ ص ۳۹۶)

کیا کہتے ہیں مفتیان شرع متین! اس جہاد (؟) کو جہاد شرعی کہا جائے گا؟

اتفاق سے ایک جگہ (BHATNIR) ہندو مسلمان مل کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں، وہاں مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ صادر ہوتا ہے:-

اب قلعہ میں مسلمانوں اور بت پرستوں کا حال برا تھا، بت پرستوں نے اپنی بیویوں اور بچوں کو گھروں میں بند کر کے آگ لگا دی، اور وہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن اسلام کی راہ سے الگ ہو گئے ہیں، انھوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالا اور خود جان پر کھیل کر میدان میں کود پڑے (ص ۴۲۶)

یہ تو ہم نے مانا کہ ہندوستان کے یہ مسلمان راہ راست سے الگ ہو گئے تھے، لیکن چنگیز اور ہلاکو کے طریقہ پر یہ قتل و غارتگری اسلام نے کہاں سکھائی ہے؟

ملفوظات میں تیمور بار بار کہتا ہے:-

"کہ یہ مہم ہندوستان کے بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف جاری کی گئی ہے" (ص ۳۹۰، ۳۹۴، ۳۹۵)

لیکن قتل و نہب کے وقت ہندو مسلم کا امتیاز جاتا رہا، ایک جگہ اور کچھ شوریدہ پشت قطاع طریق کی تنبیہ کے سلسلہ میں

---

[1] سکندر لودی کا زمانہ تیمور کے تقریباً سو سال بعد ہے یہاں محمد تغلق اور فیروز تغلق کے ساتھ مماثلت کی وجہ سے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

[2] ملفوظات تیموری میں سمرقند سے روانگی کی تاریخ رجب ۸۰۰ھ (ایلیٹ: ج ۳ ص ۴۰۰)، دریائے سندھ کے عبور کی تاریخ محرم ۸۰۱ھ (ص ۴۰۹) ہے دہلی پر قبضہ ۸ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو ہوا (ظفرنامہ ایلیٹ جلد ۳ ص ۵۰۰)

رقم طراز ہے:-

وہ صرف نام کے مسلمان تھے، چوری اور ڈاکہ میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، (ص ۴۲۸)

اب ان "سچے مسلمانوں" کے فکر و عمل و اعتقاد کا جائزہ لیجئے، شیخ فرید گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کے مقبرہ کی زیارت کا حال لکھتا ہے:

"مجھے اطلاع دی گئی کہ حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ کا مقبرہ اسی شہر میں ہے، میں فوراً زیارت کے لیئے روانہ ہوا، فاتحہ پڑھی اور امداد کے لیئے دوسری دعائیں پڑھیں..... اور ان کی مقبول روح سے کامیابی کی التجا کی" (ص ۴۲۱[۱])

ممکن ہے خوش عقیدہ لوگ اس گرفت کو "تو ہب" سے تعبیر کریں، لیکن سچائی سچائی رہے گی، اور قبروں کی پرستش، مردوں سے التجا و درخواست، اور دوسری بدعات کبھی روا نہیں رکھی جا سکتیں؟

بہر حال کہنا یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری سے پہلے کے مسلمان بادشاہ معذور تھے، اس وقت اسلام کی صحیح تعلیم عام نہ ہو سکی تھی، اس لیئے اگر کوئی صاحب دل اور صاحب عمل پیدا بھی ہوا، تو صحیح راستہ پر نہ چل سکا، اور اس کی ذات سے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچ سکتا تھا نہ پہنچ سکا۔

خیر بادشاہوں میں تو بعضوں نے اپنی سمجھ کے مطابق اصلاح کی کوشش بھی کی لیکن "علماء" اور "مشائخ"، یا تو تھے ہی نہیں اور تھے تو اپنے فرائض سے غافل، کچھ پاک باز صوفی ضرور تھے، اور یہ انھیں کی خاموش دعوت کا اثر ہے کہ آج اس ملک میں مسلمان نظر آتے ہیں، پر وہ اپنی گوشہ نشینی کے باعث بدعات کے مٹانے سے قاصر تھے، اور تو اور، ان بزرگوں کی قبریں خود بدعات کا آماجگاہ تھیں،

علماء و مشائخ کے زمرہ میں سید محمد جونپوری (۸۴۷-۹۱۱ھ) کا نام آتا ہے، جنھوں نے مہدویت، کا دعویٰ بھی کیا تھا، اصلاح رسوم اور بدعات کی بیخ کنی کے سلسلہ میں ان کی خدمات مشہور ہیں، پر "مہدویت"، کے دعوے کی وجہ سے، ان کے متعلق رائیں بہت مختلف ہو گئی ہیں، بعض مستند مورخوں کا خیال ہے کہ وہ "مہدویت" سے صرف "احیاء سنت" کا ارادہ کرتے تھے، نامور معاصر مورخ سید ہاشمی فرید آبادی (تاریخ ہند جلد ۳ ص ۱۱۱) کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ مولانا ابو الکلام مدظلہ نے تو سید محمد جونپوری کی مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے (ملاحظہ ہو: تذکرہ ص ۲۶-۶۰) ان کے خیال میں سید محمد مہدی سے "مہدی آخر الزماں" نہیں مراد لیتے تھے، سید ہاشمی اور مولانا ابو الکلام دونوں صاحبوں نے حضرت مجدد اور شاہ صاحب کی رائیں نقل کی ہیں اور سکوت کو ترجیح دی ہے، ہم بھی سکوت ہی کو ترجیح دیتے ہیں) لیکن اس وقت جو مہدوی فرقہ ان کی طرف منسوب ہے اور نواح مدراس و حیدر آباد میں پایا جاتا ہے اس کے خیالات تو بلاشبہ حد درجہ گمراہانہ ہیں۔)

---

[۱] یہ تمام حوالے ملفوظات تیموری (انگریزی ترجمہ) مندرجہ الیٹ (جلد ۳ ص ۳۸۹-۴۷۷) کے ہیں۔

سید محمد جونپوری کی دعوت — کے ثمرات ابھی اچھی طرح ظاہر بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ ان کے ماننے والوں پر سختیاں شروع ہوگئیں، یہ دسویں صدی ہجری کا آغاز تھا، اسی زمانہ میں ہمایوں (م ۹۶۳ھ) ایران سے "شیعیت"[1] کا تحفہ لایا، جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی، اب تک تو "خشک فقاہت" یا ہندوانہ تصوف ہی کی برائیاں تھیں، اس نئی آمیزش سے ایک نئے فتنہ کی پرورش شروع ہوئی، جو بعد کی صدیوں میں اسلامی ہند کا ایک "مستقل مسئلہ" بن گیا۔

دورِ ضلالت
۹۶۴ - ۱۰۱۴ھ

یہ سب جو کچھ کہا گیا، اُس دور سے پہلے کی سرگزشت تھی، جس میں دینِ حنیف کو یکسر مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور جس عہد کو بدقسمتی سے آج ہندو مسلم تاریخ کا زریں عہد کہا جاتا ہے، ہماری مراد اکبر (۹۶۴ - ۱۰۱۴ھ) کا دور ہے، اس سے پہلے کے مسلمان نام رکھنے والے بادشاہ مذہب سے "لاپروا" (IN DIFFERENT) ضرور تھے، لیکن انھیں مذہب سے عناد نہ تھا اور نہ اصول مذہب میں ترمیم و تنسیخ کا خیال ان کے دل میں آیا تھا صرف علاء الدین حسین شاہ سلطانِ بنگال (۸۹۹ - ۹۲۷ھ) کے متعلق روایت ہے کہ اس نے ستیہ پیر کی عبادت کو رواج دے کر ایک مذہبی معجون تیار کی تھی[2] (ستیہ کے معنی نرائن یا وشنو کے ہیں) ممکن ہے کہ دو ایک مثالیں اور بھی مل جائیں، پر یہ بات اپنی جگہ پر ہے، کہ اکبری راج سے پہلے مذہب اور اصول مذہب میں یہ افراتفری نہیں مچی تھی،

اکبر کی حکومت ۹۶۴ھ سے شروع ہوکر کوئی پچاس برس کے لگ بھگ رہی، پہلے بیس سال میں کسی دینی فتنہ کا سراغ نہیں ملتا، اس زمانہ میں عام سنی رعایا مطمئن رہی، ۹۸۳ھ سے اکبری "اجتہاد" یا الحاد کا دور شروع ہوا[3] جس کا سلسلہ ۱۰۰۴ھ تک جاری رہا، اس دوران میں عام سنی مسلمان سخت مذہبی فتنہ سے دوچار رہے آخری دس سال کے متعلق تنہا باتیں نہیں ملتیں اس لیے کہ درباری اور معاصر مورخ اپنا کام ۱۰۱۰ھ سے پہلے ختم کر چکے تھے[4]

اکبر اولاً تو بالکل اَن پڑھ تھا، اس پر معلومات حاصل کرنے کا شوق، مولویوں اور مشائخ سے بحثیں کرتا، سنی، شیعہ، برہمن عیسائی، یہودی، آتش پرست، ہر جماعت کے مذہبی عالم بلائے جاتے اور "شہنشاہ" ان کی باتیں سنتا، جس مذہب کی جو بات اچھی لگتی اُسے لے لیتا، بڑھتے بڑھتے یہ عقدہ پیدا ہوا کہ تمام مذاہب حق ہیں، اور اسلام کو کوئی برتری نہیں، یہ نشاۃ

---

[1] ہمایوں سے پہلے شیعیت ہندوستان میں آ تو چکی تھی جیسا کہ فیروز شاہ کے سلسلہ میں گزرا، پر ہمایوں سے پہلے اسے شاہی رسوخ نہ حاصل ہوسکا تھا اور نہ اس کے ماننے والوں کی کثرت تھی ۱۲

[2] CULTURAL FELLOWSHIP IN INDIA BY ATULANANDA CHAKARBARTI ص ۲۵

[3] "الفرقان" کے مجدد نمبر میں "اکبری فتنہ" پر مخدومی مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا بسیط مضمون شایع ہو چکا ہے اس لیے ہم یہاں "دور ضلالت" پر مختصر تبصرہ کریں گے اور وہ بھی مضمون کا تسلسل قایم رکھنے کے لیے ۱۲

[4] اکبری فتنہ کا سب سے بڑا حامی ابوالفضل (صاحب اکبرنامہ و آئین اکبری) ۱۰۱۱ھ میں مقتول ہوا، اور سب سے تلخ نقاد عبدالقادر بدایونی (صاحب منتخب التواریخ) کی وفات ۱۰۰۴ھ میں ہوئی ۱۲

تیز ہوا، ایک نئے دین کی داغ بیل ڈالی گئی۔ "دین الٰہی" نام پڑا گو دربار سلطانی سے باہر اسے کوئی مقبولیت نہ حاصل ہوسکی، کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ آدمی نئے مذہب میں داخل ہوئے تھے، یہ زیادہ سے زیادہ اندازہ ہے

(ملاحظہ ہو: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لفظ اکبر)

مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے شیعہ مذہب بھی اختیار کیا تھا، اور سُنی علمار پر بڑی سختیاں کی تھیں، فتح اللہ شیرازی اور عبداللہ یزدی کو خاص مقربان بارگاہ میں جگہ ملی، اسی طرح مبارک ناگوری کے بیٹے ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) اور فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اس کے خاص چہیتے تھے، تاآنکہ وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وہ تصوف کی طرف مائل تھا۔ جتنی زبانیں، اتنی باتیں۔ اصل یہ ہے کہ وہ کسی عقیدہ پر جمتا نہیں تھا ہم اسے مذہب کے باب میں خبطی کہہ سکتے ہیں۔ آفتاب اور آگ کے سامنے بھی عقیدت سے سر خم کرنا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ کو معبود بنانے اور ستاروں کی پرستش بھی اس کی طرف منسوب ہے، اور تو اور، اپنی عقل کو بھی وہ معصوم سمجھنے لگا تھا، اور یہی بدعقلی تھی جس نے اس کا دماغی توازن خراب کر رکھا تھا، اور آئے دن اس کے عقیدہ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔

اکبر کی اس بے راہ روی میں، اس کی غیر مسلم بیبیوں کا بھی دخل تھا، انھوں نے اس کے "ہندوانے" میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، حرم میں ہندو عورتوں کی موجودگی ہی ہندوانہ ماحول بنانے کیلئے کافی تھی قصر شاہی میں عبادت خانے بنائے گئے، بتوں کی پوجا کا انتظام ہوا، ہندو تہواروں کے موقعہ پر، قصر شاہی میں عام عید منائی جاتی، گاؤ کشی جرم قرار دیگئی شام کو جب چراغ جلتے، تو اکبر تعظیم کے لیئے کھڑا ہوتا، درباری لباس بالکل ہندوانہ ہوگیا، ڈاڑھی بھی چہروں سے غائب ہونے لگی، مختصر یہ کہ سارا ماحول یکسر ہندوانہ ہوگیا، اور قصر شاہی کے آداب واطوار بالکل ہندوانہ رنگ میں رنگ گئے اس دور کے لباس، تعمیر، مصوری، ہر چیز سے "ہندویت" ظاہر ہوتی ہے، فتح پور سیکری کی مسجد ہو، یا شیخ سلیم کا مقبرہ، ہندو اثر بالکل نمایاں ہے، شیخ سلیم چشتی کے مقبرہ کے بارے میں، ونسنٹ اسمتھ اظہار رائے کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"اتنے بڑے پرجوش مسلمان فقیر کے مقبرہ میں ہندوانہ اثرات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، عمارت کی پوری ساخت ہندو جذبہ کو ظاہر کرتی ہے"۔

AKBAR, THEGREAT MUGHAL P.P. 442, 445)

اسی طرح HANELL کی رائے میں "فتح پور سیکری کی مسجد، مسجد سے زیادہ ہندو مندر، معلوم ہوتی ہے"

(A HANDBOOK OF INDIAN ART P.65)

لباس اور مصوری کو بھی اسی پر قیاس کیجئے، اس "ہندوانہ" رنگ کی بعض مثالیں آگے آتی ہیں

دور اکبری کی اس کج روی کا بڑا سبب "علمار سوء" بھی ہیں، ان کی آپس کی منافست، دُنیا کی محبت اور دین کی سطحی واقفیت نے آگ پر تیل کا کام کیا "یہ علمان دین" کی بزدلی اور فرائض سے غفلت ہی کا نتیجہ تھا، کہ انھوں نے ایک مہمل محضر نامہ پر دستخط کئے

(۹۸۷ھ) اس کا مضمون یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہے، امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے، کسی کا پابند نہیں۔ اس کا حکم سب بالا ہے الخ الخ

بیشک "خلیفہ وقت" اور اہل حل و عقد کو ضرور حق اجتہاد حاصل ہے، لیکن یہ حق اجتہاد اکبر، جہانگیر، رضا شاہ کمال اتاترک اور امان اللہ جیسے دین سے بے بہرہ فرمان رواؤں کو نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ایسے بادشاہوں کو اجتہاد کا منصب عطا کر دیا جائے اور پھر ابتری اور بدامنی عام نہ ہو، تو تعجب ہے۔ اکبری دور کے علماء سوء مخدوم الملک اور عبدالنبی نے محضر پر دستخط کر کے، اپنے کو جس عذاب الیم کا سزاوار بنایا، وہ تو خیر قادر مطلق ہی جانتا ہے، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے زیادہ اس زمانہ کے "علماء سوء" کی نااہلی کا اور کوئی ثبوت نہیں مل سکتا، تلخ نوائی معاف! اور سچی بات تو یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور ملکوں میں دین پر جتنے صدمے آئے ہیں، وہ سب انھیں علماء سوء کے ہاتھوں، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکبری فتنہ کی بڑی ذمہ داری ابوالفضل اور فیضی پر نہیں، بلکہ انھیں دنیا کے کتوں پر ہے جنھوں نے بدنصیبی سے اس وقت علم دین کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا دور اکبری کے ابن حنبل، مجدد سرہندی بالکل صحیح فرماتے ہیں:

ہر فتورے کہ دریں زماں در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علماء سوء است کہ

"فی الحقیقت شرار مردم و نصوص دین اند، اولٰئک حزب الشیطان، الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون"

(بحوالہ تذکرہ، ابوالکلام ص۲۱)

یہ محضر نامہ نئے مذہب کے اعلان کی تمہید تھا، آخر سنہ ۹۹۰ھ میں "دین الٰہی" کی تاسیس کا عام اعلان بھی ہو گیا، گو خاص مقربین بارگاہ کے سوا کسی نے اس سفاہت کا ساتھ نہیں دیا، جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، اس "الٰہی مذہب" کے پیرووں کی تعداد بہت محدود رہی لیکن زندگی کے دوسرے شعبے اس فتنہ سامانی سے بری طرح اثر پذیر ہوئے اسلامی تاریخ کی بدلے تاریخ الٰہی (جلالی سنہ) کا اجراء بھی اس دور کی بدعت ہے۔ درباری مصنفین اور ان کے شاگردوں اور ان سے متاثر ہونے والوں کو شاید اپنی مسخ شدہ ذہنیت کا احساس بھی نہیں باقی رہا، عام طور پر مسلمان لکھنے والے اپنی کتابیں حمد و نعت سے شروع کرتے ہیں، لیکن دربار اکبری کے فیض یافتہ اور ان کے شاگرد اپنی ہندی کتابوں یا ہندی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کا آغاز گنیش یا سرسوتی، کے "متبرک" ناموں سے کرتے ہیں، ان روشن خیال اور "سرسوتی نواز" مصنفوں اور مترجموں کا حال ایک واقف کار ہندو اہل قلم کی زبان سنیئے، ڈاکٹر تاراچند فرماتے ہیں:

ایک اہم دلچسپی کی چیز، فارسی اور ہندی لکھنے والوں کا خالق کے سامنے اظہار عجز و نیاز کا طریقہ ہے یہ قابل توجہ بات ہے کہ جہاں ہندو اور مسلمان، دونوں کی مذہبی روایات خالق کے نام سے آغاز پر زور دیتی ہیں ان مصنفوں کے ہاں، خالق کی حمد مذہب کی بنا پر نہیں ہوتی تھی، بلکہ زبان کی بنیاد پر۔۔۔ ہندو مسلمان دونوں، جب فارسی میں لکھتے، بسم اللہ الرحمن الرحیم سے

شروع کرتے، اور ہندی کتابوں کا آغاز دونوں گنیش، سرسوتی، یا کسی دوسرے ہندو دیوتا کی تعریف سے کرتے۔ پہلی صورت تو عام ہے، دوسری کی چند مثالیں دی جاتی ہیں، رحیم MADANA SATAKA کی ابتدا "سری گنیش نامہ" سے کرتا ہے، جہانگیر کے دور کا ایک انشا پرداز احمد جس نے سمدرک SAMUDRIKA پر ایک کتاب لکھی، اسی کے نقش قدم پر چلتا ہے، احمد اللہ اپنی کتاب "سری رام جی سہائے" سے شروع کرتا ہے، یعقوب خاں اپنی کتاب RASABHUSHANA شروع کرتے ہوئے سری سرسوتی، سری رادھا کرشن جی، سری گوری شنکر جی تین تین دیوتاؤں کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے الخ

خطبہ صدارت شعبہ دور مغلیہ، تاریخ کانگریس دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۱۶-۱۷)

تاراچند صاحب نے اور بھی مثالیں دی ہیں، ہم اتنے ہی پر بس کرتے ہیں، ممکن ہے "متحدہ قومیت" اور اکبری راج کے ثنا خوانوں کے نزدیک یہ کوئی مفید اور قابل ذکر نمونہ ہو، پر ہم تو اسے مسلمانوں کے حق میں ذہنی ارتداد سے کم نہیں سمجھتے۔

اکبری دور کی یہی فتنہ سامانی تھی، جس نے مسلمانوں کی اندرونی زندگی کھوکھلی کردی، زندگی کا سارا نظام ہندوانہ سانچے میں ڈھلنے لگا، معروف، اور منکر کا امتیاز جاتا رہا، اور خدا نخواستہ اگر یہ ارتقاء یا ترقی معکوس برابر جاری رہتی، تو آج ہم آپ اس حال میں نہ ہوتے، ایک ہندو استھان ہوتا، جہاں مسلمان نام رکھنے والے بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے بدلے ارجنؑ اور رام چندر جی کے کارناموں پر فخر کرتے (والعیاذ باللہ) اب تک ہندوستان کی تاریخیں خالص دنیاوی بلکہ غیر اسلامی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں، اور اکبر کو ناروا طور پر اکبر اعظم کا لقب دیا گیا ہے ضرورت ہے کہ مسلمان لکھنے والے، اسلامی ہند کی تاریخ کا اسلامی نقطہ نظر سے مطالعہ کریں، اس طرح پر انہیں معلوم ہوگا کہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ میں اکبری راج سے زیادہ بُرا وقت نہیں آیا، اس لیئے اگر ہم اسے "دورِ ضلالت" سے تعبیر کرتے ہیں، تو کوئی زیادتی نہیں کرتے۔

حضرت مجدد[لہ] سرہندی ۹۷۱ - م ۱۰۳۴ ہجری

اب ہم اسلامی ہند کے دینی ارتقاء کی تاریخ کے اس نقطہ پر پہونچ گئے ہیں، جہاں سے صحیح اسلامی رہنمائی شروع ہوتی ہے، زمین تپتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، آخر شب کی اندھیاریاں ہی کے بعد سپیدہ صبح نمودار ہوتا ہے۔ جب مصیبت حد سے گزر جاتی ہے تو رحمت باری جوش میں آتی ہے۔

لہ اس مضمون کا حق یہ تھا کہ اس میں حضرت مجددؒ کے مشن اور ان کی خدمات پر تفصیلی گفتگو کی جاتی لیکن مجدد نمبر کی اشاعت کے بعد یہ تفصیل بے کار معلوم ہوتی ہے، اس لیئے ہمارا یہ باب بھی مختصر رہے گا۔

اسی طرح جب زندقہ والحاد نے حکومت کی آغوش میں بال و پر نکالنا شروع کئے، اور سچے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا، اور ملک کے طول و عرض میں ہر طرف "ظلمات بعضہا فوق بعض" کا منظر نظر آنے لگا، اور ایک نئے احمدؒ بن حنبل کی ضرورت محسوس ہوئی، تو قدرت نے ایک درویش کو خلعت تجدید عطا فرمایا، جس نے بھارت ورش کی پتر بھومی میں پہلی مرتبہ بھولے بھٹکوں کی صحیح رہنمائی کی، کفر و شرک کی اندھیاری کافور کی اور بدعات کی شب تار میں سنت و ہدایت کی شمع روشن کی، محمد بن عبد اللہ (روحی فداہ: صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کو بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک کیا، ہندوانہ تصوف کی جگہ توحید خالص کا بول بالا کیا اور شریعت کے دامن سے رفض کا داغ دھونے کی کوشش کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افضل الجہاد کی سنت زندہ کی اور "کلمۂ حق" کہکر سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ پوری قوم کے متاع ایمان کی رکھوالی کرلی ـــــ یہ کون تھا؟ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالے رحمۃ الابرار الصالحین من عبادہ ونوّر ضریحہ، حق یہ ہے کہ وہ "مجدد" کہے جانے کے حق دار ہیں، حسینؓ بن علی، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے جو کام اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیئے تھے، وہی خدمت اس بوریہ نشین کے حصہ میں بھی آئی، جسے اس نے انجام دیا اور پورے کر و فر کے ساتھ، شان استغناء کے ساتھ، اسی شان محبوبیت کے ساتھ جو ازل سے خاصان خدا کے لئے مقدر ہے۔

حضرت مجددؒ کی دعوت جہانگیر (۱۰۱۴-۱۰۳۷) کے دور میں سرسبز ہوئی جب کہ وہ "منکرات" کے مٹانے اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے، لاتعداد خلقت آپ کے ہاتھوں ہدایت پذیر ہوئی نزدیک اور دور سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے، آپ تو آپ ان کے خلفا کا یہ عالم تھا کہ فوج میں تبلیغ کرتے اور افسر و ماتحت بلاتفریق ان کے ذریعہ ہدایت پاتے،

اوّل اوّل تو حکومت وقت نے ان پر سختی نہ کی، لیکن جب ردّ تشیعیت میں ان کی زبان صاف صاف کھلی تو ارکین حکومت میں کھلبلی مچ گئی اور بادشاہ کو طرح طرح سے ان کے خلاف اکسایا گیا........ آخر دربار سے طلبی ہوئی........ آپ تشریف لائے، شان استغناء کے ساتھ اندر داخل ہوئے، اسلام مسنون پر اکتفا کی اور زمانہ کے رواج کے مطابق زمین بوس نہ ہوئے، تو اساطین مملکت بپھر گئے........ مجاہد وہاں بھی کلمۂ حق سے باز نہ رہا۔ تقریر کی جس میں بدعات و منکرات کی کھلم کھلا مذمت تھی...... نتیجہ ظاہر تھا گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے، سنت یوسفی وہاں تازہ ہوگئی، تذکیر و ہدایت شروع ہوئی اور آن کی آن میں قید خانہ کی کایا پلٹ ہوگئی، اور حیوان نما انسان، انسانوں میں تبدیل ہوگئے، بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ اس قیدی نے تو حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بناڈالا ہے ولی صفت انسان تو قید خانہ کے قابل نہیں۔

بادشاہ متاثر ہوا اور پایہ تخت آنے کی دعوت دی، ولی عہد شہزادہ خرم نے استقبال کیا، خود بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور معذرت کی۔ موقع غنیمت تھا، مجاہد نے اپنا فرض ادا کیا، اور مندرجہ ذیل اُمور کے نفاذ اور ان پر عمل کا مطالبہ کیا۔

(۱) بادشاہ کیلئے سجدہ تعظیمی کی یکقلم موقوفی

(۲) گائے ذبح کرنے کی اجازت

(۳) بادشاہ اور ارکین دولت پر باجماعت نماز کی پابندی،

(۴) عہدہ قضا اور شرعی احتساب کے محکمہ کی تجدید،

(۵) تمام بدعات اور شرعی منکرات کا قلع قمع،

(۶) غیر شرعی قوانین کی منسوخی،

(۷) شکستہ اور منہدم مسجدوں کی دوبارہ تعمیر،

شاہی حکم نافذ ہوا اور نصف صدی کی گھٹا ٹوپ اندھیاری کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی اور عام مسلمان اس تبدیلی سے مسرور اور مطمئن ہو گئے،

حضرت مجددؒ کی خدمات کہاں تک گنائی جائیں، دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ ان کی افادات کا رہین منت ہے، ایک طرف اگر "رد روافض" میں ان کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، تو دوسری طرف شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انھیں کے ہاتھوں دور ہوئی، انھوں نے اس "باطل" تصوف کی اصلاح کی اتباع سنت پر زور دیا، اور لوگوں کو کتاب وسنت کے چشمۂ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

عاجز کے نزدیک ان کا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ "بدعت حسنہ" کی پردہ دری ہے، دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے علماء سوء اور نام نہاد صوفیہ اپنی ہنت نئی بدعتوں کی پردہ پوشی "بدعت حسنہ" کے خوبصورت اور جاذب فقرہ سے کیا کرتے تھے، کسی منکر پر حرف گیری کرو، جواب ملے گا، "بدعت حسنہ"، ہے کسی بدعت پر متنبہ کرو فوراً "حسنہ" کی سپر سامنے آجائے گی، اللہ اللہ، رسول اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو ارشاد ہو: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد، لیکن علماء سوء ہیں کہ دین کے اندر بدعات کا انبار لگاتے جا رہے ہیں، اور پوچھو تو ایک جواب "بدعت حسنہ"، حقیقت یہ ہے کہ دین کے اندر جو اضافہ کیا جائے وہ بدعت ہے اور اس لیئے ضلالت بھی ہے، حسنہ اور سیئہ کی کوئی تفریق نہیں —— میں "دین کے اندر" کہہ رہا ہوں، رسول کریم (مفدی بابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم) نے "فی امرنا ہذا" فرمایا ہے۔ لباس طعام، اُٹھنے، بیٹھنے کے آداب

اور طریقوں کا سوال نہیں، بحث ان جدتوں اور نوتراشیدہ رسموں سے ہے، جو دین اور دینی اعمال کے اندر پیدا کرلی گئی ہیں، وہ کسی حال میں حسنہ نہیں ہوسکتیں، مجددؒ صاحب کا احسان ہے کہ انھوں نے اس کفرزار میں پہلی مرتبہ اس بدعت کا راز فاش کیا، انھوں نے صاف صاف فرمایا:-

النصیحة ھی الدین ومتابعة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوٰة والسلام و اتیان السنة السنیة والاجتناب عن البدعة الامرضیة وان کانت البدعة تری مثل فلق الصبح لانه فی الحقیقة لانور فیها ولاضیاء ولا للعلیل منها شفاء ولا للداء منها دواء کیف والبدعة اما رافعة للسنة أو ساکتة عنها والساکتة لابد وان تکون زائدة علی السنة فتکون ناسخة لها فی الحقیقة ایضا لان الزیادة علی النص نسخ له فالبدعة کیف کانت تکون رافعة للسنة نقیضة لها، فلاخیر فیها ولاحسن فیها لیت شعری من این حکموا بحسن البدعة المحدثة فی الدین الکامل الخ (مکتوب ۱۹، حصہ ہشتم دفتر دویم)

سچ کہا حضرت مجددؒ نے "معلوم نہیں، ان لوگوں نے (دین کامل کے اندر) اختراع کردہ بدعتوں کی بہتری اور اچھائی کا حکم کہاں سے لگا دیا!"

بدعت حسنہ (؟) کی پردہ دری میں مجدد صاحب کے اقوال اس درجہ صاف اور واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں[1]، لیکن کتنے ہیں جو مجدد صاحب کی پیروی اور عقیدت کا دم بھرتے ہوئے بھی اس میں لت پت نہیں؟ اللہ ہم سب کو سچائیوں کے پہچاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے،

شیخ عبدالحق دہلوی ۹۵۸ھ - م ۱۰۵۲ھ

مجدد صاحب کے کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کے معاصر شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کی خدمات کا ذکر بھی ضروری ہے، ان کی ذات سے شمالی ہند میں علم حدیث کو زندگی ملی، اور سنت نبوی کا خزانہ ہر خاص و عام کے لیئے عام ہوگیا، ہمارے نزدیک حدیث کی خدمت اور کتب حدیث کی مزاولت خود بخود دین کی سچی روح سے قریب کرتی ہے، اگلے "علماء" اور صوفی بس متاخرین کی فقہ اور معقولیت میں اُلجھ کر رہ گئے اور کم از کم شمالی ہند میں حدیث کا عام چرچا نہ ہوسکا، بددینی اور بدعقیدگی کا بڑا سبب یہی ہے۔ شیخ عبدالحق نے اس جہل کے دور کرنے کی کوشش کی، اور اس لیئے ہم آج ان کے شکرگزار ہیں اور ان کی علمی خدمات کا دل سے اعتراف کرتے ہیں،

شیخ کی تصنیفات بہت ہیں، فقہا اور صوفیہ دونوں ان کی شان میں رطب اللسان ہیں، معاصرت

---

[1] بدعت حسنہ (؟) کی مذمت میں مکتوبات کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ "الفرقان" کے مجدد نمبر میں جا بجا مختلف اقتباسات آئے ہیں: (ملاحظہ ہو: ص ۲۰، ۴۶، ۴۷، ۵۹، ۷۳، ۲۶۷)

کی وجہ سے حضرت مجددؒ اور شیخ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، جو بشریت کا تقاضا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے، شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) دونوں ایک دوسرے کو اپنی تالیفات میں اس طرح یاد کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، یہاں تو معمولی سوء تفاہم، ہوا تھا، جو بعد کو رفع ہوگیا، اور تعلقات استوار ہوگئے، اور دونوں خاندانوں کے اتحاد سے اصلاح وتجدید کے کاموں کو بڑی تقویت پہونچی،

عالمگیر اورنگ زیب
۱۰۶۸ — ۱۱۱۸ ہجری

یوں تو جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ) ہی کے آخر دور سے حکومت مغلیہ کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی، اور شاہ جہاں (۱۰۳۷-۱۰۶۸ھ) کے زمانے میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل رہی، نیز بادشاہ کے ستھرے ذوق کے طفیل کم از کم تعمیرا ور فنون لطیفہ سے ہندوانہ اثرات زائل ہونے لگے، شاہجہاں کے زمانے کی عمارتیں ایرانی اور ہندی فنون (آرٹ) کے امتزاج کا اچھا نمونہ ہیں اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی اعتدال پیدا ہونے لگا. . . . . . پر ایک ایسے فرماں روا کی ضرورت باقی تھی جو اکبر کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کا مداوا ہوسکے، اکبر اور اس کے حواری سالہا سال تک فتنۂ الٰہیہ کی آبیاری کرتے رہے۔ ان کی ذہنی اور قلبی بیماریوں کے جراثیم معاشرت اور سماج کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے ان جراثیم کے دفعیہ اور "شجرۂ خبیثہ" کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیئے بھی ایک صاحب عزم اور صاحب فہم، گلیم پوش سلطان کی ضرورت تھی، جو الحمدللہ کہ ابو المظفر محی الدین عالمگیرؒ (اللہ اس کی آرام گاہ پر جنت کے پھول برسائے) کی تخت نشینی سے پوری ہوگئی تخت نشینی کیا تھی ایک مسلسل جہاد کا عزم ایک نہ ختم ہونیوالی جد و جہد کا آغاز، دارا شکوہ اور عالمگیر کی آویزش صرف دو بھائیوں کی آویزش نہ تھی، صرف ملک گیری کی لڑائی نہ تھی، یہ دو مختلف اصولوں کی جنگ تھی، دو فکر (IDEOLOGY) کی کشمکش تھی، ایک اپنے پردادا کے طور طریقے زندہ کرنا چاہتا تھا، دوسرا اپنے پیغمبر اور ہادی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت پر فریفتہ تھا، کہتے ہیں کہ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہوتا، تو آج مغلیہ حکومت زندہ رہتی، ہوسکتا ہے کہ زندہ رہتی (سردست ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے) پر اسلام کا اس دیس سے جنازہ نکل چکا ہوتا. . . . . سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ہند کی کوئی تاریخ اس بوریہ نشین شہنشاہ کے کارناموں کے بغیر مکمل نہیں کہی جاسکتی، یہ پہلا بادشاہ تھا۔ (اگر ہم تغلق خاندان سے بعض فرمانرواؤں کو الگ کردیں)۔ جس نے بتوں کی اس سرزمین میں دین حنیفی کو تقویت دی، بدعات اور منکرات کا قلع قمع کیا اور پہلی مرتبہ اس ملک کے مسلمانوں کو فرماں رواقوم کے ایک فرد کی حیثیت دی۔

امام ولی اللہ دہلوی
۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ ہجری

ایک طرف چھ سات سو سال کی گمراہیاں تھیں، دوسری طرف ایک فقیر اور ایک شہنشاہ کی مجاہدانہ کوششیں، یہ کوششیں اپنی جگہ پر آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں اور اگر عالمگیر کے جانشین لائق اور صاحبِ عزیمت ہوتے، تو یقینی یہ کوششیں برگ و بار لاتیں اور ان کے اچھے ثمرات

ظاہر ہوتے، لیکن وہ جو کہ ہند میں ملت کے ناموس کا آخری نگہبان تھا،، اس کے جانشین ایسے کمزور اور بودے ثابت ہوئے کہ آن کی آن میں حکومت ڈانواڈول ہونے لگی اور فتنوں نے پھر از سر نو سر اٹھایا.... جبت وہ بدعات کی گرم بازاری شروع ہوگئی۔ ہندوانہ چلن، جو حضرت مجددؒ اور سلطان عالمگیر کی جدّ و جہد سے مٹنے لگے تھے پھر رواج پانے لگے، شیعیت، آخری کمزور بادشاہوں کی آغوش میں، پھر سر چڑھنے لگی، یہ تو عام فضا تھی، "خواص" یعنی اہل درس اور صحاب مسند کا حال اور برا تھا، صاف صاف کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، پر موقع ایسا آپڑا ہے کہ بے کہے بھی رہا نہیں جاتا... نام نہاد فقراء اور صوفیہ، فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری ہے شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے، "قرآن کریم اور حدیث رسول کی کانوں میں بھنک پڑ جائے، تو خیر حرج نہیں، لیکن ان کی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کیے جائیں، یہ ناممکن!! بڑے بڑے "علما" کے خانوادے مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھانا کافی خیال کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالحق کی ترغیب و تحریص کے فیض سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی ہے، تو انہیں اہل مدرسہ کی۔ اہل فتویٰ کا حال نہ پوچھو، ان کے ہاں بس متاخرین کے تدوین کردہ فقہ اور فتاوی کی گویا پرستش ہونے لگی، کیا مجال کہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے کسی فتوے یا قول سے آپ اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں، اور اگر کسی سر پھرے نے کبھی ایسی جرات کی، تو وہ 'وہابی' مبتدع، غیر مقلد، .... اور دوسری "شرعی" گالیوں کا مستحق ٹھیرا۔

آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات تو یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا، کہ یہ ان "اہل مدرسہ" کے ہاں کتاب عزیز کبھی بار پاتی تھی، اور واقعی ان بیچاروں کو "علوم الٰہیہ" سے اتنی فرصت کہاں ملتی تھی، کہ وہ کلام الٰہی کی طرف توجہ کرتے پورے "درس نظامی" میں اگر کوئی کتاب واقعی درس سے خارج تھی، تو یہی کتاب ربانی، جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے، جس پر ہم آپ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں........

یہ تو علما اور صحاب درس کی حالت تھی، عوام اور متوسط طبقہ کی حالت اور درد ناک تھی، ایک غیر مسلم مبصر کے الفاظ میں فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیرووں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری

لہ یہ نام محض تمثیلاً لیے گئے ہیں، شکوہ ان کتابوں یا مصنفوں سے نہیں، شکوہ ان پر قرآن کریم کی طرح عمل کرنے والوں سے ہے ۱۲

کا اظہار فرماتے ہیں[1] (جدید دنیائے اسلام مصنفہ STODDARD مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی)

یہ پُرآشوب زمانہ تھا، اور یہ دردناک حالات تھے کہ غیرتِ حق کو حرکت ہوئی وقت آیا کہ از سرِ نو پیامِ محمدی کی تجدید ہو، مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے دو طالب علم خاص طور پر اس منصب سے نوازے گئے۔ ان میں ایک ہندی نژاد تھا، دوسرا نجد کا بادیہ نشین، آپ سمجھے؟ یہ طالب علم کون تھے، نجد کا بادیہ نشین محمد بن عبدالوہاب (و ۱۱۱۵ھ ۔ م ۱۲۰۶ھ) اور ہندی نژاد ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی (و ۱۱۱۴ھ ۔ م ۱۱۷۶ھ)[2] ۔ یہ دونوں کیا تھے؟ انھوں نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل ضخیم جلدوں کی محتاج ہے، ہم اتنا جانتے ہیں کہ آج ہندوستان میں ایمان اور علم دین کی جو کچھ بُری بھلی متاع ہمارے پاس موجود ہے وہ سب امام ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کا صدقہ ہے اور اس دیس میں آج جہاں کہیں بھی علم اور معرفت کی سبیل جاری ہے، سب کا منبع وہی ذات گرامی ہے جسکی یاد تازہ کرنے کے لیئے آج کی صحبت مرتب کی گئی ہے اور جس کی خدمت میں اس وقت ہم آپ اپنے علم اور حوصلوں کے مطابق اپنی عقیدت اور محبت کی نذر پیش کر رہے ہیں۔

راقم کے ذمہ امام ولی اللہ سے پہلے اسلامی ہند کی دینی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا مقدور بھر اس نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اگر خامی رہ گئی ہو، تو یہ اس کے علم کا قصور ہے، اور اگر لہجہ میں کہیں تلخی ہو، تو یہ شدتِ احساس کا نتیجہ ہے، جس کے لیئے معذرت کی ضرورت نہیں؛

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

---

[1] اسٹاڈرڈ نے اپنی کتاب میں اٹھارھویں صدی عیسوی کی اسلامی دنیا کا جامع اور پر درد نقشہ کھینچا ہے۔ امیر شکیب ارسلاں کی رائے میں کوئی حاذق مسلمان بھی اس سے زیادہ صحیح تصویر نہیں کھینچ سکتا تھا، سیرت سید احمد شہید (ص ۵۱-۵۰) میں سٹاڈرڈ کا پورا اقتباس درج ہے۔ طوالت یہاں درج کرنے سے مانع ہے ۱۲

[2] اسی طرح شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب کے مجاہدانہ اور مجددانہ کارنامے بھی کچھ کم اہم نہیں، راقم شیخ الاسلام کی مفصل سیرت لکھ رہا ہے۔ جو انشاء اللہ اپنے موضوع پر جامع چیز ہوگی۔

منصب تجدید کی حقیقت

اور

تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام

از

مولٰنا سید ابو الاعلیٰ مودودی

مدیر ترجمان القرآن لاہور

خاص "الفرقان" کے ولی اللہ نمبر کیلیے لکھا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی اصطلاحی زبان کے جو الفاظ کثرت سے زبانوں پر آتے ہیں اُن میں سے ایک لفظ مجدّد بھی ہے۔ اس لفظ کا ایک مجمل مفہوم تو قریب قریب ہر شخص سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ جو شخص دین کو ازسرِنو زندہ اور تازہ کرے وہ مجدّد ہے، لیکن اس کے تفصیلی مفہوم کی طرف بہت کم ذہن منتقل ہوتے ہیں۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ تجدید کی حقیقت کیا ہے، کس نوعیت کے کام کو "تجدید" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس کام کے کتنے شعبے ہیں، مکمل تجدید کا اطلاق کس کارنامے پر ہوسکتا ہے اور جزوی تجدید کیا ہوتی ہے۔ اسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ لوگ اُن مختلف بزرگوں کے کارناموں کی بھی پوری طرح تشخیص نہیں کرسکتے جن کو تاریخ اسلام میں مجدّد قرار دیا گیا ہے۔ وہ بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ عمر ابن عبدالعزیز بھی مجدد، امام غزالی بھی مجدّد، ابن تیمیہ بھی مجدد، شیخ احمد سرہندی بھی مجدّد، اور شاہ ولی اللہ بھی مجدّد۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس حیثیت سے مجدّد ہے اور اس کا تجدیدی کارنامہ کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہے۔ اس ذہول وغفلت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جن ناموں کے ساتھ "حضرت" "امام" "حجۃ الاسلام" "قطب العارفین" "زبدۃ السالکین" اور اسی قسم کے الفاظ لگ جاتے ہیں ان کی عقیدت مندی کا اتنا بوجھ دماغوں پر پڑ جاتا ہے کہ پھر کسی میں یہ طاقت نہیں رہتی کہ آزادی کے ساتھ ان کے کاموں کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک مشخص کرسکے کہ کس نے اس تحریک کے لیے کتنا اور کیا کام کیا ہے، اور اس خدمت میں اُس کا حصہ کس قدر ہے۔ عموماً تحقیق کی نپی تُلی زبان کے بجائے ان بزرگوں کے کارنامے عقیدت کی شاعرانہ زبان میں بیان کیئے جاتے ہیں جن سے پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے، اور شائد لکھنے والے کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے، کہ جس کا ذکر کیا جارہا ہے وہ مردِ کامل تھا اور اس نے جو کچھ بھی کیا وہ ہر حیثیت سے کمال کے آخری درجہ پر پہونچا ہوا تھا۔ حالانکہ اگر اب ہم کو تحریک اسلامی کی تجدید واحیاء کے لیئے کوشش کرنی ہے تو اس قسم کی عقیدت مندی اور اس ابہام واجمال سے کچھ کام نہ چلے گا۔ ہم کو پوری طرح اس تجدید کے کام کو سمجھنا پڑے گا اور اپنی پچھلی تاریخ کی طرف پلٹ کر دیکھنا ہوگا کہ ان بہت سی صدیوں میں ہمارے مختلف لیڈروں نے کیا کیا کام کس کس طرح کیا ہے، ان کے کارناموں سے ہم کس حد تک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اور ان سے کیا کچھ چھوٹ گیا ہے جس کی تلافی پر اب ہمیں متوجہ ہونا چاہیئے۔

یہ مضمون ایک مستقل کتاب چاہتا ہے۔ مگر کتاب لکھنے کی فرصت کہاں۔ یہی غنیمت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ذکر خیر چھڑ گیا، جس کی وجہ سے اس مضمون کی طرف چند اشارے کرنے کا موقع نکل آیا۔ شائد کہ انہی

اشاروں سے کسی اللہ کے بندے کو تاریخ تجدید و احیاء دین کی تدوین کا راستہ مل جائے۔

اسلام اور جاہلیت کی اصولی و تاریخی کشمکش

تجدید کی حقیقت و نوعیت سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی اور تاریخی کشمکش کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیونکہ تجدید درحقیقت نام ہے جاہلیت کے ہجوم سے اسلام کو نکال کر ازسرنو چمکا دینے کا۔ پس آدمی نہ تو تجدید کو جان سکتا ہے نہ کسی مجدد کے کام کو پرکھ سکتا ہے جب تک کہ ان دونوں متصادم قوتوں کو اور ان کی کشمکش کو واضح طور پر نہ سمجھ لے۔

دنیا میں انسان کی زندگی کے لیئے جو نظام نامہ بھی بنایا جائے گا اس کی ابتدا لامحالہ مابعد الطبیعی یا ایمانی مسائل سے ہوگی۔ زندگی کی کوئی اسکیم بن نہیں سکتی جب تک کہ انسان کے متعلق اور اس کائنات کے متعلق، جس میں انسان رہتا ہے، ایک واضح اور متعین تصور نہ قایم کر لیا جائے۔ یہ سوال کہ انسان کا برتاؤ یہاں کیا ہونا چاہیئے اور کس طرح اُسے اس دُنیا میں کام کرنا چاہیئے، در اصل اس سوال سے گہرا تعلق رکھتا ہے کہ انسان کیا ہے، اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، اور اس کائنات کا نظام کس ڈھنگ کا ہے جس سے انسان کی زندگی کے ڈھنگ کو ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ اس سوال کا جو حل بھی تجویز کیا جائے گا اُسی کے لحاظ سے اخلاق کا ایک نظریہ قایم ہوگا، پھر اُسی نظریہ اخلاقی کی نوعیت کے مطابق انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل ہوگی، پھر اسی سانچے کے اندر انفرادی سیرت و کردار اور اجتماعی تعلقات و معاملات کے قوانین اپنی تفصیلی صورتیں اختیار کریں گے، اور آخر کار تمدن کی پوری عمارت انہیں بنیادوں پر تعمیر ہوگی۔ دُنیا میں اس وقت تک انسانی زندگی کے لیئے جتنے مذہب و مسلک بھی بنے ہیں ان سب کو بہرحال اپنا ایک بنیادی فلسفہ اور ایک اساسی نظریۂ اخلاق مرتب کرنا پڑا ہی اور اصول سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک میں ایک مسلک کو دوسرے مسلک سے جو چیز ممتاز کرتی ہی وہ یہی فلسفہ اور یہی اخلاقی نقطۂ نظر ہے، کیونکہ ہر دستور زندگی کا مزاج اسی چیز کی طبیعت کے مطابق بنتا ہی اور یہ اس کے قالب میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

جزئیات و فروع سے قطع نظر، اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو انسان اور کائنات کے متعلق چار ہی مابعد الطبیعی نظریے قایم ہو سکتے ہیں، اور دنیا میں جتنے دستور زندگی پائے جاتے ہیں انھوں نے انہی چار میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے:-

جاہلیت خالصہ

ایک نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام ایک اتفاقی ہنگامۂ وجود و ظہور ہے جس کے پیچھے کوئی حکمت، کوئی مصلحت اور کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے۔ یونہی بن گیا ہے، یونہی چل رہا ہی اور یونہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی خدا نہیں ہی، اور اگر ہی تو اس کے ہونے یا نہ ہونے کا انسان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان ایک قسم کا جانور ہی جو دوسری چیزوں کی طرح شاید اتفاقاً

یہاں پیدا ہوگیا ہے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور کس لئے پیدا کیا۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ اس زمین پر پایا جاتا ہے، کچھ خواہشیں رکھتا ہے جنھیں پورا کرنے کے لیئے اس کی طبیعت اندر سے زور کرتی ہے کچھ قوتیں اور کچھ آلات رکھتا ہے جو ان خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اور اپنے گرد وپیش زمین کے دامن پر بہت سا سامان پھیلا ہوا دیکھتا ہے جن پر وہ اپنے ان قوی اور آلات کو استعمال کر کے اپنی خواہشوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی طبع حیوانی کے مطالبات پورے کرے، اور اس کی انسانی استعدادوں کا مصرف اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان مطالبات کو پورا کرنے کے بہتر سے بہتر ذرائع فراہم کرے۔ انسان سے مافوق کوئی علم کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ موجود نہیں ہے جہاں سے اس کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہو، لہٰذا اس کو اپنے گرد وپیش کے آثار و احوال سے اور اپنی تاریخ کے تجربات سے خود ہی ایک قانون عمل اخذ کرنا چاہیئے۔ بظاہر کوئی ایسی حکومت نظر نہیں آتی جس کے سامنے انسان جوابدہ ہو، اس لیئے انسان بجائے خود ایک غیر ذمہ دار ہستی ہے، اور اگر یہ جوابدہ ہے بھی تو آپ اپنے ہی سامنے ہے، یا اس اقتدار کے سامنے جو خود انسانوں ہی میں سے پیدا ہو کر افراد پر مستولی ہو جائے۔ اعمال کے نتائج جو کچھ بھی ہیں اسی دُنیوی زندگی کی حد تک ہیں۔ اس کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا صحیح اور غلط، مفید اور مضر، قابل اخذ و قابل ترک ہونے کا فیصلہ صرف ان ہی نتائج کے لحاظ سے کیا جائے گا جو اس دُنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

انسان جب جاہلیت محضہ کی حالت میں ہوتا ہے، یعنی جب اپنے محسوسات سے ماوراء کسی حقیقت تک وہ نہیں پہونچتا یا بندگی نفس کی وجہ سے نہیں پہنچنا چاہتا، تو اس کے ذہن پر یہی نظریہ حاوی ہوتا ہے۔ دُنیا پرستوں نے ہر زمانے میں یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ قلیل مستثنیات کو چھوڑ کر بادشاہوں نے، امیروں نے، درباریوں اور ارباب حکومت نے خوشحال لوگوں اور خوشحالی کے پیچھے جان دینے والوں نے عموماً اسی نظریہ کو ترجیح دی ہے اور جن قوموں کی تمدنی ترقی کے گیت تاریخ میں گائے جاتے ہیں بالعموم ان سب کے تمدن کی جڑ میں یہی نظریہ کام کرتا رہا ہے۔ موجودہ مغربی تمدن کی بنیاد بھی یہی نظریہ ہے۔ اگرچہ اہل مغرب سب کے سب خدا اور آخرت کے منکر نہیں ہیں، نہ علمی حیثیت سے سب مادہ پرستانہ اخلاق کے قائل ہیں، لیکن جو روح ان کے پورے نظام تہذیب و تمدن میں کام کر رہی ہے وہ اسی انکار خدا و آخرت اور اسی مادہ پرستانہ اخلاق ہی کی روح ہے اور وہ کچھ اس طرح ان کی زندگی میں پیوست ہوگئی ہے کہ جو لوگ علمی حیثیت سے خدا اور آخرت کے قائل ہیں اور اخلاق میں ایک غیر مادہ پرستانہ نقطہ نظر اختیار کرتے ہیں وہ بھی غیر شعوری طور پر اپنی واقعی زندگی میں دہریہ اور مادہ پرست ہی ہیں، کیونکہ ان کے علمی نظریہ کا اُن کی عملی زندگی سے بالفعل کوئی ربط قایم نہیں ہے۔ ایسی ہی کیفیت ان سے پہلے کے مترفین اور خدا فراموش لوگوں کی بھی تھی، بغداد، دمشق، دہلی، اور غرناطہ کے مترفین

مسلمان ہونے کی وجہ سے خدا اور آخرت کے منکر نہ تھے، مگر ان کی زندگی کا سارا پروگرام اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہی، نہ آخرت ہے، نہ کسی کو جواب دینا ہی، نہ کہیں سے ہدایت لینی ہی، جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں ان خواہشات کی تکمیل میں ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے کے لیئے ہم آزاد ہیں اور دُنیا میں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہی اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ:۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا، اس نظریہ کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظام اخلاق بنتا ہے (خواہ وہ کتابوں میں مدوّن ہو یا صرف ذہنیتوں ہی میں مرتب ہوکر رہ جائے۔ پھر اسی ذہنیت سے علوم وفنون اور افکار وآداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم وتربیت میں الحاد و مادّیت کی روح سرایت کرجاتی ہے پھر انفرادی سیرتیں اسی سانچے میں ڈھلتی ہیں، انسان اور انسان کے درمیان تعلقات ومعاملات کی تمام صورتیں اسی نقشہ پہ بنتی ہیں، اور قوانین کا نشوونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہی پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر وہ لوگ اُبھر کر آتے ہیں جو سب سے زیادہ مکار، بددیانت، جھوٹے، دغاباز سنگ دل اور خبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت وقیادت اور مملکت کی زمام کار انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہی اور وہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پروا ہوکر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میکیاویلی کے اصول سیاست پر ان کی ساری حکمت عملی مبنی ہوتی ہے۔ ان کی کتاب آئین میں زور کا نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہی۔ جہاں کوئی مادّی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرے میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں۔ اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی، امپیریلزم اور ملک گیری واقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔

جاہلیت مشرکانہ دوسرا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام اتفاقی تو نہیں ہے اور نہ بے خداوند ہی مگر اس کا ایک خداوند نہیں بلکہ بہت سے خداوند ہیں۔ یہ خیال چونکہ کسی علمی ثبوت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض خیال آرائی پر اس کی بنا ہے، اس لیئے موہوم، محسوس اور معقول اشیا، کی طرف خداوندی والٰہیت کو منسوب کرنے میں مشرکین کے درمیان نہ کبھی اتفاق ہوسکتا ہے نہ کبھی ہوا ہے۔ اندھیرے میں بھٹکنے والوں کا ہاتھ جس چیز پر بھی پڑ گیا وہ خدا بنالی گئی اور خداؤں کی فہرست ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ فرشتے، جن، ارواح، سیارے، زندہ اور مردہ انسان، درخت، پہاڑ، جانور، دریا، زمین، آگ، اور معانی مجردہ، مثلاً محبت، حسن، شہوت، قوت تخلیق، بیماری، جنگ، لچھمی، شکستی وغیرہ، اور خیالی مرکبات مثلاً شیرانسان، ماہی انسان، پرندانسان،

چہار سرا، ہزار دستہ، خرطوم بینی وغیرہ مشرکین کے معبودوں میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ پھر اس دیومالا کے گرد اوہام و خرافات (میتھالوجی) کا ایک عجیب طلسم ہوش ربا تیار ہوا ہے جس میں ہر جاہل قوم کی قوت واہمہ نے اپنی شادابی و نادرہ کاری کے وہ وہ دلچسپ نمونے فراہم کیئے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے جن قوموں میں خداوند اعلیٰ یعنی اللہ کا تصور نمایاں پایا گیا ہے، وہاں تو خدائی کا انتظام کچھ اس طرز کا ہے گویا اللہ تعالےٰ بادشاہ ہے اور دوسرے خدا اس کے وزیر، درباری، مصاحب، عہدہ دار اور اہلکار ہیں، مگر انسان بادشاہ سلامت تک راہ نہیں پا سکتا اس لیے اس کے سارے معاملات ماتحت خداؤں ہی سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور جن قوموں میں خداوند اعلےٰ کا تصور بہت دھندلا یا بالکل مفقود ہے، وہاں ساری خدائی ارباب متفرقین ہی میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

جاہلیت خالصہ کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت ہے جس میں انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے، اور ہمیشہ گھٹیا درجہ کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رونما ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے۔ وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں، مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللہوں کی خدائی، پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ کی خدائی ثابت کرنے میں صرف ہوئی تھیں ایک طرف مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیئے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے ان بزرگوں کی ولادت و وفات، ظہور و غیاب، کرامات و خوارق، اختیارات و تصرفات، اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں، ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قایم ہو گئی جو اللہ کو ماننے والے ان مشرکین کے ہاں ہے جن کے نزدیک پادشاہ عالم انسان کی رسائی سے بہت دور ہے اور انسان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور نیچے کے اہل کاروں ہی سے وابستہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ اہلکار علانیہ الٰہ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں، اور یہ انھیں غوث، قطب، اولیاء اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔

یہ دوسری قسم کی جاہلیت تاریخ کے دوران میں عموماً پہلی قسم کی جاہلیت، یعنی جاہلیت خالصہ کے ساتھ تعاون کرتی رہی ہے۔ قدیم زمانے میں بابل، مصر، ہندوستان، ایران، یونان، روم وغیرہ ممالک کے

تمدن میں یہ دونوں جاہلیتیں ہم آغوش تھیں اور موجودہ زمانہ میں جاپان کے تمدن کا بھی یہی حال ہے۔ اس موافقت کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے چند کی طرف میں اشارہ کروں گا۔

اولاً مشرکانہ جاہلیت میں آدمی کا کوئی تعلق اپنے معبودوں کے ساتھ اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ اپنے خیال میں ان کو صاحب اختیار اور نافع وضار سمجھ لیتا ہے اور مختلف مراسم عبودیت کے ذریعہ سے اپنے دنیوی مقاصد میں ان کی مہربانی و اعانت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہاں اس کو کسی قسم کی اخلاقی ہدایت یا زندگی کا قانون وضابطہ ملے، تو اس کا کوئی امکان ہی نہیں، کیونکہ وہاں کوئی واقع میں خدا ہو تو ہدایت اور قانون بھیجے۔ پس جب ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے تو مشرک انسان لامحالہ خود ہی ایک اخلاقی نظریہ بناتا ہے اور خود ہی اس نظریہ کی بنیاد پر ایک شریعت تصنیف کرتا ہے۔ اس طرح وہی جاہلیت محضہ برسرکار آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالص جاہلیت کے تمدن اور مشرکانہ تمدن میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ایک جگہ جاہلیت کے ساتھ مندروں، پجاریوں اور عبادات کا سلسلہ ہوتا ہے، اور دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ ورنہ اخلاق و اعمال جیسے یہاں ہوتے ہیں ویسے ہی وہاں بھی ہوتے ہیں۔ یونان قدیم اور بت پرست روم کے اخلاقی مزاج اور موجودہ یورپ کے اخلاقی مزاج میں جو مشابہت پائی جاتی ہو اس کا یہی سبب ہے۔

ثانیاً علوم و فنون فلسفہ و ادب، اور سیاسیات و معاشیات وغیرہ کے لیئے مشرکانہ نظریہ کوئی الگ مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ اس باب میں بھی مشرک انسان جاہلیت محضہ ہی کا رُخ اختیار کرتا ہے اور مشرک سوسائٹی کا سارا دماغی نشوونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے جس پر خالص جاہلی سوسائٹی میں ہوا کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین کی قوتِ واہمہ حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لیئے ان کے افکار میں خیال آرائی کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے، اور ملاحدہ ذرا عملی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے نرے خیالی فلسفوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، البتہ جب وہ خدا کے بغیر کائنات کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی استدلالی کھینچ تان بھی اُتنی ہی غیر معقول ہوتی ہے جتنی مشرکین کی میتھالوجی۔ بہرحال علمی حیثیت سے شرک اور جاہلیت خالصہ میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہوتا، اور اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ موجودہ یورپ اپنے نظریات میں قدیم یونان و روم سے اس طرح سلسلہ جوڑتا ہے کہ گویا یہ بیٹا ہے اور وہ باپ۔

ثالثاً مشرک سوسائٹی ان تمام تمدنی طریقوں کو قبول کرنے کے لیئے پوری طرح مستعد ہوتی ہے جن کو خالص جاہلی سوسائٹی اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ سوسائٹی کی ترتیب و تعمیر میں شرک اور جاہلیت خالصہ کے ڈھنگ ذرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شرک کی مملکت میں بادشاہوں کو خدائی کا مقام دیا جاتا ہے، روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص امتیازات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، شاہی خاندان اور مذہبی طبقے مل کر ایک

ملی بھگت قایم کرتے ہیں، خاندانوں پر خاندانوں کے اور نسلوں پر نسلوں کے تفوق کا ایک مستقل نظریہ وضع کیا جاتا ہے اور اس طرح جاہل عوام پر مذہب کا جال پھیلا کر ظالمانہ تسلط قایم کر لیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے خالص جاہلی سوسائٹی میں یہ خرابیاں نسل پرستی، قوم پرستی، قومی امپیریلزم، ڈکٹیٹر شپ، سرمایہ داری اور طبقاتی نزاع کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک روح اور جوہر کا تعلق ہے، انسان پر انسان کی خدائی مسلط کرنے اور انسان کو انسان سے پھاڑنے، اور انسانیت کو تقسیم کرکے ایک ہی نوع کے افراد کو ایک دوسرے کے لئے صیاد بنانے میں دونوں ایک سطح پر ہیں۔

جاہلیت راہبانہ تیسرا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور جسمانی وجود انسان کے لئے ایک دار العذاب ہے۔ انسان کی روح اس قفس عنصری میں در اصل ایک سزا یافتہ قیدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لذات و خواہشات اور تمام وہ ضروریات جو اس جسمانی تعلق کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتی ہیں، اصل میں اس قیدخانہ کے طوق و سلاسل ہیں۔ انسان اس دنیا اور اس کی چیزوں سے جتنا تعلق رکھے گا اتنا ہی گندگی سے آلودہ ہوگا اور اسی قدر مزید عذاب کا مستحق بن جائے گا۔ نجات کی صورت اس کے سوائے کوئی نہیں ہے کہ اس زندگی کے بکھیڑوں سے قطع تعلق کیا جائے، خواہشات کو مٹا یا جائے، لذات سے کنارہ کشی کی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے، ان تمام محبتوں کو جو دنیوی اشیا اور گوشت و خون کی تعلق داریوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں، دل سے نکال دیا جائے، اور اپنے اس دشمن یعنی نفس و جسم کو مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قایم نہ رہ سکے۔ اس طرح روح ہلکی اور پاک صاف ہو جائیگی اور نجات کے بلند مقامات پہ اڑنے کی طاقت حاصل کرلے گی۔

یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی نظریہ ہے، مگر تمدن پر یہ متعدد طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد پر ایک خاص قسم کا نظام فلسفہ بنتا ہے جس کی مختلف شکلیں ویدانتزم، اشراقیت، یوگ، تصوف، مسیحی رہبانیت، اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اس فلسفہ کے ساتھ ایک ایسا نظام اخلاق وجود میں آتا ہے جو بہت کم ایجابی اور بہت زیادہ بلکہ تمامتر سلبی نوعیت کا ہی۔ یہ دونوں چیزیں مل جل کر لٹریچر، عقائد، اخلاقیات اور عملی زندگی میں نفوذ کرتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں۔ پہلی دونوں قسم کی جاہلیتوں کے ساتھ اس تیسری قسم کی جاہلیت کا تعاون عموماً تین صورتوں سے ہوتا ہے۔

(۱) یہ راہبانہ جاہلیت انسانی جماعت کے نیک اور پاکباز افراد کو دنیا کے کاروبار سے ہٹاکر گوشۂ عزلت میں لے جاتی ہے اور بدترین قسم کے شریر افراد کے لئے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ بدکار، خدا کی زمین کے متولی بن کر آزادی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہیں، اور نیک لوگ اپنی نجات کی فکر میں تپسیا کئے چلے جاتے ہیں۔

(۲) اس جاہلیت کے اثرات جہاں تک عوام میں پہونچتے ہیں وہ ان کے اندر غلط قسم کا صبر و تحمل، اور مایوسانہ نقطۂ نظر پیدا کر کے انہیں ظالموں کے لیئے نرم نوالہ بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ بادشاہ، امراء اور مذہبی اقتدار رکھنے والے طبقے اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں، اور یہ خوب آرام سے ان کی سرپرستی میں پھیلتا رہا ہے۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ امپیریلزم، سرمایہ داری، اور روحانی ریاست سے اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی کبھی لڑائی ہوئی ہو۔

(۳) جب یہ رہبانی فلسفہ و اخلاق، انسانی فطرت سے شکست کھاتا ہے تو کتاب الحیل کی تصنیف شروع ہو جاتی ہے۔ کہیں کفارہ کا عقیدہ ایجاد ہوتا ہے تاکہ دل کھول کر گناہ کیا جاسکے اور جنت بھی ہاتھ سے نہ جائے کہیں ہوس رانی کے لیئے عشق مجازی کا حیلہ نکالا جاتا ہے تاکہ دل کی لگی بجھا بھی لی جائے اور تقدس بھی جوں کا توں قائم رہے۔ اور کہیں ترک دُنیا کے پردے میں بادشاہوں اور رئیسوں سے سانٹھ گانٹھ کی جاتی ہے اور روحانی امارت کا وہ جال پھیلایا جاتا ہے جس کی بدترین مثالیں روم کے پاپاؤں، اور مشرقی دُنیا کے گدّی نشینوں نے پیش کی ہیں۔

یہ تو اس جاہلیت کا معاملہ اپنی ہم جنس بہنوں کے ساتھ ہے۔ مگر انبیا علیہم السلام کی اُمتوں میں جب یہ گھس آتی ہے تو کچھ اور ہی گل کھلاتی ہے۔ خدا کے دین پر اس کی پہلی ضرب یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو دار العمل، دار الامتحان اور مزرعۃ الآخرۃ سمجھنے کا خیال دار العذاب اور "مایا کے جال" کے تصوّر سے بدل جاتا ہے۔ نقطۂ نظر کے اس بنیادی تغیر کی وجہ سے آدمی اس دُنیا میں اپنی ماموریت اور حیثیت خلافت کو بھول کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں یہاں کام کرنے اور دُنیا کے معاملات کو چلانے نہیں آیا ہوں بلکہ گندگی اور نجاست میں پھینکا گیا ہوں جس سے مجھے بچنا اور دور بھاگنا چاہیئے میری لیئے صحیح پوزیشن یہ ہے کہ میں یہاں نان کوآپریٹر کی طرح رہوں اور ذمہ داریاں قبول کرنے کے بجائے ان سے کنارہ کروں۔ اس تصور کے ساتھ آدمی دنیا اور اس کے معاملات پر سہمی ہوئی نگاہ ڈالنے لگتا ہے اور بار خلافت سنبھالنا تو درکنار، بار تمدن کو بھی اپنے سر لیتے ہوئے ڈرتا ہے۔ اس کے لیئے پورا نظام شریعت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ عبادات اور اوامر و نواہی کا یہ مفہوم بالکلیہ ساقط ہو جاتا ہے کہ یہ حیات دنیا کی اصلاح اور فرائض خلافت کی انجام دہی کے لیئے تیار کرنے والی چیزیں ہیں۔ برعکس اس کے آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس گناہِ زندگی کا کفارہ ہیں بس انہی کو پورے انہماک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیئے تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔

اس ذہنیت نے انبیا کی اُمتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ و مکاشفہ، چلہ کشی و ریاضت، اور اد و وظائف احزاب و اعمال، سیر مقامات اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں کے چکّر میں ڈال کر اور مستحبات و نوافل کے التزام میں فرائض سے بھی زیادہ منہمک کر کے اُس خلافت الٰہیہ کے کام سے غافل کر دیا جس کو جاری کرنے کے لیئے انبیاء علیہم السلام

آئے تھے۔ اور دوسرے گروہ میں تقشف، تعمق فی الدین، غلو، موشگافی، چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ناپ تول اور جزئیات کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کی بیماری پیدا کردی حتیٰ کہ ان کے لیے خدا کا دین ایک ایسا نازک آبگینہ بن گیا جو ذرا ذرا سی باتوں سے ٹھیس کھا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بیچاروں کا سارا وقت بس اسی دیکھ بھال کی نذر ہونے لگا کہ کہیں کچھ اونچ نیچ نہ ہو جائے اور یہ شیشے کا برتن جو سر پہ رکھا ہے کھیل کھیل ہو کر نہ رہ جائے ــــ دین میں اتنی باریکیاں نکل آنے کے بعد ناگزیر ہے کہ جمود، تنگ خیالی اور کم حوصلگی پیدا ہو۔ ایسے لوگوں میں کہاں یہ قابلیت باقی رہ سکتی ہے کہ نگاہ جہاں بیں سے انسانی زندگی کے بڑے بڑے مسائل پر نظر ڈالیں، دین کے عالمگیر اصول و کلیات پر گرفت حاصل کریں اور زمانہ کی ہر نئی گردش میں دنیا کی امامت و رہنمائی کے لیے مستعد ہوں۔

اسلام | چوتھا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ سارا عالم ہست و بود جو ہمارے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے اور جس کا ایک جز ہم خود ہیں، در اصل ایک بادشاہ کی سلطنت ہے اسی نے اس کو بنایا ہے، وہی اس کا مالک ہے، اور وہی اس کا واحد حاکم ہے۔ اس سلطنت میں کسی کا حکم نہیں چلتا۔ سب کے سب تابع امر ہیں اور اختیارات بالکلیہ اسی ایک مالک و فرماں روا کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان اس مملکت میں پیدائشی رعیت ہے، یعنی رعیت ہونا یا نہ ہونا اس کی مرضی پہ موقوف نہیں ہے بلکہ یہ رعیت ہی پیدا ہوا ہے اور رعیت کے سوا کچھ اور ہونا اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس نظام حکومت کے اندر انسان کی خود مختاری و غیر ذمہ داری کے لیے کوئی جگہ نہیں نہ فطرۃً ہو سکتی ہے۔ پیدائشی رعیت اور ایک جزو مملکت ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے کوئی رستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ جس طرح مملکت کے تمام اجزاء بادشاہ کے امر کی اطاعت کر رہے ہیں اسی طرح یہ بھی کرے۔ یہ خود اپنے لیے طریق زندگی وضع کرنے اور اپنی ڈیوٹی آپ تجویز کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ مالک الملک کی طرف سے جو ہدایت آئے اس کی پیروی کرے۔ اس ہدایت کے آنے کا ذریعہ وحی ہے اور جن انسانوں کے پاس وہ آتی ہے وہ نبی ہیں۔

مگر انسان کی آزمائش کے لیے مالک نے یہ لطیف طریقہ اختیار کیا ہے کہ آپ بھی چھپ گیا اور اپنی سلطنت کا وہ پورا اندرونی انتظام بھی چھپا دیا جس سے وہ تدبیر امر کرتا ہے۔ ظاہر میں سلطنت اس طرح چل رہی ہے کہ نہ اس کا حاکم نظر آتا ہے نہ کار پرداز ہی دکھائی دیتے ہیں۔ انسان صرف ایک کارخانہ چلتا ہوا دیکھتا ہے اس کے درمیان اپنے آپ کو موجود پاتا ہے، اور ظاہر حواس سے کہیں یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی کا محکوم ہوں اور کسی کو مجھے حساب دینا ہے، اعیان و شہود میں کوئی ایسی نشانی نمایاں نہیں ہوتی کہ اس پر فرماں روائے عالم کی حاکمیت اور اپنی محکومیت و مسئولیت کا حال غیر مشتبہ طور پر کھل جائے یہاں تک کہ مانے بغیر چارہ نہ رہے۔ نبی بھی آتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ ان سے اوپر عیاناً وحی اترتی دکھائی دے، یا کوئی ایسی صریح علامت ان کے ساتھ اترے جس کو دیکھ کر ان کی نبوت ماننے کے سوا چارہ نہ رہے ــ پھر آدمی ایک حد کے اندر اپنے آپ کو بالکل

مختار پاتا ہے۔ بغاوت کرنا چاہے تو اس کی قدرت دیدی جاتی ہے۔ ذرائع بہم پہونچا دیئے جاتے ہیں، اور بڑی لمبی ڈھیل دی جاتی ہو حتیٰ کہ شرارت وعصیان کی آخری حدود کو پہنچنے تک کوئی رکاوٹ اسے پیش نہیں آتی۔ مالک کے سوا دوسروں کی بندگی کرنا چاہے تو اس سے بھی زبردستی اس کو نہیں روکا جاتا، پوری آزادی دی جاتی ہے جس جس کی بندگی، عبادت، اطاعت کرنا چاہے کرے۔ دونوں صورتوں (یعنی بغاوت اور بندگیِ غیر کی صورتوں) میں رزق برابر ملتا ہے، سامان زندگی، وسائل کار، اسباب عیش حسب حیثیت خوب دیئے جاتے ہیں، اور مرتے دم تک دیئے جاتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی باغی یا کسی بندۂ غیر سے محض اس جرم کی پاداش میں اسباب دنیا روک لیئے جائیں۔ یہ سارا طرز کارروائی صرف اس لیئے ہے کہ خالق نے انسان کو عقل، تمیز، استدلال، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں دی ہیں، اور اپنی بے شمار مخلوقات پر اس کو ایک طرح کے حاکمانہ تصرف کی جو قدرت بخشی ہی، اس میں وہ اس کی آزمایش کرنا چاہتا ہے۔ اسی آزمائش کی تکمیل کے لیئے حقیقت پر غیب کا پردہ ڈالا گیا ہے تاکہ انسان کی عقل کا امتحان ہو۔ انتخاب کی آزادی بخشی گئی ہے تاکہ اس امر کا امتحان ہو کہ آدمی حق کو جاننے کے بعد کسی مجبوری کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے اس کی پیروی کرتا ہے یا خواہشات کی غلامی اختیار کر کے اس سے منہ موڑتا ہے۔ اسباب زندگی کا سرمایہ اور وسائل کار دیئے گئے ہیں، اور عمر بھر کی مہلت دی گئی ہے کیونکہ جب تک کسی کارکن کو سرمایہ، وسائل، اور کام کا موقع نہ دیا جائے اس کی لیاقت و عدم لیاقت کا امتحان نہیں ہو سکتا۔

یہ دُنیوی زندگی چونکہ آزمایش کی مہلت ہے اس لیئے یہاں نہ حساب ہے نہ جزا نہ سزا۔ یہاں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ کسی عمل نیک کا انعام نہیں ہے بلکہ امتحان کا سامان ہے۔ اور جو تکالیف، مصائب، شدائد وغیرہ پیش آتے ہیں وہ کسی عمل بد کی سزا نہیں بلکہ اس قانون طبیعی کے تحت جس پر اس دنیا کا نظام قایم کیا گیا ہے، آپ سے آپ ظاہر ہونے والے نتائج ہیں۔ اعمال کے اصلی حساب، جانچ پڑتال اور فیصلہ کا وقت مہلت کی زندگی ختم ہونے کے بعد ہے اور اسی کا نام آخرت ہے۔ لہذا دُنیا میں جو کچھ نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ کسی طریقہ یا کسی عمل کے صحیح یا غلط، نیک یا بد، اور قابل اخذ یا قابل ترک ہونے کا معیار نہیں بن سکتے۔ اصلی معیار آخرت کے نتائج ہیں۔ اور یہ علم کہ آخرت میں کس طریقہ اور کس عمل کا نتیجہ اچھا اور کس کا بُرا ہوگا، صرف اس وحی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئی ہے۔ جزئیات و تفصیلات سے قطع نظر، فیصلہ کن بات جس پر آخرت کی فلاح یا خسران کا مدار ہے، یہ ہے کہ اولاً انسان اپنی قوت نظر و استدلال کے صحیح استعمال سے اللہ تعالےٰ کے حاکم حقیقی ہونے اور اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے منجانب اللہ ہونے کو پہچانتا ہے یا نہیں۔ ثانیاً اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد وہ آزادی انتخاب رکھنے کے باوجود اپنی رضا و رغبت سے اللہ کی حاکمیت اور اسکے امر شرعی کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے یا نہیں۔

یہ وہ نظریہ ہے جسے ابتدا سے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے آئے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد پر تمام واقعاتِ عالم کی مکمل توجیہ ہوتی ہے، کائنات کے تمام آثار کی پوری تعبیر ملتی ہے اور کسی مشاہدہ یا کسی تجربہ سے یہ نظریہ ٹوٹتا نہیں۔ یہ ایک مستقل نظام فلسفہ پیدا کرتا ہے جو جاہلیت کے فلسفوں سے بنیادی طور پر بالکل مختلف ہے کائنات اور خود وجود انسانی کے متعلق معلومات کے ذخیرہ کو ایک دوسرے ڈھنگ پر مرتب کرتا ہے جو جاہلی علوم کی ترتیب سے سراسر متبائن ہے، ادب اور ہنر (آرٹ اور لٹریچر) کے نشو ونما کا ایک الگ راستہ بناتا ہے جو جاہلی ادب وہنر کے تمام راستوں سے متغائر ہے۔ زندگی کے جملہ معلومات میں ایک خاص زاویہ نظر اور ایک خاص مقصد پیدا کرتا ہے جو جاہلی مقاصد ونقطہائے نظر سے اپنی روح اور اپنے جوہر میں کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ اخلاق کا ایک علیحدہ نظام بناتا ہے جس کو جاہلی اخلاقیات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ پھر ان علمی واخلاقی بنیادوں پر جس تہذیب کی عمارت اٹھتی ہے اس کی نوعیت تمام جاہلی تہذیبوں کی نوعیت سے قطعی مختلف ہوتی ہے اور اس کو سنبھالنے کے لئے ایک اور ہی طرز کے نظام تعلیم وتربیت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے اصول جاہلیت کے ہر نظام تعلیم وتربیت سے کامل تضاد کی نسبت رکھتے ہیں۔ فی الجملہ اس تہذیب کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں جو روح کام کرتی ہے وہ اللہ واحد قہار کی حاکمیت، آخرت کے اعتقاد اور انسان کے محکوم وذمہ دار ہونے کی روح ہے، بخلاف اسکے ہر جاہلی تہذیب کے پورے نظام میں انسان کی خود مختاری، بے قیدی وبے مہاری اور غیر ذمہ داری کی روح سرایت کیئے ہوئے ہوتی ہے۔ اسی لیئے انسانیت کا جو نمونہ انبیاء علیہم السلام کی قائم کی ہوئی تہذیب سے تیار ہوتا ہے اس کے خط وخال اور رنگ وروغن جاہلی تہذیب کے بنائے ہوئے نمونہ سے ہر جزء اور ہر پہلو میں جدا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد تمدن کی تفصیلی صورت جو اس بنیاد پر بنتی ہے اس کا سارا نقشہ دنیا کے دوسرے نقشوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے، طہارت۔ لباس، خوراک، طرز زندگی، آداب واطوار، شخصی کردار، کسب معاش، صرف دولت، ازدواجی زندگی، خاندانی زندگی، معاشرتی رسوم، سماجی تعلقات، انسان اور انسان کے تعلق کی مختلف شکلیں، لین دین کے معاملات، دولت کی تقسیم، مملکت کا انتظام، حکومت کی تشکیل، امیر کی حیثیت، شوریٰ کا طریقہ، سول سروس کی تنظیم، قانون کے اصول، تفصیلی ضوابط کا اصول سے استنباط، عدالت، پولیس احتساب، مالگذاری، فینانس، اور امور نافعہ (پبلک ورکس)، صنعت وتجارت، خبر رسانی، تعلیمات اور دوسرے تمام محکموں کی پالیسی، فوج کی تربیت وتنظیم، جنگ وصلح کے معاملات، بین الاقوامی تعلقات اور خارجی سیاست، غرض انسانی زندگی کے چھوٹے سے معاملات سے لیکر بڑے سے بڑے معاملات تک اس تمدن کا طور وطریق اپنی ایک مستقل شان رکھتا ہے اور ہر ہر چیز میں ایک واضح خط امتیاز اس کو دوسرے تمدنوں سے الگ کرتا ہے۔ اس کی

ہر چیز میں اول سے آخر تک ایک خاص نقطہ نظر، ایک خاص مقصد اور ایک خاص اخلاقی رویہ کارفرما ہوتا ہے جس کا براہ راست تعلق خدائے واحد کی حاکمیتِ مطلقہ اور انسان کی محکومیت ومسؤلیت اور دُنیا کے بجائے آخرت کی مقصودیت سے جُڑا ہوا ہے۔

نبی کے کام کی نوعیت اسی تہذیب وتمدن کو دُنیا میں قایم کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام دُنیا میں بھیجے گئے تھے۔

رہبانی تہذیب کو مستثنیٰ کرکے ہر وہ تہذیب جو دُنیا کی زندگی کے متعلق ایک جامع نظریہ اور کاروبارِ دُنیا کو چلانے کے لیے ایک ہمہ گیر طریقہ رکھتی ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ جاہلیت کی تہذیب ہو یا اسلام کی، طبعًا اس بات کی طالب ہوتی ہے کہ حاکمانہ اختیارات پر قبضہ کرے، زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے اور زندگی کا نقشہ اپنے طرز پر بنائے۔ حکومت کے بغیر کسی نظریہ وضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا معتقد ہونا محض بے معنی ہے۔ راہب تو دنیا کے معاملات کو چلانا ہی نہیں چاہتا بلکہ ایک خاص قسم کے "سلوک" سے اپنی خیالی نجات کی منزل تک باہر ہی باہر پہنچ جانے کی فکر میں لگا رہتا ہے اس لیے نہ اس کو حکومت کی حاجت نہ طلب۔ مگر جو دُنیا کے معاملات ہی کو چلانے کا ایک خاص ڈھنگ لے کر اُٹھے اور اسی ڈھنگ میں انسان کی فلاح وسعادت کا معتقد ہو، اُس کے لیے تو بجز اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ اقتدار کی کنجیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اپنے نقشہ پر عملدرآمد کرنے کی طاقت جب تک وہ حاصل نہ کرے اُس کا نقشہ واقعات کی دُنیا میں قایم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کاغذ پر اور ذہنوں میں بھی زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتا جس تہذیب کے ہاتھ میں زمامِ کار ہوتی ہے، دُنیا کا سارا کاروبار اسی کے نقشہ پر چلتا ہے، وہی علوم وافکار اور فنون وآداب کی رہنمائی کرتی ہے وہی اخلاق کے سانچے بناتی ہے، وہی تعلیم وتربیت عامہ کا انتظام کرتی ہے، اسی کے قوانین پہ سارا نظامِ تمدّن مبنی ہوتا ہے، اور اسی کی پالیسی ہر شعبۂ زندگی میں کارفرما ہوتی ہے۔ اس طرح زندگی میں کہیں بھی اُس تہذیب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی جو اپنی حکومت نہ رکھتی ہو۔ یہاں تک کہ جب ایک طویل مدت تک حکمراں تہذیب کا دَور دَورہ رہتا ہے تو غیر حکمراں تہذیب عمل کی دُنیا میں خارج ازبحث ہو جاتی ہے اس کی طرف ہمدردانہ نقطۂ نظر رکھنے والوں کو بھی اس امر میں شبہ ہوجاتا ہے کہ یہ طریقہ دُنیا کی زندگی میں چل سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے نام نہاد علم بردار اور اس کی لیڈرشپ کے بزعم خود وارثین تک تہذیب مخالف سے مدارات اور آدھے پونے کا مشترک معاملہ کرنے پر اُتر آتے ہیں حالانکہ حکمرانی میں دو بالکل مختلف الاصول تہذیبوں کے درمیان مقاسمت، مصالحت قطعی غیر ممکن العمل چیز ہے اور انسانی تمدن اس شرک کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ بٹائی کو ممکن العمل خیال کرنا عقل کی کمی پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لیے راضی ہونا ایمان اور ہمت کی کمی پر۔

پس دُنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ قایم کرکے اُس پورے

نظام زندگی کو نافذ کریں. جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ وہ اہل جاہلیت کو یہ حق دینے کے لئے تیار تھے کہ اپنے جاہلی اعتقادات پر قایم رہیں اور جس حد کے اندر اُن کے عمل کا اثر انہی کی ذات تک محدود رہتا ہے اُس میں اپنے جاہلی طریقوں پر بھی چلتے رہیں۔ مگر وہ انھیں یہ حق دینے کے لئے تیار نہ تھے اور نظرۃً نہ دے سکتے تھے کہ اقتدار کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہیں اور وہ انسانی زندگی کے معاملات کو جاہلیت کے قوانین پر چلائیں۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں، جیسے حضرت ابراہیم۔ بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کردی۔ مگر حکومت الٰہیہ قائم کرنے سے پہلے ہی ان کا کام ختم ہوگیا جیسے حضرت مسیح۔ اور بعض نے اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہونچا دیا، جیسے حضرت موسیٰ اور سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ فی الجملہ تمام انبیاء کے کام پر مجموعی حیثیت سے جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس کام کی نوعیت یہ پائی جاتی ہے

(۱) عام انسانوں کے اندر فکری و ذہنی انقلاب برپا کرنا۔ خالص اسلامی نقطۂ نظر و طرز فکر اور رویۂ اخلاقی کو اُن کے اندر اس حد تک پیوست کردینا کہ ان کے سوچنے کا طریقہ، زندگی کا مقصد، قدر و قیمت کا معیار اور عمل کا ڈھنگ بالکل اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۲) جو لوگ اس تعلیم و تربیت کا اثر قبول کرلیں اُن کا ایک مضبوط جتھا بنا کر جاہلیت کے ہاتھوں سے اقتدار چھیننے کی جدوجہد کرنا اور اس جدوجہد میں تمام ان اسباب سے کام لینا جو وقت کے تمدن میں موجود ہوں۔

(۳) اسلامی نظام حکومت قایم کرکے تمدن کے تمام شعبوں کو خالص اسلام کی اساس پر مرتب کردینا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ ایک طرف اسلامی انقلاب کا دائرہ روئے زمین پر وسیع ہوتا جائے اور دوسری طرف تبلیغ اور تناسل کے ذریعہ سے جماعت اسلامی میں جتنی نئی بھرتی ہو اس کی ذہنی و اخلاقی تربیت پورے اسلامی طرز پر ہوتی رہے

خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہونچا دیا۔ آپ کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنھوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداءً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جاری رہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قایم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان، جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں، اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اُنھوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی

کوشش کی مگر اُن کی جان کی قربانی بھی اس انقلابِ معکوس کو نہ روک سکی۔ آخرکار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوگیا "ملک عضوض" نے اس کی جگہ لے لی، اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قایم ہوگئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے، کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اُس کے ہاتھ میں تھی اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اُس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا، مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم و صلوٰۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اُس سے عہدہ برا ہونا ہمیشہ جاہلیتِ صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لیئے آپکے ساتھ ہو جائیں گے، اور کوئی مسلمان علانیہ اُس کی حمایت نہ کرسکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصلی مسلمان بھی اُس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ اور اُلٹا آپ کو موردِ الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجّادہ پر "مسلمان" کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اُوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کردیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لیئے اسلام آیا تھا۔ بادشاہوں کو الٰہ کہنے کی ہمت کسی میں باقی نہ تھی اس لیئے السلطان ظل اللہ کا بہانہ اختیار کیا گیا اور اس بہانے سے وہی مطاعِ مطلق کی حیثیت بادشاہوں نے اختیار کی جو الٰہ کی ہوتی ہے۔ اس شاہی کی سرپرستی میں امراء، حکام، ولاۃ، اہل لشکر اور مترفین کی زندگیوں میں کم و بیش خالص جاہلیت کا نقطہ نظر پھیل گیا اور اس نے ان کے اخلاق اور معاشرت کو پوری طرح ماؤف کر دیا۔ پھر یہ بالکل ایک طبعی امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیت خالصہ کا فلسفہ، ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہو اور علوم و فنون بھی اُسی طرز پر مرتب و مدون ہوں، کیونکہ یہ سب چیزیں دولت اور حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں، اور جہاں دولت اور حکومت جاہلیت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیت کا تسلط ناگزیر ہے

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم و آداب نے اُس سوسائٹی میں راہ پائی جو اسلام کی طرف منسوب تھی، اور اس کی دراندازی سے "کلامیات" کی بحثیں شروع ہوئیں، اعتزال کا مسلک نکلا، زندقہ اور الحاد پر پُرزے نکالنے لگا اور "عقائد" کی موشگافیوں نے نئے نئے فرقے پیدا کر دیئے اسی پر بس نہیں بلکہ رقص، موسیقی اور تصویرکشی جیسے خالص جاہلی آرٹ بھی از سرِ نو اُن قوموں میں بار پانے لگے جن کو اسلام نے ان فتنوں سے بچالیا تھا۔

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر ان کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے "مسلمانوں" میں رواج نہ پایا ہو۔ پُرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لیئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پُرانے معبودوں کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں اور پُرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اس کام میں دنیا پرست علماء نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات اُن کے رستہ سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔ انھوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر اسلام میں اولیا پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی، مشرکانہ اعمال کے لیئے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہونچائے اور اس نئی شریعت کے لیئے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آسکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں شرک بیچارہ کہاں بار پاسکتا تھا؟

جاہلیت راہبانہ نے علماء، مشائخ، زہّاد اور پاک باز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں جن کی طرف میں اس سے پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ اس جاہلیت کے اثر سے اشراقی فلسفہ، راہبانہ اخلاقیات اور زندگی کے ہر پہلو میں مایوسانہ نقطۂ نظر مسلم سوسائٹی میں پھیلا اور اس نے نہ صرف یہ کہ ادبیات اور علوم کو متاثر کیا، بلکہ فی الواقع سوسائٹی کے اچھے عناصر کو مارفیا کا انجکشن دے کر سُست کر دیا، بادشاہی کے جاہلی نظام کو مضبوط کیا، اسلامی علوم و فنون میں جمود اور تنگ خیالی پیدا کی اور ساری دینداری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر کے رکھ دیا۔

انھی تینوں قسم کی جاہلیتوں کے ہجوم سے اسلام کو نکالنا اور پھر سے چمکا دینا وہ کام تھا جس کے لیئے دین کو مجدد دین کی ضرورت پیش آئی، اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیانِ جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہوگیا تھا اور جاہلیت کلیۃً غالب آگئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہو چکی تھیں یا بعد میں متاثر ہوئیں ان کی زندگیوں میں اسلام کا اصلاحی اثر تھوڑا یا بہت ضرور موجود رہا۔ جبّار اور غیر ذمہ دار بادشاہوں تک میں اسلام کے اثر سے کہیں نہ کہیں خوفِ خدا کی جھلک نظر آہی جاتی تھی۔ جن شاہی خاندانوں میں خدائی کا رنگ جما ہوا تھا اُن کی

آغوش میں دیندار، عادل اور متقی انسان بھی پیدا ہو جاتے تھے، اور وہ شاہی اختیارات رکھنے کے باوجود حتی الامکان منصفانہ حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح امارت و ریاست کے ایوانوں میں، فلسفہ و حکمت کے مدرسوں میں، تجارت و صنعت کی کارگاہوں میں، ترک و تجرید کی خانقاہوں میں، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام اپنے بالواسطہ اثرات کم و بیش برابر پہونچاتا رہا، اور عوام کے اندر بھی مشرکانہ جاہلیت کی دراندازی کے باوجود اس نے اعتقاد، اخلاق اور معاشرت میں اصلاحی اور انسدادی دونوں حیثیتوں سے اپنا نفوذ جاری رکھا جس کی وجہ سے مسلمان قوموں کا معیار اخلاق بہرحال غیر مسلم قوموں سے ہمیشہ بلند تر رہا۔ علاوہ بریں ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی برابر موجود رہے جو اسلام کی پیروی پر ثابت قدم تھے اور اسلامی علم و عمل کو اپنی زندگی میں اور اپنے محدود حلقۂ اثر میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن جو مقصدِ اصلی انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تھا اس کے لیئے یہ دونوں چیزیں ناکافی تھیں نہ یہ بات کافی تھی کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے۔ اور نہ یہ بات کافی تھی کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں اپنی محدود انفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام و جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں۔ لہذا دین کو ہر دَور میں ایسی طاقت ور شخصیتوں کی ضرورت ہے جو زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں، خواہ کلاً یا جزءً۔ انہی شخصیتوں کا نام مجدد ہے۔

کار تجدید کی نوعیت اب قبل اس کے کہ ہم مجددین امت کے کارناموں کا جائزہ لیں، ہمیں خود اس کارِ تجدید کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

عموماً لوگ تجدّد اور تجدید میں فرق نہیں کرتے اور سادہ لوحی سے ہر متجدد کو مجدّد کہنے لگتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیا طریقہ نکالے اور اس کو ذرا زور سے چلا دے وہ مجدّد ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ کسی مسلمان قوم کو برسر انحطاط دیکھ کر اس کو دُنیوی حیثیت سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے زمانہ کی برسر عروج جاہلیت سے مصالحت کر کے اسلام و جاہلیت کا ایک نیا مخلوطہ تیار کر دیتے ہیں، یا فقط نام باقی رکھ کر اُس قوم کو پوری جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں، ان کو مجدد کے خطاب سے نوازا جاتا ہے[1] حالانکہ وہ مجدّد نہیں متجدّد ہوتے ہیں۔ اور ان کا کام تجدید نہیں تجدّد ہوتا ہے۔ تجدید کا کام اس سے بالکل مختلف ہے۔ جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے، اور نہ اسلام و جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے، بلکہ دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں

---

[1] اسی سادہ لوحی کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک مشہور مذہبی و سیاسی انجمن کے خطبہ صدارت میں اتاترک اور عصمت انونو کو بھی "مجددین" ہی کی فہرست میں جگہ دینے کی کوشش کی تھی ۱۲

پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جز میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔

مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج میں مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ نہایت صاف دماغ حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک۔ بالکل سیدھا ذہن، افراط و تفریط سے بچ کر توسط و اعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن قایم رکھنے کی خاص قابلیت اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور رچے ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت و جرأت، قیادت و رہنمائی کی پیدایشی صلاحیت، اجتہاد اور تعمیر نو کی غیر معمولی اہلیت اور ان سب باتوں کے ساتھ اسلام میں مکمل شرح صدر، نقطہ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہونا، باریک سے باریک جزئیات تک میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان تمیز کرنا، اور مدتہائے دراز کی الجھنوں میں سے امر حق کو ڈھونڈ کر الگ نکال لینا، یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجدد نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ بڑے پیمانہ پر نبی میں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ بنیادی چیز جو مجدد کو نبی سے جدا کرتی ہے، یہ ہے کہ نبی اپنے منصب پر امر تشریعی سے مامور ہوتا ہے، اس کو اپنی ماموریت کا علم ہوتا ہے، اس کے پاس وحی آتی ہے، وہ اپنی نبوت کے دعوے سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے، اسے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی پڑتی ہے، اور اس کے دعوے ہی کو قبول کرنے یا نہ کرنے پر کفر و ایمان کا مدار ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مجدد کو ان میں سے کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اگر مامور بھی ہوتا ہے تو امر تکوینی سے نہ کہ امر تشریعی سے۔ بسا اوقات اس کو خود اپنے مجدد ہونے کی خبر نہیں ہوتی بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی زندگی کے کارنامے سے لوگوں کو اس کے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے، اس پر الہام ہونا ضروری نہیں اور اگر ہوتا ہو تو لازم نہیں کہ اسے الہام کا شعور ہو۔ وہ کسی دعوے سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتا، نہ ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ اس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا اگرچہ اس کے زمانہ کے تمام اہل خیر و صلاح رفتہ رفتہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور صرف وہی لوگ اس سے الگ رہتے ہیں جن کی طبیعت میں کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے، مگر بہر حال اس کو ماننا مسلمان ہونے کے لیے شرط نہیں ہوتا ان تمام فروق کے ساتھ مجدد کو فی الجملہ اسی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے جو نبی کے کام کی نوعیت ہے۔

اس کارِ تجدید کے مختلف شعبے حسب ذیل ہیں:-

(۱) اپنے ماحول کی صحیح تشخیص، یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے، کن کن راستوں سے آئی ہے، اس کی جڑیں کہاں کہاں ہیں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں، اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے۔

(۲) اصلاح کی تجویز، یعنی یہ تعیین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور

اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

(۳) خود اپنے حدود کا تعین، یعنی اپنے آپ کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستہ سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

(۴) ذہنی انقلاب کی کوشش، یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔

(۵) عملی اصلاح کی کوشش، یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباع شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا، اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

(۶) اجتہاد فی الدین، یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقائے تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصولِ شرع کے تحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح ردوبدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے، اس کے مقاصد پورے ہوں، اور تمدن کے صحیح ارتقا میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے۔

(۷) دفاعی جدوجہد، یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو کم و بیش توڑ کر اسلام کے لیئے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

(۸) احیاء نظام اسلامی، یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجیاں چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قایم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ السلام نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۹) عالمگیر انقلاب کی کوشش، یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقتور عالمگیر تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو، اور عالم انسانی کی اخلاقی، فکری اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آ ئے۔

ان شعبوں پر غائر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیئے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے، لیکن باقی ۶ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد ہونے کے لیئے شرط نہیں ہے، بلکہ جس نے ایک یا دو یا تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو وہ بھی مجدد قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدد، جزوی مجدد ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثتِ نبوت کا حق ادا کر دے۔

مجدد کامل کا مقام | تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا

کہ عمر ابن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجددِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے، اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا "لیڈر" پیدا ہو، خواہ اس دور میں پیدا ہو، یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو، اسی لیڈر کا نام الامام المہدی ہے جس کے بارے میں صاف پیشنگوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں[1]۔ آج کل لوگ نادانی کی وجہ سے اس نام کو سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ کسی آنے والے مردِ کامل کے انتظار نے جاہل مسلمانوں کے قوائے عمل کو سرد کر دیا ہے اس لیے اُن کی رائے یہ ہے کہ جس حقیقت کا غلط مفہوم لے کر جاہل لوگ بے عمل ہو جائیں وہ سرے سے حقیقت ہی نہ ہونی چاہیے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ تمام مذہبی قوموں میں کسی "مردے از غیب" کی آمد کا عقیدہ پایا جاتا ہے لہذا یہ محض ایک وہم ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح پچھلے انبیا نے بھی اپنی قوموں کو

---

[1] اگرچہ یہ پیشین گوئیاں مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک وغیرہ کتابوں میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں، مگر یہاں اُس روایت کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا جو شاطبی نے موافقات میں اور مولانا اسمٰعیل شہید نے منصب امامت میں نقل کی ہے۔

ان اول دینکم نبوۃ ورحمۃ وتکون فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ	تمہارے دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہے اور وہ تمہارے درمیان رہیگی جبتک اللہ چاہیگا۔ پھر اللہ جل جلالہ اس کو اٹھا لیگا۔
ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ	پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جب تک اللہ چاہیگا پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لیگا۔
ثم تکون ملکاً عاضاً فیکون ما شاء اللہ ان یکون ثم یرفعہ اللہ جل جلالہ	پھر بدا طوار بادشاہی ہوگی اور جو کچھ اللہ چاہے گا وہ ہوگا۔ پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لیگا۔
ثم تکون ملکاً جبریۃ فتکون ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ	پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی، اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا رہیگی۔ پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لے گا۔
ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی الاسلام بجرانہ فی الارض یرضی عنہا ساکن السماء وساکن الارض لاتدع السماء من قطرۃ الا صبتہ مدراراً ولاتدع الارض من نباتہا وبرکاتہا شیئاً الا اخرجتہ	پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہوگی جو لوگوں کے درمیان نبی کی سنت کے مطابق عمل کریگی اور اسلام زمین میں پاؤں جمالیگا۔ اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہوں گے۔ اور زمین والے بھی۔ آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کریگا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اُگل دیگی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسناد کے اعتبار سے اس روایت کا کیا مرتبہ ہے۔ مگر معنیً یہ ان تمام روایات سے مطابقت رکھتی ہے جو اسی معنی میں وارد ہوئی ہیں۔ اس میں تاریخ کے پانچ مرحلوں کی طرف صاف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے تین گزر چکے ہیں اور چوتھا اب گزر رہا ہے۔ آخری

خوشخبری دی ہو کہ نوع انسان کی دنیوی زندگی ختم ہونے سے پہلے ایک دفعہ اسلام ساری دنیا کا دین بنے گا اور انسان کے بنائے ہوئے سارے "ازموں" کی ناکامی کے بعد آخر کار تباہیوں کا مارا ہوا انسان "اس ازم" کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوگا جسے خدا نے بنایا ہے اور یہ نعمت انسان کو ایک ایسے عظیم الشان لیڈر کی بدولت نصیب ہوگی جو انبیاء کے طریقہ پر کام کر کے اسلام کو اسکی صحیح صورت میں پوری طرح نافذ کر دیگا تو آخر ہمیں ہم کی کونسی بات ہے؟ بہت ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے نکل کر یہ چیز دنیا کی دوسری قوموں میں بھی پھیلی ہو اور جہالت نے اس کی روح نکال کر اوہام کے لبادے اس کے گرد لپیٹ دیئے ہوں۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی اُن متجددین سے جو اس کے قائل نہیں ہیں اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے، تسبیح ہاتھ میں لیئے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہونگے آتے ہی انا المہدی کا اعلان کریں گے، علماء اور مشائخ کتابیں لیئے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انھیں شناخت کریں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا، چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے، تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لیے برائے نام چلانی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرّف سے چلے گا، پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے، جس کافر پر نظر ماردیں گے "تڑپ کر بے ہوش ہو جائے گا اور محض بد دعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ عقیدہ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اسی قسم کے ہیں، مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا، وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی، زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا، عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جماوے گا، اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھکر جدید ثابت ہوگا، پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائے گا۔ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا، بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قایم کرنیوالا جسکی

(سلسلہ صفحہ سابق)
جس پانچویں مرحلہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے، تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ انسانی تاریخ تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ انسانی ساخت کے سارے "ازم" آزمائے جاچکے ہیں اور بُری طرح فیل ہوئے ہیں۔ آدمی کے لیئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تھک ہار کر اسلام کی طرف رجوع کرے۔ ۱۲

آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا[1]۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب ہی نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق، کشوف و الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک "انقلابی لیڈر" کو دنیا میں جس طرح شدید جد و جہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (اسکول آف تھاٹ) پیدا کرے گا، ذہنیتوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی، جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کارفرما ہوگی، اور دوسری طرف سائنٹیفک ترقی اوج کمال پر پہونچ جائے گی جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ "اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہوں گے اور زمین والے بھی، آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دے گی"۔

اگر یہ توقع صحیح ہے کہ ایک وقت میں اسلام تمام دنیا کے افکار، تمدن اور سیاست پر چھا جانے والا ہے تو ایسے ایک عظیم الشان لیڈر کی پیدائش بھی یقینی ہے جس کی ہمہ گیر و پرزور قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوگا۔ جن لوگوں کو ایسے لیڈر کے ظہور کا خیال سنکر تعجب ہوتا ہے مجھے ان کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ جب خدا کی اس خدائی میں لینن اور ہٹلر جیسے ائمہ ضلالت کا ظہور ہو سکتا ہے تو آخر ایک امام ہدایت ہی کا ظہور کیوں مستبعد ہو؟

جزوی مجددین کے کارنامے تاریخی ترتیب کو چھوڑ کر مستقبل کے مجدد اعظم کا ذکر میں نے پہلے اس لئے کر دیا کہ لوگ پہلے مجدد کامل کے مرتبہ و مقام سے واقف ہو جائیں تاکہ کمال مطلوب کے مقابلہ میں ان کے لئے جزوی تجدیدوں کے مرتبہ و مقام کا اندازہ کرنا آسان ہو جائے۔ اب میں ایک مختصر نقشہ اس تجدیدی کام کا پیش کروں گا جو اب تک انجام پا چکا ہے۔

---

[1] "الفرقان" یہ خط کشیدہ فقرے اب تک کے اپنے معلومات کے صریح خلاف ہونے کی وجہ سے کچھ اوپرے سے معلوم ہوئے لیکن تلاش کے باوجود مجھے اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں مل سکی جس میں تصریح ہوتی کہ حضرت مہدی اپنی "مہدویت" کے مدعی بھی ہوں گے اور لوگوں کو اس کے ماننے کی دعوت بھی دیں گے، لیکن اس وقت میرے پاس صحاح ستہ اور جمع الفوائد کے علاوہ حدیث کی کوئی اور کتاب بھی نہیں ہے اگر کوئی اور صاحب اس موضوع پر کوئی خاص روشنی ڈال سکیں تو الفرقان میں ان کی تحقیق شکریہ کے ساتھ شایع کی جائیگی۔ ۱۲ م

عمر بن عبدالعزیز اسلام کے سب سے پہلے مجدد عمر ابن عبدالعزیز ہیں شاہی خاندان میں آنکھ کھولی ہوش سنبھالا تو اپنے باپ کو مصر جیسے عظیم الشان صوبہ کا گورنر پایا۔ بڑے ہوئے تو خود اموی سلطنت کے ماتحت گورنری پر مامور ہوئے۔ شاہانِ بنی امیہ نے جن جاگیروں سے اپنے خاندان کو مالا مال کیا تھا اُن میں ان کا اور ان کے گھرانے کا بھی بہت بڑا حصّہ تھا حتیٰ کہ خاص ان کی ذاتی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تک پہونچتی تھی۔ رئیسوں کی طرح پوری شان سے رہتے تھے، لباس، خوراک، سواری، مکان، عادات وخصائل سب وہی تھے جو شاہی حکومتوں میں شاہزادوں کے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا ماحول اُس کام سے دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا تھا جو بعد میں انھوں نے انجام دیا لیکن ان کی ماں حضرت عمر کی پوتی تھیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پچاس ہی برس ہوئے تھے جب وہ پیدا ہوئے ان کے زمانہ میں صحابہ اور تابعین بکثرت موجود تھے۔ ابتدا میں انھوں نے حدیث اور فقہ کی پوری تعلیم پائی تھی یہاں تک کہ محدثین کی صف اول میں شمار ہوتے تھے اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ پس علمی حیثیت سے تو اُن کے لئے یہ جاننے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مہدئین کے عہد میں تمدن کی اساس کن چیزوں پر تھی اور جب خلافت پادشاہی سے بدلی تو ان بنیادوں میں کس نوعیت کا تغیر واقع ہوا۔ البتہ جو چیز عملی حیثیت سے ان کی راستہ میں رکاوٹ ہو سکتی تھی وہ یہ تھی کہ اس جاہلی انقلاب کا بانی خود ان کا اپنا خاندان تھا، اُس کے تمام فائدے اور بے حد وحساب فائدے ان کے بھائی بندوں اور خود اُن کی ذات اور ان کے بال بچوں کو پہونچتے تھے، اور انکی خاندانی عصبیت، ذاتی طمع اور اپنی آئندہ نسل کی دنیوی خیر خواہی کا پورا اقتضا یہ تھا کہ وہ بھی تخت شاہی پر فرعون بن کر بیٹھیں، اپنے علم اور ضمیر کو ٹھوس مادّی فائدوں کے مقابلہ میں قربان کریں اور حق، انصاف، اخلاق اور اصول کے چکّر میں نہ پڑیں۔ مگر جب ۳۷ سال کی عمر میں بالکل اتفاقی طور پر تخت شاہی اِن کے حصّہ میں آیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ کس قدر عظیم الشان ذمہ داری ان پر آپڑی ہے تو دفعتہً ان کی زندگی کا رنگ بدل گیا۔ انھوں نے اس طرح کسی ادنیٰ تامل کے بغیر جاہلیت کے مقابلہ میں اسلام کے راستے کو اپنے لئے منتخب کیا کہ گویا یہ ان کا پہلے سے سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا۔

تخت شاہی انھیں خاندانی طریق پر ملا تھا مگر بیعت لیتے وقت مجمع عام میں صاف کہدیا کہ میں اپنی بیعت سے تمھیں آزاد کرتا ہوں تم لوگ جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو، اور جب لوگوں نے برضا ورغبت کہا کہ ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں، تب انھوں نے خلافت کی عنان اپنے ہاتھ میں لی۔

پھر شاہانہ کروفر، فرعونی انداز، قیصر وکسرے کے درباری طریقے، سب رخصت کئے اور پہلے ہی روز لوازم شاہی کو ترک کرکے وہ طرز اختیار کیا جو مسلمانوں کے درمیان اُن کے خلیفہ کا ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد ان امتیازات کی طرف توجہ کی جو شاہی خاندان کے لوگوں کو حاصل تھے اور ان کو تمام حیثیتوں سے

۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

عام مسلمانوں کے برابر کر دیا۔ وہ تمام جاگیریں جو شاہی خاندان کے قبضہ میں تھیں، اپنی جاگیر سمیت بیت المال کو واپس کیں جن جن کی زمینوں اور جائدادوں پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا وہ سب ان کو واپس دیں ـــ ان کی اپنی ذات کو اس تغیر سے جو نقصان پہونچا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پچاس ہزار کی جگہ صرف دو سو اشرفی سالانہ کی آمدنی رہ گئی ـــ بیت المال کے روپے کو اپنی ذات پر اور اپنے خاندان والوں پر حرام کر دیا حتیٰ کہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تنخواہ تک نہ لی۔ اپنی زندگی کا سارا نقشہ بدل دیا۔ یا تو خلیفہ ہونے سے پہلے شاہانہ شان کے ساتھ رہتے تھے۔ یا خلیفہ ہوتے ہی فقیر ہو گئے۔

گھر اور خاندان کی اس اصلاح کے بعد نظام حکومت کی طرف توجہ کی، ظالم گورنروں کو الگ کیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر صالح آدمی تلاش کیئے کہ گورنری کی خدمت انجام دیں۔ عاملین حکومت، جو قانون اور ضابطہ سے آزاد ہو کر رعایا کی جان، مال آبرو پر غیر محدود اختیارات کے مالک ہو گئے تھے، ان کو پھر ضابطہ کا پابند بنایا اور قانون کی حکومت قایم کی ٹیکس عائد کرنے کی پوری پالیسی بدل دی اور وہ تمام ناجائز ٹیکس جو شاہان بنی امیہ نے عائد کر دیئے تھے، جن میں آبکاری تک کا محصول شامل تھا، ایک قلم موقوف کیئے، زکوٰۃ کی تحصیل کا انتظام از سر نو درست کیا اور بیت المال کی دولت کو پھر سے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیئے وقف کر دیا۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو جو ناانصافیاں کی گئی تھیں اُن سب کی تلافی کی، ان کے معابد جن پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا انھیں واپس دلائے، ان کی زمینیں جو غصب کر لی گئی تھیں پھر واگذاشت کیں اور ان کے تمام وہ حقوق بحال کیئے جو شریعت کی رو سے انھیں حاصل ہیں۔ عدالت کو انتظامی حکومت کے دخل سے آزاد کیا اور حکم بین الناس کے ضابطہ اور اسپرٹ دونوں کو شاہی نظام کے اثرات سے پاک کر کے اسلامی اصول پر قایم کر دیا۔ اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں سے اسلامی نظام حکومت دوبارہ زندہ ہوا۔

پھر انھوں نے سیاسی اقتدار سے کام لے کر لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے اُن اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی میں پھیل گئے تھے۔ فاسد عقیدوں کی اشاعت کو روکا۔ عوام کی تعلیم کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم کی طرف اہل دماغ طبقوں کی توجہات کو دوبارہ منعطف کیا اور ایک ایسی علمی تحریک پیدا کر دی جس کے اثر سے اسلام کو ابو حنیفہ، مالک شافعی اور احمد بن حنبل جیسے مجتہدین میسر آئے۔ اتباع شریعت کی روح کو تازہ کیا۔ شراب نوشی، تصویر کشی اور عیش و تنعم کی بیماریاں جو شاہی نظام کی بدولت پیدا ہو چکی تھیں، ان کا انسداد کیا، اور فی الجملہ وہ مقصد پورا کیا جس کے لیئے اسلام اپنی حکومت قایم کرنا چاہتا ہے۔ یعنی الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔

بہت ہی قلیل مدت میں اس انقلابِ حکومت کے اثرات عوام کی زندگی پر اور بین الاقوامی حالات پر مترتب ہونے شروع ہوگئے۔ ایک راوی کہتا ہے کہ ولید کے زمانے میں لوگ جب آپس میں بیٹھتے تو عمارات اور باغوں سے متعلق گفتگو کرتے سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو عوام کا مذاق صنفی معاملات کی طرف متوجہ ہوگیا، مگر جب عمر بن عبدالعزیز حکمران ہوئے تو حالت یہ تھی کہ جہاں چار آدمی جمع ہوئے نماز اور روزہ اور قرآن کا ذکر چھڑ جاتا تھا غیر مسلم رعایا پر اس حکومت کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ ہزار در ہزار آدمی اس مختصر سی مدت میں مسلمان ہوگئے اور جزیہ کی آمدنی دفعتہً اتنی گھٹ گئی کہ سلطنت کے مالیات اس سے متاثر ہوگئے۔ مملکت اسلامی کی اطراف میں جو غیر مسلم ریاستیں موجود تھیں حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور ان میں سے متعدد ریاستوں نے اس دین کو قبول کرلیا۔ اسلامی حکومت کی سب سے بڑی حریف سلطنت اس وقت روم کی سلطنت تھی جس کے ساتھ ایک صدی سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور اُس وقت بھی سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ مگر عمر ابن عبدالعزیز کا اخلاقی اثر جو روم پر قایم ہوا اس کا اندازہ اُن الفاظ سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے انتقال کی خبر سُن کر قیصر روم نے کہے تھے۔ اس نے کہا کہ

اگر کوئی راہب دُنیا کو چھوڑ کر اپنے دروازے بند کرلے اور عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی، مگر مجھے حیرت ہے تو اُس شخص پر جس کے قدموں کے نیچے دُنیا تھی اور پھر اسے ٹھکرا کر اس نے فقیرانہ زندگی بسر کی،،

اسلام کے اس مجددِ اوّل کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقع ملا اور اس مختصر سی مدت میں اس نے یہ انقلابِ عظیم برپا کرکے دکھا دیا۔ بنی اُمیہ کا پورا خاندان اس بندۂ خدا کا دُشمن ہوگیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں ان لوگوں کی موت تھی۔ وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کرسکتے تھے۔ آخر کار اُنھوں نے سازش کرکے زہر دیدیا اور صرف ۳۹ سال کی عمر میں یہ خادم دین و ملت دنیا سے رخصت ہوگیا۔ جس کار تجدید کو اس نے شروع کیا تھا، اُس کی تکمیل میں اب صرف اتنی کسر باقی تھی کہ خاندانی حکومت کو ختم کرکے انتخابی خلافت کا سلسلہ پھر سے قایم کردیا جاتا یہ اصلاح اس کے پیش نظر تھی، اور اپنے عندیہ کا اس نے اظہار بھی کردیا تھا، مگر اموی اقتدار کی جڑوں کو اجتماعی زندگی سے اُکھاڑنا اور عام مسلمانوں کی اخلاقی و ذہنی حالت کو خلافت کا بار سنبھالنے کے لیئے تیار کرنا اتنا آسان کام نہ تھا کہ ڈھائی برس کے اندر انجام پاسکتا۔

ائمہ اربعہ | عمر ثانی کی وفات کے بعد اگرچہ سیاسی اقتدار کی کنجیاں پھر اسلام سے جاہلیت کی طرف منتقل ہوگئیں، اور سیاسی پہلو میں اُس پورے کام پر پانی پھر گیا جو انھوں نے انجام دیا تھا، مگر اسلامی ذہنیت میں جو بیداری انھوں نے پیدا کردی تھی، اور جس علمی حرکت کو وہ اُکسا گئے تھے اُسے کوئی طاقت بار آور ہونے سے نہ روک سکی۔ بنی اُمیہ

اور بنی عباس کے کوڑے اور اشرفیوں کے توڑے، دونوں ہی اس کے راستے میں حائل ہوئے، مگر کسی کی بھی اس کے آگے پیش نہ چلی اس تحریک کے اثر سے قرآن و حدیث کے علوم میں تحقیق، اجتہاد اور تدوین کا بہت بڑا کام ہوا۔ اصول دین سے اسلام کے قوانین کی تفصیلی شکل مرتب کی گئی اور ایک وسیع نظام تمدن کو اسلامی طرز پر چلانے کیلئے جس قدر ضوابط و مناہج عمل کی ضرورت تھی، وہ تقریباً سارے کے سارے اپنے تمام جزئیات کے ساتھ مدون کر ڈالے گئے۔ دوسری صدی کے آغاز سے تقریباً چوتھی صدی تک یہ کام پوری قوت کے ساتھ چلتا رہا۔

اس دور کے مجددین وہ چار بزرگ ہیں[۵] جن کی طرف آج فقہ کے چاروں مذاہب منسوب ہیں، اگرچہ مجتہد ان کے سوا اور بھی کثیر التعداد اصحاب تھے مگر جس لحاظ سے ان حضرات کا مقام مجتہدین سے بلند ہو کر مجددین کے مرتبہ تک پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ:-

اوّلاً ان حضرات نے اپنی گہری بصیرت اور غیر معمولی ذکاوت و ذہانت سے ایسے مذاہب فکر پیدا کیے جن کی زبردست طاقت سات آٹھ صدیوں تک مجتہد پیدا کرتی رہی، انھوں نے کلیات دین سے جزئیات مستنبط کرنے اور اصول شرع کو زندگی کے عملی مسائل پر منطبق کرنے کے ایسے وسیع و ہمہ گیر طریقے قایم کر دیئے کہ آگے چل کر جس قدر بھی اجتہادی کام ہوا انہی طریقوں پر ہوا اور آئندہ بھی جب کبھی اس سلسلہ میں کوئی کام ہوگا ان کی رہنمائی سے انسان بے نیاز نہ ہو سکے گا۔

ثانیاً ان لوگوں نے یہ سارا کام شاہی نظام حکومت کی امداد کے بغیر اس کی مداخلت سے بالکل آزاد ہو کر، بلکہ اس کی دراندازیوں کا سخت مقابلہ کر کے انجام دیا اور اس سلسلہ میں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کے زمانہ میں کوڑوں کی مار اور قید کی سزائیں بھگتیں یہاں تک کہ زہر سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ امام مالک کو منصور عباسی کے زمانے میں ۷۰ کوڑوں کی سزا دی گئی اور اس بری طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ امام احمد ابن حنبل پر مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانے میں مسلسل مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، اتنا اتنا مارا گیا کہ شاید اونٹ اور ہاتھی بھی اس مار کی تاب نہ لا سکیں، اور پھر متوکل کے زمانے میں شاہی انعام و اکرام اور عقیدت و تعظیم کی وہ بارش ان پر کی گئی کہ گھبرا کر پکار اٹھے کہ ھذا امر اشد علیّ من ذالک (یہ مجھ پر اس مار اور قید سے زیادہ سخت مصیبت ہے) مگر ان سب باتوں کے باوجود ان اللہ کے بندوں نے علم دین کی ترتیب و تدوین میں نہ صرف خود شاہی نفوذ و اثر کو گھسنے کا

۵ؔ امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں وفات پائی امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ امام احمد ابن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

راستہ نہ دیا بلکہ کچھ ایسی طرح ڈال گئے کہ ان کے بعد بھی سارا اجتہادی و تدوینی کام بالکلیہ درباروں کے دخل سے آزاد ہی رہا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلامی قوانین اور علوم حدیث و قرآن کا جتنا معتبر و مستند ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ جاہلیت کے ادنیٰ شائبہ سے بھی ملوث نہیں ہوا ہے۔ یہ چیزیں ایسی پاک صاف صورت میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوئی ہیں کہ صدیوں تک بادشاہوں اور امراء کی نفس پرستیوں اور عوام کے اخلاقی تنزل اور اعتقادی و تمدنی گمراہیوں کا جو دور دورہ رہا وہ گویا ان علوم کے لیے معدوم محض تھا۔

امام غزالی عمر ابن عبدالعزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں، اور بنی امیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قایم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لیکر مسلمانوں میں پھیلایا اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت اولیٰ کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا۔ عباسی خاندان کے تنزل نے مزید نقصان یہ پہونچایا کہ ابتدائی عباسی خلفاء کے بعد دنیوی اقتدار کی باگیں جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں وہ علوم دینی سے بالکل ہی کورے تھے ان میں اتنی صلاحیت بھی نہ تھی کہ قضاء اور افتاء کے عہدوں کے لیے اہل آدمیوں کو منتخب کرسکتے اپنی جہالت اور سہولت پسندی کی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کی تنفیذ کا کام ایسے لگے بندھے طریقوں پر کرنا چاہتے تھے جن میں کسی کد و کاوش کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے لیے تقلید جامد ہی کار آمد موزوں تھا۔ مزید براں دنیا پرست علماء نے ان کو مذہبی "مناظروں" کی چاٹ بھی لگادی، اور پھر شاہی سرپرستی میں یہ مرض اتنا پھیلا کہ اس نے تمام مسلم ممالک میں فرقہ بندی، اختلاف اور سرپھٹول کی وبا پھیلادی۔

پانچویں صدی تک پہونچتے پہونچتے یہ حال ہوگیا کہ

(۱) یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے ایلئے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے، بلکہ فلاسفہ یونان کے بالکل ذہنی غلام تھے اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ متکلمین کا جو گروہ اسلام کی "حمایت" کے لیے اُٹھا اس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھ کر جوں کا توں تسلیم کرلیا، اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تاکہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔ ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے، اس کی ہر چیز انھیں مشکوک نظر آنے لگی اور ان میں یہ خیال جاگزیں ہوتا چلا گیا کہ ہمارا دین ایک چھوئی موئی کا درخت ہے جو عقلی امتحان کی ذرا سی ٹھیس سے مرجھا جاتا ہے

امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رَو کو بدلنے کی کوشش کی مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا، لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا، اس لیئے وہ اس عام بے اعتقادی کی رفتار کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا، بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کرلیا جو فی الواقع عقائد دین میں سے نہ تھیں۔

(۲) جاہل فرماں رواؤں کے اثر سے اور علوم دینی کو مادّی وسائل کی تائید بہم پہنچنے کے سبب سے اجتہاد کے چشمے خشک ہوگئے، تقلید جامد کی بیماری پھیل گئی، مذہبی اختلافات نے ترقی کرکے ذرا ذرا سے جزئیات پر نئے نئے فرقے پیدا کردیئے، اور ان فرقوں کی باہمی لڑائیوں سے مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا "علیٰ شفا حفرۃ من النار" ہیں۔

(۳) مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رونما ہوگیا جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ قرآن اور نبوت کی روشنی سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بڑی حد تک خالی ہوگئی۔ علماء، امراء، عوام سب بھول گئے کہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے جس کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لیئے کبھی رجوع کرنا چاہیئے۔

(۴) شاہی درباروں، خاندانوں، اور حکمراں طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عموماً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی، ناجائز ٹیکسوں کے بار نے معاشی زندگی کو نہایت خراب کردیا تھا۔ تمدن کو حقیقی فائدہ پہونچانے والے علوم و صنائع رو بہ تنزل تھے اور ان فنون کا زور تھا جو شاہی درباروں میں قدر و منزلت رکھتے تھے مگر اخلاق و تمدن کے لیئے غارت گر تھے۔ آثار سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ عام تباہی کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ حالات تھے جب پانچویں صدی کے وسط میں امام غزالی پیدا ہوئے[۱]۔ انھوں نے ابتداءً اسی طرز کی تعلیم حاصل کی جو اس زمانہ میں دنیوی ترقی کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ انہی علوم میں کمال پیدا کیا جن کی بازار میں مانگ تھی۔ پھر اس جنس کو لے کر وہیں پہنچے جہاں کے لیئے تیار ہوئے تھے اور ان بلند ترین مراتب تک ترقی کی جن کا تصور اس زمانہ میں کوئی عالم کرسکتا تھا۔ دُنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ــــ نظامیہ بغداد ــــ کے ریکٹر مقرر ہوئے نظام الملک طوسی، ملک شاہ سلجوقی اور "خلیفۂ بغداد" کے درباروں میں اعتماد حاصل کیا۔ وقت کے سیاسیات میں یہاں تک دخیل ہوئے کہ سلجوقی فرماں روا اور عباسی "خلیفہ" کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ان کو سلجھانے کے لیئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، دُنیوی عروج کے اس نقطہ پر پہونچ جانے کے بعد ان کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا، اپنے زمانہ کی علمی، اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور تمدّنی زندگی کو جتنی گہری نظر سے دیکھتے گئے اسی قدر ان کے اندر بغاوت کا جذبہ اُبھرتا چلا گیا۔ اور اسی قدر ان کے ضمیر نے زیادہ زور سے صدا لگانی شروع کی کہ تم اس گندے سمندر کی شناوری کے لیئے نہیں ہو بلکہ تمہارا فرض کچھ اور ہے۔ آخر کار ان تمام اعزازات اور فوائد و منافع اور مشاغل پر لات ماری

---

[۱] ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء میں وفات پائی۔ ۱۲

جن کے جنجال میں پھنسے ہوئے تھے، فقیر بن کر سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے، گوشوں اور ویرانوں میں رہ کر غور و خوض کیا چل پھر کر عام مسلمانوں کی زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا، اور مجاہدات و ریاضات سے اپنی روح کو صاف کرتے رہے۔ ۳۸ سال کی عمر میں نکلے تھے پورے دس برس کے بعد ۴۸ سال کی عمر میں واپس ہوئے، اور اس طویل غور و فکر و مشاہدہ کے بعد جو کام کیا وہ یہ تھا کہ بادشاہوں کے تعلق، ان کی وظیفہ خواری اور جدال و تعصب سے توبہ ہی نہیں کی، بلکہ ان تعلیمی اداروں میں کام کرنے سے بھی انکار کر دیا جو سرکاری اثر میں ہوں، اور خود اپنا ایک آزاد ادارہ قائم کیا جس میں چیدہ افراد کو اپنے خاص طرز پر تعلیم و تربیت دے کر تیار کرنا چاہتے تھے، مگر غالباً ان کی یہ کوشش کوئی بڑا انقلاب انگیز کام نہ کر سکی کیونکہ پانچ چھ سال سے زیادہ ان کو اس طرز خاص پر کام کرنے کی اجل ہی نے مہلت نہ دی۔

امام غزالی کے تجدیدی کام کا خلاصہ یہ ہے:-

اوّلاً اُنھوں نے فلسفۂ یونان کا نہایت گہرا مطالعہ کرکے اس پر تنقید کی اور اتنی زبردست تنقید کی کہ وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا کم ہو گیا، اور لوگ جن نظریات کو حقائق سمجھے بیٹھے تھے، جن پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کو منطبق کرنے کے سوا دین کے بچاؤ کی کوئی صورت انھیں نظر نہ آتی تھی، اُن کی اصلیت سے بڑی حد تک آگاہ ہو گئے، امام کی اس تنقید کا اثر مسلم ممالک ہی تک محدود نہ رہا بلکہ یورپ تک پہونچا اور وہاں بھی اس نے فلسفۂ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور تنقید و تحقیق کا فتح باب کرنے میں حصہ لیا۔

ثانیاً اُنھوں نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو فلاسفہ و متکلمین کی ضد میں اسلام کے وہ حامی کر رہے تھے جو علوم عقلیہ میں گہری بصیرت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُسی قسم کی حماقتیں کر رہے تھے جو بعد میں یورپ کے پادریوں نے کیں، یعنی مذہبی عقائد کے اثبات کو بعض صریح غیر معقول باتوں پر موقوف سمجھ کر خواہ مخواہ اُن کو اصول موضوعہ قرار دے لیتے اور ان کو بھی عقائد دین میں داخل کرکے ہر اُس شخص کی تکفیر کرتے جو ان باتوں کا قائل نہ ہو، اور ہر اُس برہان یا تجربہ یا مشاہدہ کو دین کے لئے خطرہ سمجھتے جس سے اُن کے مزعومات کی غلطی ثابت ہوتی ہو اسی چیز نے یورپ کو بالآخر دہریت کی طرف دھکیل دیا۔ مگر مسلم ممالک میں امام غزالی نے بروقت اس کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے عقائد دینی کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے معقول دلائل موجود ہیں، لہٰذا ان چیزوں پر اصرار فضول ہے

ثالثاً انھوں نے اسلام کے عقائد و اساسیات کی ایسی معقول تعبیر پیش کی جس پر کم از کم اُس زمانہ کے اور بعد کی کئی صدیوں تک کے معقولات کی بنا پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت اور عبادات و مناسک کے اسرار و مصالح بھی بیان کیے اور دین کا ایک ایسا تصور لوگوں کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جنکی بنا پر پہلے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔

رابعاً، انھوں نے اپنے وقت کے تمام مذہبی فرقوں اور ان کے اختلافات پر نظر ڈالی اور پوری تحقیق کے ساتھ بتایا کہ اسلام اور کفر کی امتیازی سرحدیں کیا ہیں، کن حدود کے اندر انسان کے لیئے رائے و تاویل کی آزادی ہے، اور کن حدود سے تجاوز کرنے کے معنی اسلام سے نکل جانے کے ہیں. اسلام کے اصلی عقائد کون سے ہیں اور وہ کیا چیزیں ہیں جن کو خواہ مخواہ عقائد دین میں داخل کر لیا گیا ہے۔ اس تحقیقات نے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور تکفیر بازی کرنیوالے فرقوں کی سرنگوں سے بہت سی باروت نکال دی، اور لوگوں کے زاویہ نظر میں وسعت پیدا کی،

خامساً انھوں نے دین کی فہم کو تازہ کیا، بے شعوری کی مذہبیت کو فضول ٹھیرایا، تقلید جامد کی سخت مخالفت کی، لوگوں کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے چشمۂ فیض کی طرف پھر سے توجہ دلائی، اجتہاد کی روح کو تازہ کرنے کی کوشش کی، اور اپنے عہد کے تقریباً ہر گروہ کی گمراہیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرکے اصلاح کی طرف عام دعوت دی

سادساً انھوں نے اس نظام تعلیم پر تنقید کی جو بالکل فرسودہ ہو چکا تھا اور تعلیم کا ایک نیا نظام تجویز کیا. اس وقت تک مسلمانوں میں جو نظام تعلیم قایم تھا اُس میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ علوم دنیا اور علوم دین الگ الگ تھے اور اس کا نتیجہ لامحالہ تفریق دنیا و دین کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر غلط ہے۔ دوسرے شرعی علوم کی حیثیت سے بعض ایسی چیزیں داخل درس تھیں جو شرعی اہمیت نہ رکھتی تھیں، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دین کے متعلق لوگوں کے تصورات غلط ہو رہے تھے اور بعض غیر جنس کی چیزوں کو دینی اہمیت حاصل ہو جانے کی وجہ سے فرقہ بندیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ امام غزالی نے ان خرابیوں کو دور کرکے ایک سمویا ہوا نظام بنایا جس کی ان کے ہم عصروں نے سخت مخالفت کی مگر بالآخر تمام مسلم ممالک میں اس کے اُصول تسلیم کر لیئے گئے اور جتنے نئے نظامات تعلیم بنے وہ تمام تر انہی خطوط پر بنے جو امام نے کھینچ دیئے تھے۔ اس وقت تک مدارس عربیہ میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے اس کی ابتدائی خط کشی امام غزالی ہی کی رہین منت ہے۔

سابعاً اُنھوں نے اخلاق عامّہ کا پورا جائزہ لیا۔ انھیں علماء، مشائخ، امراء، سلاطین، عوام، سب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے خوب مواقع ملے تھے خود چل پھر کر مشرقی دنیا کا ایک بڑا حصہ دیکھ چکے تھے۔ اسی مطالعہ کا نتیجہ انکی کتاب احیاء العلوم ہے جس میں انھوں نے ہر طبقہ کی اخلاقی حالت پر تنقید کی ہے، ایک ایک برائی کی جڑ اور اس کے نفسیاتی اور تمدنی اسباب کا کھوج لگایا ہے اور اسلام کا صحیح اخلاقی معیار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثامناً انھوں نے اپنے عہد کو نظام حکومت پر بھی پوری آزادی کے ساتھ تنقید کی، براہ راست حکام وقت کو بھی پیہم اصلاح کی طرف توجہ دلاتے رہے، اور عوام میں بھی یہ روح پھونکنے کی کوشش کی کہ منفعلانہ انداز سے جبر وظلم کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں، بلکہ آزادانہ نکتہ چینی کریں۔ احیاء میں ایک جگہ صاف لکھتے ہیں کہ ”ہمارے زمانہ میں سلاطین کے تمام یا اکثر اموال حرام ہیں“ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ ”ان سلاطین کو نہ اپنی صورت

دکھانی چاہیئے، نہ ان کی دیکھنی چاہیئے۔ انسان کے لیئے لازم ہے کہ ان کے ظلم سے بغض رکھے، ان کے بقا کو پسند نہ کرے، ان کی تعریف نہ کرے، ان کے حالات سے کوئی واسطہ نہ رکھے اور ان کے ہاں رسائی رکھنے والوں سے بھی دور رہے"۔ ایک اور جگہ اُن آداب پرستش وعبودیت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں جو درباروں میں رائج تھے۔ اس معاشرت کی مذمت کرتے ہیں جو بادشاہوں اور امرار نے اختیار کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے محلات، ان کے لباس، ان کی آسائش ہر چیز کو نجس بتلاتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انھوں نے اپنے عہد کے بادشاہ کو ایک مفصل خط لکھا جس میں اس کو اسلامی طرز حکومت کی طرف دعوت دی، حکمرانی کی ذمہ داریاں سمجھائیں، اور اسے بتایا کہ تیرے ملک میں جو کچھ ظلم ہو رہا ہے، خواہ تو خود کرے یا تیرے عمال کریں، بہرحال اس کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ ایک دفعہ مجبوراً دربار شاہی میں جانا پڑا تو دوران گفتگو میں بادشاہ کے منہ در منہ کہا کہ

"تیرے گھوڑوں کی گردن سازِ زریں سے نہ ٹوٹی تو کیا ہوا، پر مسلمانوں کی گردن تو فاقہ کشی کی مصیبت سے ٹوٹ گئی"۔

اسی طرح ان کے آخری زمانہ میں جتنے وزرار سلطنت کے مدبرامر ہوئے ان سب کو بھی امام نے پیہم خطوط لکھے اور رعایا کی تباہ حالی کی طرف توجہ دلائی۔ ایک وزیر کو لکھتے ہیں:۔

"ظُلم حد سے گزر چکا ہے۔ چونکہ مجھے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا اس لیئے تقریباً ایک سال سے میں نے طوس کا قیام ترک کر دیا ہے تاکہ بے رحم وبے حیا ظالموں کی حرکات دیکھنے سے خلاصی پاؤں"

ابن خلدون کے بیان سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے قیام کے خواہاں تھے جو خالص اسلامی اصول پر ہو، خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔ چنانچہ مغرب اقصٰے میں موحدین کی سلطنت انہی کے اشارہ سے ان کے شاگرد نے قائم کی۔ مگر امام موصوف کے کارنامے میں یہ سیاسی رنگ محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا۔ سیاسی انقلاب کیلیئے انھوں نے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اُٹھائی، نہ حکومت کے نظام پر کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے اسی لیئے جاہلیت کی حکمرانی میں مسلمان قوموں کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک صدی بعد تاتاری طوفان کے دروازے ان پر ٹوٹ پڑے اور اس نے ان کے پورے تمدن کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی وفکری حیثیت سے چند نقایص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیئے جا سکتے ہیں، ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے دوسری قسم اُن نقایص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے۔ اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہو جانے کی وجہ سے تھے۔ ان کمزوریوں سے بچکر امام موصوف کے اصل کام، یعنی

اسلام کی ذہنی و اخلاقی روح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظامِ فکر و نظامِ تمدن سے چھانٹ چھانٹ کر نکالنے کا کام جس شخص نے انجام دیا وہ ابن تیمیہ تھا۔

ابن تیمیہ امام غزالی کے ڈیڑھ سو برس بعد ساتویں صدی کے نصف آخر میں امام ابن تیمیہ پیدا ہوئے[1]۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دریائے سندھ سے فرات کے کناروں تک تمام مسلمان قوموں کو تاتاری غارت گر پامال کر چکے تھے اور شام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مسلسل پچاس برس کی ان شکستوں نے، دائمی خوف و بدامنی کی حالت نے، اور علم و تہذیب کے تمام مرکزوں کی تباہی نے مسلمانوں کو اُس مرتبہ پستی سے بھی بہت زیادہ نیچے گرا دیا تھا جس پر امام غزالی نے انھیں پایا تھا۔ نئے تاتاری حملہ آور اگرچہ اسلام قبول کرتی جا رہے تھے مگر جاہلیت میں یہ حکمراں اپنے پیش رَو ترک فرماں رواؤں سے بھی کئی قدم آگے تھے، ان کے زیر اثر آکر عوام اور علماء و مشائخ اور فقہاء و قضاۃ کے اخلاق اور بھی زیادہ گر گئے تقلید جامد اس حد کو پہنچ گئی کہ مختلف فقہی و کلامی مذاہب گویا مستقل دین بن گئے۔ اجتہاد معصیت بن کر رہ گیا۔ بدعات و خرافات نے شرعی حیثیت اختیار کر لی۔ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ایسا گناہ ہو گیا جو کسی طرح معاف نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس دور میں جاہل و گمراہ عوام، دُنیا پرست یا تنگ نظر علما اور جاہل و ظالم حکمرانوں کی ایسی سنگت بن گئی تھی کہ اس اتحادِ ثلاثہ کے خلاف کسی کا اصلاح کے لیئے اُٹھنا اپنی گردن کو قصاب کی چھری کے سامنے پیش کرنے سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گو اُس وقت صحیح الخیال، وسیع النظر، حقیقت شناس علماء ناپید نہ تھے نہ اُن سچے اور اصلی صوفیوں کی کمی تھی جو جادہ حق پر گامزن تھے، مگر جس نے اس تاریک زمانہ میں اصلاح کا علم اُٹھانے کی جرأت کی وہ ایک ہی اللہ کا بندہ تھا۔

ابن تیمیہ حدیث کے امام تھے یہاں تک کہ کہا گیا کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلا شبہ ان کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علوم عقلیہ، منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی کہ جن لوگوں کا سرمایہ نازیہی علوم تھے وہ اُن کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے، اور اس پر جرأت و ہمت کا یہ حال تھا کہ اظہار حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرے، حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجے گئے اور آخر کار جیل ہی میں جان دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہوئے کام کو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے ان کے تجدیدی کارنامے کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) انھوں نے یونانی منطق و فلسفہ پر امام غزالی سے زیادہ گہری اور زبردست تنقید کی اور اس کی کمزوریوں کو اس طرح نمایاں کر کے رکھ دیا کہ عقلیات کے میدان پر اس کا تسلط ہمیشہ کیلئے ڈھیلا ہو گیا۔ ان دونوں کی تنقید کے اثرات مشرق ہی تک محدود نہ رہے بلکہ مغرب تک بھی پہنچے۔ چنانچہ یورپ میں ارسطو کی منطق اور مسیحی متکلمین کی

[1] پیدائش ۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء وفات ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء

یونان زدہ فلسفیانہ نظام کے خلاف پہلی تنقیدی آواز ابن تیمیہ کے ڈھائی سو برس بعد اُٹھی۔

(۲) انھوں نے اسلام کے عقائد، احکام، اور قوانین کی تائید میں ایسے زبردست دلائل قایم کیئے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصلی روح کے حامل ہونے میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان واستدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھایا ہوا تھا۔ ابن تیمیہ نے اس راہ کو چھوڑ کر عقل عام (کامن سنس) پر تفہیم و تبیین کی بنا رکھی جو زیادہ فطری، زیادہ موثر اور زیادہ قرآن وسنت کے قریب ہے۔ یہ نئی راہ پچھلوں کی راہ سے بالکل الگ تھی۔ جو لوگ دین کے علمبردار تھے وہ فقط احکام نقل کردیتے تھے، تفہیم نہ کرسکتے تھے اور جو کلام میں پھنس گئے تھے وہ تفلسف اور اصطلاحی معقولات کو ذریعہ تفہیم بنانے کی وجہ سے کتاب وسنت کی اصلی اسپرٹ کو کم وبیش کھو دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے عقائد واحکام کو ان کی اصلی اسپرٹ کے ساتھ بے کم وکاست بیان بھی کیا اور پھر تفہیم کا وہ سیدھا سادہ فطری ڈھنگ اختیار کیا جس کے سامنے اہل عقل کے لیے سر جھکا دینے کے سوا چارہ نہ تھا اسی زبردست کارنامے کی تعریف امام حدیث علامہ ذہبی نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ولقد نصر السنۃ المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ واحتج لھا ببراھین ومقدمات وامور لم یسبق الیھا۔ یعنی ابن تیمیہ نے خالص سنت اور طریقہ سلف کی حمایت کی اور اس کی تائید میں ایسے دلائل اور مقدمات اور ایسے طریقوں سے کام لیا جن کی طرف ان سے پہلے کسی کی نظر نہ گئی تھی۔

(۳) انھوں نے تقلید جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ قرون اولے کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کرکے دکھایا، براہ راست کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے استنباط کرکے اور مختلف مذاہب فقہیہ کے درمیان آزادانہ محاکمہ کرکے کثیر التعداد مسائل میں کلام کیا جس سے راہ اجتہاد از سر نو باز ہوئی اور قوت اجتہادیہ کا طریق استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اس کے ساتھ انھوں نے اور ان کے جلیل القدر شاگرد ابن قیم نے، حکمت تشریع اور شارع کے طرز قانون سازی پر اتنا نفیس کام کیا جس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ مواد ہے جس سے ان کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی اور آئندہ ہوتی رہے گی۔

(۴) انھوں نے بدعات اور مشرکانہ رسوم اور اعتقادی واخلاقی گمراہیوں کے خلاف سخت جہاد کیا اور اس سلسلہ میں بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔ اسلام کے چشمہ صافی میں اُس وقت تک جتنی آمیزشیں ہوئی تھیں، اُس اللہ کے بندے نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا، ایک ایک کی خبر لی، اور ان سب سے چھانٹ کر ٹھیٹھ اسلام کے طریقہ کو الگ روشن کرکے دُنیا کے سامنے رکھدیا اس تنقید وتنقیح میں اُس شخص نے کسی کی رورعایت نہ کی۔ بڑی بڑے آدمی جن کے فضل وکمال کا اور تقدس کا سکہ مسلمانوں کی ساری دُنیا پر بیٹھا ہوا تھا، جن کے نام سُن کر لوگوں کی گردنیں جُھک جاتی تھیں، ابن تیمیہ کی تنقید سے نہ بچ سکے۔ وہ طریقے اور اعمال جو صدیوں سے مذہبی حیثیت اختیار کیئے ہوئے تھے، جن کے جواز، بلکہ استحباب کی دلیلیں نکال لی گئی تھیں، اور علماء حق بھی جن سے

مداہنت کر رہے تھے، ابن تیمیہ نے ان کو ٹھیٹھ اسلام کے منافی پایا اور ان کی پُرزور مخالفت کی۔ اس آزاد خیالی وصاف گوئی کی وجہ سے ایک دُنیا ان کی دُشمن ہوگئی اور آجتک دشمن چلی آتی ہے، جو لوگ ان کے عہد میں تھے انھوں نے مقدمات قائم کرکے کئی بار جیل بھجوایا، اور جو بعد میں آئے اُنھوں نے تکفیر و تضلیل کرکے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔ مگر اسلام خالص ومحض کے اتباع کا جو صور اس شخص نے پھونکا تھا اس کی بدولت ایک مستقل حرکت دنیا میں پیدا ہوگئی جس کی آواز بازگشت اب تک بلند ہو رہی ہے۔

اس تجدیدی کام کے ساتھ انھوں نے تاتاری وحشت و بربریت کے مقابلہ میں تلوار سے بھی جہاد کیا! اس وقت مصر و شام اس سیلاب سے بچے ہوئے تھے۔ امام نے وہاں کے عام مسلمانوں اور رئیسوں میں غیرت وحمیت کی آگ پھونکی اور انھیں مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان کے ہم عصر شہادت دیتے ہیں کہ مسلمان تاتاریوں سے اتنے مرعوب ہو چکے تھے کہ ان کا نام سُن کر کانپ اُٹھتے تھے اور ان کے مقابلہ میں جاتے ہوئے یوں ڈرتے تھے کانما یساقون الی الموت۔ مگر ابن تیمیہ نے ان میں جہاد کا جوش پھونک کر شجاعت کی سوئی ہوئی روح کو بیدار کر دیا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی کوئی ایسی سیاسی تحریک نہیں اُٹھا سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آتیں۔

شیخ احمد سرہندی ساتویں صدی میں فتنۂ تاتار نے ہندوکش سے اُس پار کی دُنیا کو تو بالکل تاخت و تاراج کر دیا، مگر ہندوستان اُس کی دست بُرد سے بچ گیا تھا۔ اس ڈھیل نے یہاں کے مترفین کو اس غلطی میں ڈال دیا جو ہمیشہ فریفتگانِ زینتِ دُنیا کو لاحق ہوتی ہے۔ یہاں وہ تمام خرابیاں پرورش پاتی رہیں جو خراسان و عراق میں تھیں، وہی پادشاہوں کی خداوندی، وہی اُمرا و اہل دولت کی عیش پسندی، وہی باطل راستوں سے مال لینا اور باطل رستوں میں خرچ کرنا، وہی جبر و ظلم کی حکومت، وہی خدا سے غفلت اور دین کی صراطِ مستقیم سے بُعد۔ رفتہ رفتہ نوبت اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت تک پہونچی جس میں گمراہیاں اپنی حد کو پہونچ گئیں۔ اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ ملتِ اسلام جاہل بدوؤں میں پیدا ہوئی تھی، کسی مہذب و شایستہ قوم کے لئے وہ موزوں نہیں، نبوت، وحی، حشر و نشر، دوزخ و جنت، ہر چیز کا مذاق اُڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلام الہٰی ہونا مشتبہ، وحی کا نزول عقلاً مستبعد، مرنے کے بعد ثواب وعذاب غیر یقینی، البتہ تناسخ ہر آئینہ ممکن ما قرب الی الصواب۔ معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا۔ ذات نبوی پر اعتراضات کئے جاتے، خصوصاً آپ کی ازواج کے تعدد پر اور آپ کے غزوات و سرایا پر۔ یہاں تک کہ لفظ احمد اور محمد سے بھی بیزاری ہوگئی، اور جن کے ناموں میں یہ لفظ شامل تھا ان کے نام بدلے جانے لگے۔ دُنیا پرست علمائے نے اپنی کتابوں کے خطبوں میں نعت لکھنی چھوڑ دی، بعض ظالم اس حد تک بڑھے کہ دجال کی نشانیاں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کرنے لگے۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔ دیوان خانۂ شاہی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ نماز ادا کر سکے، ابوالفضل نے

نماز، روزہ، حج اور دوسرے شعائرِ دینی پر سخت اعتراضات کیئے اور ان کا مذاق اُڑایا۔ شعراء نے ان شعائر کی ہجو لکھی۔ جو عوام کی زبانوں تک بھی پہونچی۔

بہائی نظریہ کی بنا بھی در اصل اکبری عہد ہی میں پڑی تھی۔ اُس وقت یہ نظریہ قایم کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پہ ایک ہزار سال گزر چکے ہیں اور اس دین کی مدت ایک ہزار سال ہی تھی، اس لیئے اب وہ منسوخ ہوگیا اور اس کی جگہ نئے دین کی ضرورت ہے۔ اس نظریہ کو سکّوں کے ذریعہ سے پھیلایا گیا کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کا سب سے زیادہ قوی ذریعہ یہی تھا۔ اس کے بعد ایک نئے دین اور نئی شریعت کی طرح ڈالی گئی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب کو ملا کر ایک مخلوط مذہب بنایا جائے، تاکہ شاہی حکومت مستحکم ہو۔ دربار کے خوشامدی ہندوؤں نے اپنے بزرگوں کی طرف سے اس قسم کی پیشین گوئیاں سُنانی شروع کردیں کہ فلاں زمانے میں ایک گئو رکھشک مہاتما بادشاہ پیدا ہوگا اور اسی طرح بندۂ زر علماء نے بھی اکبر کو مہدی اور صاحب زماں اور امام مجتہد وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی، ایک "تاج العارفین" صاحب یہاں تک بڑھے کہ اکبر کو انسان کامل اور خلیفۃ الزماں ہونے کی حیثیت سے خدا کا عکس ہی ٹھیرا دیا۔ عوام کو سمجھانے کے لیئے کہا گیا کہ حق اور صدق ("عالمگیر سچائیاں") تمام مذاہب میں موجود ہیں، کوئی ایک ہی دین حق کا اجارہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا سب مذہبوں میں سے جو جو باتیں حق ہیں انھیں لے کر ایک جامع طریقہ بنانا چاہیئے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت عام دینی چاہیئے تاکہ ملتوں کے سب اختلافات مٹ جائیں، اسی طریق جامع کا نام "دین الٰہی" ہے۔ اس نئے دین کا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ تجویز کیا گیا۔ جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے ان کو "دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدراں دیدہ و شنیدہ ام" سے توبہ کرکے "دین الٰہی اکبر شاہی" میں داخل ہونا پڑتا تھا، اور داخل ہونے کے بعد ان کو لفظ "چیلہ" سے تعبیر کیا جاتا۔ سلام کا طریقہ بدل کر یوں کر دیا گیا کہ سلام کرنے والا "اللہ اکبر" اور جواب دینے والا "جل جلالہ" کہتا (یاد رہے کہ اکبر کا نام جلال الدین تھا) چیلوں کو بادشاہ کی تصویر دی جاتی اور وہ اسے پگڑی میں لگاتے۔ بادشاہ پرستی اس دین کے ارکان میں سے ایک رُکن تھی۔ ہر روز صبح کو بادشاہ کا درشن کیا جاتا، اور بادشاہ کے سامنے جب حاضری کا شرف عطا ہوتا تو اس کے سامنے سجدہ بجا لایا جاتا۔ "علماء کرام" اور "صوفیائے باصفا" دونوں اپنے اس قبلۂ حاجات و کعبۂ مرادات کو بے تکلف سجدہ فرماتے تھے اور اس صریح شرک کو "سجدۂ تحیۃ" اور "زمیں بوسی" جیسے الفاظ کے پردے میں چھپاتے تھے۔ یہ وہی ملعون حیلہ بازی تھی جس کی پیشین گوئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب لوگ حرام چیز کا نام بدل کر اس کو حلال کر لیا کریں گے۔

اس نئے دین کی بنا تو یہ کہکر رکھی گئی تھی کہ اس میں بلا کسی تعصب کے ہر مذہب کی اچھی باتیں لی جائینگی مگر در اصل اس میں اسلام کے سوا ہر مذہب کی پذیرائی تھی اور نفرت و عداوت کے لیئے صرف اسلام اور اس کے احکام

وقوانین ہی کو مختص کر لیا گیا تھا۔ پارسیوں سے آتش پرستی لی گئی، اکبری محل میں دائمی آگ کا الاؤ روشن کیا گیا اور چراغ روشن کرنے کے وقت قیام تعظیمی کیا جانے لگا۔ عیسائیوں سے ناقوس نوازی اور تماشائے صورت ثالث ثلاثہ اور اسی قسم کی چند چیزیں لی گئیں۔ سب سے زیادہ نظر عنایت ہندو ویت پر تھی کیونکہ یہ ملک کی اکثر آبادی کا مذہب تھا اور بادشاہی کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیئے اس کی استمالت ضروری تھی، چنانچہ گائے کا گوشت حرام کیا گیا، ہندو تہوار، دیوالی، دسہرہ، راکھی پونم، شیوراتری وغیرہ پوری ہندوانہ رسوم کے ساتھ منائے جانے لگے، شاہی محل میں ہون کی رسم ادا کی جانے لگی، دن میں چار وقت آفتاب کی عبادت کی جاتی اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا جاپ کیا جاتا، آفتاب کا نام جب زبان پہ آتا تو جلت قدرتہ کے الفاظ کہے جاتے، پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا، دوش و کمر پر جنیو ڈالا جاتا، اور گائے کی تعظیم کی جاتی۔ معاد کے متعلق عقیدۂ تناسخ تسلیم کر لیا گیا اور برہمنوں سے ان کے دوسرے بہت سے اعتقادات سیکھے گئے۔ یہ سارا معاملہ تو تھا دوسرے مذاہب کے ساتھ۔ رہا اسلام تو اس کے معاملہ میں بادشاہ اور درباریوں کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کو اس سے ضد اور چڑھ ہو گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے خلاف دوسرے مذہب والوں کی طرف سے جو بات دربار کا رنگ دیکھ کر ذرا فلسفیانہ وصوفیانہ انداز میں پیش کر دی جاتی اسے وحی آسمانی سمجھ کر قبول کر لیا جاتا اور اس کے مقابلہ میں اسلامی تعلیم رد کر دی جاتی۔ علماء اسلام اگر اسلام کی طرف سے کوئی بات کہتے، یا کسی گمراہی کی مخالفت کرتے تو انھیں "فقیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا جیکے معنی ان کی اصطلاح خاص میں احمق اور ناقابل التفات آدمی کے ہو گئے تھے۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مذاہب کی تحقیق کے لیئے مقرر کی گئی تھی جس میں تمام مذاہب کا مطالعہ بڑی رواداری بلکہ عقیدتمندی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ مگر اسلام کا نام آتے ہی اس کا مذاق اڑایا جانے لگتا تھا اور اگر اسلام کا کوئی حامی جواب دینا چاہتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی تھی۔ یہ برتاؤ اسی حد تک نہ رہا بلکہ عملاً اسلام کے احکام میں دل کھول کر ترمیم و تنسیخ کی گئی سود، جوئے اور شراب کو حلال کیا گیا۔ شاہی مجلس میں نوروز کے موقع پر شراب کا استعمال ضروری تھا حتیٰ کہ قاضی و مفتی تک پی جاتے تھے۔ داڑھی منڈوانے کا فیشن عام کیا گیا اور اس کے جواز پر دلائل قائم کیئے گئے۔ چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح ممنوع ٹھیرایا گیا۔ لڑکے کیلیئے ۱۶ سال اور لڑکی کیلیئے ۱۴ سال کی عمر نکاح مقرر کی گئی۔ ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ حدِ زنا نہ صرف موقوف کی گئی بلکہ چند ضوابط کے ساتھ زنا کو قانوناً جائز ٹھیرایا گیا۔ ۱۲ سال کی عمر سے پہلے ختنہ کی ممانعت کر دی گئی۔ ریشم اور سونے کے استعمال کو حلال کیا گیا شیر اور بھیڑیئے کو حلال کیا گیا۔ سور کو اسلام کی ضد میں نہ صرف پاک بلکہ ایک مقدس جانور قرار دیا گیا، حتیٰ کہ صبح آنکھ کھولتے ہی اس کو دیکھنا مبارک خیال کیا جاتا تھا۔ مردوں کو دفن کرنے کے بجائے جلانا یا پانی میں بہانا احسن ٹھیرایا گیا اور اگر کوئی دفن ہی کرنا چاہے تو سفارش کی گئی کہ پاؤں قبلہ کی طرف رکھے جائیں۔ اکبر خود اسلام کی ضد میں قبلہ ہی کیطرف

پاؤں کرکے سونے کا التزام کرتا تھا۔ حکومت کی تعلیمی پالیسی بھی سراسر اسلام کی مخالف تھی۔ عربی زبان کی تعلیم اور فقہ و حدیث کے درس کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا اور جو لوگ ان علوم کو حاصل کرتے وہ حقیر خیال کیئے جاتے۔ علوم دینی کے بجائے حکمت و فلسفہ، ریاضی و تاریخ اور اسی نوع کے علوم کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی، زبان میں ہندیت پیدا کرنے کی طرف خاص میلان تھا اور عربی حروف کو زبان سے خارج کرنے کی بھی تجویزیں تھیں۔ ان حالات کی وجہ سے دینی مدرسے ویران ہونے لگے اور اکثر اہل علم ملک چھوڑ چھوڑ کر نکلنے لگے۔

یہ تو تھا حکومت کا حال۔ اور عوام کا حال یہ تھا کہ جو لوگ باہر سے آئے تھے وہ ایران و خراسان کی اخلاقی و اعتقادی بیماریاں ساتھ لائے تھے اور جو لوگ ہندوستان ہی میں مسلمان ہوئے تھے ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا اس لیئے وہ پرانی جاہلیت کی بہت سی باتیں اپنے خیالات اور اپنی عملی زندگی میں لیئے ہوئے تھے۔ ان دونوں قسم کے مسلمانوں نے مل جل کر ایک عجیب مرکب تیار کیا تھا جس کا نام "اسلامی تمدن" تھا۔ اس میں شرک بھی تھا، نسلی اور طبقاتی امتیازات بھی تھے، اوہام و خرافات بھی تھے، اور نو ایجاد رسموں کی ایک نئی شریعت بھی تھی، دنیا پرست علماء و مشائخ نے نہ صرف اس مخلوطہ سے موافقت کر لی تھی، بلکہ وہ اس نئے مت کے پروہت بن گئے تھے۔ لوگوں کی طرف سے ان کو نذرانے پہونچتے، اور ان کی طرف سے لوگوں کو فرقہ بندی کا تحفہ ملتا۔

پیران طریقت کے ہاتھوں سے ایک اور بیماری پھیل رہی تھی اشراقیت، رواقیت اور ویدانتزم کی آمیزش سے ایک عجیب قسم کا فلسفیانہ تصوّف پیدا ہو گیا تھا جسے اسلام کے نظام اعتقادی و اخلاقی میں ٹھونس دیا گیا تھا طریقت و حقیقت، شرع اسلامی سے الگ اور اس سے بے نیاز قرار دی گئی تھی۔ باطن کا کوچہ ظاہر سے جدا بنا لیا گیا تھا اور اس کوچہ کا قانون یہ تھا کہ حدود و حلال و حرام رخصت، احکام دین عملاً منسوخ، اور ہوائے نفس کے ہاتھ میں کلّی اختیارات، جس فرض کو چاہے ساقط کرے اور جس چیز کو چاہے فرض بلکہ فرض الفرض بنا دے، جس حلال کو چاہے حرام کر دے اور جس حرام کو چاہے حلال کر دے۔ ان عام پیروں سے بہتر جن کی حالت تھی ان پر بھی کم و بیش اس فلسفیانہ تصوّف کے اثرات پڑے ہوئے تھے، اور وحدت الوجود کے ایک غلط تصوّر نے خصوصیت کے ساتھ تمام قوائے عمل کو بیکار کر دیا تھا۔

یہ حالات تھے جب اکبری سلطنت کے ابتدائی ایام میں شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے[1]۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو اس دور کے صالح ترین لوگ تھے، گو اپنے گرد و پیش کے فساد کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے مگر کم از کم اپنے ایمان و عمل کو بچائے ہوئے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا دوسروں کی اصلاح بھی کر رہے تھے خصوصیت کے ساتھ

[1] پیدائش سنہ ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء - وفات سنہ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء

شیخ کو سب سے زیادہ فیض حضرت باقی باللہ صاحب سے پہونچا جو اپنے وقت کے ایک بڑے صاحب بزرگ تھے۔ مگر خود شیخ کی ذاتی صلاحیتوں کا یہ حال تھا کہ جب حضرت موصوف کے ساتھ راہ و رسم کی ابتدا ہوئی تھی اسی وقت انھوں نے شیخ کے متعلق اپنے خیالات ایک دوست کو لکھ کر بھیجے تھے کہ۔

"حال میں سرہند سے ایک شخص شیخ احمد نامی آیا ہے نہایت ذی علم ہے۔ بڑی عملی طاقت رکھتا ہے چند روز فقیر کے ساتھ اس کی نشست و برخاست ہوئی ہے۔ اس دوران میں اُس کے حالات کا جو مشاہدہ ہوا اُس کی بنا پر توقع ہے کہ آگے چل کر یہ ایک چراغ ہوگا جو دُنیا کو روشن کر دے گا"

یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ ہندوستان کے گوشوں میں بہت سے حق پرست علما اور سچے صوفیہ بھی اُس وقت موجود تھے، مگر ان سب کے درمیان وہ اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدی کی حمایت کے لیئے اُٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ و تنہا احیار دین کی جد و جہد کی۔ اُس بے سروسامان فقیر نے علی الاعلان اُٹھ کر ان گمراہیوں کی مخالفت کی جنھیں حکومت کی حمایت حاصل تھی، اور اُس شریعت کی تائید کی جو حکومت کی نگاہ میں مبغوض تھی۔ حکومت نے اس کو ہر طرح دبانے کی کوشش کی، حتیٰ کہ جیل بھی بھیجا، مگر بالآخر وہ فتنہ کا مُنہ پھیر دینے میں کامیاب ہوگیا، جہانگیر جس نے سجدۂ تحیۃ نہ کرنے پر شیخ کو گوالیار کے قید خانہ میں بھیج دیا تھا، آخر میں شیخ کا معتقد ہوگیا اور اپنے بیٹے خرم کو جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا، اُن کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے متعلق حکومت کی معاندانہ روش احترام سے بدل گئی۔ "دین الٰہی اکبر شاہی" اُن تمام بدعتوں کے ساتھ ختم ہوا جو درباری شریعت سازوں نے گھڑی تھیں۔ اسلامی احکام کی جو ترمیم و تنسیخ کی گئی تھی وہ خود منسوخ ہوگئی۔ حکومت اگرچہ شاہی حکومت ہی رہی مگر کم از کم اتنا تو ہوا کہ علوم دینی اور احکام شرعی کی طرف اُس کا رویہ کافرانہ ہونے کے بجائے عقیدت مندانہ ہوگیا۔ شیخ کی وفات کے تین چار ہی سال بعد عالمگیر پیدا ہوا اور غالباً وہ شیخ ہی کے پھیلائے ہوئے اصلاحی اثرات تھے جن کی بدولت تیموری خاندان کے اُس شاہزادے کو وہ علمی اور اخلاقی تربیت مل سکی کہ اکبر جیسے ہادم شریعت کا پرپوتا خادم شریعت ہوا۔

شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام و نشان مٹا دیتا۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دیئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمۂ صافی کو اُن آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اُسمیں سرایت کر گئی تھیں، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا دوسرے یہ کہ اُن تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اُس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلہ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف

ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا تک پہونچکر عوام کے اخلاق اور عقائد کی اصلاح کے لیئے کوشش کی یہی کام ہے جس کی وجہ سے شیخ سرہندی کا شمار مجددین ملت میں ہوتا ہی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے ۸۰ سال بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے نواح دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے[۱]۔ ایک طرف اُن کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف اُن کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہی تو عقل دنگ رہ جاتی ہی کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا۔ اس تاریک زمانے میں نشو و نما پاکر ایسا آزاد خیال مفکر و مبصر منظر عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہوکر سونچتا ہے، تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہی اور ایسا لٹریچر چھوڑ کر جاتا ہے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات، نظریات، موادِ تحقیق اور نتائج مستخرجہ، کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اُس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گرد و پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بد امنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ صاحب تاریخ انسانی کے اُن لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے اُلجھے ہوئے جنگل کو صاف کرکے فکر و نظر کی ایک صاف، سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دُنیا میں حالات موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی، اور تعمیرِ نو کا ایسا دل آویز نقشہ پیدا کر کے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد و تعمیر صالح کے لیئے ایک تحریک اُٹھتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہی کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی عملی تحریک اُٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دُنیا بنانے کے لیئے میدان میں نکل آتے ہوں۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں اس طرز کے لیڈروں کا اصلی کارنامہ یہی ہوتا ہی کہ وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں، اذہان میں نئی روشنی پیدا کرتے ہیں زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالم ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی اور پائدار حقیقتوں کو نکال کر دُنیا کے سامنے رکھ جاتے ہیں، یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آکر تعمیر کا عملی کام بھی کر سکے اگرچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقعہ و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا[۲]۔

---

[۱] پیدائش ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء - وفات ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء

[۲] تفہیمات جلد اول ص۱۰۱۔ فلو فرض ان یکون ھذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون صلاح الناس

مگر واقعہ یہی ہو کہ انھوں نے اس طرز کا کوئی کام نہیں کیا، بلکہ اپنے خیالات کی دنیا میں ان کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ خود اُن کے اپنے گھر اور اُن کے قریبی حلقہ میں غیر اسلامی طریقے رائج تھے اور وہ ان کی اصلاح پر بھی توجہ صرف کرنے سے معذور رہے۔ مثلاً السلام علیکم تک کا رواج اُن کے گھر میں نہ تھا، "رفیع الدین آداب بجالاتا ہے" "عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہو" سلام مسنون کے بجائے اس قسم کے فقرے بولے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کی پوتی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی جوان بیوہ بیٹھی ہوئی تھیں اور نکاح ثانی میں انھیں اس لیئے تامل تھا کہ ہندوانہ جاہلیت اسے معیوب سمجھتی تھی۔ بی بی کی صحنک اور اسی قسم کی نیازوں کا سلسلہ خود اس خاندان کی خواتین میں بھی جاری تھا۔[5] یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شاہ صاحب کی ساری قوتوں کو تنقید و تعمیر افکار کے بھاری کام نے بالکل اپنے اندر جذب کر رکھا تھا اور ان کو اس کار عظیم سے اتنی مہلت بھی نہ ملتی تھی کہ اپنے قریب ترین ماحول کی طرف ہی توجہ کر سکتے۔ جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائے گا، اُن کے صاف کیئے ہوئے راستہ پر عملی جد و جہد کرنے کیلیئے کچھ دوسرے لوگوں کی ضرورت تھی، اور وہ نصف صدی کے اندر خود انہی کے حلقۂ تعلیم و تربیت سے نشو و نما پاکر اُٹھے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) باقامۃ الحدود ونفث فی قلبہ اصلاحھم لقام ھذا الرجل بامر الحساب ۱ تم قیامہ وکان اماماً فی الحرب لایقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرھما طفیلیون علیہ مستمدون منہ متقلدون بہ ۱۲

[5] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کے متعلق یہ اور اسی قسم کے اور بھی چند واقعات بعض لوگ نقل تو کرتے ہیں لیکن باوجود تلاش کے اب تک کوئی قابل اعتبار روایت اور کوئی مستند بیان اس بارہ میں مجھے نہیں ملا — اور درایت پوری قوت کے ساتھ ان کو رد کرتی ہے شاہ صاحب اور ان کے جانشینوں کا مرتبہ تو بہت بلند ہے جن لوگوں کے گھروں میں ایسی منکر اور بیہودہ باتیں اور غیر اسلامی رسمیں رائج ہوں اُن کو تو اوسط درجہ کے مسلمانوں میں بھی جگہ نہیں دی جاسکتی، اور جو شخص اپنے گھر کی فضا کو جس میں اُس کی نسل کو پرورش پانا ہو ایسی لغویات و خرافات سے بھی پاک نہ کر سکے یا نہ کرے وہ کس طرح تجدید ملت و اصلاح امت کے منصب عظیم کا مستحق ہو سکتا ہے — میرے نزدیک یہ کلیہ ہے جس میں انشاء اللہ کوئی استثنا نہیں کہ حقیقی "مصلحین" اپنی اصلاحی جد و جہد کا آغاز اپنی ذات، اپنے گھر اور اپنے قریبی ماحول ہی سے کرتے ہیں، پھر شاہ صاحب کا خانوادہ تو پہلے ہی سے اباً عن جدٍ فضل و کمال اور زہد و تقویٰ کا ممتاز گھرانا تھا، ایسی حالت میں صرف چند افواہی حکایتوں کی بنا پر کس طرح باور کرایا جائے کہ خود شاہ صاحب کی موجودگی میں اور انکے بعد شاہ شہید کے زمانہ تک ایسی اول درجہ کی منکرات اس گھرانے میں ہوتی ہوں۔ میں نے جہاں تک دیکھا ہے اس قسم کی حکایتوں کے اول ناقل وہ لوگ ہیں جن کو حضرت سید صاحب رائے بریلوی اور حضرت شہیدؒ کے بارہ میں غلو ہے اور وہ یہ ثابت کرنیکے لیئے کہ خود شاہ صاحب کے گھر سے بھی اِن بدعات و منکرات کو انہی حضرات نے مٹایا اس قسم کی بے سرو پا حکایتیں نہ معلوم کہاں سے نقل کرتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں سے ان حکایات کو دوسرے حضرات نے بھی بلا تنقید کے لے لیا ہے۔ واللہ اعلم (مدیر)

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک عنوان تنقید و تنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ میں ان دونوں کو الگ الگ بیان کرونگا۔

پہلے عنوان کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے پوری تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جس کی نظر تاریخِ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور جس نے تاریخ مسلمین پر تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مضمون ہے جس کی پیچیدگیوں میں پہلے بھی لوگ الجھے رہے اور اب تک الجھے ہوئے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب کے بعد بھی کوئی ایسا صاحب نظر نہ اٹھا جس کے ذہن میں حقیقی تاریخ اسلام کا، تاریخ مسلمین سے الگ کوئی واضح تصور ہوتا۔ شاہ صاحب کے کلام میں مختلف مقامات پر اس کے متعلق اشارات موجود ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ ازالۃ الخفا کی فصل ششم میں انھوں نے صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۱۵۸ تک[1] مسلسل تاریخ مسلمین پر تبصرہ کیا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ایک دور کی خصوصیات اور ایک ایک زمانہ کے فتنوں کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کو بھی نقل کرتے گئے ہیں جن میں ان حالات کی طرف صریح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اس تبصرہ میں تقریب قریب ان تمام جاہلی آمیزشوں کی نشان دہی ہو گئی ہے جو مسلمانوں کے عقائد، افکار، علوم، اخلاق، تمدن، اور سیاست میں ہوتی رہی ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے خرابیوں کے اس ہجوم میں کھوج لگا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں بنیادی خرابیاں کونسی ہیں جن سے باقی تمام خرابیوں کا شجرۂ نسب ملتا ہو، اور آخر کار دو چیزوں پر انگلی رکھدی ہے۔ ایک اقتدار سیاسی کا خلافت سے پادشاہی کی طرف انتقال، دوسرے روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔

پہلی خرابی پر انھوں نے ازالہ میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خلافت اور پادشاہی کے اصول و اصطلاحی فرق کو جس قدر واضح صورت میں انھوں نے بیان کیا ہے اور جس طرح احادیث سے اس کی تشریح کی ہے، اس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح اس انقلاب کے نتائج کو بھی جس صراحت کے ساتھ انھوں نے پیش کیا ہے وہ اگلوں کے کلام میں مفقود ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ارکان اسلام کی اقامت میں فتور عظیم برپا ہو گیا۔۔۔۔ حضرت عثمان کے بعد کسی فرماں روا نے حج قایم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے نائب ہی مقرر کر کے بھیجتے رہے، حالانکہ اقامتِ حج خلافت کے

---

[1] میرے پیش نظر ۱۲۸۶ھ کا نسخہ ہے جو بریلی میں طبع ہوا ہے ۱۲

لوازم میں سے ہے جس طرح تخت پر بیٹھنا، تاج پہننا اور شاہان گزشتہ کی نشست میں بیٹھنا قیصر و کسریٰ کے لیئے علامت بادشاہی تھا اسی طرح خود اپنی امارت میں قایم کرنا اسلام میں علامت خلافت ہے"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"پہلے وعظ و فتوے دونوں خلیفہ کی رائے پر موقوف تھے، خلیفہ کی اجازت کے بغیر نہ وعظ کہا جا سکتا تھا اور نہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز تھا۔ مگر اس انقلاب کے بعد وعظ اور فتویٰ دونوں اس نگرانی سے آزاد ہو گئے بلکہ بعد میں تو فتویٰ دینے کے لیئے جماعت صالحین کے مشورے کی قید بھی نہ رہی"

پھر فرماتے ہیں :-

"ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے رہے ہیں۔ ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں، معلوم نہیں آگے چل کر خدائے تعالیٰ کیا دکھانا چاہتا ہے"

رہی دوسری خرابی تو شاہ صاحب نے ازالہ میں، حجت میں، بدور بازغہ میں، تفہیمات میں مسوّیٰ اور مصفّیٰ میں اور قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں اس پر ماتم کیا ہے۔

ازالہ میں فرماتے ہیں :-

دولت شام (اموی سلطنت) کے خاتمہ تک کوئی اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہ کہتا تھا، بلکہ سب اپنے اپنے ائمہ اور اساتذہ کے طریقہ پر دلائل شرعی سے استنباط کرتے تھے۔ دولت عراق (عباسی سلطنت) کے زمانہ میں ہر ایک نے اپنا ایک نام معین کیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ جب تک اپنے مذہب کے بڑوں کی نص نہ پاتے کتاب وسنت کی دلیل پر حکم نہ کرتے۔ اس طرح وہ اختلافات جو تاویل کتاب و سنت کی مقتضا سے ناگزیر طور پر پیدا ہوئے تھے، مضبوط بنیادوں پر جم گئے، پھر جب دولت عرب کا خاتمہ ہو گیا (یعنی ترکی اقتدار کا زمانہ آیا) اور لوگ مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تو ہر ایک نے جو کچھ اپنے مذہب فقہی سے یاد کیا تھا اُسی کو اصل بنا لیا۔ پہلے جو چیز مذہب مستنبط تھی اب وہ سنت مستقرہ بن گئی اب ان کے علم کا مدار اس پر رہ گیا کہ تخریج پر تخریج کریں اور تفریع پر تفریع"

مصفّیٰ میں لکھتے ہیں :-

"ہمارے زمانہ کے سادہ لوح اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں، اونٹ کی طرح ناک میں نکیل پڑی ہے اور کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں، ان کا کاروبار ہی دوسرا ہے۔ یہ بیچارے ان امور کی سمجھ بوجھ کے لیئے مکلّف ہی نہیں ہیں"

حجت کے مبحث ہفتم میں اور انصاف میں شاہ صاحب نے اس مرض کی پوری تاریخ بیان کی ہے اور ان خرابیوں کی نشاندہی کی ہے جو اس کی بدولت پیدا ہوئیں۔

تاریخی تنقید کے بعد شاہ صاحب اپنے زمانہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک گروہ کو نام بنام پکار کر اس کے نقائص بیان کرتے ہیں۔ تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"یہ وصی (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جبکہ لوگوں میں تین چیزیں خلط ملط ہوگئی ہیں"

(۱) دلیل بازی، اور یہ یونانی علوم کے اختلاط کی بدولت ہے۔ لوگ کلامی مباحث میں مشغول ہوگئے ہیں یہاں تک کہ عقائد میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

(۲) وجدان پرستی، اور یہ صوفیوں کی مقبولیت اور ان کی حلقہ بگوشی کی وجہ سے ہے جس نے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان حضرات کے اقوال و احوال لوگوں کے دلوں پر کتاب و سنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز و اشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز و اشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو وہ نہ مقبول ہوتا ہے، نہ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ منبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں جس کی تقریر اشارات صوفیہ سے پاک ہو، اور درس کی مسندوں پر کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور غور و خوض کا اظہار نہ کرے اور نہ اس کا شمار گدھوں میں ہونے لگتا ہے۔ پھر امراء و رؤسا وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں جن کے ہاں لطف کلام اور بذلہ سنجی اور تفنن طبع کے لیے صوفیہ کے اشعار اور نکات کھلونا بنے ہوئے نہ ہوں۔

(۳) طاعت، اور یہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ ملتِ اسلامیہ میں داخل ہیں

پھر اس زمانہ کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور بگٹٹ چلا جا رہا ہے، نہ متشابہات پر جا کر رکتا ہے اور نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اس کے علم سے بالا تر ہو، احکام کے معانی اور پھر پر ہر ایک اپنی عقل سے کلام کر رہا ہے اور جو کچھ اس نے سمجھ لیا ہے اس پر دوسروں سے مناظرہ و مباحثہ کر رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنفی، شافعی وغیرہ کے سخت اختلافات پائے جاتے ہیں، ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے اور دوسروں کے طریقے پر اعتراض کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ گیا ہے"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"میں ان پیرزادوں سے جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں، کہتا ہوں کہ یہ کیسے دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں؟ کیوں تم میں سے ہر ایک اپنے طریقہ پر چل رہا ہے اور کیوں اس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا؟ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے

اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپ کو ہادی و مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ضال ومضل ہے۔ ہم ہرگز ان لوگوں سے راضی نہیں ہیں جو دُنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، یا اس لئے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیوی حاصل کریں یا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی خواہشات نفس کی اطاعت ان سے کراتے ہیں، یہ سب رہزن ہیں، دجّال ہیں، کذاب ہیں، خود بھی دھوکہ میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔............

میں اُن طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علما کہتے ہیں کہ بے وقوفو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف ونحو ومعانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے یا وہ سنت ہے جو رسول سے ثابت ہو.......تم پچھلے فقہا کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب گئے کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہو؟ تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو نبی کی کوئی حدیث پہونچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ یہ پیش کرتا ہے کہ صاحب حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین وماہرین کا کام ہے، اور یہ حدیث ائمہ سلف سے چھپی تو رہی نہ ہوگی، پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ جان رکھو کہ یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف.........

میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب ویابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بُلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا، حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں......

میں اُمرا سے کہتا ہوں کہ تمھیں خدا کا خوف نہیں آتا؟ تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے اور رعیت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے، علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے، زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے برسرعام بن گئے ہیں اور تم ان کا انسداد نہیں کرتے۔ اس عظیم الشان ملک میں مدتہائے دراز سے کوئی حد شرعی نہیں لگائی گئی۔ جس کو تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ کھانوں کی لذت عورتوں کے ناز وانداز، کپڑوں اور مکانوں کی لطافت، بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم ڈوب گئے ہو کبھی خدا کا خیال

تمھیں نہیں آتا ....

میں ان فوجی آدمیوں سے کہتا ہوں کہ تم کو تو اللہ نے جہاد کے لیے، اعلائے کلمۂ حق کے لیئے شرک واہل شرک کا زور توڑنے کے لیئے بنایا تھا۔ اس کو چھوڑ کر تم نے گھوڑ سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ اب جہاد کی نیت اور قصد سے تمہارے دل خالی ہیں۔ پیسہ کمانے کے لیئے سپاہی گری کا پیشہ کرتے ہو۔ بھنگ اور شراب پیتے ہو۔ ڈاڑھیاں منڈاتے اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ بندگان خدا پر ظلم ڈھاتے ہو۔ اور تمھیں کبھی اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ حرام کی روٹی کما رہے ہو یا حلال کی خدا کی قسم تمھیں ایک روز دنیا سے جانا ہے، پھر اللہ تمھیں بتائے گا کہ کیا کرکے آئے ہو.....

میں ان اہل حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں کہ تم میں سے امانت ودیانت رخصت ہوگئی ہے اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہوگئے ہو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔ تم غیر اللہ کے لیئے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔ تم میں سے جو کوئی خوشحال ہوجاتا ہو وہ اپنے لباس اور کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہو کہ اس کی آمدنی اس کے لیئے کافی نہیں ہوتی، اور اہل وعیال کی حق تلفی کرنی پڑتی ہے یا پھر وہ شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنی معاش اور معاد دونوں کو ضایع کرتا ہے.......

پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کرکے کہتا ہوں کہ ای بنی آدم! تم نے اپنے اخلاق کھو دیئے، تم پر تنگ دلی چھاگئی اور شیطان تمہارا محافظ بن گیا۔ عورتیں مردوں پر حاوی ہوگئی ہیں اور مردوں نے عورتوں کو ذلیل بنا رکھا ہے۔ حرام میں تمھیں مزا آتا ہے اور حلال تمہارے لیئے بدمزہ بن گیا ہے.......... ای بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کرلی ہیں جن سے دین متغیر ہوگیا ہے۔ مثلاً روز عاشورا کو تم جمع ہوکر باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سب دن اللہ کے ہیں اور سارے حوادث اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں؟ اگر حسین رضی اللہ عنہ اس روز شہید کیئے گئے تو اور کونسا دن ہے جس میں کسی محبوبِ خدا کی موت نہ واقع ہوئی ہو؟ کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنالیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے، پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیئے اگر تم سچے ہو تو اپنے اس خیال اور ان حرکات کے لیئے کوئی دلیل لاؤ۔ پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہورہی ہے، مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کو ممنوع بنالینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا

اس قسم کی رسموں میں تم اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو خراب کر رہے ہو اور ہدایت صالحہ کو تم نے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ ان رسموں کو چھوڑ کر اس طریقے پر چلتے جس میں سہولت تھی نہ تنگی۔ پھر تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے، گویا تم پر کسی نے فرض کر دیا ہے کہ جب کوئی مرے تو اس کے اقربا خوب کھانا کھلائیں۔ تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وقت نہیں پاتا اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔ تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتا۔ تم رمضان کے روزے بھی ضایع کرتے ہو اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔ تم لوگ سخت بےتدبیر ہو گئے ہو، تم نے اپنی بسر اوقات کا انحصار سلاطین کے وظائف و مناصب پر کر رکھا ہے اور جب تمہارا بار سنبھالنے کے لیے سلاطین کے خزانے کافی نہیں ہوتے تو وہ رعیت کو تنگ کرنے لگتے ہیں۔.....“

ایک اور تفہیم میں فرماتے ہیں:۔

”جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کیلئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کم تر ہے، آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزّیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُن کے برعکس ان لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ خاص ان کے معاملہ میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر اصولاً ہر وہ شخص جو کسی مُردے کو زندہ ٹھیرا کر اُس سے حاجتیں طلب کرتا ہے اُس کا دل گناہ میں مبتلا ہے۔“

یہ اقتباسات بہت طویل ہو گئے ہیں۔ مگر تفہیمات جلد دوم کے چند فقرے اور تقاضا کر رہے ہیں کہ ان کو بھی اس سلسلہ میں ناظرین تک پہونچا دیا جائے۔ فرماتے ہیں:۔

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرو گے اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھُسے ہیں تو تم بھی اُن کے پیچھے جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی اُمتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ حضور نے فرمایا اور کون۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ سچ فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنھوں نے صلحا کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیا کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لیئے ہیں اور گناہ گار میرے لیئے۔ یہ اسی قسم کی بات ہے جیسے یہودی کہتے تھے کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لیئے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔ صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب وسنت سے مطابقت نہیں کرتے، خصوصاً مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انھیں بالکل پروا ہی نہیں ہو۔ فقہا کی فقہ کو دیکھو تو اس میں اکثر وہ باتیں ملتی ہیں جن کے ماخذ کا پتہ ہی نہیں، مثلاً وَہ دردَہ کا مسئلہ[۱] اور کنوؤں کی طہارت کا مسئلہ[۲]۔ رہے اصحاب معقول اور شعراء اور اصحاب ثروت اور عوام تو ان کی تحریفات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔"

ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور کس قدر جامعیت کے ساتھ اُن پر تنقید کی ہے۔ اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر وایمان میں زندگی اور جن کے قلب میں برے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے۔ ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد وپیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر انھیں کھٹکنے لگتا ہے۔ ان کی قوتِ امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو تحلیل کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خار زار جاہلیت کی ہر کھٹک انھیں اصلاح کے لیئے بے چین کر دیتی ہے۔ اس کے بعد مجدد کے لیئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے اُس پر وہ اپنی نظر جما سکیں اور اپنی تمام سعی وعمل کو اس کی سمت میں مرکوز کر دیں۔ یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اُسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو اُن کے تنقیدی کام میں آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔

تعمیر کے سلسلہ میں ان کا پہلا اہم کام یہ ہے کہ وہ فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کرتے ہیں جس میں کسی ایک مذہب کی جانبداری اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انھوں نے تمام مذاہب فقہیہ کے اصول اور طریق استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید کی، اس بنا پر کہ دلیل اس کے حق میں پائی، نہ اس بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر چکے ہیں۔ اور جس سے اختلاف کیا، اس بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ

[۱] یعنی یہ مسئلہ کہ دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا حوض ہو تب اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔
[۲] یعنی یہ مسئلہ کہ کنوئیں میں کس جانور کے گرنے پر کتنے ڈول پانی کے نکالے جائیں۔

انھیں اُس سے عناد ہے۔ اسی وجہ سے کہیں وہ حنفی نظر آتے ہیں، کہیں شافعی، کہیں مالکی، کہیں حنبلی۔ انھوں نے اُن لوگوں سے بھی اختلاف کیا ہے جو ایک مذہب کی پیروی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کا اتباع کریں گے۔ اور اسی طرح وہ اُن سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنھوں نے ائمہ مذاہب میں سے کسی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ ان دونوں کے بین بین وہ ایک ایسے معتدل راستے پر چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالب حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا رسالہ انصاف اس مسلک کا آئینہ ہے۔ یہی رنگ مصفی اور حجت اور ان کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ تفہیمات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں سب سے زیادہ پیرو بھی انھیں دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں۔ اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں۔ اس وقت جو امر حق ملار اعلے کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے۔ اور جس کی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انھیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے، اور اگر ان میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے۔ یا تو ان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسی قرآن میں اختلاف قرائت کی حیثیت ہے، یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہوگا، یا کسی مخمصہ سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہوگی جیسے تعدد کفارات، یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہوگا، ان چار پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو انشاء اللہ تعالے نہ پایا جائے گا۔

انصاف میں انھوں نے اپنی رائے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دی ہے چنانچہ باب سوم میں "واعلم ان التخریج علی کلام الفقہاء" سے لے کر آخر باب تک جو کچھ لکھا ہے وہ اس لائق ہے کہ اہل الحدیث اور اہل تخریج دونوں اس کو غور کی نگاہ سے دیکھیں۔ اس بحث میں انھوں نے جس طریقہ کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ طریق اہل حدیث اور طریق اہل تخریج دونوں کو جمع کیا جائے۔ اسی طرح حجت کے مبحث ہفتم میں فصل ومما نینا سب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الافهام کے تحت جو بحث کی ہے وہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔

یہ مسلکِ معتدل اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلید جامد اور لاطائل بحثوں میں تضیع اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعت نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی شاہ صاحب اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور قریب قریب ان کی تمام کتابوں میں ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح تحقیق و اجتہاد پر اکسایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مصفّٰی کے مقدمہ سے چند فقرے انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:-

"اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است و مراد از اجتہاد اینجا... معرفت احکام شرعیہ از ادلۂ تفصیلیہ و تفریع و ترتیبِ مجتہدانہ اگرچہ بارشاد صاحبِ مذہبے بودہ باشد۔ و آنکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض است، بجہت آنست کہ مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور اند، و معرفت احکام الٰہی در آنہا واجب، و آنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی، و در انہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلّہ حل اختلاف آں نتواں کرد و طرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع، پس بغیر عرض بر قواعدِ اجتہاد راست نیاید"

یہی نہیں کہ شاہ صاحب نے اجتہاد پر زور دیا ہو بلکہ انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول و قواعد اور اس کی شرائط کو بیان کیا ہے۔ ازالہ، حجت، عقد الجید، انصاف، البدور بازغہ، مصفّٰی وغیرہ میں اس مسئلہ پر کہیں اشارات اور کہیں مفصل تقریریں موجود ہیں۔ نیز اپنی کتابوں میں جہاں بھی انھوں نے کسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے ایک محقق اور مجتہد کی حیثیت سے کی ہے، گویا اُن کی کتابوں کے مطالعہ سے آدمی کو نہ صرف اجتہاد کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس کی ٹریننگ بھی مل جاتی ہے۔

مذکورۂ بالا دو کام تو ایسے ہیں جو شاہ صاحب سے پہلے بھی لوگوں نے کیے ہیں، مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے بازی لے گئے ہیں اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے ائمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔ ان کی کتابوں میں سے حجۃ اللہ اور البدور البازغۃ دونوں کا موضوع یہی ہے۔ پہلی کتاب زیادہ مفصل ہے اور دوسری زیادہ فلسفیانہ۔

ان کتابوں میں انھوں نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص فلسفۂ اسلام کو مدون کرنے کی بنا ڈال رہا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان فلسفہ میں جو کچھ لکھتے اور کہتے رہے

اس کو محض نادانی سے لوگوں نے فلسفۂ اسلام کے نام سے موسوم کر رکھا ہے، حالانکہ وہ فلسفۂ اسلام نہیں، فلسفۂ مسلمین ہے جس کا شجرۂ نسب یونان و روم اور ایران و ہندوستان سے ملتا ہے۔ فی الواقع جو چیز اس نام سے موسوم کرنے کے لائق ہے اس کی داغ بیل سب سے پہلے اسی دہلوی شیخ نے ڈالی ہے۔ اگرچہ اصطلاحات وہی قدیم فلسفہ وکلام یا فلسفیانہ تصوف کی زبان سے لی ہیں، اور غیر شعوری طور پر بہت سے تخیلات بھی وہیں سے آگئے ہیں، جیسا کہ اوّل اوّل ہر نئی راہ نکالنے والے کے لیے طبعًا ناگزیر ہے، مگر پھر بھی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی یہ ایک بڑی زبردست کوشش ہے خصوصًا ایسے شدید انحطاط کے دور میں اتنی طاقتور عقلیت کے آدمی کا ظاہر ہونا بالکل حیرت انگیز ہے۔

اس فلسفہ میں شاہ صاحب کائنات کا اور کائنات میں انسان کا ایک ایسا تصوّر قایم کرنے کی سعی کرتے ہیں جو اسلام کے نظام اخلاق وتمدن کے ساتھ ہم آہنگ و متحد المزاج ہوسکتا ہو، یا دوسرے الفاظ میں جس کو اگر شجرۂ اسلام کی جڑ قرار دیا جائے تو جڑ میں اور اس درخت میں جو اُس سے پھوٹا، عقلاً کوئی فطری مباینت محسوس نہ کی جاسکتی ہو[1]۔ میں حیران رہ جاتا ہوں جب سنتا ہوں کہ شاہ صاحب نے ویدانتی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا جوڑ لگا کر نئی ہندی قومیت کے لیے فکری اساس فراہم کرنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ مجھے ان کی کتابوں میں اس کوشش کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اور اگر مل جاتا تو باللہ العظیم کہ میں شاہ صاحب کو مجددین کی فہرست سے خارج کرکے متجددین کی صف میں لے جاکر بٹھاتا۔

مابعد الطبیعی بنیاد کو استوار کرنے کے بعد وہ اس پر ایک نظام اخلاق مرتب کرتے ہیں اور اس مقام پر انتہائی جذبۂ اعتراف کے ساتھ میں دیکھتا ہوں کہ وہ یونانی اتھکس کی غلامی سے پہلو بچا رہے ہیں، اُس اتھکس کی غلامی سے جس میں دوانی جیسے لوگ جا پھنسے اور جس کا اچھا خاصا اثر امام غزالی تک کے ذہن پر قایم رہا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ شاہ صاحب اس اتھکس کے اثر سے بالکل آزاد ہوچکے تھے۔

نظام اخلاق پر وہ ایک اجتماعی فلسفہ (سوشل فلاسفی) کی عمارت اٹھاتے ہیں جس کے لیے انھوں نے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے، اور اس سلسلہ میں تدبیر منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محاصل (ٹیکسیشن) انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان اسباب پر

---

[1] جو فلسفہ مسلمانوں میں رائج تھا وہ اسلام کے علمی، اخلاقی اور اعتقادی نظام سے کوئی ربط نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کا رواج جتنا جتنا بڑھا اسی قدر مسلمانوں کی زندگی بگڑتی چلی گئی، عقیدہ بھی کمزور ہوا، اخلاق بھی ڈھیلے ہوئے اور قوائے عمل بھی سرد ہوگئے۔ ذہن میں متصادم خیالات کی کشمکش کا یہ طبعی نتیجہ ہے۔ اور یہی اثرات موجودہ مغربی فلسفہ کے رواج سے بھی رونما ہو رہے ہیں، کیونکہ وہ بھی کسی طرح نظام اسلامی کی فکری اساس نہیں بن سکتا۔

روشنی ڈالتے ہیں جن سے تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

پھر وہ نظامِ شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انھوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا، اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

آخر میں انھوں نے تاریخِ ملل و شرائع پر بھی نظر ڈالی ہے اور کم از کم میرے علم کی حد تک وہ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام و جاہلیت کی تاریخی کشمکس کا ایک دھندلا سا تصور پیش کیا ہے۔

نظامِ اسلامی کے اس قدر معقول اور اتنے مرتب خاکے کا پیش ہو جانا بجائے خود اس امر کی پوری ضمانت ہے کہ وہ تمام صحیح الفطرت اور سلیم الطبع لوگوں کا نصب العین بن جائے، اور جو لوگ اُن میں سے زیادہ قوتِ عمل رکھتے ہوں وہ اس نصب العین کے لیے جان و تن کی بازی لگا دیں خواہ اس نصب العین کو سامنے رکھنے والا خود عملاً ایسی کسی تحریک کی رہنمائی کرے یا نہ کرے۔ مگر جو چیز اس سے بھی زیادہ محرک ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں، بلکہ اس بحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جن کی وجہ سے اصحابِ ایمان کے لیے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جدوجہد کیے بغیر چین سے بیٹھنا محال ہو گیا۔ یہ مضمون حجت میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے، مگر ازالہ تو گویا ہے ہی اسی موضوع پر۔ اس کتاب میں وہ احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ خلافتِ اسلامی اور بادشاہی، دو بالکل مختلف الاصل چیزیں ہیں۔ پھر ایک طرف بادشاہی کو اور ان تمام فتنوں کو رکھتے ہیں جو بادشاہی کے ساتھ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی میں از روئے تاریخ پیدا ہوئے، اور دوسری طرف خلافتِ اسلامی کی خصوصیات اور شرائط کو اور اُن رحمتوں کو پیش کر دیتے ہیں جو اسلامی خلافت میں فی الواقع مسلمانوں پر نازل ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ لوگ چین سے بیٹھ جائیں۔

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نے لوگوں کے سامنے روشن کر کے رکھ دیا تھا۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات، اور شاہ شہید[1] کی منصبِ امامت، عبقات، تقویت الایمان اور دوسری تحریریں دیکھیے۔ دونوں جگہ وہی شاہ صاحب کی زبان بولتی نظر آئے گی۔ شاہ صاحب نے

---

[1] سید صاحب ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ شاہ اسمٰعیل صاحب ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی چنگاری سید صاحب کے دل میں غالباً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ زمانے ہی میں بھڑک اٹھی تھی۔ ۱۲

علاً جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی، اور پھر ان کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصوصاً شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس حلقے کو بہت زیادہ وسیع کر دیا یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آدمی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کیے ہوئے تھے، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر اُتر چکی تھی، اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقہ کا اثر قائم ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ اس چیز نے اُس تحریک کے لیے گویا زمین تیار کر دی جو بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقہ سے، بلکہ یوں کہیے کہ انکے گھر سے اُٹھنے والی تھی، سید صاحب اور شاہ صاحب دونوں روحاً و معنیً ایک وجود رکھتے ہیں اور اس وجودِ متحد کو میں مستقل بالذات مجدد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہوں۔ ان حضرات کے کارنامے کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) انھوں نے عملاً عامۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہونچ سکے وہاں زندگیوں میں ایسا زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابہ کرام کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔

(۲) انھوں نے اتنے وسیع پیمانے پر، جو انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندوستان جیسے رو بہ تنزل ملک میں مشکل ہی ممکن ہو سکتا تھا، جہاد کی تیاری کی، اور اس تیاری میں اپنی تنظیمی قابلیت کا کمال ظاہر کر دیا۔ پھر غایت تدبّر کے ساتھ آغاز کار کے لیے شمالی مغربی ہندوستان کو منتخب کیا جو ظاہر ہے کہ جغرافی و سیاسی حیثیت سے اس کام کے لیے موزوں ترین خطہ ہو سکتا تھا۔ پھر اس جہاد میں ٹھیک وہی اصول اخلاق اور قوانین جنگ استعمال کیے جن سے ایک دُنیا پرست جنگ آزما کے مقابلہ میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ ممتاز ہوتا ہے، اور اس طرح اُنھوں نے صحیح معنوں میں روحِ اسلامی کا پھر ایک مرتبہ دنیا کے سامنے مظاہرہ کر دیا۔ ان کی جنگ ملک و مال یا قومی عصبیت، یا کسی دنیوی غرض کے لیے نہ تھی بلکہ خالص فی سبیل اللہ تھی۔ ان کے سامنے کوئی مقصد اس کے سوا نہ تھا کہ خلق اللہ کو جاہلیت کی حکومت سے نکالیں اور وہ نظام حکومت قایم کریں جو خالق اور مالک الملک کے منشا کے مطابق ہے۔ اس غرض کے لیے جب وہ لڑے تو حسب قاعدہ اسلام پہلے جزیہ کی طرف پہلے دعوت دی اور پھر اتمام حجت کر کے تلوار اُٹھائی اور جب تلوار اُٹھائی تو جنگ کے اُس مہذب قانون کی پوری پابندی کی جو اسلام نے سکھایا ہے۔ کوئی ظالمانہ اور وحشیانہ فعل ان سے سرزد نہیں ہوا۔ جس بستی میں داخل ہوئے مصلح کی حیثیت سے داخل ہوئے نہ کہ مفسد کی حیثیت سے۔ ان کی فوج کے ساتھ نہ شراب تھی، نہ بینڈ بجتا تھا، نہ بسیاؤں کی پلٹن ہوتی تھی، نہ ان کی چھاؤنی بدکاریوں کا اڈا بنتی تھی، اور نہ ایسی کوئی مثال ملتی ہے کہ ان کی فوج کسی علاقہ سے گذری ہو اور اس علاقہ کے لوگ اپنے مال اور اپنی عورتوں کی عصمتیں لُٹنے پر ماتم کناں ہوں۔ ان کے سپاہی دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات کو جانماز پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے، اور ہر حال میں راستی پر قایم رہنے والے

خواہ اس پر قایم رہنے میں اُن کو فائدہ پہونچے یا نقصان۔ انھوں نے کہیں شکست کھائی تو بزدل ثابت نہ ہوئے، اور کہیں فتح پائی تو جبار اور متکبر نہ پائے گئے۔

(۳) اُن کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا اُس میں انھوں نے ٹھیک اُس طرز کی حکومت قایم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل وانصاف، وہی حدود شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ ضعیف ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاقِ صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا، غرض ہر پہلو میں انھوں نے اسی حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو کبھی صدیق وفاروق نے کی تھی۔

یہ لوگ بعض طبعی اسباب کی وجہ سے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، ناکام ہوئے، مگر خیالات میں جو حرکت وہ پیدا کر گئے تھے اس کے اثرات ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے باوجود اب تک ہندوستان میں موجود ہیں۔

اسباب ناکامی اس آخری مجددانہ تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بحث کرنا عموماً اُن حضرات کے مذاق کے خلاف ہے جو بزرگوں کا ذکر صرف عقیدت ہی کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ جو کچھ میں اس عنوان کے تحت عرض کرونگا وہ میرے بہت سے بھائیوں کے لئے تکلیف کا موجب ہوگا لیکن اگر ہمارا مقصد اس تمام ذکر اذکار سے محض سابقین بالایمان کو خراج تحسین ہی پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ آئندہ تجدید دین کے لئے اُن کے کاموں سے سبق حاصل کرنا بھی ہے، تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہی کہ تاریخ پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور ان بزرگوں کے کارناموں کا سراغ لگانے کے ساتھ اُن اسباب کا کھوج بھی لگائیں جن کی وجہ سے یہ اپنے مقصد کو پہنچنے میں ناکام ہوئے۔ شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادوں نے علماء حق اور صالحین کی جو عظیم القدر جماعت پیدا کی، اور پھر سید صاحب اور شاہ شہید نے صلحاء و اتقیاء کا جو لشکر فراہم کیا، اُس کے حالات پڑھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں، ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہی کہ ہم قرنِ اول کے صحابہ وتابعین کی سیرتیں پڑھ رہے ہیں، اور ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ہم سے اس قدر قریب زمانہ میں اس پایہ کے لوگ ہو گزرے ہیں مگر ساتھ ہی ہمارے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی زبردست اصلاحی وانقلابی تحریک جس کے لیڈر اور کارکن ایسے صالح ومتقی اور ایسے سرگرم مجاہد لوگ تھے، انتہائی ممکن سعی وعمل کے باوجود ہندوستان پر اسلامی حکومت قایم کرنے میں کامیاب نہ ہوئی اور اس کے برعکس کئی ہزار میل سے آئے ہوئے انگریز یہاں خالص جاہلی حکومت قایم کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ اس سوال کو عقیدت مندی کے

جوش میں لاجواب چھوڑ دینے کے معنے یہ ہیں کہ لوگ صلاح و تقوےٰ اور جہاد کو اس دنیا کی اصلاح کے معاملہ میں ضعیف الاثر سمجھنے لگیں اور یہ خیال کر کے مایوس ہو جائیں کہ جب ایسے زبردست متقیانہ جہاد سے بھی کچھ نہ بنا تو آئندہ کیا بن سکے گا۔ میں اس قسم کے شبہات فی الواقع لوگوں کی زبان سے سُن چکا ہوں، بلکہ حال میں جب مجھے علی گڈھ جانے کا اتفاق ہوا تھا تو اسٹریچی حال کے بھرے جلسہ میں میرے سامنے یہی شبہ پیش کیا گیا تھا اور اسے رفع کرنے کے لیئے مجھے ایک مختصر تقریر کرنی پڑی تھی۔ نیز مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت علماء صالحین کی جو جماعت ہمارے درمیان موجود ہے وہ بالعموم اس مسئلہ میں بالکل خالی الذہن ہے، حالانکہ اگر اس کی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے سبق ہمیں مل سکتے ہیں جن سے استفادہ کر کے آئندہ زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح کام ہو سکتا ہے۔

پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے باب میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دیدی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ حاشا کہ مجھے فی نفسہٖ اس تصوّف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا۔ وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوّف ہے، اور اس کی نوعیت "احسان" سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال، اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اس خاص قالب کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے سوا اس کے لیئے دوسرا قالب بھی ممکن ہے اس کے لیئے زبان بھی دوسری اختیار کی جا سکتی ہے، رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جا سکتا ہے، اور پیری مریدی اور اس سلسلہ کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اسی قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے، حالانکہ یہ پُرانا قالب اس بنا پر قابل ترک تھا اور ہے کہ مدتہائے دراز سے اسی قالب میں جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے اور اس کی کثرتِ اشاعت نے مسلمانوں کو سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے، اور اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی ہی صحیح تعلیم دے، مگر یہ قالب جہاں استعمال کیا گیا اور پھر وہی تمام بیماریاں عود کرآتی ہیں جو صدیوں کے رواج عام سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں پس جس طرح ایک مباح الاصل غذا سے بیمار کو پرہیز کرایا جاتا ہے تاکہ اس کے مرض میں اضافہ نہ ہو، جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اُس وقت ممنوع ہو جاتی ہے۔ جبکہ مریض کے لیئے وہ نقصان دہ ہو، اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا سا چسکا لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہیں۔ جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سُلاتی رہی ہیں بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے

جو مریدی کے ساتھ مختص ہو چکی ہے یعنی وہی "بمے سجّادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید" والی ذہنیت جس کے بعد پیر صاحب اور ارباب من دون اللہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ فکر و نظر مفلوج، قوت تنقید ماؤف، علم و عقل کا استعمال موقوف، اور دل و دماغ پر بندگیٔ شیخ کا ایسا مکمل تسلط کہ گویا شیخ ان کا رب ہے اور یہ اس کے مربوب پھر جہاں کشف والہام کی بات چیت شروع ہوئی اور معتقدین کی ذہنی غلامی کے بند اور زیادہ مضبوط ہونے شروع ہو گئے۔ اس کے بعد صوفیانہ رموز و اشارات کی باری آتی ہے جس سے مریدوں کی قوتِ واہمہ کو گویا تازیانہ لگ جاتا ہے اور وہ انھیں لے کر ایسی اُڑتی ہے کہ بیچارے ہر وقت عجائبات و طلسمات ہی کے عالم میں سیر کرتے رہتے ہیں، واقعات کی دُنیا میں ٹھیرنے کا موقع غریبوں کو کم ہی ملتا ہے۔ مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے، نہ شاہ صاحب۔ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالبًا اس مرض کی شدّت کا انھیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پُرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی تھی جو ابن تیمیہ کی تھی، لیکن شاہ صاحب کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا اس لیئے مرض صوفیت کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی، حتیٰ کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ہی ایک گروہ ان کے حلقہ میں ایسا پیدا ہو گیا جو شیعوں کی طرح ان کی غیبوبیت کا قائل ہوا اور اب تک اُن کے ظہورِ ثانی کا منتظر ہے! اب جس کسی کو تجدید دین کے لیئے کوئی کام کرنا ہو اُس کے لیئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات، رموز و اشارات، لباس، اطوار، پیری مریدی، اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابطیس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے

دوسری چیز جو مجھے تنقیدی مطالعہ کے دوران میں محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ سید صاحب اور شاہ شہید نے جس علاقہ میں جا کر جہاد کیا اور جہاں اسلامی حکومت قایم کی، اُس علاقہ کو اس انقلاب کیلیے پہلے اچھی طرح تیار نہیں کیا تھا۔ اُن کا لشکر تو یقینًا بہترین اخلاقی و روحانی تربیت پائے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھا۔ مگر یہ لوگ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے جمع ہوئے تھے اور شمالی مغربی ہندوستان میں ان کی حیثیت مہاجرین کی سی تھی۔ اُس علاقہ میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لیئے ضروری تھا کہ خود اس علاقہ ہی کی آبادی میں پہلے اخلاقی و ذہنی انقلاب برپا کر دیا جاتا، تاکہ مقامی لوگ اسلامی نظام حکومت کو سمجھنے اور اس کا بار اُٹھانے کے قابل ہو جاتے۔ دونوں لیڈر غالبًا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ سرحد کے لوگ چونکہ مسلمان ہیں، اور غیر مسلم اقتدار کے ستائے ہوئے بھی ہیں اس لیئے وہ اسلامی حکومت کا خیر مقدم کریں گے۔ اسی وجہ سے انھوں نے جاتے ہی وہاں جہاد شروع کر دیا۔

اور جتنا ملک قابو میں آیا اُس پر اسلامی خلافت قائم کردی۔ لیکن بالآخر تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ نام کے مسلمانوں کو اصلی مسلمان سمجھنا اور ان سے وہ توقعات وابستہ کرنا جو اصلی مسلمان ہی پوری کر سکتے ہیں محض ایک دھوکا تھا۔ وہ لوگ خلافت کا بوجھ سہارنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب ان پر یہ بوجھ رکھا گیا تو خود بھی گرے اور اس پاکیزہ عمارت کو بھی لے گرے ۔۔۔ تاریخ کا یہ سبق بھی ایسا ہے جسے آئندہ ہر تجدیدی تحریک میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس سیاسی انقلاب کی جڑیں اجتماعی ذہنیت، اخلاق اور تمدن میں گہری جمی ہوئی نہ ہوں، وہ نقش بر آب کی طرح ہوتا ہے کسی عارضی طاقت سے ایسا انقلاب واقع ہو بھی جائے تو قائم نہیں رہ سکتا اور جب مٹتا ہے تو اس طرح مٹتا ہے کہ اپنا کوئی اثر چھوڑ کر نہیں جاتا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تجدیدی تحریک کے مقابلہ میں کئی ہزار میل دور سے آئے ہوئے انگریزوں کو کس قسم کی فوقیت حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ تو یہاں جاہلی حکومت قایم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ خود اپنے گھر میں اسلامی حکومت قایم نہ کر سکی؟ اس کا صحیح جواب آپ نہیں پا سکتے جب تک کہ اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی عیسوی کے یورپ کی تاریخ آپ کے سامنے نہ ہو۔ شاہ صاحب اور ان کے خلفاء نے اسلام کی تجدید کے لیئے جو کام کیا، اُسکی طاقت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیئے اور دوسرے پلڑے میں وہ اس طاقت کو رکھیئے جس کے ساتھ اُن کی ہم عصر جاہلیت اٹھی تھی، تب آپ کو پورا اندازہ ہوگا کہ اس عالم اسباب میں جو قوانین کار فرما ہیں اُن کے لحاظ سے دونوں طاقتوں میں کیا تناسب تھا۔ میں مبالغہ نہ کرونگا اگر یہ کہوں کہ ان دونوں قوتوں میں ایک تولے اور پچاس من کی نسبت تھی اس لیئے نتیجہ جو فی الواقع رونما ہوا اُس کے سوا اور کچھ ہو نہ سکتا تھا جس دور میں ہمارے ہاں شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ اسمٰعیل شہید پیدا ہوئے، اسی دور میں یورپ قرون وسطے کی نیند سے بیدار ہو کر نئی طاقت کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا اور وہاں ہر علم و فن کے محققین، مکتشفین اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے جنھوں نے ایک دنیا کی دُنیا بدل ڈالی۔ وہی دور تھا جس میں ہیوم، کانٹ، فشتے، ہیگل، کونٹ، شلائر اور مل جیسے فلاسفہ پیدا ہوئے جنھوں نے منطق و فلسفہ، اخلاقیات و نفسیات اور تمام علوم عقلیہ میں انقلاب برپا کیا وہی دور تھا جب طبعیات میں گیلوینی اور وولٹا، علم الکیمیا میں لاوزیئر، پریسٹلے، ڈیوی، ہاپوی، اور برزیلیس حیاتیات میں لینے، ہالر، بیشات اور وولف جیسے محققین اُٹھے جن کی تحقیقات نے صرف سائنس ہی کو ترقی نہیں دی بلکہ کائنات اور انسان کے متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیدا کر دیا۔ اُسی دور میں کوینے، ٹرگوٹ، آدم سمتھ اور مالتھس کی دماغی کاوشوں سے معاشیات کا نیا علم مرتب ہوا۔ وہی دور تھا جب فرانس میں روسو، والٹیر، مونٹسکیو، ڈینس ڈڈیرو، لا میٹری، کیبانیس، بفون، روبینہ، انگلستان میں ٹامس پین، ولیم گوڈون، ڈیوڈ ھارٹلے، جوزف پریسٹلے، ارسمس ڈارون، اور جرمنی میں گویٹھے، ہرڈر، شیلر، ونکلمان، لسنگ اور بیرن دی ہولباش جیسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے

اخلاقیات، ادب، قانون، مذہب سیاسیات اور تمام علوم عمران پر زبردست اثر ڈالا اور انتہائی جرات و بیباکی کے ساتھ دنیائے قدیم پر تنقید کر کے نظریات و افکار کی ایک نئی دنیا بنا ڈالی، پریس کے استعمال، اشاعت کی کثرت اسالیب بیان کی ندرت، اور مشکل اصطلاحی زبان کے بجائے عام فہم زبان کو ذریعہ اظہار خیال بنانے کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے انھوں نے محدود افراد کو نہیں بلکہ قوموں کو بحیثیت مجموعی متاثر کیا۔ ذہنیتیں بدل دیں، اخلاق بدل دیئے، نظام تعلیم بدل دیا، نظریۂ حیات اور مقصد زندگی بدل دیا اور تمدن و سیاست کا پورا نظام بدل دیا۔ اسی زمانہ میں انقلاب فرانس رونما ہوا جس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی اسی زمانہ میں مشین کی ایجاد نے صنعتی انقلاب برپا کیا جس نے ایک نیا تمدن ایک نئی طاقت اور نئے مسائل زندگی کے ساتھ پیدا کیا اسی زمانہ میں انجینیرنگ کو غیر معمولی ترقی ہوئی جس سے یورپ کو وہ قوتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہوئی تھیں اسی زمانہ میں قدیم فن جنگ کی جگہ نیا فن جنگ نئے آلات اور نئی تدابیر کے ساتھ پیدا ہوا۔ باقاعدہ ڈرل کے ذریعہ سے فوجوں کو منظم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جس کی وجہ سے میدان جنگ میں پلٹنیں مشین کی طرح حرکت کرنے لگیں اور پرانے طرز کی فوجوں کا ان کے مقابلہ میں ٹھیرنا مشکل ہو گیا، فوجوں کی ترتیب عساکر کی تقسیم اور جنگی چالوں میں بھی پیہم تغیرات ہوئے، اور ہر جنگ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس فن کو برابر ترقی دی جاتی رہی۔ آلات حرب میں بھی مسلسل نئی ایجادیں ہوتی چلی گئیں، رائفل ایجاد ہوئی، ہلکی اور سریع الحرکت میدانی توپیں بنائی گئیں، قلعہ شکن توپیں پہلے سے بہت زیادہ طاقت ور تیار کی گئیں اور کارتوس کی ایجاد نے نئی بندوقوں کے مقابلہ میں پرانی توڑے دار بندوقوں کو بیکار کر کے رکھدیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں ترکوں کو اور ہندوستان میں دیسی ریاستوں کو جدید طرز کی فوجوں کے مقابلہ میں مسلسل شکستیں اٹھانی پڑیں اور نپولین ذرا سی مٹھی بھر فوج سے مصر پر قبضہ کر لیا۔

معاصر تاریخ کے اس سرسری خاکے پر نظر ڈالنے سے بآسانی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ہمارے ہاں تو چند خاص اشخاص ہی بیدار ہوئے تھے مگر وہاں قومیں کی قومیں جاگ پڑیں۔ یہاں صرف ایک جہت میں تھوڑا سا کام ہوا تھا اور وہاں ہر جہت میں ہزاروں گنا زیادہ کام کر ڈالا گیا بلکہ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا جس میں تیز رفتار پیش قدمی نہ کی گئی ہو یہاں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی اولاد نے چند کتابیں خاص خاص علوم پر لکھیں جو ایک نہایت محدود حلقے تک پہنچ کر رہ گئیں، اور وہاں لائبریریوں کی لائبریریاں ہر علم و فن پر تیار ہوئیں جو تمام دنیا پر چھا گئیں اور آخر کار دماغوں اور ذہنیتوں پر قابض ہو گئیں۔ یہاں فلسفہ، اخلاقیات، اجتماعیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علوم پر طرح نو کی بات چیت محض ابتدائی اور سرسری حد تک ہی رہی جس پر آگے کچھ کام نہ ہوا، اور وہاں ان تمام میدان میں ان مسائل پر پورے پورے نظام فکر مرتب ہو گئے جنھوں نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ یہاں علوم طبیعیہ اور قوائے مادّیہ کا عالم وہی رہا جو پانچ سو سال پہلے تھا، اور وہاں اس میدان میں اتنی ترقی ہوئی اور اس ترقی کی بدولت اہل مغرب کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ان کے مقابلہ میں پرانے آلات و وسائل کے زور سے کامیاب ہونا قطعی محال تھا

حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں انگریز بنگال پر چھا گئے تھے اور الہ آباد تک ان کا اقتدار پہنچ چکا تھا، مگر انھوں نے اس نئی ابھرنے والی طاقت کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں تو دہلی کا بادشاہ انگریزوں کا پنشن خوار ہو چکا تھا اور قریب قریب سارے ہی ہندوستان پر انگریزوں کے پنجے جم چکے تھے مگر ان کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اس قوم کو اس طرح بڑھا رہی ہے، اور اس نئی طاقت کے پیچھے اسباب طاقت کیا ہیں۔ سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل شہید عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیئے اُٹھے تھے۔ انھوں نے سارے انتظامات تو کیئے مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علما کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جا رہی ہے، اور نئے آلات نئے وسائل، نئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے اسکی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا راز کیا ہے اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارات قایم ہیں، اسکے علوم کس قسم کے ہیں، اسکے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے، اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے جس وقت یہ حضرات جہاد کیلئے اُٹھے ہیں، اُس وقت یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی نہیں، انگریز کی ہے، اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالف طاقت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو انگریز ہی کی ہو سکتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دور رس سے معاملہ کا یہ پہلو بالکل ہی اوجھل رہ گیا کہ اسلام و جاہلیت کی کشمکش کا آخری فیصلہ کرنے کے لیئے جس حریف سے نبٹنا ہوگا اُس کے مقابلہ میں اپنی قوت کا اندازہ کریں، اور اپنی کمزوری کو سمجھ کر اسے دور کرنے کی فکر کریں۔ بہرحال جب ان سے یہ چوک ہوئی تو اس عالم اسباب میں ایسی چوک کے نتائج سے وہ نہ بچ سکتے تھے۔

مغربی جاہلیت کے مقابلہ میں اسلامی تجدید کی اس تحریک کو جو ناکامی ہوئی اُس سے پہلا سبق تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ تجدید دین کیلئے صرف علوم دینیہ کا احیاء اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے جو تمام علوم و افکار، تمام فنون و صناعات اور تمام شعبہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلائے اور تمام امکانی قوتوں سے اسلام کی خدمت لے۔ اور دوسرا سبق جو اسی کے قریب المأخذ ہے، یہ ہے کہ اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔ محض وہ اجتہادی بصیرت جو شاہ ولی اللہ صاحب یا اُن سے پہلے کے مجتہدین و مجددین کے کارناموں میں پائی جاتی ہے اس وقت کے کام سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کافی نہیں ہے۔ جاہلیت جدیدہ بے شمار نئے وسائل کے ساتھ آئی ہے اور اس نے بے حساب نئے مسائل زندگی پیدا کر دیئے ہیں جن کا وہم تک شاہ صاحب اور دوسرے قدماء کے ذہن میں نہ گزرا تھا۔ صرف اللہ جل جلالہ کے علم، اور اس کی بخشش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت ہی پر یہ حالات روشن تھے لہذا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی وہ تنہا ماخذ ہے جس سے اس دور میں تجدید ملت کا کام کرنے کیلئے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور اس رہنمائی کو اخذ کر کے اس وقت کے حالات میں شاہراہ عمل تعمیر کرنیکے لیئے ایسی مستقل قوت اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی پابند نہ ہو، اگرچہ استفادہ ہر ایک سے کرے اور پرہیز کسی سے بھی نہ کرے۔

آغوشِ موج کا ایک دُرِّ تابندہ

یا اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ

از جناب مولٰنا سیّد مناظر احسن گیلانی

صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

خاص الفرقان کے ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب :-

(اصل مضمون کے پڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ناظرین یہ دُو باتیں پڑھ لیں)

(۱) چند ہی دن ہوئے کہ حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کے ایک حصہ کی ترتیب سے فارغ ہوا تھا[1] کہ مولٰنا نعمانی دام مجدہ العالی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تیار ہو جانے کا بگل بجا دیا، دماغ تھکا ہوا تھا، نیز یہ سوچ کر کہ شاہ صاحب کی کتابیں چونکہ عام طور پر متداول ہیں ان کے خاص خیالات ونظریات سے لوگ واقف ہیں، بآسانی دوسرے حضرات مقالات لکھ لیں گے، جی چاہا کہ خاموش ہو جاؤں۔ لیکن مولٰنا کے بار بار تقاضے سے بالآخر آمادہ ہوا۔ یہ خیال کرکے کہ اس زمانہ میں ایک بڑا گروہ ہم میں ایسوں کا پیدا ہوگیا ہے، جو سمجھتا ہے کہ سیاسی برتری جب تک حاصل نہ ہو جائے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کسی قسم کی خدمت کا امکان نہیں ہے، ان کے نزدیک محکومیت کی لعنت کا مٹانا ہر کام اسی پر موقوف ہے، لیکن عراق سے جب تک تریاق آئے کیا مار گزیدہ کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے؟ ——— اسی خیال نے مجھے آمادہ کیا کہ ہندوستان کی تاریخ کا وہ دَور جب اس ملک میں مسلمان اپنی سیاسی قوت اگر بالکلیہ کھو نہیں چکے تھے، تو سرعت کے ساتھ کھوتے چلے جا رہے تھے، نمک جس طرح پانی میں گھلتا چلا جاتا ہے اسی طرح ہندی مسلمانوں کا ملوکانہ اقتدار اس ملک میں گلتا اور گھلتا جا رہا تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ فتنوں کی ان ہی تاریک اور بھیانک راتوں میں کام کیا، اور اپنے کام میں کامیاب بہت زیادہ کامیاب رہے، خیال گزرا کہ "روح اللہ" سے جن دلوں میں گونہ "یاس" پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے شاید اس داستان کے دہرانے سے ان کے دلوں میں قوت پیدا ہو، مطلب یہ ہے کہ

[1] اس سے مراد وہ مقالہ ہے جو "الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر" میں بعنوان "ہزارہ دوم کا تجدیدی کارنامہ" شائع ہوا تھا، اور جس کی دوسری قسط ۱۳۵۵ھ کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۲ م

کام کرنے والوں کے لیئے ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر عہد میں بڑا میدان ہے، بہانہ جو طبائع غیر شعوری طور پر موانع وعوائق کے پہاڑوں کو اپنے سامنے کھڑا کرکے اپنی ہمت پست کرلیتی ہیں، یا ایسی شرطوں پر اپنی آمادگی کو موقوف ومشروط کرلیتے ہیں جن کا حصول ہی مشکل ہوتا ہو ورنہ سچ یہ ہے کہ

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ وتفنگ
تو اگر چاہے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہو

اپنے مجذوبانہ انداز میں جو میری دیوانگی کا اقتضا ہے اس مضمون کو میں نے لکھا ہے، نہ میں "مورخ" ہوں اور نہ شایستۂ کار، بلکہ سچ یہ ہے کہ جن جن علوم وفنون سے حضرت شاہ ولی اللہ نے بحث فرمائی ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی مجھے ماہرانہ تعلق نہیں، کچھ ادھر ادھر کی شکستہ و گستہ باتوں کو میں نے جمع کردیا ہے۔ اگر کسی ایک دل میں بھی وہ جذبہ پیدا ہو جائے جو اس مقالہ کے لکھنے کا مقصود ہے تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی ورنہ

تہر درویش بجان درویش

میں نے اپنے اس مضمون کے بیچ بیچ میں کہیں "عصری نظریات" کا تذکرہ بھی مصلحۃً کیا ہے اور کسی ایک پہلو کی طرف بظاہر میرا رجحان بھی محسوس ہو سکتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنی رائے پر میں نے چونکہ خود کبھی اعتماد نہیں کیا، اس لیئے صرف رائے کی حیثیت سے اپنا خیال ظاہر کردیا ہے باقی اعتماد تو ان ہی لوگوں کے مشوروں پر دوسروں کو کیا خود مجھے بھی کرنا چاہیئے جن پر اہل فہم اور اہل دین مسلمانوں کی اکثریت اعتماد کرتی ہے "اتبعوا السواد الاعظم" پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے میں نے یہ اس لیئے لکھدیا کہ خواہ مخواہ ان امور کی وجہ سے مجھے کسی خاص پارٹی کا آدمی نہ خیال کیا جائے، بلکہ چند وساوس تھے جن کا اظہار کردیا گیا چاہیئے کہ آدمی ہر پہلو کے سوچنے والوں کی باتوں پر غور کرے۔

گر نوشتت ست پند بردیوار

(۲) آئندہ مضمون کے پڑھنے اور سمجھنے میں سہولت ہوگی اگر حسب ذیل معلومات کا ایک سرسری خاکہ اپنے سامنے رکھ لیا جائے۔

(الف) حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت ۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ ہجری میں ہوئی۔

(ب) اس لحاظ سے آپ کی ولادت عہد عالمگیری کے آخری زمانے میں ہوئی یعنی حضرت

اورنگ زیب عالمگیر (انار اللہ برہانہ) کی وفات سے چار سال پہلے شاہ صاحب نے اس عالم ناسوت میں قدم رکھا۔

(ج) شاہ عالم ثانی یعنی جس بادشاہ نے بنگال وبہار کی دیوانی کلایو کے ذریعہ سے کمپنی بہادر کو سپرد کی اسی نابینا بادشاہ کے عہد میں شاہ صاحب اس عالم سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔

(د) حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو دس بادشاہوں کے عہد حکومت سے گزرنا پڑا

(س) ان دس بادشاہوں کی ترتیب یہ ہے عالمگیر بہادر شاہ معزالدین جہاندار شاہ۔ فرخ سیر رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ بادشاہ (المعروف بہ رنگیلا) ابوالنصر احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم بادشاہ کھول مظلوم ومسلوب۔

(س) ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور شدید تاریخی انقلابات سے گزرنا پڑا، اور مسلسل فتنے جو پیدا ہوئے عموماً لوگ اس سے واقف ہیں۔ بارہ کے سادات جو (کنگس میکر) بادشاہ گر بھائیوں کے نام سے تاریخ میں یاد کیئے جاتے ہیں ان کا تسلط فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں قید میں بصد بیکسی مرنا، پھر دربار کے تورانی امراء کے ہاتھوں ان سادات کا زوال، مرہٹوں کی سرکشی کا انتہائی عروج، سکھوں کا خونی فتنہ، نادر شاہ کا قتل عام، ابدالی کا پانی پت میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ ہندوستان کی تاریخ کا رُخ بدل دینا، روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں شریک ہونا، ایرانی اور تورانی امراء کی باہمی کشمکش، مغربی قوتوں کا تبدیج ملک کی سیاسیات میں دخیل ہوتے چلے جانا، انگریزوں کا اقتدار بنگال اور مدراس کے بعض علاقوں پر قایم ہونا تقریباً یہ سارے واقعات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں پیش آئے،

(ش) ظاہر ہے کہ جو کچھ ہو رہا تھا بالواسطہ یا بلا واسطہ ان سب کی آخری زد دلی پر پڑ رہی تھی جو شاہ ولی اللہ کا مستقر تھا، سوال یہی ہوتا ہے کہ جس دل و دماغ کے شاہ صاحب قدرتاً مالک تھے، کیا وہ ان واقعات سے متاثر نہیں ہو رہے تھے، اسی سوال کا جواب ایک خاص طرز سے اس مضمون میں دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں علاوہ دیگر امور کے شاہ صاحب کے دو اہم خوابوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں سے ایک کا تعلق ہندوستان کی اس فیصلہ کن جنگ سے ہے، جسے مرہٹہ اور ابدالی کی جنگ کہتے ہیں، اور دوسرے خواب کا تعلق شاہ صاحب کی ان علمی خدمات سے ہے جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بحمد اللہ

اس وقت تک مسلمان ہیں، اور ایسے مسلمان کہ شاید دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے
ان کا دینی اور علمی پہلو اگر غالب نہیں تو مغلوب بھی نہیں ہے، مقصود صرف داستان گوئی
نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ مشکلات کا حل جہاں دماغی اور جسمانی قوتوں میں تلاش کیا جاتا ہے
کیا دل کی طاقتوں میں اس سلسلہ کی روشنی نہیں مل سکتی ہے، اور کیا اسی طرح اسلام کی خدمت تلوا
کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی ممکن ہے؟ شاہ ولی اللہ کی زندگی چونکہ ان سوالات کا اپنے اندر جواب
رکھتی ہے، اسی لئے اس مقالہ میں ایک خاص طرز سے ان کے خاص حالات مرتب کئے گئے ہیں
قرآن پاک میں طالوت کی بادشاہت و "ملک" کی علامت یہ پیش کی گئی ہے۔ کہ وہ بنی اسرائیل
میں اس تابوت کو واپس لے آئیں گے جس میں اسرائیلیوں کی "سکینت" اور آل موسیٰ و ہارون کا "بقیہ محفوظ"
ہے، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان والوں نے ہندی مسلمانوں میں قرآن و حدیث کے علم کو واپس
لاکر اگر کوئی کام انجام دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو بھی ہندی اسلام کی تاریخ میں کوئی اہم مقام نہ
عطا کیا جائے۔ بہرحال یہ اجمالی اشارات ہیں اب اصل مضمون کا مطالعہ کیجئے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مناظر احسن گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کل یوم ھو فی شان (العزیز الرحیم)

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوق دگر افزائی
(العارف الجامیؒ)

یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، اور کیوں نہ ہو جبکہ اُس پیکر رحمت کی زبان مبارک سے بھی جو جمال آرائیوں کے ارتقائی رفتار کا منتہائے کمال تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

اِنی لاریٰ الفتن تقع فی بیوتکم کوقع المطر (صحیح البخاری)	میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھروں میں اس طرح برس رہے ہیں، جیسے بارش برستی ہو،

کی "خیر القرون" کے کان میں آواز آئی تھی اور جو سُنا یا گیا تھا، کیا ایمان والوں کو وہی دکھا یا نہیں گیا؟ ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے آنگن سے تو اس فتنہ کا صرف بادل اُٹھا تھا، لیکن ابوبکر ہوں یا عمر، علی ہوں یا طلحہ، زبیر ہوں یا انسانیت کے اس بہترین عہد کی کوئی اور ہستی (رضوان اللہ علیہم) کن کے گھروں میں ان فتنوں کو مسلسل برستے ہوئے نہیں پایا گیا! پھر جب اس دنیا کی ریت یہی ہے کہ

نہ گل از داغ غمت رست نہ بلبل در باغ
ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں می داری
(الحافظ الشیرازی)

اور جب اس ابتلائی زندگی کے خیر سے شر کے عنصر کا جُدا کرنا ناممکن ہے تو بجائے

اپنی مرضی کے مطابق دہر کو کیونکر کروں
مجھ کو بیحد غصہ آتا ہے مگر کس پر کروں
(لسان العصر مرحوم)

کی بے معنی تلملاہٹ، رنج اور کڑھن کے "اطمینان" کے خیال سے ہٹ کر "امتحان" کے میدان میں

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً	تاکہ ہم تمھیں جانچیں کہ اپنے اپنے کردار کی رو سے کون تم میں اچھا اور بھلا ہے

پڑھتے ہوئے ہم کیوں نہ اتر جائیں اور یہاں کی ہر لحظہ کی شورانگیزیوں کو بجائے گھبرانے اور بھاگنے کے اپنی شوق فراوانی کا ذریعہ کیوں نہ بنالیں، "ہر شور پر بنا تیسون"۔ پیدا ہونا بھی تو انسانی زندگی کی جان ہے اگر "شر" کے وجود ہی کو ختم کر دیا جائے گا، تو "خیر خواہوں" اور "خیر طلبوں" کے لیے "اجر و مزدوری" کا استحقاق ہی کب باقی رہے گا "الشیطان" کے وجود کو کھلنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اس ملعون کے ہٹ جانے کے بعد انسان کی فطرت اب مقابلہ کس کا کرے گی؟ تم سے ٹکرا کر بلاشبہ وہ جہنم میں گرتا ہے لیکن تم کو تو اسی کی ٹکر جنت میں پہونچاتی ہے، بقا ہو یا ارتقا اس دنیا میں دونوں کا یہی قانون ہے، اور صرف یہی قانون ہے۔

چڑھاؤ کے بعد اتار اور عروج کے بعد زوال کا راز یہی ہے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ان چند دنوں میں دنیاوی دولت و قوت کو ہم لوگوں میں چکر دیتے رہتے ہیں) کے ارشاد قرآنی کی یہی تفسیر ہی اور سچی بات بھی یہی ہی، کہ نجد کی وادی کا قیس ہی کیوں تنہا ٹھیکہ دار بنا رہے۔ اس وادی میں اترنے والے اترتے رہیں گے اور

ہر کسے پنجروزہ نوبت اوست

کی نفیری پھونکتے ہوئے فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ، کی بلند ٹیکری کی طرف چڑھتے ہوئے رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ، کے "مقام امین"، "اور مقعد صدق"، تک پہونچتے چلے جائیں گے۔

چند دن ہوئے کہ ہندوستان کے ایک تجدیدی کارنامہ کی داستان سنانے کی سعادت میسر آئی تھی بتایا گیا تھا کہ اخلاص و وفا صدق و صفا کے سوا جس" فقیر بے نوا" کے پاس قوت و طاقت کا کوئی سرمایہ نہ تھا، وہ اپنے کشکول گدائی کی اسی "بضاعت مزجاۃ" کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اور ایسا کھڑا ہوا کہ پھر اس وقت تک نہ بیٹھا جبتک کہ ملت و دین کی تجدید کی جس نہر کو وہ جاری کرنا چاہتا تھا وہ جاری نہ ہوگئی وہ جاری ہوئی اور اس کے بعد بھی جاری کیا بلکہ اور زیادہ بڑھتی ہی چڑھتی رہی تاآنکہ ایک صدی بھی شاید پوری نہ گزرنے پائے تھی کہ اس کی یہی تجدیدی نہر ایک بحر بے کراں کی شکل میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی آفاق کے کناروں سے ٹکرانے لگی، جس مغل بادشاہ نے "فقیہ" کا ترجمہ "نر و شمشیر احمق"، مشہور کیا تھا، خدا کی شان دیکھو کہ اسی کے تخت پر اسی کا حقیقی پوتا اس تجدیدی معرکہ کے بعد بیٹھتا ہے اور قرآن و حدیث تو بڑی چیزیں ہیں دینی و علمی حیثیت سے جس کا درجہ نسبتاً فروتر ہے یعنی وہی فقہ و فقہا، جنھیں اس کے دادا نے اپنی آنکھوں سے گرایا تھا انھیں وہ اپنے سر پر بٹھاتا ہے، آخر کون نہیں جانتا کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں" فتاوی ہندیہ" یا "فتاوی عالمگیری" کے مدون کرانے کی خدمت انجام دلائی تھی، اور یہ تو عوام میں مشہور ہے، ورنہ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ اکبر کا یہ پوتا فقہ کی اس کتاب کی تدوین میں عملاً طور پر بذات خود بھی شریک تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انفاس العارفین میں راوی ہیں کہ

دراں ایام عالمگیر را بجمع وتدوین آں اہتمام عظیم بود، ملا نظام ہر روز یک صفحہ پیش بادشاہ می خواند ۲۴	ان دنوں میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں انتہا سے زیادہ اہتمام تھا ملا نظام (افسر سر رشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے آگے پڑھا کرتے تھے۔

اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری اورنگ زیب کے صرف علم یا روپیہ کی امداد ہی سے مرتب نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس تدوین و تصحیح و ترتیب میں بنفس نفیس خود بادشاہ بھی شریک تھا علماء دن بھر مختلف کتابوں سے جزئیات اور مسائل کا انتخاب کرکے جب مرتب کر چکتے تو روز کا روز بادشاہ اُسے سن لیتا تھا کیا اس کا یہ سُننا صرف بطور تبرک اور حصول ثواب کے تھا، شاہ صاحب نے اس کے بعد جو قصہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر لفظ کے سمجھنے کے بعد آگے بڑھتا تھا جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس پر بحث کرتا تھا، شاہ صاحب نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم شاہ ولی اللہ کے پدر بزرگوار نے فتاوی عالمگیری کے اس حصے پر جو ان کے ایک دوست ملا حامد کے سپرد تھا ایک حاشیہ لکھدیا تھا، ملا نظام (جو صیغہ تدوین کے افسر اعلیٰ تھے) اور اپنے رفقاء کار کے کاموں کو روز بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے حسب دستور ملا حامد کے اس مسودہ کو سُنا رہے تھے کہ شاہ عبدالرحیم والے حاشیہ پر پہونچے، ملا صاحب کو تو رَو میں خبر نہ ہوئی، لیکن عالمگیر جس توجہ سے عالمگیری کے مسودات کو سُنتا تھا اُس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حاشیہ والے زائد فقرہ کا کان میں پہونچنا تھا اور "ایں عبارت چیست" کی آواز شاہی جلال کے ساتھ ملا نظام کے کان میں گونجی پھر ہوش وحواس کو درست کرکے غور کرتے ہیں جب بھی مطلب خبط ہی نظر آیا جس کی وجہ کہ اُس وقت کچھ سمجھ میں نہ آیا خفیف ہو کر معذرت خواہ ہوئے اور بولے۔

ایں را مطالعہ نہ کردہ ام فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔	اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کرونگا۔

افسوس کہ "الف ثانی کے تجدیدی کارنامہ" کی تفصیل کا آئندہ بھی موقعہ نہ مل سکا، ورنہ تاریخی حقائق کی روشنی میں بتایا جاتا کہ عالمگیری تحریکات و مجاہدات میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی تجدیدی مساعی کو کس حد تک دخل ہے کم از کم حضرت مجدد کے فرزند مولانا شاہ معصوم کے وہ مکاتیب ہی پڑھ لیے جائیں، جو مطبوعہ ہیں تو ان سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ عالمگیر کے دنیاوی مہمات، حتیٰ کہ جنگی اور سیاسی کارناموں میں شاہ معصوم رحمہ اللہ کے مشوروں بلکہ حکم کو کتنا دخل ہے

سلہ اور یہ وہ آتا گیا اس لیے کہ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ملا حامد نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کرکے عبارت میں گنجلک پیدا کردی تھی شاہ عبدالرحیم صاحب (والد حضرت شاہ ولی اللہ) کی نظر جب اس مقام پر پڑی، اصل کتاب کو آپ نے دیکھا اور پیچیدگی کے منشاء سے واقف ہونے کے بعد مسودہ کے حاشیہ پر عبارت لکھدی من لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ ھذا اغلط وصوابہ کذا (یعنی دین کی سمجھ جو نہیں رکھتا اس نے یہاں گڑبڑ کردی ہے یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے۔

انشاء اللہ تعالےٰ جب کبھی اس مضمون کی تکمیل کا موقعہ میسّر آئے گا اُس وقت اس مسئلہ کو بھی روشن کیا جائے گا، اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ فتاوی عالمگیری اور اس کی تدوین کا بادشاہ کو اتنا عظیم اہتمام بھی حضرت مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششوں ہی کا ایک ثمر ہے غالباً فقہ اور فقہی کتابوں میں یہ خصوصیت صرف فتاوی عالمگیری کو حاصل ہے کہ ایک سلطنت کبری (گریٹ امپائر) کا سب سے بڑا مطلق العنان بادشاہ اس کی تدوین و تالیف میں خود شریک رہا یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس تجدیدی عمل کی ابتدا جہانگیر سے ہوئی تھی، اس کے عروج کا انتہائی کمال عالمگیر کی ذات پر ہوا، سوچا جاسکتا ہے، کہ سو پشت سے تیغ زنی و سپہ گری جس کا آبائی پیشہ ہو، اور نسلاً بعد نسلٍ تخت و تاج اورنگ و دیہیم کے آغوش میں جس نے پرورش پائی ہو، تجدیدی عمل کے زور کو دیکھو کہ ایسے تلوار کے دھنی کے ہاتھ میں اس لیئے قلم پکڑوا یا گیا کہ فلسفہ و منطق اور تفسیر و حدیث وغیرہ کے متعلق بھی نہیں، بلکہ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، بیع و شریٰ، اور طلاق و نکاح کے خشک فقہی مسائل کی ترتیب میں خود شریک ہو، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین کو اعزاز کا آخر اس سے بھی زیادہ بلند ترین مقام اور کیا مل سکتا تھا، قرآن لکھ کر اگر عالمگیر روزہ کا آذوقہ مہیا کرتا تھا، تو اس کی نظیر تاریخ سے مفقود نہ تھی، اسی دلی کے تخت پر نصیر الدین محمود بادشاہ اسی شان اور اسی التزام کے ساتھ سُنا جاتا ہے کہ بیٹھا تھا، لیکن فقہ جیسے غیر دلچسپ دقیق و پیچیدہ علم کے ساتھ بادشاہ کی یہ دلچسپی میرے نزدیک دینی عزت کا آخری زینہ تھا،

اب اگر اس عروج کے بعد کسی نزول کی پیش گوئی کی جاتی تو تاریخ کے اوراق اس کی شہادت ادا کرسکتے تھے، دنیا کے "پچھلے تجربوں سے اس کی توثیق ہوسکتی تھی، جیسا کہ میں نے تمہید میں اشارہ کیا ہے کہ جمال کی تجلیوں کا جب کبھی "ہلالی" حیات کے کسی عبوری دَور میں اتنا زور بندھا ہے تو تاڑنے والوں نے اس کے بعد "جلال" کے مظاہر کا ہمیشہ انتظار کیا ہے" اور دُنیا جانتی ہے، کہ عالمگیرؒ کی رحلت کے بعد ہی دوسرے رُخ کا آغاز شروع ہوگیا۔ "شورانگیزوں" کی ساکن سطح میں پھر جنبش شروع ہوئی اور — "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" کے غیبی نقیبوں نے صلائے عام دینا شروع کیا،

وہی دِلی جہاں کابل سے آسام، اور نیپال سے ساحلِ سمندر تک کی زمین اور اس کے باشندوں کے "تنہا مالک" کو دیکھا گیا تھا کہ وہ مبسوط سرخسی حاوی قدسی مضمرات "تتار خانیہ وغیرہ فقہی کتابوں کی عبارتوں کا سُننا اپنے لیئے زادِ آخرت قرار دے رہا تھا۔ اسلام کے کلیات اور اساسی امور ہی نے نہیں بلکہ ان کتابوں کی جزئیات بعیدہ نے بھی عزت و احترام کا یہ درجہ حاصل کیا تھا،

وہی دلی ہے، دلی کا لال قلعہ ہے، لال قلعہ بابری (تیموری) نسل کے بچوں سے ابھی خالی نہیں ہوا ہے، اسی دلی کا سب سے بڑا امام بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسلم انکل پیشوا اسی دلی میں بیٹھا رو رہا ہے، اسلام پر رو رہا ہے، مسلمانوں پر رو رہا ہے، اور ان کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ پر روتا ہے۔

میری مراد شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے، اپنے چچا حضرت شاہ اہل اللہ کے نام عربی میں چند خطوط آپ نے لکھے ہیں، غالباً کسی مصلحت سے اس زمانہ کے تاثرات اور اپنے احساسات کا اظہار عربی نظم کی صورت میں فرماتے ہیں، میں ان نظموں کے چند اشعار بقدر ضرورت حاصل معنی کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں

جزی اللہ عنا قوم سکھ و مرہٹ عقوبۃ شر عاجلاً غیر آجل

اللہ سکھ اور مرہٹوں کی قوم کو ہماری طرف سے بدلہ چکھائے، بہت برا بدلہ اور جلد چکھائے

وقد قتلوا جمعاً کثیراً من الوری	وقد اوجعوا فی ھل شاء وجاھل[1]
ان دونوں نے بہت سی اللہ کی مخلوق کو قتل کیا	اور بیچارے گڈریوں جاہلوں کو بھی انھوں نے دکھ پہنچایا
لھم کل عام نھبۃ فی بلادنا	یخوضون فینا بالضحی والاصائل
ہماری بستیوں اور آبادیوں میں ہر سال لوٹ مچاتے ہیں	اور علاقوں میں دن ہاڑے اور شام کو پہونچتے ہیں
فھل ھھنا من معاذ لعائذ	وھل من مغیث یتقی اللہ عادل
پھر کیا پناہ لینے والوں کیلئے یہاں کوئی جائے پناہ ہے	ہر کوئی ایسا فریاد رس جو اللہ سے ڈرتا ہو اور انصاف کرنیوالا ہو

ایک اور دوسرے خط میں جو ان ہی شاہ اہل اللہ کے نام ہے فرماتے ہیں،

ایام برد اتت فالقلب منجزع	من قوم سکھ وان الخوف معقول
سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے	سکھ قوم سے، اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے
انفاھم اللہ عن ھذا الدیار عنھم	شر الاعادی وھم من جنۃ غول
خدا اس ملک سے ان کو ناپید فرمائے	یہ بدترین دشمن ہیں اور خود یہ غول بیابانی ہیں
نوضت امری و امر الناس اجمعھم	الی الالہ وان الحفظ مامول
میں اپنے اور لوگوں کے معاملہ کو خدا کو سپرد کرتا ہوں	اور اللہ سے امید ہے کہ وہ حفاظت فرمائیگا

ایک اور تیسرے خط کے چند اشعار یہ ہیں:-

ثم ان البلاد فاسدۃ	عن ایادی الغشوم والظلام
پھر معلوم ہو کہ ملک تباہ و برباد ہے	ظالموں اور بدمعاشوں کے ہاتھوں سے
غیر خاف علیک ماصنعت	قوم سکھ کانت الی التو شام
آپ پر غالباً مخفی نہ ہوگا جو کچھ کیا	سکھ کی قوم نے جو نحوست کی نشانی کر سکتی ہے

[1] بعض اشعار مسخ کر دیئے گئے ہیں جہاں تک تصحیح عقلاً ممکن تھی کیگئی ورنہ اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا، اس لفظ کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آیا قرینہ سے معنی لکھ دیا گیا ہے ۱۲

خفضوا کل قریه و مضوا — یفتحون الحصون والآطام
ہر بستی کو انھوں نے پست کر دیا اور گزر گئے — قلعے اور گڑھیاں فتح کرتے پھرتے ہیں

ضیعوا امة من الارواح — قتلوا امة من الاجسام
ایک گروہ کی جان انھوں نے ضایع کی — اور ایک طبقہ کے اجسام کو انھوں نے قتل کیا

نهبوا عدة من الاموال — ار تقوا عدة من الایتام
مال اندوزی کے بھوکے ہیں — اور ہمارے کتنے یتیموں کو انھوں نے قید بند کیا

وسقوا کل من تعرضهم — من فئام الانام کاس الحمام
اسی کو پلا دیتے ہیں موت کا پیالہ — جو انسانوں کے گروہ میں سے انکی راہ میں آڑے آئے

ذهبت کل مرضع عما — ارضعته وکل ذات فطام
(آج) ہر دودھ پلانے والی — اس بچہ کو بھول چکی ہو جسے دودھ پلاتی تھی
اور اس کو بھی جو دودھ چھوڑ چکے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے ان اشعار میں ہندوستان کے جن سیاسی حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، تاریخ کی کتابیں ان کی تفصیلات سے معمور ہیں اور آئندہ بقدر ضرورت میں ان کا ذکر بھی کرونگا، لیکن قصداً اس سلسلہ میں میں نے حضرت شاہ صاحب کی شہادت اس لیئے پیش کی ہے، تاکہ ایک عام غلط فہمی جو پھیلی ہوئی ہی، کہ علماء و صوفیہ کو ملک کے سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کا ازالہ ہو سکے، یہ صحیح ہی، کہ ہمارے اسلاف کی خصوصاً اپنی تالیفات و تصنیفات میں یہ خاص خصوصیت تھی، کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے، اسی کو لکھتے تھے بیچ بیچ میں اپنے زمانہ کے سیاسی جھگڑوں کا دکھڑا لے کر نہ بیٹھ جاتے تھے، اور غالباً غلط فہمی کا منشا بھی یہی ہی، آخر یہی شاہ ولی اللہ ہیں، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہی کہ آپ کے مولفات کے دفاتر و طوامیر ہزارہا صفحات سے متجاوز ہیں، لیکن بجز "انفاس العارفین" کے جس میں آپ نے اپنے آبا و اجداد کے کچھ حالات درج کیئے ہیں، اور اس سلسلہ میں بلا ارادہ کہیں کہیں بعض سیاسی واقعات کا بھی اجمالاً ذکر آگیا ہے مگر اس کے سوا آپ کی کسی چھوٹی بڑی کتاب سے مشکل اندازہ ہو سکتا ہی، کہ یہ وہی کتابیں ہیں، جو اس وقت لکھی گئیں، جب نادر شاہ اپنی بے پناہ تلوار سے چاندنی چوک کی نہروں میں بجائے جمنا کے پانی کے انسانوں کا خون بہا رہا تھا، فتح پوری کی مسجد زمین سے چھت تک لاشوں سے پٹی ہوئی تھی، قاضی کا حوض اور دلی کے عام کنوئیں صرف مردوں سے بھرے ہوئے تھے، سڑی ہوئی لاشوں سے پاک کرنے کیلئے دلی کے ہر ناکہ پر الاؤ جوڑا گیا تھا، جس میں ہندو ہو یا مسلمان سب کی میت بلا امتیاز کے جھونکی جا رہی تھیں، اور یہی ایک واقعہ کیا، مرحوم اورنگ زیب کے بعد دلی کے آسمان نے جن جاں گداز روح گسل واقعات کا تماشا کیا تھا

ان سے کون واقف نہیں ہے، لیکن دیکھتے ہو! دُھن کے پکّوں کی اس شان کو دیکھتے ہو! بادشاہتوں پر بادشاہتیں گزرتی چلی جاتی ہیں، انقلاب پر انقلاب ہوتا چلا جا رہا ہے، قومیں قوموں پہ چڑھی چلی جا رہی ہیں، فتنوں کا ہر طرف زور ہے، فساد کا ہر طرف شور ہے لیکن اللہ کے کچھ بندے ہیں، جو سب کچھ دیکھتے ہیں، سب کچھ سنتے ہیں، سب سے متاثر ہوتے ہیں، اور ہر مشکل کے حل کا ساز و سامان بھی اندر اندر تیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن

ای مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

نہ ان کی زبانوں پر آسمانوں کی ہلانے والی تقریریں ہیں، نہ آنکھوں سے جھوٹے آنسوؤں کا سیلاب بہایا جا رہا ہے، نہ رزولیوشنوں کے بمب سے دشمنوں کے حصار پر گولہ باری کر کے فتح کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں نہ مخالفوں کی بے سر و پا تجویزوں، یا مشہور کیئے ہوئے منصوبوں کو سُن سُن کر ان کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے، وہمی اندیشوں میں مبتلا ہو کر نہ ڈراؤنے خواب خود دیکھتے ہیں، نہ دوسروں کو دکھاتے ہیں، نہ لایعنی بے معنی مشوروں سے مسلمانوں کو کبھی خیبر اور بولان کے دروں کی طرف بھگاتے ہیں[1] ——— جس قوم کا فرض صرف آگے بڑھنا اور آگے بڑھتے ہی چلے جانا ہے نہ ان میں بزدلی اور جبن کے جذبات کی پرورش کر کے مورچوں کے چھوڑنے کا بگل بجاتے ہیں، نہ صرف پیٹ کی روٹی اور تن کے چیتھڑوں کو بچا لینے کے لیئے اللہ کی مسجدوں کو بزرگوں کے مآثر کو، آبا و اجداد کے مقابر کو کفار کے مویشیوں کے گوسالہ بنانے پر اپنے کو راضی کرتے ہیں، کفر کی جن نسلوں کے متعلق اُمید تھی کہ آج نہیں تو کل جہنم کی آگ سے ان کو بچا لینے میں کامیاب ہوں گے، قیامت تک کے لیئے ان پر ایمان کا دروازہ بند کر کے ہم اس لیئے بھاگے جا رہے ہیں کہ جس طرح بے کتاب و بے پیغمبر زندگی گزارنے والی قوموں کے سامنے صرف روٹی کے چند ٹکڑوں کا سوال ہے اور اسی کا حل زندگی کے سارے ہموں کا حل ہے، ہم بھی کوئی ایسا گوشہ زمین کے کسی حصہ پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جہاں ہمارے لقموں پر دوسری قوموں کے غرانے والے دکھائی نہ دیں۔ ہاں یوں ہی اگر ہم لڑیں بھی تو آپس ہی میں لڑیں، الے دے کر اب "فرشتہ صید" "پیمبر شکار" "یزداں گیروں" کے "شاہین بچوں" کو اسی "مردار پیٹ" کے مسئلہ پر قناعت کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ "معاشی مشکلات" کی افیم کھلا کر ان پر غنودگی طاری کی جا رہی ہے، ان نوجوانوں کو کون سمجھا سکتا ہے جنھیں بجائے اپنے اسلاف کے اہل کفر کے بزرگوں پر ایمان لانے کی خود ہمارے گھر کے لوگ دعوت دے رہے ہیں، آج کیا وقت آیا ہے اس سے پہلے جو گھڑیاں گزر چکی ہیں ان کے مقابلہ میں سچ تو یہ ہے کہ ابھی کچھ نہیں ہوا ہے، لیکن ہمارے باپ دادوں کا شیوہ بولنے کا نہیں کرنے کا تھا محض اس لیئے کہ وہ بولتے نہیں

---

[1] مشاہدہ کہو یا تجربہ، وہ تو بتا رہا ہے کہ ان "شکم پروروں" "تن پرستوں" کو اگر کسی جگہ کوئی عافیت کا ایسا گوشہ کسی شکل میں میسّر آ گیا ہے تو وہاں انھوں نے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام اور قرآن کی ہدایتوں کو بالکل بھلا دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد اور قرآن۔ اسلام، اور مسلمان کے الفاظ یہ صرف اس وقت تک استعمال کرتے ہیں جب تک روٹی کے دوسرے دعویداروں کے مقابلہ میں ان ہی الفاظ سے چند لقموں کو اپنے پیٹ تک سرکانے میں یہ کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن جہاں اس مقابلہ کا خوف نکلا دیکھا جاتا ہے کہ، پھر ان کے مسحور دماغ اسی کھیل کو عافیت کے ان گوشوں میں کھیلنا چاہتے ہیں، جو ان کا مداری ان سے

تم غلط سمجھتے ہو اگر سمجھتے ہو، کہ ان کو ان ضرورتوں کا احساس نہ تھا، جو چیز کردار میں تلاش کی جاتی ہے، تم سے غلطی ہو رہی ہے کہ اسے گفتار میں ڈھونڈھتے ہو، باتوں کی پیچیدگیاں باتوں سے حل ہو سکتی ہیں، لیکن کام کی دشواریاں بجائے کام کے صرف باتوں سے حل ہوں، یہ اس زمانہ کا دستور نہ تھا، ان کے کاموں کا جائزہ لینا چاہتے ہو تو بجائے باتوں کے ان کے کاموں ہی سے تمھیں اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سامنے کیا تھا؟ اور اس کے لیے انھوں نے کیا کیا، بقول شخصے ؎

اے ولی طریق رندی از محتسب بیاموز مست ست و در حق او کس این گماں ندارد

بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی چونکہ میں بجائے ان کی باتوں کے ان کے کام ہی کے ایک پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں اس لیئے ظاہر ہے کہ ان کے اقوال کی جگہ میں بھی آپ کے سامنے صرف ان کے اعمال ہی پیش کروں گا، اور جیسا کہ میں عرض کیا اگر ان کے اعمال کے متعلق میں اقوال پیش بھی کرنا چاہتا تو "پر وانہ سوختہ" کی راکھ سے میں ان چیچوں کا ریکارڈ کیسے تیار کر سکتا ہوں جو صرف "مرغ سحر" کے سوانح نگاروں کو مل سکتے ہیں، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آئندہ اپنے جس دعوے کو پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر بجائے آثاری شہادتوں کے صرف تحریری شہادتوں کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے تو اس مطالبہ سے عہدہ برا ہونا شائد میرے لیئے آسان نہ ہو، اگرچہ بڑی تلاش وتنقیر سے بعض جستہ جستہ چیزیں ان کے طویل الذیل تصنیفات میں ملی ہیں، اور انھیں کو میں آئندہ پیش بھی کرونگا، مگر حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارناموں کے کمال کے بعد جس زوال سے شاہ صاحب کو سابقہ پڑا ہی، قبل اس کے کہ عام "تاریخی مواد" اس کے متعلق پیش کروں میں نے براہ راست ولی اللہی گھرانے کے ایک مشہور بزرگ بلکہ براہ راست بڑے صاحبزادے کی گواہی سے اسی لیئے آغاز کیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میں آئندہ حضرت شاہ صاحب کی طرف جن ذہنی و ملی احساسات کو منسوب کرونگا۔ وہ محض میرا کوئی اختراعی نظریہ نہیں ہی یا منطق کی اصطلاح میں دو اتفاقی قضیوں میں لزوم کے تعلق کو محض میرے حسن ظن نے نہیں پیدا کر دیا ہی آخر اندازہ کرنیوالے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس باپ کا بیٹا، بیٹا ہی نہیں بلکہ جانشین خلیفہ اور کیسا جانشین خلیفہ سمتاً و دلاً و ہدیاً جو ہو بہو اس کا مثنیٰ تھا، جب وہ اپنے سیاسی ماحول سے اس طرح متاثر تھا تو یہ کتنی بڑی غباوت ہوگی کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے ذکی الحس، بیدار شعور، دقیقہ رس، نکتہ سنج، ژرف نگاہ باپ کے سینے کو ان جذبات سے محض اس لیئے خالی فرض کیا جائے کہ ان کی عام کتابوں میں ان احساسات کا سراغ نہیں ملتا، حالانکہ واقعتاً یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، لیکن منجملہ اور چیزوں کے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند اشعار بھی اپنے اندر اس کی قوی شہادت رکھتے ہیں کہ "اسلامی ایوان" میں عہد عالمگیری کے بعد جو آگ لگی تھی اسمیں جن جن کے کلیجے بھنے تھے، اور جن جن کے سینے آبلوں سے معمور ہو گئے، اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خاندان تھا، اور شائد یہی

بسلسلہ صفحہ گزشتہ
کھلوانا چاہتا ہی وہی پردہ کی مخالفت وہی مخلوط تعلیم وہی رقص و سرود، وہی میخواری و قماربازی سودی کاروبار وغیرہ کا جنون ان پر سوار ہو جاتا ہی ۱۲

آ بلے تھے "جو اسمٰعیلی جہاد" کے رنگ میں پھوٹ کر بالآخر بہہ گئے، اگرچہ اس "جہاد" کی روشنی پر پردہ ڈال دیا گیا تھا، لیکن خدا جزائے خیر دے برادر عزیز محترم مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی کو جنھوں نے بزور اس پردہ کو "سیرت سید احمد شہید" لکھ کر حال ہی میں چاک کیا ہے، اگو میں نہیں جانتا کہ جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ بزرگوں کی روشنی کو نہیں دیکھیں گے، اور جو قدم بھی اٹھائیں گے وہ مغربی لیمپ، یا ہندی ڈیوٹ ہی کی روشنی میں اٹھائیں گے۔ ان کی نظر بھی اس مینار پر پڑی یا نہیں، یا للعجب "کنتم شہداء علی الناس"، سارے جہان کے انسانوں کی نگرانی جن کے سپرد کی گئی اور جن کے وجود کا "اخرجت للناس" طغرائے امتیاز تھا، آج وہی اپنی ہر حرکت و سکون میں غیروں کی طرف تاکتے ہیں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو جو مرکزی قبلہ۔ مرکزی نبی، مرکزی کتاب، دی گئی تھی، اسی سے اندازہ کرتے کہ اب سب کو ہمارے ساتھ وابستہ ہو کر جینا ہے، لیکن انھوں نے ان کے "چلانے والوں" نے تو طے کر لیا ہے کہ وہی دوسروں کی کمر پکڑ کے جئیں گے، اس کے سوا زندگی کی ساری راہیں ان پر مسدود ہو چکی ہیں ؎ ——— وضل اعمالھم

خیر میں کدھر نکلا جا رہا ہوں، تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اورنگ زیبی عہد کے بعد ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی تھی، شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان واقعات کی طرف اجمالی اشارہ کیا ہے، اس اجمال کی تھوڑی تفصیل پہلے کر لینا چاہتا ہوں۔

اتنا تو ان اشعار سے بھی معلوم ہوا، اور تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ عالمگیر کے بعد ہی ایک تحریک ہندوستان کے مغربی شمالی خطوں میں "سکھ تحریک" کے نام سے اور دوسری تحریک جنوبی ہند میں "مرہٹہ" یا سیواجی کی تحریک کے نام سے اٹھی تھی، اور ثانی الذکر تحریک کا صرف آغاز ہی نہیں بلکہ ایک حد تک استنداد عالمگیر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا اسی کے ساتھ اجمالی طور پر لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دونوں تحریکیں سیاسی تھیں، اور ان دونوں کا رُخ اسلام اور مسلمانوں کی طرف تھا لیکن اگر قرآنی لہجہ میں پوچھا جائے کہ المرھٹہ وما ادراک ما المرھٹہ؟ یا السکھہ وما ادراک ما السکھہ؟ تو شاید اس سوال کے جواب کی جو واقعی ہیبتناک، زلزلہ افگن ہوش ربا تصویر ہو وہ شاید ہی اس زمانہ کے مسلمانوں کے سامنے ہو،

چونکہ ان واقعات یا ان کے سوا بھی میں اور جن چند چیزوں کو پیش کر رہا ہوں، ان سے خود ان واقعات کا تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے قلبی واردات کا حال یہ ہے کہ باوجود شاعر نہ ہونے کے جب اپنے باطنی احساسات سے مضطرب ہوتے تھے تو اس وقت بے ساختہ انکی زبان یا قلم کی شور انگیزیاں ان اشعار کی صورت اختیار کرتی تھیں

بہ زلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را	خروش درد دل شبہائی کردم چہ می کردم
دلے پر درد جاں افگار یار تند خو دارم	جہاں را پُر زیا ریہائی کردم چہ می کردم

آخر میں آپ کا مشہور مصرعہ ہے

جنوں ترک منصبہائی کردم چہ می کردم

تو اس وقت جبکہ ہر معمولی سوادخواں اعتصام الدولہ، صمصام الملک خانِ دوراں اور امیر الامرا بن بنکر عزت وجلال کے اوج پر چمک رہا تھا۔ شاہ صاحب بقول خود کسی "جنون" میں مبتلا ہو کر سب پر لات مار کر اپنا عذران الفاظ میں پیش کرتے ہیں

"جنوں ترک منصبہائی کردم چہ می کردم"

جلال کی جن تجلیوں کا تماشا فرمارہے تھے، ان ہی کو پیش نظر رکھ کر کبھی فرماتے

جہاں وجاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت

قیامت می نمائی و دم عیسے مرہم ہم

غور کرنا چاہیئے، ایک ایسے ارفتہ ومست الست کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح بہت سے لوگ جو محض اس لیے کہ لکھنا جانتے ہیں، کتابیں لکھتے تھے، اسی زمرہ میں شاہ صاحب یا شاہ صاحب کی تالیفی وتعلیمی خدمات کو شمار کرنا کم از کم میرے نزدیک "واقعات" کے عدم احساس ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے، ورنہ سچ یہ ہے کہ اس گروہ کو جس کا سب سے بڑا کام صرف لکھنا ہے اس کو ان دل باختوں، سوختہ سامانوں سے کیا نسبت؟ جنہوں نے کسی بڑے کام کے لیئے لکھنے کا پیشہ اختیار کیا، ٹھیک جو حال مولانا روم کا ہے، جن کا کام شاعری نہ تھا، لیکن ایک کام کے لیئے انھوں نے شاعروں کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، میرے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مساعی کا مرکزی نقطہ بھی یہی تھا، اور آئندہ آپ کے سامنے اسی نظریہ کی کچھ تفصیل (جتنی کہ "کسی مجلہ" میں گنجایش نکل سکتی ہے) پیش کی جائے گی، اسی لیئے پہلے ان حالات کو پیش کرتا ہوں جن میں حضرت شاہ صاحب گھرگئے تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا "عہد عالمگیری کے بعد سب سے بڑے فتنے دو تھے" جن میں ایک کا مرکز پنجاب اور دوسرے کا منشا ومولد جنوبی ہند کا وہ ساحلی علاقہ تھا، جسے عموماً کوکن یا مرہٹواڑی کہتے ہیں، میں پہلے "فتنہ سکھ" کا اجمالاً ذکر کرنا چاہتا ہوں،

پنجاب اور فتنہ سکھ یہ عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس طرح پچھلے چند سالوں میں پنجاب ہی کی سرزمین سے ایک تحریک اٹھی جس کے آغاز میں یہ ظاہر کیا گیا، کہ "مذہب" کے سمجھنے میں لوگوں کو جو غلطی ہوئی ہے محض اس کی اصلاح مقصود ہے، اور اس سلسلہ میں آج تک تیرہ سو برس سے قرآن کا مسلمان جو مطلب سمجھتے تھے اس کو بالکلیہ الٹ دیا گیا، حتیٰ کہ بالکل آخری چیز یعنی ایمان و کفر جیسی بدیہی بات بھی نظری قرار دی گئی، اور اس کے مطلب کو بھی اتنا معکوس کیا گیا کہ جو کفر تھا وہ اسلام قرار پایا، اور جو اسلام تھا وہ سراسر کفر بن گیا، بہرحال ابتداءً جس طرح یہ ایک مذہبی اصلاحی تحریک تھی، لیکن چند ہی دنوں میں صاحب تحریک نے آہستہ آہستہ چولا بدلنا شروع کیا، ایک آہنی ازار کو مذہبی شعار کا رنگ عطا کر کے ماننے والوں کو مسلح کیا گیا، پھر روپیہ کے ساتھ ساتھ چند دن میں گھوڑے، خیمے وردیاں وصول ہونے لگیں، اور بالآخر اچانک اس تحریک کا رُخ "سیاسیت"

کی طرف پلٹ گیا، حتی کہ خون وقتال کی گرم بازاریاں بھی شروع ہوگئیں، غزاۃ اور شہداء کی فہرستیں بننے لگیں

قریب قریب کچھ اسی شکل کے ساتھ، پنجاب کے ایک صوفی منش بزرگ سید حسن نامی ——— ایک لڑکے کے متعلق

"کہ پدرش بقالے از قوم کھتری بود در عہد طفلی حسنی وصباحتے باندک استعداد ولیاقتے خداداد داشت"

(سیر المتاخرین ج ۲ صـ ۴۰۱)

چونکہ اس حسین وصبیح لڑکے کی طرف سید حسن کی نظر خاص تھی (برا و نظر توجہ داشت) اس لیئے "بفیض صحبت درویش حقیقت کیش فی الجملہ شعور و دانش بہم رسانیدہ برحقائق ومعارف کہ کتب فقرائے اسلام وصوفیہ ذوالاحترام بآں مشحون است اطلاعے حاصل نمود"

اور اسی وجہ سے ——— "از کیش آبائی خود در گذشتہ مضامین اقوال آں بندگوراں بزبان پنجابی کہ داشت در بحور اشعار ہندی موزوں می نمود"

آخران ہی اشعار نے گرنتھ کے نام سے ایک مذہبی کتاب کی شکل اختیار کی اور اس کے مبلغ "گرو نانک" کے نام سے مشہور ہوئے جس طرح گویا پنجاب کی موجودہ تحریک جیسے عہد حاضر کی قوت حاکمہ کے ادبیات سے متاثر ہوکر ابتداءً مذہبی رنگ میں شروع ہوتی ہے، اسی طرح پنجاب کی پہلی تحریک بھی اس زمانہ کی "قوت حاکمہ" کے تعلیمات سے متاثر ہوکر ابتداءً مذہبی ہی رنگ میں جاری ہوئی تھی،

البتہ موجودہ تحریک کے محرک اول ہی نے اپنے ہی زمانہ میں اس کا رُخ سیاسیات کی طرف پھیر دیا، لیکن پہلی تحریک نے محرک اول کے چند جانشینوں کے بعد اچانک سیاسی کروٹ لی، ایسا کیوں ہوا، اور کن اسباب کے تحت ہوا اس کا قصہ تو طویل ہے لیکن اسی زمانہ میں جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوچکے تھے۔ پنجاب کی یہ مذہبی تحریک مشہور گورو گوبند کی کوششوں سے سیاسی رنگ اختیار کرچکی تھی، اپنی مذہبی تحریک کو سیاسی رنگ دینے کے لیئے گورو گوبند نے بھی وہی کیا، جو پنجاب کی موجودہ تحریک میں کیا گیا یا کیا جارہا ہے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں

گورو گوبند بجائے پدر خود تیغ بہادر[1] نشستہ منتشران فرقہ

گورو گوبند نے اپنے باپ تیغ بہادر کی جگہ بیٹھ کر اپنے فرقہ کی

۱ؔ تیغ بہادر کے متعلق طباطبائی نے عجیب بات لکھی ہے، کہ شیوۂ اخذ بجبر و تعدی اختیار نمودہ در پنجاب می گردید" لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے مشہور خلیفہ حضرت حافظ شیخ آدم بنوری نے بھی ایک جمعیت فراہم کی تھی اور "تیغ بہادر از ہنود واں زرہا می گرفت" اور حضرت شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ "حافظ آدم از مسلمانان" طباطبائی اور ان جیسے "بزرگوں" کو حضرت مجدد سے جو خاص کد تھی کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اس کا نتیجہ ہے یا اس سکھی تحریک کے مقابلہ میں حافظ آدم رحمۃ اللہ علیہ ہی فی الحقیقت اُٹھے تھے مجھے اُمید ہے کہ ہمارے دوست مولانا یوسف بنوری جو غالباً حضرت حافظ صاحبؒ کے خاندان سے ہیں، اس مسئلہ پر الفرقان میں روشنی ڈالیں گے "مجددیت" کے سلسلہ میں اس سے ایک باب کا اضافہ ہوگا ۱۲

خود را آہستہ آہستہ جمع نمودہ سلاح واسپ و یراق بہم رسانیدہ و بر ہمراہیان خود قسمت کردہ واندک اندک دست و پائے خود را و ساز و شروع تگ و تاز نمودہ ص۴۰

پراگندہ منتشر افراد کو آہستہ آہستہ اکٹھا کرنا شروع کیا، اور ہتھیار گھوڑے دو دوسرے جنگی ساز وسامان بھی فراہم کیے اور اپنے رفقاء پر سب کو تقسیم کرنے لگا یوں تھوڑا تھوڑا کرکے اس نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کیے اور دوڑ دھوپ کی ابتدا کی۔

بہرحال گورو گوبند کے ساتھ تو یہ حب فرمان بادشاہ فوجداران حضور بتا دیب او پرداختند" لیکن گوبند کا جانشین جب بندا نامی گرو ہوا۔ اور اس وقت حضرت شاہ صاحب جوان ہو چکے تھے، اس نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا، ان چند الفاظ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے

گورو گوبند کے زیر قیادت سکھوں کی چیرہ دستیاں اور لرزہ خیز مظالم:۔

بر دہات و آبادی اہل اسلام ہر جا دست اومی رسید تاختہ از سکنہ انجا ہر کرا می یافت ابقائی کرد۔ ہر چند اطفال صغیر السن باشند

اہل اسلام کے گاؤں اور آبادیوں پر جہاں کہیں قابو پاتا تھا چڑھ دوڑتا، اور باشندوں میں جس کسی کو پاتا باقی نہیں چھوڑتا تھا خواہ ننھے چھوٹے کمسن بچے ہی کیوں نہ ہوں۔

قساوت و بطش شدید و جباریت کی انتہا یہ تھی کہ

حتی زنہائے حاملہ را شکم دریدہ وجنین را بیرون کشیدہ می کشتند سیر المتاخرین ص۴۲

حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرکے بچہ کو باہر نکال مار ڈالتے تھے۔

یہ تو طباطبائی کا بیان ہے، مرزا حیرت نے ایک ہندو مصنف کی جو پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدہ پر مامور تھے حسب ذیل شہادت نقل کی ہے۔

ایک ہندو مصنف کی شہادت:۔

"مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی، اذان یعنی بانگ بآواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے، مسجدوں کو اپنے تحت میں لیکے گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے اور اس کا نام ست گرہ رکھتے تھے۔۔۔۔۔۔، نکار اور شراب خوار ہوتے ہیں، گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے جاتے ہیں، دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جہاں پہونچتے تھے جو برتن مٹی کا استعمالی کسی مذہب والے خصوصاً مسلمانوں کا پڑا ہوا ان کے ہاتھ آ جاتا تھا پانچ جھتر (جوتے) اس پہ مار کر اس میں کھانا پکا لیتے تھے، حیات طیبہ (ص۱۳)

مسلمانوں کے برتن کے پاک کرنے کا سکھوں نے جوتے مارنے کا عجب طریقہ اختیار کیا تھا، بہرحال اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بعید از قیاس کہا جائے اس واقعہ کو جو ان "نکار اور شراب خواروں" کے متعلق مرزا حیرت نے درج کیا ہے کہ

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہُولے کرکے کھاتے ہیں، دہلی میں ہولے سوکھے بونٹوں کو گھاس پھوس
کی آگ میں مع شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں، مگر سکھوں میں انھیں ہولے نہیں کہتے وہ ایک
وہ ایک بڑے فولادی پنجرہ میں چیل، کوے، کبوتر، تیتر، مینائیں، طوطے، غرض مختلف قسم کے
جانور بند کرکے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے آگ دیدیتے ہیں؛ وہ زندہ پرند
پھڑپھڑا کے بھن کے کوئلہ ہو جاتے ہیں، پھر انھیں صاف کرکے یہ ناخدا ترس کھاتے ہیں۔"

خیر یہ غریب پرندوں اور جانوؤں کو ہولہ بنانے کی شکل تھی، آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے جب اسی کے بعد
مرزا حیرت کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے کہ

انسانوں کے ہولے:۔

"اُسی طرح بے گناہ مسلمانوں سے بھی ہولے کیے جاتے تھے اور یوں "تڑپا تڑپا کے انھیں مارا جاتا تھا" ص۱۲
بہرحال قتل وغارت و خونریزی، وخون خواری اس تحریک کی روح تھی، دماغوں کو اتنا مسحور کیا گیا
تھا کہ جب فرخ سیر نے اپنے زمانہ میں سکھوں کی ان ظالمانہ چیرہ دستیوں کا قرار واقعی علاج کرنا چاہا اور
عبدالصمد خاں تورانی صوبہ دار کشمیر اس مہم پر متعین ہوا جس نے بڑی دیری سے بندا اور اس کے ساتھیوں پر
قابو حاصل کرکے سب کو گرفتار کرکے دہلی روانہ کیا، بادشاہ کے پاس ہزارہا غریب و بے کس مسلمانوں کی فریاد وزاری
کی عرضیاں پہونچی ہوئی تھیں، جب حکم دیا گیا، کہ اب ان سے انتقام لیا جائے' تو بقول طباطبائی اس وقت کا
سماں عجیب تھا لکھتے ہیں:۔

سکھوں کا جذبہ قربانی:۔

نقلے عجیب ازاں جماعہ مسموع شدہ کہ در کشتہ شدن
یکے بر دیگرے سبقت می جست و منت جلاد می نمود
کہ اول اورابکشد ص۳۰۳ ج ۲

عجیب قسم کی سخت جانی اس گروہ کے متعلق سننے
میں آئی یعنی مارے جانے میں ایک دوسرے سے
آگے بڑھنے کی کوشش کرتا جلاّد کی خوشامد کرتا کہ پہلے
اسے قتل کیا جائے۔

کتنی عجیب بات ہے حق ہو یا باطل اس قسم کی قربانیوں اور دیدہ دلیریوں کے نظائر کی تاریخ میں کچھ
کمی نہیں ہے، لیکن پھر بھی کچھ لوگ ہیں جو ہر چیز سے قطع نظر کرکے صرف کسی کے تصلب و استقلال یا "جذبہ قربانی"
کو اس کی صداقت کی دلیل بنا لیتے ہیں، کس لیے مرا؟ یہ نہیں دیکھتے بلکہ کسی بات پر ہٹ کرتے ہوئے مرجانا بس
یہی ان کے نزدیک اس کے خیال کی صحت اور اس کے مسلک کی راستی کی کافی شہادت ہے، حالانکہ اگر حق و
باطل کا یہی معیار ہو تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابوجہل اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں یہ دیوانے

کس بنیاد پر امتیاز پیدا کرتے ہیں آخر ابوجہل نے قربانی کی کونسی ایسی قسم تھی جو پیش نہیں کی۔ مال لٹایا، گھر چھوڑا در چھوڑا، اور بالآخر اپنے مسلک پر اصرار کرتے ہوئے بدر پہونچ کر اسی راہ میں اپنی جان بھی دیدی، پھر کیا واقعی محض اس لیئے ابوجہل بجائے ابوجہل ہونے کے ابوالحکم قرار دیا جا سکتا ہے، جس نے بھی اپنی جان دیدی، بس اس کے بلندی رتبہ کا ان کے سامنے پھر کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، حالانکہ سچ پوچھیئے تو ایک نہیں لاکھوں ہر زمانہ میں ہر ملک میں آپ کو ایسے آدمی مل سکتے ہیں اور ملتے رہتے ہیں، اور اس وقت بھی مل رہے ہیں، جو کسی بڑی چیز کے لیئے نہیں، صرف پندرہ روپے ماہوار کے لیئے فوجوں میں اس لیئے بھرتی ہونے پر تیار ہیں، کہ جب جی چاہے ان کی گردن ان کے سروں سے اُتار لی جائے پھر کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ فوج کا ہر سپاہی قربانی وایثار، استقامت واستقلال کا پیکر مجسم اور مظہر اتم ہے؟ صرف اسلیئے کہ بجائے کسی بڑے نصب العین کے عام فوجی سپاہیوں کے سامنے محض چند روپے ہوتے ہیں جن کے لیئے وہ اپنی جانوں سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں، ان کی کوئی عظمت کسی دل میں نہیں پائی جاتی؟ یہی واقعہ ہے اور یہی فطرت کی شہادت ہے۔

بڑی جہالت ہے کہ کس لیئے جان دی؟ اس سوال کی تحقیق کرنے سے پہلے لوگ غل مچا دیتے ہیں کہ فلاں نے جان دیدی اب اس سے زیادہ اس کی راست بازی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے،

آج بھی تحریکوں کی صداقت وعدم صداقت کا معیار جاہلوں میں صرف یہی چیز بنی ہوئی ہے کہ کبھی کبھی کسی مسلک کی تصدیق اس لیئے کی جاتی ہے کہ اس پر چلنے والے بڑے منظم ہیں۔ بڑے اولوالعزم ہیں ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی اپنے خیال کے پرچار میں دیوانہ وار مارے مارے پھرتے ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ آخر جو نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں، نہ مانگتے ہیں بلکہ اپنی جیب خاص سے اپنی وردیاں بناتے ہیں بیلچے خریدتے ہیں کرایہ یا بلا کرایہ ریل گاڑیوں پر سفر کرتے ہیں، ہر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں، نہ اپنی جائدادوں کی انھیں پروا ہے، نہ اپنی اولاد کی فکر، جان عزیز، ہر وقت ان کی مٹھی میں دھری ہے، معمولی اشاروں پر اسے بآسانی پھینک دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ آخر اس سے بڑھکر ان کی سچائی، اور خدا کی مرضی کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل تلاش کی جاتی ہے — میں یہ نہیں کہتا کہ بجائے خود یہ صفات اچھے نہیں ہیں، لیکن لکڑی کاٹنے کے لیئے جسے تیشہ دیا گیا، اگر بجائے لکڑی کے وہ مسجد کی دیوار کھودنے لگے، تو اس میں "تیشہ" کی بُرائی نہیں، "استعمال کرنے والے کی غلطی ہے" سعدیؒ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن　　نہ گفتم کہ دیوار مسجد بکن

آپ یہ نہ دیکھیئے کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے بلکہ اس پر نظر کیجیئے کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو کن چیزوں پر چلا رہا ہے تنظیم، اتحاد، ایثار، قربانی یہ قدرت کے اٹل قوانین ہیں جن کے بغیر اپنے "نصب العین" کی تکمیل میں مشکل ہی

کوئی کامیاب ہو سکتا ہو، مگر بذات خود ان کی کوئی قیمت نہیں ہو اگر کسی اچھے بلند نصب العین کیلئے انہیں استعمال کیا جائے یہ بہترین چیزیں ہیں، لیکن اگر شر و فساد، خونریزی، و تباہ کاری، اضلال و تسویل، نوامیس شرعیہ کی توہین، اہل حق کی تحقیر کا ذریعہ ان ہی چیزوں کو بنایا جائے۔ تو پھر ان صفات سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، چونکہ مجھے شمال مغرب کی قدیم تحریک اور جدید تحریک میں گونہ مشابہت نظر آرہی ہو اس لیے ان چند اشارات کا ذکر مناسب معلوم ہوا ——— اب میں اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں، میرا مطلب یہ ہو، کہ سکھوں کے جس فتنہ کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ کو تو اس وقت یہ سُنایا جارہا ہو، لیکن دین کے جس دیوانے اور شمع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی جس پروانے کا نام "ولی اللہ" تھا، اسے یہ سب کچھ دکھایا جارہا تھا، ٹھیک عن دنوں پنجاب بندا کی ترکتازیوں سے قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا، اسلامی حکومت اس کا اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کرتی تھی، لیکن

بندائے مذکور کم تر مقابل افواج بادشاہی می گشت اکثر بطور چپاؤلی، و قطاع الطریقی در اطراف و جوانب دویدہ یک جائی آسودہ ہر جا قابو می یافت در قتل و غارت و تخریب مساجد و نبش قبور مسلمانان قصور نمی نمود
ص۲۰ طباطبائی ج ۲

مذکورہ بالا بندا بادشاہی فوج کا سامنا بہت کم کرتا تھا بلکہ زیادہ تر گوریلا وار) کے طور پر چھپ چھپا کر حملے کرتا اور اطراف و جوانب میں راہزنی کرتے ہوئے پھر بھی ایک جگہ اپنا ٹھکانا بنا کر نہیں رہتا تھا، جہاں موقعہ مل جاتا قتل و قتال لوٹ مار اور مسجدوں کی بربادی مسلمانوں کے مقابر کے اُکھاڑنے میں کمی نہیں کرتا۔

بندا کے یہ ساتھی جس وقت دلی میں خود اپنے قتل کے لیے "منت جلاد" میں سبقت کر رہے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دلی ہی میں موجود تھے اور یہ سارے واقعات ان کے سامنے گزر رہے تھے، ان صفات کے زیر اثر جو تحریک اُٹھائی گئی ہو، عوام کو اس کی اہمیت کا ممکن ہے صحیح اندازہ نہ ہو لیکن جس نے حجۃ اللہ البالغہ اور الخیر الکثیر ازالۃ الخفا جیسی ولی اللہی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی نگاہ عقابین کا اسے تجربہ ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر، قرآن و حدیث کے اس عاشق جانباز پر کیا گزر رہی ہوگی مسلمانوں کے بھیانک انجام کی جو تصویر ان کے سامنے گھوم رہی ہوگی، ارباب بصیرت ہی اس کا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں، ایک طرف پنجاب سے، یہ آندھی اُٹھی تھی، اور بتدریج تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی، سلطنت و حکومت کی قوتیں بھی اس کے مقابلہ میں اسباوقات اپنے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور پارہی تھیں کہ "سیواجی" کے دماغ نے "دکن" میں جو "الاؤ" جوڑا تھا عالمگیر انار اللہ برہانہ کی بست سالہ مسلسل کوششوں سے اگرچہ وہ کبھی کبھی دب دب جاتا تھا، لیکن سچی بات یہی ہے جیسا کہ اسی طباطبائی نے لکھا ہے، کہ

عالمگیر خود بہ نفس نفیس متوجہ دکہن شد و بست و پنج سال

عالمگیر نے بذات خود دکن کی طرف رُخ کیا، اور پچیس سال

کامل در گوشمالی مرہٹہ صرف نمود اما از تہاون بعض امرائے رکاب، کہ برائے اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ نمی خواستند استیصال جماعہ مرہٹہ صورت نہ گرفت۔

ص ۹۲۳ ج ۳

مرہٹوں کی گوشمالی میں وقت صرف کیا، لیکن شاہی رکاب میں جو امراء تھے ان کی سستی و کاہلی سے جس میں ان کے اغراض پوشیدہ تھے معاملہ کا قطعی فیصلہ نہ ہو پایا، یہ امرا اپنے ذاتی اغراض کے تحت مرہٹوں کے ہنگاموں کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

بلکہ اورنگ زیبی،، پنجہ فولادیں کے دباؤ کے اٹھ جانے کے بعد اس قوم کو صرف دکن اور کوکن ہی نہیں بلکہ تقریباً ہندوستان کے اکثر علاقوں میں تگ و تاز، تاخت و تاراج کا کھلا میدان مل گیا "برگی" جو مرہٹہ غارتگروں کا کپکپا دینے والا نام تھا، اس سے ملک کے اکثر و بیشتر صوبے پامال ہو رہے تھے۔ خود دہلی پر مسلسل مرہٹوں کے حملے ہوتے تھے، اور حکومت ان کے مقابلہ سے دن بدن اپنے کو عاجز پاتی چلی جا رہی تھی، یہ وہ واقعات ہیں، جن سے عامی و خاصی سب ہی واقف ہیں، لیکن اس سلسلہ میں ایک چیز قابل غور ہے، کہ مغربی شمالی گوشہ سے جو فتنہ اٹھا تھا، جیسا کہ بیان کیا گیا ابتداءً اس کی شکل ایک مذہبی اصلاحی تحریک کی تھی اور غالباً انتقامی جذبات کے تحت اس نے سیاسی کروٹ لی،

لیکن اسی کے مقابلہ میں جس تحریک کی ابتدا جنوبی ہند سے ہوئی تھی عجیب بات ہے کہ بجائے کسی مذہبی اصلاحی تحریک کے شروع ہی سے اس کا آغاز ایک ایسی سیاسی تحریک کی شکل میں ہوا جس کا مقصد ہندوستان کو قدیم "پراچین" تہذیب کی طرف واپس لے جانا تھا، پنجاب کی تحریک کا تعلق عوام کے مذہبی خیالات کی اصلاح سے تھا اور چونکہ اس کا بانی ہندوؤں کی کسی اعلیٰ ذات سے نہیں بلکہ قوم کھتری سے تعلق رکھتا تھا اس لئے ہر طبقہ کے عوام اس میں شریک ہوتے تھے، صاحب سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ سکھ لوگوں کا دستور تھا کہ

ہرچند از فرق مختلفہ باشند ہرگاہ ایں مسلک اختیار نمائند اجتناب و احتراز از ہمدگر بقاعدہ مستمرہ و ضابطہ دیرینہ ہنود نمی کنند اگرچہ از اراذل فرق باشند ص ۴۰۳

کہ لوگ خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یعنی کسی ذات کے ہوں، جس وقت اس مسلک کو (سکھ مت) کو اختیار کر لیتے تھے تو ہندو مذہب کا جو دوامی اور پرانا قاعدہ چھوت چھات کا ہے، اس کی بنیاد پر باہم ایک دوسرے سے پرہیز کرنا چھوڑ دیتے تھے خواہ کتنی ہی نیچی ذات سے ان کا تعلق کیوں نہ ہو۔

لیکن جنوبی ہند کی تحریک کے بانی چونکہ سیواجی سمجھے جاتے ہیں، اور سیواجی بلکہ عام مرہٹوں کا نسلی تعلق اودے پور کے راناؤں سے بتایا جاتا ہے، اس لئے شروع سے ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ یعنی راجپوت اور برہمن اس میں شریک رہے حتیٰ کہ آخر میں تو مرہٹہ تحریک کی عنان بالاجی المعروف بہ پیشوا کے ہاتھ میں آگئی تھی، جو براہ راست کوکنی برہمن تھا،

گویا آج بھی جنوبی ہند سے جس تحریک کی ابتدا ہوئی اور بالآخر اس وقت تمام دوسرے صوبوں کی مختلف تحریکیں بھی دب دبا کر اسی میں ہضم ہو چکی ہیں، اس تحریک کی خصوصیت بھی وہی ہے جو پہلی کی تھی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جن کی زندگی کا بڑا حصہ مرہٹواڑی میں گزرا ہے اور اس قوم کے عادات و اطوار، مقاصد اور منصوبوں سے جتنی زیادہ واقفیت اس مورخ کو حاصل ہو سکتی تھی، دوسروں کو اس کے مواقع حاصل نہ تھے وہ یہ لکھتے ہوئے کہ

حق علیم ست وکفی بہ شہیداً[1] کہ ایں ہمہ امور مطابق واقع بقلم آمدہ وتعصب وتصنع اصلاً دخلے ندارد۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور گواہ ہونے کے لیئے وہ کافی ہے کہ (جو کچھ لکھا جا رہا ہے) یہ سب کچھ وہی ہے جو واقعات کے مطابق ہے تعصب یا بناوٹ کو اس میں قطعاً دخل نہیں ہے

مرہٹہ تحریک کے نصب العین کو ان الفاظ میں ادا فرماتے ہیں،

مخفی نماند کہ فرقتین مذکورتین نیتے دارند کہ ہرجا دست یابند وجوہ معاش جمیع خلق خدا بند کردہ بطرف خود می کشند و زمینداری و مقدمی و عمل پٹواری گری ہم باقد میں نگذاشتہ اساس وارثان کارہائے مذکورہ را از بیخ و بن برکندہ بنیاد دخل وتصرف خود قایم کنند

لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ دونوں فرقوں (مرہٹہ اور کوکنی برہمن) کی نیت یہ ہے کہ جہاں ان کو قابو حاصل ہو جائے وہاں خدا کی ساری مخلوق کی ذرائع معاش کو بند کر کے اپنی طرف ان کو سمیٹ لیں، زمینداری مقدمی پٹواری کا کام ان پیشوں کو بھی پرانے لوگوں کے ہاتھ میں انھوں نے باقی نہیں چھوڑا ہے جو بیچارے ان لوگوں کے وارث ہیں ان کی تو جڑ نکال کر انھوں نے پھینک دی، اور سب پر اپنا عمل دخل قایم کر لیا ہے۔

آخر میں ان کے اندرونی منصوبے کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

دمی خواہند کہ مالک تمام روئی زمین شوند

یہ لوگ یہ چاہتے کہ تمام روئے زمین کے مالک بن جائیں

اگرچہ بیچارے میر صاحب نے اس کے بعد اپنے ایمانی خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

رزاق مطلق تعالےٰ شانہ کہ روزی رسان ہندو مسلمان ست برات رزق اصناف خلائق برہمیں زمین نوشتہ تمام ایں مملکت بریک قوم چہ طور مسلم تواند ماند۔

رزاق مطلق اللہ تعالےٰ جو ہندو اور مسلمان دونوں کا روزی پہونچانے والا ہے اسی نے ہر ایک کی روزی کا حصہ اسی سرزمین (ہند) میں مقرر فرمایا ہے، یہ سلطنت کسی ایک قوم کے فائدہ کے لیئے کس طرح مخصوص کی جا سکتی ہے،

لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جنوبی ہند کی اس تحریک کو جو لوگ موجودہ مغربی کلیات اور کالجوں کی تعلیم کا نتیجہ

---

[1] یہ ساری عبارت ان کی کتاب خزانہ عامرہ سے منقول ہے طباطبائی نے بھی بجنسہٖ اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہے ۱۲

قرار دیتے ہیں، اور اس بنیاد پر اس قوم کا گن گایا جاتا ہے اور کم از کم اس کے وجود کا یہ فائدہ بتایا جاتا ہے کہ اسی کی بدولت سوتے ہوئے جاگ پڑے، اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کہاں تک حقیقت کا عنصر شریک ہے اور اس کے بعد مجھے ان لوگوں سے عرض کرنا ہے جو اسی مسئلہ "رزق" کے حل کی یہ صورت نکال کر مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ ہم ملک کا کوئی گوشہ اپنے لیے الگ کر کے آباد ہو جانے میں کامیاب ہو جائیں گے، تو پھر روزی کی اس کھٹ کھٹ سے نجات مل جائے گی، اول تو جنگ و جدال اور باہمی نزاع و فساد کے لیے صرف ہند و مسلمان کی تفریق کی ضرورت نہیں، چاہنے والے اگر چاہیں گے، تو شیعہ سُنی کے مسئلہ میں بھی اسی قدر زہر بھر سکتے ہیں بلکہ میں تو آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص حنفی سُنی مسلمانوں میں بھی اس سے زیادہ خونریزیاں اور بربادیاں محض ایک لفظ "وہابی وغیر وہابی" یا "دیوبندی" و "بریلوی" یا از یں قبیل دوسری تقسیموں سے پھیلائی جا سکتی ہے، پھر جن لوگوں نے مرض کا یہ علاج تجویز کیا ہے میں اگر ان کے متعلق یہ باور کرتا ہوں کہ ان کی نظر دور نہیں پہونچی ہے، تو کیا غلط سمجھ رہا ہوں، اور بالفرض مسلمانوں کے بانٹنے یا بٹوانے میں بانٹنے والی قوتوں کو کسی وجہ سے کامیابی نہ بھی ہو لیکن جس کا نصب العین آج ہی نہیں بلکہ آج سے صدیوں پہلے یہ تھا کہ

می خواہند کہ مالک تمام روئے زمین شوند	چاہتے ہیں کہ تمام "روئے زمین" کے مالک ہو جائیں

آخر ان سے ہم کہاں تک بھاگ کر پناہ لیں گے، آپ ہندوستان ہی کے متعلق سوچ رہے ہیں کہ اس ملک کے کسی علاقہ میں ہمیں چین نصیب ہو سکتا ہے، اگر ان سے بالکل الگ ہو جائیں، لیکن ہندوستان تو بقول ان کے "ہندو استھان" ہے، جو "ہندو استھان" نہیں ہے جب وہ بھی ان کے "می خواہند" میں داخل ہے، تو آخر صرف جدائیگی، اور بٹوارہ کو جو ہر مرض کی دوا خیال کیا جا رہا ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے، زندگی اور حیات کے قدرتی قانونوں سے محروم ہونے کے بعد محض لاشوں کے چہروں پر غازہ ملنے سے کسی کو زندہ نہیں خیال کیا گیا ہے اور نہ ان سے زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں، ہمارے پاس ہماری کتاب میں ہمارے پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم میں جینے کے جو اصول بتائے گئے ہیں، ان سے کٹ کر جو باوجود ادعاء اسلام کے اپنی خود تراشیدہ تدبیروں کے ذریعہ سے جینا چاہتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے کو کس طرح زندہ رکھ سکتے ہیں،

بہرحال ایک طرف پنجاب سے سکھوں کا فتنہ تھا جو بڑھتے ہوئے بادل کی طرح مسلمانوں پہ چھاتا چلا جاتا تھا، اور بے دردی سے بجائے پانی کے ان پہ آگ برسا رہا تھا، اور دوسری طرف جنوبی ہند کا مرہٹی سیلاب تھا جس میں جنوب سے شمال اور مشرق سے مغرب تک کے مسلمان اپنے ڈوبنے اور بہنے کا تماشا دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

مرہٹہ گردی مرہٹے ملک میں اس کنارے سے اس کنارے تک جہاں تک پہونچ سکتے تھے پہونچ کر

ہر جا آبادی یافت سوختہ و غارت کردہ بخاک برابر ساختہ (سیر ص ۴۷۵ ج ۲)	جہاں کہیں آبادی انھوں نے پائی اسے جلا کر لوٹ کر زمین کے برابر

کرتے چلے جاتے تھے حتیٰ کہ خود دہلی کو اس وقت جس وقت شاہ صاحب کی عمر چونتیس پینتیس ٣۵ سال کی تھی، اور کالکہ کے میلہ کے تماشا دیکھنے کے لیئے ہندو مسلمان شہر سے باہر ہو گئے تھے مرہٹوں نے

(دلی پر مرہٹوں کی تاخت اور دوسری اسلامی بستیوں کی بربادی)

از دحام عظیم نمودہ بخاطر جمع غارت نمودہ مال وافر اندوختہ وشب نزدیک مزار خواجہ قطب الدین ماندہ صبح روز چہار شنبہ یوم العرفہ مینا بازار و دکانہائے آبادی انجارا سوختہ غارت نمودہ. ص ۴٧٦

حملہ کر کے ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ باطمینان تمام دلی کو لوٹا اور بہت دولت جمع کی، رات جب قریب ہوئی تو حضرت خواجہ قطب الدین (کاکی) کے مزار کے پاس شب گزار کر صبح بدھ کے دن جو عرفہ کا دن تھا مینا بازار اور آبادی کی دکانوں کو آگ لگا کر بھسم کیا اور سب کچھ لوٹ کھسوٹ لیا

اور یہاں سے پلٹنے کے بعد مسلمانوں کی مشہور بستیاں

قصبہ ریواڑھی، و پاٹوڈہی رفتہ ہر دو قصبہ را چناں کہ جوابست غارت نمودہ از بیخ و بن بر افگند

قصبہ ریواڑی، پاٹوڈہی گئے اور دونوں قصبوں کو جیسا ان کے جی میں آیا لوٹا غارت کیا اور ان آبادیوں کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی۔

گویا ٹھیک عیدالاضحےٰ کے دن مسلمانوں کی قربانیاں کر کے یہ اپنے حرص و آز کے دیوتاؤں کو خوش کر رہے تھے سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں اوروں کا جو حال ہو گا وہ تو بجائے خود لیکن جس سینہ میں "اطیب النغم"[۱] کا سوز بھرا ہوا تھا، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے اس حال کو دیکھ دیکھ کر سن سن کر ان پر کیا گزرتی ہوگی؟

حضرت شاہ صاحب کا ایک تاریخی خواب

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ کے اس مشہور خواب میں جس کا تذکرہ "فیوض الحرمین" میں آپنے فرمایا ہے، ان احساسات کو دخل نہ تھا، درحقیقت اسی سلسلہ میں آپ کی آرزوؤں اور ہمت و دعا کی توجہات ہی نے عالم مثال میں یہ شکل اختیار کی تھی،

فیوض الحرمین کے پڑھنے والے تو اس خواب سے واقف ہیں، لیکن نہ پڑھنے والوں اور نہ جاننے والوں کیلئے میں بجنسہ اصل عربی عبارت کے ساتھ درج کرتا ہوں، فرماتے ہیں:۔

رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذلک ان اللہ اذا اراد شیئاً من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ لاتمام مرادہ ورأیت ان

میں نے خواب میں اپنے کو دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھلائی اور خیر کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہتے ہیں، تو اس وقت مجھے اس مقصد کی تکمیل کیلئے

[۱] شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جو اپنی عربیت، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے جو کچھ بھی لیکن مجھ پر تو ان قصیدوں کا یہی اثر پڑتا ہے کہ آنسو تھم نہیں سکتے ۱۲

ملك الكفار قد استولى على بلاد المسلمين و
نهب اموالهم و سبا ذريتهم
واظهر في بلدة اجمير شعائر
الكفر و ابطل شعائر الاسلام
(والعياذ بالله) فغضب الله تعالى على
اهل الارض غضبا شديدًا ورأيت
صورة هذا الغضب متمثلة
في الملاء الاعلى ثم ترشح الغضب إلى
فرأيتني غضبانا من جهة نفث من تلك
الحضرة في نفسي لا من جهة ما
يرجع الى هذا العالم وانا ساعتئذٍ
في جم غفير من الناس منهم الروم
منهم الاتراكه ومنهم العرب
بعضهم ركبان الابل و بعضهم
فرسان و بعضهم مشاة على اقدامهم
واقرب ما رأيت شبهًا بهولاء الحجاج
يوم عرفة ورأيتهم غضبانًا لغضبي وسالوني
ماذا حكم الله في هذه الساعة قلت فك
كل نظام قالوا الى متى قلت الى ان
تروني قد سكت غضبي فجعلوا يتقاتلون
بينهم و يضربون اليهم فقتل منهم
كثير وانكسرت روس ابلهم و
شفاهها ثم اني تقدمت الى
بلدة اخربها واقتل
اهلها فتبعوني في ذلك
وكذلك خربنا بلدة بعد
بلدة حتى وصلنا

گویا ایک آلہ اور واسطہ بناتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ کفار کا راجہ (یا بادشاہ) مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا ہے، اور ان کے اموال کو اس نے لوٹ لیا، ان کی عورتوں و بچوں کو گرفتار کر لیا، اور شہر اجمیر میں اس نے کفر کے شعائر کا اعلان کر دیا شعائر اسلام کو اس نے مٹا دیا (خدا کی پناہ) پھر اس کے بعد یہ دیکھا کہ زمین کے باشندوں پر حق تعالےٰ غضب ناک ہوئے اور سخت غضب ناک اور میں نے حق تعالےٰ کے اس غصہ کی صورت کو ملاء اعلیٰ میں متمثل ہوتے ہوئے دیکھا، پھر وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی الٰہی غیظ میرے اندر اُترا، پھر میں نے اپنے آپ کو غضب ناک پایا، اور یہ غضب جو مجھ میں بھر گیا تھا حضرت الٰہیہ کی طرف سے مجھ میں دم کیا گیا تھا، اس کا منشا کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کا تعلق اس عالم سے ہو، اور میں نے اس وقت اپنے کو ایک بڑے مجمع میں پایا جس میں روم والے بھی تھے اور ازبکی (ترک) بھی اور عرب بھی اور بعض ان میں اونٹوں کے سوار تھے، اور بعض اسپ سوار اور بعض پیدل قریب قریب اس گروہ کی حالت ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے عرفہ کے دن حجاج کی ہوتی ہے پھر میں نے ان لوگوں کو بھی اپنے غضب ناک ہونے کی وجہ سے غصہ میں بھرا پایا، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت اللہ تعالےٰ کا کیا حکم ہے میں نے کہا کہ "ہر نظام اور آئین کو توڑ دینا" یہی حکم ہے۔ انھوں نے دریافت کیا، یہ حال کب تک رہے گا، میں نے کہا کہ اس وقت تک جب تک تم میرے غصہ کو ٹھنڈا ہوتا ہوا نہ پاؤ، پھر وہ باہم آپس میں لڑنے لگے، اور جانوروں کو مارنے لگے، پھر ان میں بہت سے مارے گئے، اور ان کے اونٹوں کے سر ٹوٹے اور لب چور ہوئے پھر میں ایک شہر کی طرف اسے برباد کرتے ہوئے اور اس کے باشندوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھا، لوگ میرا ساتھ دے رہے تھے، یوں ہی ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کو تباہ کیا

الاجمیر و قتلنا هنالک الکفار واستخلصناها منهم و سبینا ملک الکفار ثم رأیت ملک الکفار یماشی مع ملک الاسلام فی نفر من المسلمین فامر ملک الاسلام فی اثناء ذلک بذبحه فبطش به القوم وصرعوه وذبحوه بسکین فلما رأیت الدم یخرج من اوداجه متدفقا قلت الآن نزلت الرحمة ورأیت الرحمة والسکینة شملت من باشر القتال من المسلمین وصار وا مرحومین فقام الی رجل و سألنی عن المسلمین اقتتلوا فیما بینهم فتوقفت عن الجواب و لم اصرح منه ۸۹-۹۰

کرتے ہوئے ہم بالآخر اجمیر پہنچ گئے، اور وہاں ہم نے کفار کو قتل کیا، پھر ہم نے کفار کے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اسلام کے بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کے ایک گروہ میں ساتھ چل رہا ہے اتنے میں............

اسلام کے بادشاہ نے کفار کے بادشاہ کے متعلق حکم دیا کہ اسے ذبح کر دیا جائے، لوگوں نے اسے پکڑ کر دے ٹپکا پھر ایک چھری سے اسے ذبح کر دیا، میں نے جب دیکھا کہ اس کی گردن کی شہ رگوں سے خون اچھل اچھل کر نکل رہا ہے تب میں نے کہا کہ اب رحمت نازل ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ یہ جو مسلمانوں میں لوگ جنگ میں شریک تھے ان کو اس رحمت و سکون نے احاطہ کر لیا اور ان پر رحم کیا گیا پھر ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر میرے پاس آیا اور ان مسلمانوں کے متعلق پوچھا جو باہم لڑتے تھے میں جواب میں خاموش ہو گیا اور کوئی تصریح میں نے نہ کی

شاہ صاحب عام طور پر اپنے خوابوں کے آخر میں تاریخ درج نہیں کرتے لیکن اس خواب کی تاریخ لکھی ہے۔ اسی طرح ایک اور خواب جس کا ذکر آئندہ آئے گا، اس میں بھی انھوں نے یہی کیا، بہر حال اس خواب — کی تاریخ انھوں نے یہ درج کی ہے،

رأیت ذلک فی لیلة الجمعة الحادیة والعشرین من ذی القعدہ سنہ ۱۱۴۴

میں نے یہ خواب شب جمعہ ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۱۴۴ میں دیکھا

شاہ صاحب کی اس خواب کی تعبیر پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ ٹھیک اس تاریخ سے ۳۰ سال بعد یعنی سنہ ۱۱۷۳ھ میں اپنی وفات سے تین سال پہلے اسی شخص نے جس نے گزشتہ بالا واقعات کو خواب میں دیکھا تھا، اپنے سر کی آنکھوں سے وہی شخص ایک اور واقعہ دیکھتا ہے جس میں بجائے "اجمیر" کے اگر دلی کا لفظ شامل کر دیا جائے تو تقریباً جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا بیداری میں "کفلق الصبح" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر اسی کا معائنہ کرایا گیا، اس سے میرا اشارہ پانی پت کے مشہور فیصلہ کن معرکہ کی طرف ہے جو تاریخوں میں "مرہٹے اور ابدالی کی جنگ" سے موسوم ہے، چونکہ ہندوستانی "تاریخ" کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ واقعہ یا اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مذکور ہے اس لیے تفصیل کی تو یہاں گنجایش نہیں۔ لیکن

سیر المتاخرین جو تقریباً تمام پچھلی تاریخوں کی ماخذ ہے، اسی سے بعض جستہ جستہ فقرے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

خواب اور بیداری کے واقعات کا انطباق

میں نے جو یہ کہا کہ بجائے "اجمیر" کے دلّی فرض کی جائے یہ بھی محض فرض نہیں ہے، بلکہ ہندوستان سے "خالص اسلامی مرکز" کو کفر کے احاطہ میں چونکہ دکھانا مقصود تھا اور دہلی کو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے جس طرح اسلامی بادشاہوں نے اسے اپنا دار السلطنت بنایا تھا، ہندوؤں کا اندرپت بلکہ "ہستناپور" دلّی ہی کے کھنڈروں میں موجود ہے اور آج "رائے سینا" بھی دلّی ہی کے اطراف میں آباد ہے، علاوہ اس کے "دلّی" زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کا مرکز تھی، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ اسلام کا سب سے پہلا مرکز تو وہی ہے جہاں سے ولی الہند (یا بقول عوام ہند الولی) حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

کرد از "اجمیر" کار انبیا　　بے کتاب و بے برہان و مدد

اور یہ تو ان کیلئے کہہ رہا ہوں جو نہیں دیکھتے ہیں، پر جو اس محسوس نظام کو کسی غیر محسوس نظام کے ساتھ وابستہ پارہے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ "اجمیر" کا تعلق ہندوستان کے محیط سے کیا ہے، خیر کسی وجہ سے بھی ہی، آپ "اجمیر" کی جگہ "دلّی" پڑھ لیجیے اور اس کے بعد مورخین نے "ابدالی" اور "مرہٹوں" کی اس فیصلہ کن جنگ کا جو حال لکھا ہے اسے پڑھیے، پھر اندازہ کیجئے کہ ۱۱۴۴ھ میں جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا اسی کا ۱۱۷۳ھ میں مشاہدہ نہیں کرایا گیا، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے میں نے دیکھا کہ ملک الکفار مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا اور ان کے اموال کو اس نے لوٹ لیا اور ان کی اولاد کو قید کر لیا، طبا طبائی لکھتے ہیں،

"نو ذیحجہ سال مذکور ۱۱۷۳ھ قلعہ (لال قلعہ) بدست بہاؤ افتاد و حرم سرائے شاہی و جمیع کارخانجات سلطنت باختیار مرہٹہ رفت" ذالک تقدیر العزیز العلیم" ص ۹۱۲ ج ۳

نویں ذیحجہ ۱۱۷۳ھ میں لال قلعہ بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) کی قبضہ میں چلا گیا، اور شاہی حرم سرا کے ساتھ سلطنت کی تمام کارخانے مرہٹوں کے تصرف میں آ گئے۔ یہ عزیز علیم کا نوشتہ تھا

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجمیر شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا اور کفر کے شعائر کا اس نے اعلان کیا اسلامی شعائر کو ختم کر دیا" طباطبائی کے الفاظ یہ ہیں:۔

بہاؤ قلعہ داری شاہجہاں آباد بنارو شنکر برہمن تفویض کرد و جمعے را بہ حراست قلعہ ہمراہ او کرد۔

بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) نے شاہ جہاں آباد (دہلی) کی قلعہ داری نارو شنکر برہمن کے سپرد کر کے ایک فوجی دستہ کو قلعہ کی حفاظت کے لیئے اس کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اس سلسلہ میں "بھاؤ" جب یہ چال چلا، کہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیئے اودھ کے شجاع الدولہ کو اپنے ساتھ ملا

ل ممکن ہے علماء ظاہر یا متحزبین تقطعوا امرھم بینہم زبرا، پر میری یہ گفتگو گراں گزرے وہ باوجود "چشتی صابری" ہونے کا دعوے رکھنے کے اس بلدہ پاک سے وہ تعلق رکھنا نہیں چاہتے یا نہیں رکھتے جو حضرت شاہ صاحب کو اپنے اس خواب میں "اسلامی مرکز" کے رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ مگر میں کیا کروں جو پاتا ہوں اس کا اظہار کرتا ہوں اپنے ان محسنوں کو کیسے بھول جاؤں جنکی صدقہ میں ایمان و اسلام کا حصہ ملا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" ۱۲

ضرور ہے اور مولوی غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک شاگرد برہمن کو اس مہم پر شجاع الدولہ کے پاس بھیجا تو اس وقت شجاع الدولہ نے جو جواب دیا وہ مرہٹوں کی بھی اور شاہ صاحب کے خواب کی بھی کامل شرح ہے، شجاع الدولہ نے جواباً کہا

از مدتے براہمہ دکھن بر ہندوستان مسلط شدہ اند روا دار آبرو، و رفاہ و آسائش احدے از خلق خدا نیستند

ایک زمانہ سے دکن کے برہمن ہندوستان پر مسلط ہوگئے ہیں اور یہ لوگ خلق اللہ میں سے کسی کے آرام و آسائش اور فراغبالی کے روادار نہیں ہیں۔

اور آخر میں ان براہمہ دکن کی اس عجیب خصوصیت کا اظہار کیا ہے:۔

ہمہ را برائے خود و اقوام خود می خواہند مردم از دست ایشاں بجاں آمدہ۔

سب کو اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیئے محکوم بنانا چاہتے ہیں، لوگ اُن کے ہاتھوں جاں بلب ہیں،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا مجھے تو شاہ صاحب کے خواب سے غرض ہے، یعنی مسلمانوں پر ملک الکفار کے غلبہ کو جس شان سے انھوں نے دیکھا تھا آپ دیکھ رہے ہیں کہ من وعن وہی صورت پیش آرہی ہے "لال قلعہ" پر جس وقت مرہٹوں کا قبضہ ہوا ہے "نہب اموال" (لوٹ مار) میں کس حد تک وہ پہونچے تھے اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ

دنائت و تنگ چشمی بھاؤ بمرتبہ بود کہ سقف دیوان خاص پادشاہی را کہ از نقرہ میناکار بود کندہ مسکوک ساخت و طلا آلات، و نقرہ آلات مزار اقدام نبوی و مقبرہ نظام الدین معروف باولیا، مرقد محمد شاہ مثل عود سوز و شمع دان و قنادیل وغیرہ طلبیدہ مسکوک نمود (سیر المتاخرین ص ۹۱۳ ج ۲)

بھاؤ کی پست نظری اور تنگ چشمی اس حد کو پہونچی ہوئی تھی کہ دیوان خاص کی چھت جس کی میناکاری چاندی سے کی گئی تھی اس کی سب چاندی کو کھرچ کر اس نے سکہ بنالیا، اور طلائی آلات چاندی کے ظروف جو قدم رسول کی زیارتگاہ اور حضرت نظام الدین کے مقبرہ و محمد شاہ کے مرقد میں تھے مثلاً عود سوز، شمع دان، قندیل وغیرہ کو اس نے سکہ بنالیا۔

مرہٹوں کی اس تنگ نظری کا ذکر آزاد بلگرامی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

رسوم حقداران دہات مثل مقدم و پٹواری و نجار و گاذر و حجام و حداد وغیرہم را ضبط نمودہ

دیہات کے رسوم کے پرانے حقدار مثلاً مقدم، پٹواری، بڑھئی، دھوبی، حجام، لوہار سب کے حقوق کو ضبط کر لیا تھا،

اور صرف "ضبط" نہیں کیا گیا، بلکہ ان سب کو بھی ٹھیکہ پر لگا دیا گیا

بمستاجران دادہ و مبالغ خطیرے ازیں وجہ داخل خزانہ حرص او شد

ٹھیکہ داروں کو (یہ حقوق دے دیئے گئے تھے) اور بڑی بڑی رقمیں اس راہ سے ان کے حرص کے خزانہ میں داخل ہوتی تھیں۔

حالانکہ شہر دیہات کے یہ رسوم تقریباً ہزار ہا ہزار سال سے چلے آتے تھے اور اب بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں

ان موروثی حقوق پر کسی نے دست اندازی نہیں کی ہے، نقطہ نظر کے اس اختلاف کا کیا علاج ہے کہ طباطبائی صاحب تو اسے "نائت وتنگ چشمی" پر محمول کرتے ہیں، لیکن حسن ظن سے کام لینے والے ہی کو "معاشی مہارت"، اور "اقتصادی بلند نظری" سے تعبیر کریں گے، میر غلام علی صاحب نے اسی "ملک الکفار" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

بالاجی راؤ باآں اقتدار کہ سلطنت ہندو دکن بدست آورده بود نان باجره می خورد و نان گندم خوش نداشت بادنجان خام وانبہ خام وکرسنہ خام برغبت تمام خورده۔

بالاجی راؤ اس اقتدار کے باوجود کہ دکن اور ہندوستان کی سلطنت پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا باجرے کی روٹی کھاتا تھا اور گیہوں کی روٹی اسے اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی کچے بیگن، کچے آم کرسنہ[1] خام ان سب چیزوں کو بڑی رغبت سے کھاتا ہے

ان عجیب و غریب خوراکوں، اور عجیب و غریب باتوں کا ظہور جب اس زمانہ میں ہوا، تو کتنوں نے اسے نفس کشی کی عجیب مثال قرار دیا لیکن واقع میں یہ نفس کشی ہے یا نفس پرستی؟ میر غلام علی کو توان حرکات کے پیچھے جو "چیز" نظر آتی تھی وہ ان ہی کی زبانی سنیئے، ممکن ہے کہ آپ کو یا مجھے اس سے اتفاق نہ ہو، لیکن بطور نقل اس کے ذکر میں کیا حرج ہے فرماتے ہیں:۔

چوں اصل پیشہ براہمہ گدائی ست و در کیش ہندواں مقرر شدہ کہ صدقات را بہ براہمہ باید داد طباع آں قوم نسلاً بعد نسلٍ بدریوزہ گری معتاد شدہ است، وطماعی وابن الغرضی لازم ماہیت برہمنی گردیده بنابریں باوجود حصول مرتبہ سلطنت وامارت شیوۂ گدائی از طینت آں ہا بدرنمی رود

چونکہ برہمنوں کا اصل پیشہ دریوزہ گری ہے ان کے دھرم کی مانی ہوئی بات ہے کہ ہر قسم کے دان پن برہمنوں ہی کو دیئے جائیں اس کی وجہ سے نسلاً بعد نسلٍ اس قوم کی سرشت میں ابن الغرضی بطور لازم ماہیت کے شریک ہو گئی ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کے درجہ تک پہونچنے کے بعد بھی ان کی فطرت سے شیوۂ گدائی الگ نہ ہو سکا۔

خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ

ہر محتاجے کہ بحکام ومتصدیان براہمہ مذکور رجوع کند نظر آں ہا ہمیں کہ برائے ماچہ آوردہ وہرچہ بہمراہ دارد او باید کشیدہ گرفتہ برآمد کارا وحوالہ بعالم می کنند

کسی قوم کا کوئی حاجتمند جب ان مذکورہ بالا برہمنوں کے حکام اور کارندوں کی طرف رجوع کرتا ہے تو ان حکام اور کارندوں کی نظر اسی پر ہوتی ہے کہ ہمارے لیئے وہ کیا لایا ہے جو کچھ اس بچارے کے پاس ہوتا ہے اسے بھی گھسیٹ لیتے ہیں اور اس کے کام کو دنیا کو حوالہ کرتے ہیں

آخر میں داد دیتے ہوئے ایک شعر بھی درج فرماتے ہیں:۔

بدست خلق عالم کاسہ دریوزہ می بینم　　گدا چوں پادشہ گردد گدا سازد جہانے را

(یعنی میں دنیا کی مخلوق کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہی دیکھتا ہوں۔ گدا جب بادشاہ ہو جائے تو سارے جہان کو گدا بنا کر رہتا ہے)

خدا جانے میر صاحب طب کے ماہر تھے یا نہیں لیکن اس کے بعد انھوں نے جو لطیفہ درج کیا ہے ممکن ہے کہ اطبا اس کی تصدیق کریں فرماتے ہیں، ان عادات و اطوار کی ایک دوسری توجیہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ

---

[1] کرسنہ کو بہار میں کھساری کہتے ہیں مثلث شکل خاکی رنگ کا اناج ہے ۱۲

مدار غذائے آنہا خواہ غنی باشد یا فقیر بر دال تور است
و با ایں دال علے از روغن کہ آں را در ہندی بگھار گویند
نمی کنند و از خارج نیز روغن بکار نمی برند کہ بہ یبوستش ا
صلاح نماید و احیاناً اگر کسے بخورد اقل قلیل مرتبہ ایست
کہ گویا نخوردہ و مرچ سرخ[1] و علتیت وزرد چوبہ ہم در
ماکولات شان بسیار استعمال می شود مرچ سوائے آنچہ در پختن
داخل نمودہ اند ہنگام خوردن با طعام نیز با فراط می خورند
لہذا نطفہ اینہا پشت بر پشت از ماکولات مذکورہ متکون
می شود (خزانہ عامرہ میر غلام علی آزاد ص۴۳)

ان کی خوراک کا دارمدار خواہ امیر ہو یا فقیر صرف تور (ارہر)
کی دال پر ہے، اس دال کے ساتھ روغن ڈال کر جو تدبیر کی جاتی
ہے جسے ہندوستان میں گھبارہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس عمل کو
دال کے ساتھ نہیں کرتے علاوہ اس کے باہر سے بھی روغن
اس میں شریک نہیں کرتے تاکہ اس کی خشکی کی کچھ اصلاح ہو
کبھی اگر کوئی روغن ڈالتا بھی ہو تو اس کی مقدار اتنی قلیل ہوتی
ہو گہ گویا اس نے روغن کا استعمال نہیں کیا، اسی طرح لال مرچ
اور ہینگ ہلدی بھی ان کے کھانوں میں بہت مستعمل ہے۔ لال
مرچ کو پکاتے وقت تو کھانے میں شریک کرتے ہی ہیں، اسکے
سوا جب کھانا کھانے لگتے ہیں اس وقت بھی بکثرت لال مرچ کو جاتے ہیں، اسی لیے ان کی نسل پشتہا پشت سے اسی قسم کی خوراکوں سے
تیار ہوتی چلی آ رہی ہے

خیر یہ تو اس قوم کی چند خصوصیات کا ایک ضمنی ذکر ہے چونکہ اس زمانہ میں اسی کی تعبیر سادگی اور کفایت شعاری کی
زندگی سے کی جاتی ہے، اور جو قومیں نسلاً بعد نسل سے نہ ان خوراکوں کی عادی ہیں نہ اس طرز زندگی کی ان سے جب اسی قسم کے لباس
اسی قسم کے کھانوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ گھبراتی ہیں کچھ دن ساتھ دیتی ہیں اور پھر پیچھے ہٹ جاتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ اس کے حقیقی اسباب
کی طرف بھی موقع سے اشارہ کرتا چلوں ورنہ اصل گفتگو تو شاہ صاحب کے خواب کے متعلق ہو رہی تھی یعنی خواب میں جس شان سے
دیکھا گیا تھا ٹھیک ان ہی خصوصیات کے ساتھ ملک الکفار مسلمانان ہند پر مستولی ہو گیا، اور ان کے مرکزی مقام پر اس نے قبضہ
کر لیا تھا، خواب کے دوسرے اجزا کے متعلق بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اچانک احمد شاہ ابدالی غازی کا ہندوستان پر جو حملہ ہوا
اور مرہٹہ تحریک پانی پت کے میدان میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی، کہا جاتا ہے اور مورخین لکھتے ہیں کہ اس حملہ پر احمد شاہ کو خود
ہندوستان کے امیروں اور نوابوں نے عرضداشت بھیجکر آمادہ کیا تھا جیسا کہ طباطبائی کا بیان ہے۔

نجیب الدولہ و راجہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و
عماد الملک بجاں آمدہ زوال دولت و ملک خود از دست
بر و مرہٹہ برای العین مشاہدہ نمودہ عرائض استدعا بخدمت
احمد شاہ ابدالی نگاشتہ خواہان ورود او در ہند شدند۔

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے مختلف راجواڑے مرہٹوں
اور عماد الملک کے ہاتھوں جاں بلب ہو کر دیکھنے لگے کہ ان
کی حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر مرہٹوں کے قبضہ
میں جا رہی ہے اپنی آنکھوں سے یہ تماشا ان کو نظر آ رہا تھا
تب انھوں نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں عرائض لکھ کر بھیجے اور اس بات کے خواہشمند ہوئے کہ شاہ ابدالی خود ہندوستان پہنچیں

---

[1] اس مرچ سرخ کے متعلق میر صاحب نے ایک اور عجیب خبر سنائی ہے فرماتے ہیں "دریں دہ بست سال کہ قدم آں با سرزمین ہندوستان رسیدہ بینے
مردم ہندوستان ہم استعمال مرچ سرخ آموختند پیش تر رواج ایں مرچ در بیت المال ہندوستان نہ بود" (خزانہ عامرہ ص۴۳) واللہ اعلم بالصواب کہا جاتا
جس طرح ایک حکومت کے زیر اثر ہندوستان کے ہر گھر میں پہونچی ہے یہی حال اس مرچ سرخ کا بھی ہے؟ ۱۲

مرہٹوں نے جب شجاع الدولہ کو ابدالی کی رفاقت سے روکنے کے لیئے اپنے سفرا بھیجے، تو اس کے جواب میں بھی شجاع الدولہ نے یہی کہا تھا جس کا کچھ ذکر پہلے بھی آیا ہے یعنی۔

مردم از دست شاں بجاں آمدہ برائے پاس ناموس و آبروئے خود ونفاہ عالمے شاہ ابدالی را بمنت از ولائت طلبید نشستہ وصدمات او را بہ نسبت ایذائے مرہٹہ سہل انگاشتہ

لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک میں دم آگیا ہے اپنی عزت و آبرو اور دُنیا کی آسایش و امن کے لیئے ابدالی کو خوشامد برآمد کرکے ولائت سے بلایا گیا ہے اور ابدالی سے جو نقصانات پہونچیں گے انھیں مرہٹوں کی مصیبت سے آسان خیال کرکے ایسا کیا گیا

لیکن یہ تو باہر والے دیکھ رہے تھے پر بارگاہ الست کے دوربینوں، کو انتیس [۲۹] سال پہلے ہی دکھا یا گیا تھا کہ یہ ربک المرصاد، کا سُوط عذاب، تھا جو ہمیشہ

اذا اکثروا فیھا الفساد

جب لوگ زمین پر بگاڑ او فساد کو (بھلائی اور خیر سے) آگے بڑھا دیتے ہیں

کے موقعہ پر قدرتی قانون کے تحت ظاہر ہوتا رہتا ہے لوگوں نے "الغازی الابدالی،، کو "خدا کا ہاتھ" خیال کیا، لیکن اس عالم محسوس کے پیچھے بھی جو نظام ہے، وہاں کسی اور نے اپنے آپ کو

جعلنی کالجارحة

مجھے خدا نے بمنزلہ ایک آلہ اور عضو کے قرار دیا۔

کی شکل میں پایا، باہر والوں نے نجیب الدولہ، شجاع الدولہ، دوندے خاں، رحمت خاں اور آخر میں ان سب کے ساتھ "ابدالی،، کے قلوب کو غصہ سے معمور پایا، لیکن اندر والے نے اس کو باہر سے نہیں، بلکہ اس غضب کی آگ کو "اندر" سے بلکہ "باطن الباطن" سے بھڑکتے ہوئے ملاء اعلیٰ تک اور ملاء اعلیٰ سے خود اپنے اندر پہونچتی ہوئی محسوس کیا، جیسا کہ فرماتے ہیں۔

فغضب اللہ علی اھل الارض غضبا شدیدا ورائیت صورة ھذا الغضب متمثلة فی الملاء الاعلیٰ ثم ترشح الغضب الیّ فرائیتنی غضبانا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر سخت غصہ کے ساتھ غضب ناک ہوا اور میں نے اسی غصہ کو ملاء اعلیٰ میں متمثل ہوتے ہوئے پایا وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی غصہ مجھ میں اُترا پھر میں نے اپنے آپ کو بھی غضب ناک پایا۔

اور یہی آگ تھی جو غیب سے چل کر بالآخر پانی پت کے میدان میں بھڑکی، اور جن پر خدا کا غضب تھا وہ اس میں بھسم ہوئے، باہر والوں نے "پانی پت کی آخری جنگ" کا مرد میدان احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا، لیکن آج سننے والے سُن رہے ہیں کہ اس سلسلہ میں اپنے کو "قایم الزماں،، کسی اور کو دکھا یا گیا تھا۔

شاہ صاحب نے اس خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ خود اس معرکہ میں مسلمانوں نے بھی مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور ان مسلمانوں کے متعلق ان سے پوچھا بھی گیا تھا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، کون نہیں جانتا کہ مرہٹوں کی اس جنگ میں مسلمانوں کی بھی ایک جماعت بطور نوکروں کے مرہٹوں کے ساتھ تھی، ان میں حضرمی عرب بھی تھے اور ہندوستانی مسلمان بھی، خصوصاً توپ خانہ کا سردار تو "جناب ابراہیم گاردی کے نام سے مشہور ہے جو "با دوازدہ ہزار بندوق چقماقی و توپہا بضابطہ فرنگ" مرہٹوں کے ساتھ تھا اور اسی نے ایک مدت تک توپوں کی زنجیر بندی کرکے مرہٹوں کو سانس

لینے کا موقعہ دیا اور تعجب ہی کیا اور کیوں ہوا کیا آج بھی مختلف رنگوں میں یہی تاریخ نہیں دُہرائی جا رہی؟

شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا تھا کہ پوچھنے والوں نے پوچھا کہ "خدا کا حکم اس وقت کیا ہے؟" تو آپ نے فک کل نظام[1] (اس وقت ہر قسم کے نظم کو ختم کر دینا چاہیئے) فرمایا تھا ظاہر ہو کہ جس وقت پانی پت کی یہ جنگ ہوئی ہندوستان کے تقریباً بڑے بڑے نواب اور امیر اپنی اپنی حکومتوں کو چھوڑ کر آخری فیصلہ کے لیئے میدان میں اُتر آئے تھے، حتیٰ کہ دلّی میں بھی کوئی نظام حکومت باقی نہ تھا اور جب تک "غضب الٰہی" کا ظہور رہا اُس وقت تک کوئی نظام قایم نہ ہوسکا، شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا کہ ملک الکفار پکڑا گیا، اور ذبح ہوا۔ طباطبائی واقعات کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کشتوں کے پشتے لگنے لگے

تو سرداران اوّل بسواس راؤ وپسر بالاجی راؤ کہ شہزادہ اہا بود در عین شباب بزخم تفنگ آہنگ صحرائے عدم نمود

تو اعلےٰ درجہ کے مرہٹے سردار، اور بالاجی پیشوا کا بیٹا بسواس راؤ جو مرہٹوں کا شاہزادہ تھا عین جوانی کے دنوں میں بندوق کی تیر سے عدم کو صحرا کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہاشمی صاحب اپنی تاریخ ہند میں ناقل ہیں کہ بھاؤ نے دلّی پہونچکر چاہا تھا کہ اپنے بھتیجے (یعنی اسی بسواس راؤ پسر بالاجی) کو تخت پر بٹھا کر یہ اعلان کر دے کہ اب ممالک ہند کی شہنشاہی مرہٹہ برہمنوں کی ملکیت ہے" لیکن پھر جنگ کے فیصلہ تک اعلان کے خیال کو ملتوی کر دیا"

بہر حال تخت شاہی پر بٹھائے جانے والا بسواس بھی اور بٹھانے والا بھاؤ بھی اسی جنگ میں ختم ہوئے۔ طباطبائی ان دونوں کے ذکر کے بعد ایک طویل فہرست درج کرتے ہیں آخر میں لکھتے ہیں:۔

واز سرداران نامور غنیم، احدے جاں بہ سلامت نہ برد مگر دو سہ کس

دُشمن کے نامور سرداروں میں کوئی اپنی جان بچا کر نہ بھاگ سکا مگر صرف دو تین آدمی

خواب میں "ملوکانہ اقتدار" کے ان مظاہر کو بلکہ شہزادہ اہا جس کی بادشاہت کا گویا صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا اگر اسی کو خواب میں

رئیت الدم یخرج من اوداجہ متدا فقۃ

میں نے دیکھا کہ اُس کی شہ رگ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے کی شکل میں دیکھا گیا تو مثالی اور ناسوتی تعلقات کے جاننے والے کیا تعبیر کی تکمیل میں شک کر سکتے ہیں، اور سچ تو یہ ہو کہ جب تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہو کہ

بعد از وقوع ایں شکست فاحش بالاجی ہم غصہ مرگ گشتہ پس از پنج ماہ و سیزدہ روز نوز دہم ذیقعدہ سال مذکور بہ پسر و برادر خود ملحق گشت۔

اس فاش شکست کے بعد بالاجی (یعنی پیشوا جو مرہٹوں کا عالی بادشاہ تھا) وہ بھی موت کے غصہ کا شکار ہو گیا پانچ مہینے تیرہ روز بعد اُنیسویں ذیقعدہ کو اسی سال وہ بھی اپنے لڑکے اور اپنے بھائی (بھاؤ) کے ساتھ جا کر مل گیا

---

[1] ہمارے ایک اشتراکی مزاج دوست نے جو اسلامی نظام کو بھی ایک قسم کا اشتراکی نما نظام یا اقرب الی اشتراکیت سمجھتے ہیں نہ معلوم کہاں سے نقل فرمایا ہو کہ شاہ صاحب عالم رویا یا مکاشفہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا یعنی انقلاب کا حکم دیا۔ غالباً کو ارشاد نبوی ٹھیرانے میں ان کو سہو ہوا ہو ۱۲ منہ

تو پھر بغیر "تاویل" کے شاہ صاحب کا خواب "کفلق الصبح" بن جاتا ہے، بلکہ خواب میں ملک الکفار کا میدان جنگ میں یہ قتل ہونا، اور بعد کو ملک الاسلام کے ساتھ ساتھ چلنا، اس کے یہی معنی ہیں، کہ ہر طرف سے گھر جانے گویا قیدیوں کے مانند ہونے کے بعد پھر بھی کچھ دن وہ "ملک الاسلام" کے ساتھ رسوائی و ذلت کی زندگی گذارے گا، اور بالآخر ختم ہو جائے گا۔ یہاں ایک نکتہ قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ خواب ذیقعدہ ہی میں دیکھا تھا اور بالاجی راؤ کا انتقال بھی ذیقعدہ ہی میں ہوا۔

درمیان میں ایک خاص چیز جس کی طرف شاہ صاحب نے اجمالاً لیکن بلیغ فقرہ میں اشارہ فرمایا ہے وہ اپنے غیظ وغضب کے متعلق آپ کا یہ جملہ ہے۔ کہ

نفث من تلك الحضرة في نفسي لا من جهة ما يرجع الى هذا العالم	حضرت (الہیہ) کی طرف سے یہ غصہ مجھ میں پھونک دیا گیا اور اس کا سبب منشا کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کا تعلق اس عالم سے ہو،

یہ بڑے پتہ کی بات ہے۔ کہ ایک حمیت، وغیظ وغضب تو وہ ہوتا ہے جس کی محرک (مثلاً) اپنی کوئی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس میں مومن و کافر سب ہی شریک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لیکن اس حمیت اور غصہ کا خدا کے یہاں بھی اجر ہے یا اس کا شمار حمیت الجاہلیۃ، میں ہے بہت زیادہ محل غور و تامل ہو سکتا ہے، اسی کی تعبیر حضرت نے کم از کم میرے نزدیک "ما یرجع الی ھذا العالم" سے فرمائی ہے لیکن ایک حمیت وغیظ وہ ہے جس کی بنیاد "الحب للہ والبغض للہ" کی نہ ملنے والی چٹان پر قائم ہے، یہی حمیت و غیرت، اور یہی غیظ وغضب وہ ہے جس کی پیدا کردہ دعاء و ہمت اور الحاح و زاری سے غیب اور غیب الغیب تک کے دوائر میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے، سچ پوچھئے تو حمیت کی یہی للٰہی رگ جب کسی کی بھڑک اٹھتی ہے اور اس مقدس محرک سے جب کسی کے خون میں جوش آتا ہے، تو "آہ بیوہ زن" کی آہ بھی "برکند عالمے" کا تماشا دکھاتی ہے اور شبگیر نالوں کا یہی شور ہوتا ہے جو "المنتقم الجبار"، کی انتقامی شانوں کو برسر کار لا کر ملاء اعلیٰ و اسفل میں تلاطم پیدا کر کے کتنے ابدالی اور کتنے حافظ الملک۔ دوندے خاں اور نجیب الدولہ کی شکل عالم ناسوت میں اختیار کرتا ہے، حالانکہ کام کسی کنج نشین کا دل شکستہ کرتا ہے لیکن تاریخ والے ان واقعات کو ان ہی ناسوتی مظاہر اور شہادتی قوالب کی طرف منسوب کرتے ہیں، نالوں کی بے تاثیری کے شکوہ کرنے والے چاہیں تو حضرت شاہ صاحب کے اس عمیق لیکن مختصر اشارہ ہی سے اپنی ہدایت کی شمع روشن کر سکتے ہیں، اور جو مشکلات کی گرہوں کو دماغ کے زور سے کھولنے میں جب بے بس ہو جائیں تو دل کی قوت سے بھی وہ امداد حاصل کر سکتے ہیں بہر حال اس کے بعد شاہ صاحب نے دیکھا کہ یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح و برباد کرتے ہوئے "ہم اجمیر" پہونچ گئے "۔ اربخوں کو اٹھا کر پڑھیے، ٹھیک اسی شان کے ساتھ ابدالی اور ان کے رفقاء شہروں کو فتح کرتے ہوئے "اسلامی مرکز" یعنی دہلی پہونچ گئے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ملک الکفار"، کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں پر رحمت و سکینت نازل ہوئی، اور ان پر خدا کا رحم ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس "فتح"، کے بعد یہی لوگ جن کا مال چھینا گیا، اور جن کی شاہی حرم سرائیں کفار کے قبضہ میں آگئی تھیں، وہی غنیم کی فوج سے

دو ہزار غلام و کنیز کہ اکثرے از اولاد واحفاد سروران	دو ہزار غلام اور لونڈیاں جن میں اکثر بڑے اور

متوسطاں بود کہ در عسکریان ابدالی تقسیم یافت، و غنائے کہ در احاطہ و انحصار نمی گنجد از جواہر و نقود و اجناس دیگر و توپ خانہ و پنجاہ ہزار اسپ و دو لاکھ گاو و چندیں ہزار شتر و پانصد فیل کوہ پیکر بدست عساکر منصورہ افتاد ۱۱۷۴ھ

اوسط درجہ کی لوگوں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ابدالی کے لشکر میں تقسیم ہوئیں، اور جواہر و نقد وپیہ، اور دوسری قسم کی چیزیں توپخانے وغیرہ کے ذیل کی بے شمار مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ پچاس ہزار گھوڑے، دو لاکھ بیل اور کئی ہزار اونٹ پانسو ہاتھی کوہ پیکر کامیاب اور فتحمند فوج کے قبضہ میں آئے

شاہ ابدالی کا ایثار اور اس کا راز

اس تاریخی معمہ کا حل بھی شاہ صاحب کی اس رویا رصادقہ میں اگر لوگ چاہیں تو تلاش کر سکتے ہیں کہ یہ سب سمجھ کرنے دھرنے کے بعد شاہ غازی ابدالی انار اللہ برہانہ نے

شانزدہم شعبان سال مذکور از باغ شالہ مار دہلی بقصد قندھار بجیراں ہمت زبہ رال کشید و کلمہ مراجعت قندھار نمود۔

اسی سال کی سولھویں شعبان کو دلی کے شالامار باغ سے ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کر قندھار کا ارادہ فرمالیا، اور اسی طرف پلٹ گئے۔

اور بخوشی و رضا شاہ ابدالی نے

سلطنت برائے شاہ عالم و وزارت بنام شجاع الدولہ و امیر الامرائی بنام نجیب الدولہ مقرر فرمود۔

سلطنت کو شاہ عالم کے نام، وزارت شجاع الدولہ کے نام اور امیر الامرائی نجیب الدولہ کے نام مقرر فرماکر

(خود قندھار چلے گئے)

لوگ حیران ہیں کہ اتنے بڑے براعظم پر اتنی عظیم کامیابی و فتح مندی کے بعد ابدالی کا ملک کو شاہ عالم ہی کے سپرد کر کے قندھار جیسی معمولی حکومت کی طرف واپس ہو جانے کا کیا راز تھا؟ حضرت شاہ صاحب کا وہی فقرہ کہ یہ جو کچھ تھا کسی اور عالم کی بات تھی،

لا ما یرجع الی ھذا العالم | اس کا تعلق اس دنیا کے قانون سے نہ تھا۔

اگر صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔ تو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی غازی ابدالی قدس اللہ سرہ نے اپنے دین کو دنیا، اور اپنے خدا کو بت بنانا نہیں چاہا جن کے اندر "ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان"، "والآخرۃ خیر وابقی" کا یقین راسخ نہیں ہوا ہے، اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالات پر ان کو اعتماد کامل میسر نہیں ہوا ہے ورنہ اس کی توثیق و تکمیل کے بعد یقیناً ان کو بھی وہی نظر آسکتا ہے جو ابدالی موثر الآخرہ علی الدنیا کو نظر آیا تھا لیکن "رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمأنوا بھا"، جن کا انتہائی مبلغ علم ہو ان کی فہم سے سچ ہے کہ یہ بات بعید ہی نہیں بلکہ ناممکنات کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ محمدی معجزوں میں اگر کوئی چاہے تو اس "ایثار ابدالی"، کو بھی شمار کر سکتا ہے،

خیر یہ واقعہ بھی گزر گیا، اس فتنہ کا شباب بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی زندگی میں ہوا، اور اس دنیا سے

روانہ ہونے سے پہلے اپنے خواب کی تعبیر بھی انھوں نے دیکھ لی، لیکن جن مسلمانوں کے "مکاسب ابدی"، اور "زشتی اعمال" نے مرہٹوں کی شکل اختیار کی تھی، باوجود سب کچھ دیکھنے کے کیا ان میں کوئی تغیر پیدا ہوا تھا؟ حضرت شاہ صاحب کا مکاشفہ کہ مسلمانوں اور اسلام پر "ملک الکفار" کی جانب سے جو مظالم ہو رہے تھے اسی سے

غضب اللہ تعالیٰ علی اھل الارض غضبا شدیداً۔	زمین والوں پر حق تعالیٰ سخت غصہ کے ساتھ غضبناک ہوئے۔

کا ظہور ہوا تھا، وا حسرتاہ دیا ویلاہ کہ "غیب" میں جس اُمت کی یہ ناز برداریاں ہیں آہ کہ اس کی بے نیازیوں میں سچ پوچھیے تو کوئی کمی نہیں! بہت کم کمی واقع ہوئی تھی، وہ اپنی زشتیٔ اعمال کو "صورت نادر" بھی قرار دیتے تھے وہ سکھی اور مرہٹی فتنوں کو خدا کی تنبیہ بھی سمجھتے تھے، لیکن باوجود سب کچھ سمجھنے کے کچھ نہیں سمجھتے تھے، سب کچھ دیکھنے کے انھیں کچھ نہیں سوجھتا تھا، فطرتیں مسخ ہو چکی تھیں، دِلوں پر رین اُر زنگ چھایا ہوا تھا، دیکھتے تھے اور نہیں دیکھتے تھے سُنتے تھے اور نہیں سنتے تھے، سننے والے بہرے اور دیکھنے والے اندھے اُن میں زیادہ پیدا ہو چکے تھے۔ وہ "قدسی روح"، جو اس بجھتے ہوئے چراغ کو آخری دفعہ سنبھالا دینے کے لئے "غیب" سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دی گئی تھی وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی، لیکن ان میں کم تھے، جو اس "نقار خانہ" میں طوطی کی اس آواز پر کان رکھتے، میری مراد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے ہے، ان کی مختلف کتابوں میں ان کی چیخ پکار کی شورشیں اس وقت تک بند ہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا "پیغام"، کیا تھا، مختلف طریقوں سے وہ مسلمانوں پر پیش کیا جاتا تھا لیکن ان میں علم بافوں، کتاب بازوں اور معارف فروشوں کا ایک گروہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ غلطی ہوئی اور بڑی غلطی ہوئی کہ شاہ ولی اللہ کو بھی ان ہی پیشہ وروں میں سے ایک خیال کیا گیا حالانکہ وہ ہر بات میں ان سے جدا تھا، اس کی آواز سب سے نرالی تھی لیکن اس کی تمیز کس میں باقی تھی بطور نمونہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک پیغام کا ترجمہ درج کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "لیلاً و نہاراً" اور "سراً و جہاراً" جس امر کی دعوت دے رہے تھے وہ کیا تھا؟ "تفہیمات الٰہیہ" کے جامع نے ایک جگہ اسکو بھی درج کر دیا ہے میں اسی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں کیونکہ اصل عبارت کے نقل کرنے میں طوالت ہوگی، عربی کے جاننے والے عربی میں پڑھ سکتے ہیں۔ خدا جزائے خیر دے مجلس علمی ڈابھیل کو جس نے ان چند سالوں میں ان گراں بہا دفینوں کو وقف عام کر دیا ہے۔ بہر حال منجملہ تفہیمات کے ایک طویل تفہیمی مقالے کے بعض اجزا یہ ہیں، جس میں مسلمانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کو ان کے موجودہ حالات پر تنبیہ کر کے آپ نے اصلاح کی راہ سجھائی ہے، مثلاً

سلاطین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے بادشاہو! ملاءِ اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اُس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جُدا نہ ہو جائے، اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں، اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے

جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ
(یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور "دین" صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر
جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمھیں چاہیے کہ ہر تین دن یا
چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو قوی
ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو، اور خدا کے حدود کو قایم کر سکتا ہو، اور اہیں سرگرم ہو
کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں، اور نہ دین
سے مرتد ہونے کی کسی میں جرات باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام
کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے۔ ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح
طور پر ادا کرے۔ چاہیئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنے متعلقہ آبادی
کی اصلاح کر سکتا ہو،

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود
ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہیئے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں جو جنگی مہمات
کا بھی اختیار رکھتے ہوں ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں
سے بھرتی ہو، جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو، اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں،
ہر سرکش و متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو ـــ اے بادشاہو! جب تم یہ
کر لوگے، تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی، کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف
توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کرو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے، جو شرعی قوانین
کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں:؛

اسلامی امیروں کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں،

اے امیرو! دیکھو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں
کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے، ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے ہیں
ـــ کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ تم نہیں دیکھ رہے ہو
کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کیے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے اور
شرابیں ڈھالی جائیں، جوا کھیلا جائے، لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں بدلتے
کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی،
جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری

ذہنی توہتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو، اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اُٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں، اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کردے یعنی زمانہ کے انقلاب کی تعبیر ہے،

فوجی سپاہیوں کو خطاب،

اے فوجیو! اور عسکریو! تمھیں خدا نے جہاد کے لیے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے لیکن جس کام کے لیے تم پیدا کیے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے، اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اپنی دولت میں اس سے اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو — تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو، ڈاڑھیاں منڈواتے ہو، اور مونچھیں بڑھاتے ہو عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اُس کی قیمت ان تک نہیں پہونچتی، — خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس کیے جاؤ گے پھر تمھیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، — تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو، چاہیئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کتراؤ، پنجوقتہ نماز ادا کیا کرو، اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو تمھیں چاہیئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انھیں سیکھ لو مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا — پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو، اور اللہ تعالٰے تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمھیں فتح عطا فرمائے گا۔

عام پیشہ وروں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدار اور سالار کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی انکی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور بانا اختیار کرتے ہیں، خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں، ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے

تم میں بعض صرف شراب خواری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں، اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بدبخت آدمی ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لیے مختلف قسم کے پیشے، اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ جو تمہیں بآسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہونچا دے ــــ لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا ہی برا بچھونا ہے،

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو، اور دن کے بڑے حصّہ کو اپنے پیشہ میں صَرف کرو، اور رات اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لیے پسماندہ بھی کیا کرو۔

تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا۔ تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے،

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے عام طلبۂ علم، اور واعظوں، زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے، مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اے وہ لوگو جو اپنے آباد اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گزشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بنٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے، اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اُسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے۔ اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھیرائے ہوئے ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے کچھ وصول کریں۔ ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں اُن لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے (اللہ و رسول) کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں فتانوں اور اُن لوگوں میں ہے، جو خود فتنہ اور آزمایش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار!! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب، اور رسول کی سنت کی طرف دعوت

نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بُلاتا ہو، اور چاہیئے کہ زبانی جمع خرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو! دیکھو! کیا تمہارے لیئے اللہ تبارک وتعالےٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے

ان ھذا صراطی مستقیماً فاتّبعوہ ولا تتّبعوا السُّبل فتفرق بکم عن سبیلہ	یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گی۔

پھر اس زمانہ کے طلبہ علم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

ارے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے۔ یا سنت ثابتہ قائمہ کا،

چاہیئے کہ قرآن سیکھو! پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اسکے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضو کرنے کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لیئے کس طرح جاتے تھے اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہیئے کہ جو تم پر فرائض ہیں انھیں سیکھو مثلاً وضوء کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرایض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دنوں جن چیزوں میں تم اُلجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ یہ دنیا کے علوم ہیں،

پھر ان ہی طلبہ کو فرماتے ہیں:۔

جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اسی لیئے واجب ہے کہ اسکو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں، اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو،

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے، کہ علما کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں، جو علما سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنھوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کی سوائی معیار پر پورا نہیں اُترتا، گویا دین سے وہ خارج ہے اس گروہ میں زیادہ تر زُہّاد، عُبّاد اور وُعّاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے اس لیئے عنوان کا آغاز ان ہی سے کیا گیا ہے فرماتے ہیں:۔

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں، عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں —— کہ یہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہی، ہر بُری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو (ای اُمت محمدیہ) اس لیئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہونچاؤگے، نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کروگے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس بھی کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہلِ عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھدی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہی —— تم نے وسواس کو اپنے لیئے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے —— حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لیئے جن امور کی ضرورت ہے، بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے خواہ ان کی باتوں کو احسانی خالص اُمور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی،

چاہیئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے، کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہونچایا ہے وہی صرف ہدایت ہی جو آپ کی ہدایت ہے، پھر تم کیا بتا سکتے ہو، کہ جن افعال کو تم کرتے ہو، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے"

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے فرماتے ہیں:۔

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں اے آدم کے بچو! دیکھو! تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آز کا ہوکھا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیئے خوش گوار بنا لیا ہی اور حلال تمہارے لیئے بدمزہ ہو چکا ہی، پھر قسم ہی اللہ کی

اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہیئے کہ تم اپنے شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمھیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو، جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کروگے، تو تمہارے نفوس بالائے فسق کے حدود تک پہونچ جائیں گے، اللہ تعالےٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیئے کہ کھانوں سے کرو، اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو، کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو، تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ تمہارے لیئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمھیں معاش کی بھی راہ سجھائے گا، جو تمہارے لیئے کافی ہوگی،

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو، جس میں وہ آرام کرے اتنا پانی جس سے سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو اور اس کے رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو تو یاد رکھو! کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے۔ چاہیئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستورِ زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے، اور اللہ کی یاد کے لیئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے کم از کم تین وقتوں، صبح، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور سے خیال رکھے، حق تعالےٰ کی یاد، اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لیئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشورا کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو اور مردوں کے لیئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو اسی طرح اور بھی بُری بُری رسمیں تم میں جاری ہیں، جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بُری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھیرا لیا ہے، یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضایع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو، اور جو صحت بخش رو‌ش تھی

اسے چھوڑ بیٹھے ہو،

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دُنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قایم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضایع نہ ہوتیں، تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجتمند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں، ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لیئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں، کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے —— تم کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ تم نے راہ غلط کردی ہے اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجایش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دُشوار کرتا ہے، سپاہیو یہ تمہاری کیسی بُری عادت ہے، —— کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو روزے رکھتے ہیں، لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں،

آخر میں فرماتے ہیں:۔

ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور کے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے، لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کیلیے اس کا نمونہ کافی ہے۔

میں نے قصداً شاہ صاحب کے ان دعوتی پیغاموں کا ترجمہ پیش کیا ہے جس سے اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے ہر طبقہ کی ہندوستان میں کیا حالت ہو چکی تھی، نیز اسی سے حضرت شاہ صاحب کے اندرونی جذبات و احساسات کا بھی سراغ مل سکتا ہے، کہ ان کی نگاہیں کہاں کہاں تھیں اور کن کن چیزوں کو دیکھ رہی تھیں، جو لوگ اُن کی کتابوں کو حنفیت و شافعیت، تقلید و عدم تقلید یا صرف تصوف و کلام سے متعلقہ مباحث تک محدود خیال کرتے ہیں، ان کے لیئے بھی ان تقریروں میں تنبیہ ہے، چاہیئے کہ شاہ صاحب کے خدمات کی قیمت لگاتے ہوئے ذرا زیادہ بلند نظری سے وہ کام لیں،

خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر بھی مسلمانان ہند کو مسلسل الارم دیا جا رہا تھا، اور تشریعی حیثیت سے پیغمبروں کے صحیح جانشینوں کو اُٹھایا جا رہا تھا، جو انھیں بار بار چونکا رہے تھے، جگا رہے تھے، لیکن وہ اپنی جگہ کچھ فیصلہ کر چکے تھے، ان کے بڑوں اور چھوٹوں نے مرنے کا تہیہ کر لیا تھا،

ادھر مرہٹوں کا نازک ترین مرحلہ محض اللہ کے رحم و کرم سے طے ہو گیا تھا چاہیئے تھا کہ آنکھیں کھل جاتیں لیکن شاہ صاحب کے جو کچھ مطالبات تھے، ان میں سر مو فرق نہ ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں فساد کے ایک جرثومہ کی جڑ نکل چکی تھی، بلکہ سچ یہ ہے کہ شاہ غازی ابدالی نے سکھوں کی قوتوں پر بھی مختلف ضربیں ایسی لگائی تھیں کہ پنجاب کے مسلمان اگر چاہتے تو وقفہ کی ان گھڑیوں میں جاگ سکتے تھے، لیکن وہ اسی طرح سوتے رہے جیسے پہلے تھے، گویا ان کو کالا سونگھ گیا تھا،

آخر قدرت کے قوانین جو اٹل ہیں، وہ بھی کام کرتے رہے، ادھر ان اندرونی فتنوں کی شدت میں کچھ کمی ہوئی لیکن شمال مشرق اور جنوب مشرق کے ساحلی کناروں سے وہی قوم جس کے متعلق مسلمانوں کے اہل نعت کبھی یہ لکھا کرتے تھے کہ

انگریز بر وزن رنگریز، نوعے ست از نوع انسانی کہ گاہ گاہ بہ کنار دریا ظاہر می شود۔

انگریز کا لفظ رنگریز کے وزن پر ہے، یہ انسانی نوع کی ایک قسم ہے جو کبھی کبھی سمندر کے کنارے نمایاں ہوتی ہے

تو ان ہی دنوں میں جب پانی پت کے میدانوں میں مرہٹوں کا فیصلہ ہو رہا تھا، قدرت کسی اور فیصلہ کا انتظام کر رہی تھی، بنگال کے ناظم سراج الدولہ کی فوج لارڈ کلیف (المشہور بہ کلایو) کے اس شبخون حملہ سے دل از دست رفتہ ہو چکی تھی، جس میں غالباً پہلی دفعہ چقماقی بندوقوں کے چلانے والوں کو کارتوسی گولیوں کا تجربہ ہوا تھا طباطبائی نے لکھا ہے کہ کلایو اور اس کے ساتھی

ساعتے از شب باقی ماندہ اکثر از کشتی فرود آمدہ از طرف پشت لشکر تفنگ افگناں داخل شدند و فاصلہ در تفنگ نداده قدم بقدم راہ می پیمودند و گولہ تفنگ چوں تگرگ بلا بر سر لشکریاں سراج الدولہ می بارید۔

کچھ رات رہے بہت سے انگریز کشتی سے اتر کر سراج الدولہ کی فوج کے پشت کی طرف سے بندوقیں سر کرتے ہوئے اس کی فوج میں گھس گئے وہ باڑھ مارنے میں وقفہ نہیں دیتے تھے، اور مسلسل مارچ کرتے ہوئے آگے بڑھے چلے جاتے تھے اور بندوق کی گولیاں اولوں کی طرح سراج الدولہ کے فوجیوں پر برس رہی تھیں

ظاہر ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کو "گولہ تفنگ چوں تگرگ" کا پہلی دفعہ تجربہ ہوا تھا، وہاں نہ ڈھال کام آتی تھی، نہ نیزہ، نہ تلوار، اور نہ اس کے ہاتھ اور پینترے نتیجہ یہ ہوا کہ

بمشاہدہ ایں رستخیز کہ نمونہ محشر دراں معسکر آشکارا و نمایاں گشتہ بود دل از دست رفتہ اضطرابے و ہراسے عظیم در خاطر جائے گرفت۔

اس بھاگ دوڑ میں جو قیامت کا نمونہ سراج الدولہ کی چھاؤنی میں قائم ہو گیا تھا، لوگوں کے دل قابو سے نکل گئے۔ دلوں میں سخت خوف اور ہراس نے جڑ پکڑ لی

اگرچہ یہ واقعہ "پانی پت" کے سانحہ سے تین سال پہلے پیش آیا تھا، لیکن تفنگ چوں تگرگ کے مقابلہ کی ہندی سپاہیوں میں پھر کبھی ہمت نہ ہوئی اور بالآخر "پلاسی" کے مشہور میدان میں اس لیئے کہ

میر جعفر خاں و دیگراں کہ باعث ایں فساد و خواہاں شکست سراج الدولہ بودند از دور بطرفیکہ متعین بودند استادہ تماشائے می نمودند۔

میر جعفر خاں اور دوسرے لوگ جو اس فساد کے بانی مبانی تھے اور سراج الدولہ کی شکست کے آرزومند تھے، جس مقام پر متعین تھے دور ہی سے کھڑے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے

جو مقدر تھا وہ پورا ہوا، اپنے نمک حرام طوطا چشم ملازم میر جعفر کا قیدی سراج الدولہ محمدی بیگ سے جو اس کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ

آیا راضی نمی شوند کہ در گوشہ افتادہ زندگی کنم۔

کیا (میر جعفر وغیرہ) اس پر بھی راضی نہیں ہیں کہ کسی گوشہ تنہائی میں پڑا میں زندگی گزار دوں؟

لیکن اس کے باپ اور نانا کے نمک پروردہ محمدی نے سر ہلایا،

و ضربتے چند بر پیکر نازنین او زد بر روی زمین افتاد وگفت بس ست کہ کار من تمام شد و انتقام بانجام رسید

اور چند وار اس کے نازنین پیکر پر اس نے کیے، وہ زمین پر گر پڑا، اور بولا بس کرو میرا کام تمام ہو گیا، اور انتقام اپنے آخری انجام کو پہونچ گیا۔

وہی مرشد آباد جہاں بنگال و بہار و اُڑیسہ کے اس مطلق العنان خود سر بادشاہ کی سواریاں شاہانہ تجمل و شکوہ سے روز نکلا کرتی تھیں آج اس کی

لاش اورا بر ہودج فیلے انداختہ بطور تشہیر در شہر گردانیدند

لاش ایک ہاتھی کے ہودج پر ڈال کر بطور تشہیر شہر میں پھرائی گئی

اور میر جعفر کی کھال اوڑھ کر کرنل کلیف (کلایو) اور اس کے جانشینوں نے کمپنی بہادر کے نام سے سرزمین ہند پر اس تخت کو بچھا دیا، جو آج تک بچھا ہوا ہے

ہندوستان کے مسلمانوں کو الغازی الابدالی جس شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے سپرد کر کے خود قندھار روانہ ہو گئے تھے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے تقریباً دو سال بعد کلایو نے بمقام الہ آباد مشہور

فرمان اسناد دیوانی ہر سہ صوبہ بنگال بہار اڑیسہ بنام کمپنی از وزیر (شجاع الدولہ) و پادشاہ (شاہ عالم) درخواست ..... و چار و نا چار قبول نمودہ بر وفق خواہش او فرامین اسناد نوشتہ دادند،

تینوں صوبے بنگال بہار اڑیسہ کی دیوانی کی سند کمپنی بہادر کے نام وزیر (شجاع الدولہ) اور بادشاہ (شاہ عالم) سے چاہی، اور چار و نا چار دونوں کو قبول کرنا پڑا اور کلایو کی خواہش کے مطابق اسناد کی فرامین لکھے گئے۔

اتنے بڑے بڑے صوبوں کی کل مالگذاری چوبیس لاکھ مقرر ہوئی اور چالیس ہزار سالانہ ناظم بنگالہ کی اخراجات کے لیے طے ہوئے۔ اور

قبولیت بمہر کمپنی کہ دستاویز تعہد مال گزاری ہست داخل دفتر پادشاہی گردید،

کمپنی کے مہر کے ساتھ قبولیت نامہ جو مالگذاری کے معاہدہ کی دستاویز بھی بادشاہی دفتر میں داخل ہوئی۔

بقول طباطبائی اتنا اہم کام اتنی آسانی سے انجام پاگیا۔

کہ بیع وشرائے خربار بردار، وچار پائے رہوار ہم بایں زودی بدون تکرار یکسوئی نمی شود، انفصال وانقطاع یافتہ

کہ کسی بوجھ لادنے والے گدھے، اور کسی چوپایہ کی خرید بھی اتنی جلدی بغیر کسی رد وکد اور تکرار کے طے نہیں ہوتی لیکن یہاں (اتنا بڑا معاملہ) طے پاکر ختم ہوگیا،

"تو تی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء" کی پھر ایک تفسیر گنگا وجمنا کے سنگم پر لکھی گئی، شاہ عالم نام کو ہندوستان کے بادشاہ تھے، لیکن کرنل اسمٹ جوان کی نگرانی کے لیئے الہ آباد میں چھوڑ اگیا تھا اس کا حال یہ تھا کہ

از صداہائے نقارہ ونوبت خانہ پادشاہی کہ در قلعہ بودگاہے ناخوش گشتہ نواختن نوبت شاہی را مانع می شد ومردم نقارخانہ ناچار ممنوع از عمل خود بودند

بادشاہی نوبت خانے کے نقارہ کی آواز سے ناخوش ہوتا تھا اور نقارہ کے بجانے میں مانع ہوا، نقارخانہ والے مجبوراً رُک گئے۔

سچ ہے ؎ تانہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کبھی اپنی شب دراز میں

ان "ٹھیکہ داروں" کی نزاکت دماغ کے اب کیا کہنے تھے ع غنچہ چٹکا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون،

ظاہر ہے دین کا وہ دیوانہ مسلسل پچاس ساٹھ سال سے آسمان کے ان بدلے ہوئے تیوروں کا اندازہ کر رہا تھا اس کی اندرونی تڑپ اور بے چینی کبھی کبھی ابدالی اور حافظ الملک رحمت خاں، شجاع الدولہ اور میر قاسم کی شکلیں بن بن کر نمایاں ہوتی تھیں، لیکن جن کیلئے وہ تڑپتا تھا وہ تو سوئے ہوئے تھے، کیا کرتا، کب تک اپنے جگر کے نالوں سے آسمان کو ہلاتا، آخر عمر میں جب وصیت نامہ ترتیب دینے لگے تو جہاں اور باتیں لکھیں ان میں سب سے زیادہ دردناک وصیت وہ ہے جسے پڑھکر کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے عاصمہ (پایہ تخت) میں بیٹھ کر سلطنت کا ایک عالم لکھتا ہے اور حالات نے جو رُخ پلٹا تھا ان کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند، وصیت نامہ صہ

ہملوگ اجنبی مسافر لوگ ہیں ہمارے باپ دادے اس ملک میں بحالت مسافرت وغربت ہی یہاں داخل ہوئے (اور پھر وہی حالت واپس ہوگئی)

حضرت کے کلام اور مختلف کتابوں سے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اپنی قوم کی اس حالت کا خاص اثر تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی لیل ونہار ہیں تو اس ملک میں اب دین اور اہل دین کا بس خدا ہی حافظ، اور اب اس میں شک کی گنجائش ہی کیا باقی تھی، جو کچھ ہونیوالا تھا، اس کی صبح بلکہ صبح سے بھی زیادہ روشنی طلوع ہو چکی تھی، قوم کی تقدیر ان پر واضح ہو چکی تھی، اور آج ہی نہیں بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ۱۱۴۳ھ میں جب آپ کی عمر تو بیاً

۳۰ سال کی تھی، اچانک آپ کا سفر حجاز کے لئے آمادہ ہو جانا، اور ایسے زمانہ میں اس خطرناک ارادہ پر عمل کر گزرنے کی ٹھان لینا جب بحر عرب اور بحر ہند و بحر احمر کے تمام سواحل پرتگیزی و لندیزی قزاقوں اور فرانسیسی و انگریزی تاجر صورت ملک گیروں کی بحری ترکتازیوں کے جولانگاہ بنے ہوئے تھے، علانیہ حاجیوں کے جہاز لوٹے جاتے تھے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، یوں بھی شمالی ہند سے جنوبی ہند کے علاقوں کو طے کر کے سورت کی بندرگاہ تک پہونچنا آسان نہ تھا، خشکی میں ہر جگہ خصوصاً صوبجات متوسط اور مالوہ گجرات جو بندرگاہ کے راستہ پر واقع تھے مرہٹوں کی شورشوں کی خصوصی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، تاہم شاہ صاحب راہ کی ان تمام دشواریوں کے باوجود عزم حجاز کو پورا کر کے رہے۔ راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں بھی چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب "یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب" کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے، جس کے یہ معنے ہیں کہ گویا ایسے آدمی کا بچ کر خطرہ سے نکل آنا ایک اعجوبہ روزگار بات تھی، بہر حال میرے نزدیک علاوہ حج و زیارت اور دوسرے مقاصد کے ایک بڑا محرک جیسا کہ آئندہ بھی اس پر کچھ بحث کی جائے گی مسلمانان ہند کے تاریک مستقبل کا احساس بھی تھا جس کی امت سرزمین ہند میں اس حال میں گرفتار ہونیوالی تھی کچھ ان تک خبر پہونچائی تھی، اور جہاں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں وہاں بھی کچھ عرض کرنا چاہتے تھے، اسی سلسلہ میں ان کو مکہ معظمہ میں وہ خواب دکھلایا گیا جس کا ذکر گزر چکا، اور مدینہ منورہ میں یہ سرفرازی نصیب ہوئی، کہ خود ختمی مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اس بشارت سے مفتخر فرمایا کہ

ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامۃ المرحومۃ بک ص۶۲ فیوض

تمہارے متعلق خدا کا ارادہ ہو چکا ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ سے کی جائے

میرے خیال میں یہ ہندوستان ہی کی امت مرحومہ تھی، جس کی پراگندگیوں کی تنظیم کا کام ایک خاص الٰہی تدبیر کے حضرت اور حضرت کے دودمان، اور "ذریات طیبات" سے لیا گیا، اس مضمون کو کسی آئندہ مناسب مقام پر ذرا تفصیل سے انشاء اللہ عرض کروںگا، بالفعل یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب شاہ صاحب ہندوستان کو چھوڑ چکے تھے اور ایک دوسری صورت بھی آپ کے سامنے تھی، یعنی اپنی اس مسافرت اور غربت کا ازالہ، جس کا احساس انھیں اس ملک میں ہو چکا تھا تو یوں بھی تو کر سکتے تھے کہ بجائے غربت اور مسافرت کی مصیبت کے ملک حجاز ہی میں وہ رہ پڑتے۔ کیونکہ گو ان ممالک کی خیر بھی نظر نہیں آرہی تھی، اور مسلمان جن علاقوں کو اب تک اپنا وطن سمجھ رہے تھے مستقبل کی گھڑیوں پر نظر رکھنے والے وہاں بھی "ان کی غربت" اور "مسافرت" کو دبے پاؤں آتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن پھر بھی،

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اب شبلی کہاں جائیں ۔ کہ اب امن و امان شام و نجد و قیرواں کب تک

کی حالت پیدا نہ ہوئی تھی، بالخصوص سرزمین حجاز تو ترکی اور مصری سلطنتوں کے بیچ میں بہت کچھ قابل بھروسہ تھی، پھر اس مقدس ملک میں آپ کو قیام کا بھی کافی موقعہ ملا۔ مختلف مقامات میں آپ کو مختلف اشارے بھی ہوتے رہے اور طرح طرح کے مکاشفے مختلف رنگوں میں ہوئے، مگر ان میں کسی جگہ بھی آپ کو اس کا ایماء نہ کیا گیا، کہ ہندوستان کی واپسی کا

ارادہ ترک کردو، یہی نہیں بلکہ آپ کے بعض متوسلوں نے ہندوستان کی ان حالتوں کو دیکھ کر جب چاہا کہ حجاز سے واپس نہ ہوں، اور وہیں رہ پڑیں اور مشورۃً شاہ صاحبؒ کو اس بارہ میں خط لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ

واما عزم ترک الرجوع الی الوطن فلا تستبدلہ بہ حتی یشرح اللہ صدرکم او صدر رجل لاجلکم (مکاتیب حیات ولی ص۲۹۱)

اور یہ ارادہ کہ وطن کی طرف اب واپس نہیں ہونا چاہیئے تو اس پر اصرار نہ کرو، جب تک خود تمہارا سینہ نہ کھل جائے۔ یا کسی اور شخص (یعنی خود شاہ صاحبؒ) کو شرح صدر تمہارے لیئے نہ ہو جائے

بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "امت مرحومہ" کے جس طبقہ کے شمول کے "اجتماع کی آپ نے بشارت پائی تھی اُس کے لیئے بہر حال اسی "عالم غربت" میں مرنا اپنے لیئے پسند کرتے تھے، حتٰے کہ حالات جب روز بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے تھے اور آپ کو اس کا یقین ہو گیا، کہ اب اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی، اور بہر حال غیر اسلامی قوتوں کا اس پر اقتدار قایم ہی ہو جائے گا، تو اب چاہے آپ اسے اپنے دل کی تسلی خیال کیجیئے، یا جہاں اور بہت سی چیزیں انھوں نے "غیبی اشارات" کے تحت لکھی ہیں، اس کا بھی اعلان کسی گمان غالب کے تحت میں نہیں بلکہ یقین واعتقاد کی صورت میں کیا ہے،

والذی اعتقد انہ ان اتفق غلبۃ الھنود مثلا علی اقلیم ھندوستان غلبۃ مستقرۃ عامۃ وجب فی حکمۃ اللہ تعالی ان یلھم رؤساھم التدین بدین الاسلام ص۱۰۳

اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ ہے کہ اگر مثلاً ہندوں کا ہندوستان کے ملک پر تسلط قایم ہو جائے اور یہ تسلط مستحکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو جب بھی اللہ تعالٰی کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندو ملک کے سرداروں اور لیڈروں کے دل میں یہ الہام کرے کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنالیں

غالباً آپ کی یہ تحریر "پانی پت" کے تقدیری فیصلہ سے پہلے کی ہے اور اسی لیئے خاصکر اُسی قوم کے تسلط کے خیال کو انھوں نے تمثیل کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بہر حال ہندوستان کے متعلق

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اُن کا نظریہ بلکہ عقیدہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ غالباً اس نظریہ کے موجد اوّل بھی وہی ہیں کیونکہ انھیں نے لکھا ہے کرکما الھم الترک، یعنی جیسے ترکوں کو قبول اسلام کی الہامی توفیق ہوئی اور جو اسلامی جھنڈے کو سرنگوں کر رہے تھے خود اس کے آگے سرنگوں ہو کر صدیوں اسلامی علم کے دنیا میں تنہا علم بردار رہے،

لیکن باوجود اس خیال کے کہ "غربت و مسافرت" کی حالت میں بھی سرزمین ہند کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے اس کا خیال کبھی نہیں پکایا کہ بجائے عرب کے اپنا مرکزی تعلق بھی ہم ہندوستان ہی سے قایم کرلیں، اپنی اسی وصیت میں شدت کے ساتھ اصرار لکھتے ہیں،،۔

مارا لابد ست کہ بحر ہیں محتر ہیں رویم و روئے خود را برآں آستانہا مالیم۔	ہم مسلمانوں کے لیئے ناگزیر ہے کہ حرمین محترمین ہم جایا کریں اور اپنے چہروں کو اُن آستانوں پر جاکر ملا کریں،

اور آخر میں ڈونک قطعی فیصلہ کی صورت میں ارتام فرماتے ہوئے نظریہ "وطنیت" کی جو واقعی جڑ ہے اُس پر تیر لگاتے ہیں:۔

سعادت ما ایں ست و شقاوت ما در اعراض ازیں	ہماری سعادت اور کامیابی اسی میں ہے اور ہماری بدبختی و شقاوت اس مسلک سے روگردانی اور اعراض کرنے میں ہے

کس قدر عجیب بات ہی، آج "ہندی قومیت"، "انڈین نیشنلیٹی"، کی راہ کا جو سب سے بڑا کانٹا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمان جسم کو اپنے تو رکھتے ہیں ہندوستان میں لیکن دل اُن کا رہتا ہی مکہ اور مدینہ میں. کہا جاتا ہی اور علانیہ کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ ڈوری کاٹ نہیں دی جائیگی اس ملک میں "صحیح وطنیت" کا جذبہ کبھی بار آور نہیں ہو سکتا اور سچی بات بھی یہی ہے، کہ وطن پرست ہی نہیں بلکہ ایک اچھے وطن دوست کے لیئے بھی یہ بات دنیا کی نظر میں قابل تعجب ہو سکتی ہے اور ضرور ہو سکتی ہے کہ رہتا ہے وہ ہندوستان میں اور ہر تھوڑی دیر بعد وہ سر جھکاتا ہے اُس خطہ کی طرف، اُس ملک کی طرف، اُس سمت کی طرف، اور اُس قبلہ کی طرف، جو ہزاروں میل دور سمندر پار ایک ریگستان میں ہے، "وطن پرستوں" کے نزدیک تو یہ طریقہ غلط اور اتنا غلط ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے لیکن وطن دوستوں کے ایک حلقہ میں بھی اس کی لاسود کوشش جاری ہے کہ دونوں نظریوں میں تطبیق دی جائے اور "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ"، کے قدرتی قانون کو توڑ کر چاہا جاتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے سینے میں دو دِل بنا دیئے جائیں، ——— ایک الٰہ والے آخر کسی دوسرے الٰہ کا اضافہ اپنے معبودوں مطلوبوں مقصودوں میں کیونکر کریں۔

بہرحال جس کی جو سمجھ میں آرہا ہے کر رہا ہی اور ذاتی طور پر میں ان خیالات میں سے کسی خیال کی ترجیح کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کا خیال یہی تھا کہ مسلمانوں کی ساری سعادت اسی میں ہی کہ وہ اپنا مرکز حرم کی زمین پاک ہی کو بنائے رکھیں، اور ان کی پوری بدبختی یہی ہے کہ کسی حیثیت سے بھی وہ ان دونوں مقدس مقاموں سے الگ ہو جائیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی مختلف کتابوں کے مختلف مقاموں پر منجملہ چند کلی امور کے شاہ صاحب جس پر بالکل بے اختیار ہو کر بپھر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ "مسلمان خواہ کسی ملک میں اپنی ابتلائی زندگی گزاریں لیکن بہرحال اپنی وضع قطع اور طرز بود و ماند میں اُن کو اس ملک کے مقامی باشندوں سے قطعاً جدا رہنا چاہیئے۔ اور جہاں کہیں رہیں اپنی عربی شان اور عربی رجحانات ہی میں ڈوبے رہیں، اسی وصیت میں فرماتے ہیں، اور اپنے اس خیال کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

عربیت نسب، عربیت لسان، ہر دو فخر ماست کہ	عربی نسل عربی زبان، یہ دونوں چیزیں ہماری لئے فخر ہیں کہ

مارا بسید الاولین و الآخرین وافضل انبیاء و مرسلین دفخر موجودات علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والتسلیمات نزدیک می گردانند۔

انھیں دونوں نسبتوں سے ہم سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوت والتسلیمات سے نزدیک رہتے ہیں،

پھر اس کے بعد وہ صراحت کرتے ہیں کہ:۔

شکر نعمت عظمے آں ست کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اول کہ منشاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم است را از دست ندہیم۔

اس سب سے بڑی نعمت کا شکر یہی ہے کہ حتی الوسع عرب اول کے عادات و رسوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا رہی اس کو ہم اپنے ہاتھوں سے نہ چھوڑیں۔

شاید ہمارے ہی بعض حلقوں میں قیامت کا شور برپا ہو جائے گا اور ڈنڈ مچایا جائے گا، جب ان کو سنایا جائے گا کہ یہی امام ولی اللہ جن کو ہندی نیشنلزم اور "قومی پالیسی" کے پہلے علمبردار لیڈر ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اپنی اسی وصیت میں آگے فرماتے ہیں کہ

رسوم عجم وعادات ہنود را در میان خود نگذاریم

عجم (غیر عربی اقوام) کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتوں کو چاہیئے کہ ہم اپنے اندر کسی طرح باقی نہ رکھیں،

اب للہ مجھے بتاؤ کہ جب شاہ صاحب ہی کا نام لے کر مسلمانوں کو لباس، اور وضع قطع تک میں غیروں کے قدم بقدم چلنے کا مشورہ دیا جائے اور مجھے اس پر حیرت اور غصہ ہو تو کیا قصور وار میں ہی ہوں؟

انصاف! انصاف!! اے اہل انصاف! للہ انصاف!!!

اور اسی ایک جگہ نہیں "زی الاعاجم" (غیر عربی اقوام کے فیشن) سے متعلق "ایاک ایاک" کی صدا شاہ صاحب نے اپنے کس کتاب میں نہیں لگائی ہے۔ آپنے ایک مکتوب میں اس کا اندازہ کر کے کہ "وضع و قطع" یا "فیشن کی تبدیلی کا عارضہ پہلے کھاتے پیتوں اور ان ہی لوگوں کو پکڑتا ہے، جو تھوڑی بہت معاشی فراغبالی رکھتے ہوں جس کا شاہ صاحب کو تو فقط اندازہ ہوا تھا، اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا تماشا کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں "امیروں" کی حقیقت پر "تعلیم یافتگی" کی چادر اڑھا دی گئی ہے، اور جب ارباب ثروت و فراغت کا اب ذکر آتا ہے تو عموماً لوگوں کا ذہن پرانے جاگیرداروں، اور زمینداروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، حالانکہ مدت ہوئی کم از کم مسلمانوں میں تو اس طبقہ کا گویا خاتمہ ہو چکا ہی" اور اب ان کی جانشینی کا کام وہی لوگ انجام دے رہے ہیں، جو کسی نہ کسی حیثیت سے موجودہ حکومت کے متوسلین میں ہیں، ان میں وہ سارے عوارض پیدا ہو چکے ہیں، جو عموماً امیروں اور امیرزادوں کے ساتھ خاص ہیں، لیکن ایک لفظ "تعلیم یافتہ"، بول کر خود وہی نہیں بلکہ دوسرے بھی ان کو امرا و اغنیا کے جرگہ سے باہر کر دیتے ہیں، اور اب جو کچھ امیروں کے متعلق سنایا جاتا ہی سمجھتے ہیں اور غلط سمجھتے ہیں کہ اس کا نشانہ "تعلیم یافتوں" کا معاشی وسعت رکھنے والا گروہ نہیں ہے، بہرحال شاہ صاحبؒ نے اس خط میں چند خاص طبقات سے مکتوب الیہ کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہی۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

نایاک... وغنی طاغ یتکلف زی الاعاجم
ویتداخل فی مضاربۃ الحماجم (صفحہ ۲۹)
(منقول از حیات ولی)

خبردار! بچے رہنا، اس تونگر امیر سرکش سے جو خواہ مخواہ
غیروں (عجمیوں) کے فیشن کو زبردستی اختیار کرتا ہے
اور جو لوگ صحیح راہ سے منحرف ہیں ان سے برابری اور
مقابلہ کے میدان میں گھسا پھرتا ہے

موجودہ اصطلاح کے "تعلیم یافتوں" اور پرانے محاورہ کے تونگروں امیروں میں یہ دونوں خصوصیات کتنے بہتر طریقے پر پائی جاتی ہیں، لیکن شاہ صاحب بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ آئندہ دنوں میں ارباب غنا و ثروت تو اپنی امارت و تونگری کی وجہ سے بہ تکلف زبردستی غیروں کی ریس کرینگے، لیکن جو غربت کی وجہ سے اس مرض سے محفوظ رہیں گے، ان کے سر اُن ہی کی امامت اور قیادت کے نام سے غیروں کے لباس اور معاشرت کو منڈھنے کی کوشش کی جائیگی' فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس قصہ کو مختصر کرکے میں پھر اپنے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، یعنی بہرحال شاہ صاحب کے گزشتہ بیانات سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ان مصائب کو دیکھتے ہوئے بھی، اور اس کا بھی اندازہ لگاتے ہوئے کہ زوال کی یہ حالت ابھی دور تک جائے گی شاہ صاحبؒ نے "ہندوستان" چھوڑنے کا ارادہ کبھی نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس کا مشورہ دیا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے کروڑوں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر محض اپنی تن آسانی کے لیئے ملک سے باہر نکل جائیں، گویا

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں — کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

حالانکہ جب زندگی ابتلائی کشمکشوں ہی کا نام ہے، اور جو بھی جہاں کہیں بھی جس حال میں ہے وہ

ع — "زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے" — کی چیخ میں مبتلا ہے۔

حتیٰ کہ ایک ملک، ایک مذہب، ایک رنگ، ایک معاشرت، رکھنے والا یورپ آج جن قیامت خیز مصیبتوں کا شکار ہے اُس سے زیادہ کا تو شاید تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور آج کیا، کب ایک ایک صدی بھی با ایں ہمہ اتحاد و اشتراک، و تعلیم و تہذیب و رواداری اس ملک میں خون کی ندیاں نہیں بہی ہیں، سروں کو گردنوں سے نہیں اُڑایا گیا ہے اپنے ہی ہم مذہبوں نے خود اپنے مذہب والوں کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں کیا ہے، گھروں میں آگ نہیں لگائی ہے، مال و دولت کو تاخت و تاراج نہیں کیا ہے — ہاں تو پھر "تم خیرا" کے یہ خیالی منصوبے پکانا کہ یہاں سے چھوڑ کر دوسری جگہ جب چلے جائینگے تو عافیت نصیب ہوگی، اور جس آسمان کے نیچے یہاں ہیں کسی دوسری زمین میں وہ آسمان بدل جائے گا خام خیالی نہیں تو کیا ہے؟ — بلاشبہ بعض اوقات خاص حالات میں قومیں اس فعل پر بھی مجبور ہوئی ہیں، اور مجبوری ارادی نہیں بلکہ مجبوری ہی کی شکل میں آتی ہے، اس وقت اس پر عمل ناگزیر ہو جاتا ہے، اور ایسی حالت میں عمل نہ کرنے والے اپنے قومی و ملی خصوصیات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن ہر تھوڑی پریشانی کے بعد پیٹھ پھیر کر مورچہ چھوڑ دینا۔ اور اسی کو عقل و رائے کا حکم قرار دینا میرے خیال میں بزدلی ہی نہیں، بلکہ ان لاکھوں بلکہ کروڑوں بے کسوں، کمزوروں کے ساتھ غداری بھی ہے،

جنھیں دشمنوں کے پنجوں میں پھڑ پھڑانے کے لیئے چھوڑ دیا جائے۔ حتے الوسع حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اور اپنے سے زیادہ ان بے وسیلہ غریب ہم قوموں کا خیال کرنا چاہیئے، جو اپنے اندر بھاگنے کی سکت بھی نہیں پاتے ———
میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اسی خیال سے ہندوستان کے چھوڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا، اور اپنے کو اس حد تک راضی کر لیا کہ اگر خدانخواستہ اس پر ہنود کا عام اور تمام دخل و قبضہ بھی ہو گیا تو اس وقت بھی ان کو یقین تھا جیسا کہ پہلے بھی یقین دلایا گیا ہو کہ "وہی نہیں جن پر ہم گرتے ہیں بلکہ وہ بھی جو ہم پر گریں گے، ان کو چکنا چور ہونا پڑیگا" اسلام کی ساری تاریخ بجائے پہلی صورت کے دوسری صورت کی شہادتیں اپنے اندر زیادہ تعداد میں رکھتی ہے۔ عرب گرا چور ہوا، ایران گرا بھسم ہو گیا تتری ہم پر ٹوٹے ان کو ٹوٹنا پڑا ترک چھپٹے، لیکن ہم ہی نے ان کو اپنے چھپٹے میں لے لیا ——— اور یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ ہمارا نصب العین صرف خود ہی جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسروں کے جلانے کا کام بھی تو ہمارے سپرد ہے، اور بقول حضرت شاہ صاحب کے "ختم نبوت" کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہو کہ پہلے تو شخصی انبیاء اٹھائے جاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں جب ایک امت ہی "اخرجت للناس" کی سند لے کر دنیا کے لیئے اٹھائی گئی تو پھر اب فالتو نبوتوں کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے، قرآن میں متعدد جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور نگرانی کو اس کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہو کہ ہم بھی "شہداء علی الناس" (دنیا کے انسانوں) کے نگراں بنے رہیں، ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس عہدہ سے ہٹنے کے ساتھ ہی اپنے رسول کی شہادت و نگرانی سے ہم محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ جس دن سے ہمارا رخ عام انسانوں سے ہٹ کر صرف اپنی جماعت تک محدود ہو گیا ہے۔ دن بدن ان نگرانیوں کی برکات سے ہم محروم ہوتے چلے جاتے ہیں جو النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے لازمی نتائج ہیں۔

کیا کروں بات میں بات نکلتی چلی آتی ہو، قلم کو روکتا ہوں لیکن یہ خیال کر کے کہ پھر موقعہ ملے نہ ملے، جو کچھ اپنے اندر ہو دوسروں تک پہونچا دیا جائے، جذبات دبانے سے نہیں دبتے اور سلف کے حالات سننے یا سنانے کا مقصد بھی صرف سننا یا سنانا نہ ہونا چاہیئے ماضی سے مستقبل کی تعمیر میں اگر کچھ مدد مل سکتی ہو، تو پھر یہ کام کی بات ہے ورنہ بجز ایک دلچسپ داستان کے وہ اور کیا ہو،

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان ہی میں قیام کا ارادہ طے کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یقیناً اپنی عمل کا کوئی پروگرام بنایا، اگرچہ بہ تفصیل انھوں نے اپنے دستور العمل کے ضوابط کو کسی جگہ قلبند نہیں فرمایا ہو لیکن پھلوں سے بھی درختوں کی نوعیت کا پتہ چلایا گیا ہے، خود جس کا عمل اس کے منصوبہ کی فہرست اگر ہمارے سامنے پیش کرتا ہو تو ہمیں اس کے سمجھنے اور پڑھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے،

بہر حال میں نے جہاں تک غور کیا ہو اور شاہ صاحب کی کتابوں کی کثرت مطالعہ نے جن نتائج تک مجھے پہونچایا ہو اس کا خلاصہ میرے الفاظ میں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانہ کے مختلف فتنوں کو دیکھ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے گویا ٹھیک "اطیب النغم" میں جو شاہ صاحب کا پہلا شعر ہو،

کان نجوماً اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی او رؤس العقارب

(ترجمہ) تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیاگوں کی آنکھیں ہیں بچھوؤں کے ہیں

وہ سماں ہندوستان میں اُن کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا، انھوں نے اندازہ کر لیا تھا اور وہ نہ کرتے تو کون کر سکتا تھا

کہ اب بنے رہو گے تم اس ملک میں یہاں کب تک

بہ دیر یا بسویر رہی سہی نام نہاد اسلامی حکومت کے خاتمہ کا وقت قریب آچکا ہے، ان کے سامنے سوال آتا ہوگا، کہ آخران کروروں مسلمانوں کا انجام کیا ہوگا، معاش کا کفیل تو خیر "رزاق مطلق" ہے جب تک جو جینا ہے ذوالقوۃ المتین بہر حال اس کا انتظام کسی نہ کسی شکل میں کرہی دیا کرتا ہے اور یوں قناعت کی راہوں کو چھوڑ کر کوئی سینہ کوبی ہی پر مصر ہو تو آج انگلستان جو نہ صرف سیاسی قوتوں کے ذریعہ سے دنیا کے آباد ترین پیداواروں کا تنہا خرمن ہے، بلکہ تجارت صنعت حرفت قمار۔ لوا الغرض مالی انتفاع کے ممکنہ وسائل کی کنجیاں ساری روئے زمین کی اسی کے ہاتھ میں ہیں اور کس انگلستان کا یہ حال ہے جو اپنے طول و عرض میں بنگال کے کسی متوسط درجہ کے ضلع سے بھی بہت زیادہ بڑا نہیں ہے آبادی بمشکل صرف چار ساڑھے چار کروڑ تک پہونچتی ہے، لیکن با ایں ہمہ ان چار کروڑوں میں تقریباً دو کروڑ لیبرس اور مزدوروں کی "پیٹ" "پیٹ" کے شور سے آسمان تھرا رہا ہے —— آئے دن حکومت والوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں، کھڑکیاں توڑی جاتی ہیں، اور جو کچھ ہوتا رہتا ہے روزناموں کے تاروں میں اس کی خبریں چھپتی رہتی ہیں، بھلا جس ملک کو خود آزادی ہی حاصل نہیں ہے بلکہ بیسیوں ممالک و اقالیم کی آزادیاں بھی اسی کی آزادی میں ہضم ہو چکی ہیں، سیاستہً بھی تجارۃً بھی صنعۃً بھی حرفۃً بھی —— اور اس کے سوا ہر راہ سے ہر چیز ہر قوم کی اسی انگلستان کے باشندوں میں فنا ہو رہی ہے جب اس کا یہ حال ہے تو جن کا یہ خیال ہے کہ صرف غیروں سے آزاد ہو کر یا نیم آزاد ہو کر ہم بتیس کروڑ انسانوں کی "آدا شکم" کو قناعت کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ حرص و آز کی بھٹیوں کو بھڑکا کر دبانے میں کامیاب ہوں گے ان کے اس خیال کو خواب و خیال کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آج جو حضرات عوام کو اپنے جھنڈوں کے نیچے پیٹ بجا بجا کر بلا رہے ہیں اور دنیا کو یہ بتلا اور سمجھا رہے ہیں کہ انسان کے لئے سب سے مقدم اور اہم پیٹ کا مسئلہ ہے اور اعضاء انسانی میں عضو رئیس بس معدہ ہے ان کو "فکر معقول" سے کام لینا چاہیئے، کہ جس راہ پر آدم کی اولاد کو وہ لئے جا رہے ہیں یہ ترکستان جا رہی ہے یا کعبہ پہونچائے گی۔

بہر حال میرے نزدیک شاہ صاحب کے سامنے مسلمانوں کے "شکم" کے غم سے زیادہ زندگی کے اس "سوال اہم" کا "اہم" تھا، جس کے جواب کے بغیر اس دُنیا کی ہر زندگی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو انجام کی درستی کے لئے "آغاز" کا جو دستور خدا کی طرف سے پہونچایا تھا، شاہ صاحب دیکھ رہے تھے، کہ مسلمانوں کو اس پیغام سے جو تعلق ہے ان فتنوں کی پہلی زد قدرتاً اسی تعلق پر پڑے گی، اب تک تو ہر مسلمان علاوہ موروثی مسلمان ہونے کے "علی دین ملوکہم" کے قانون کے تحت بھی مسلمان ہی رہنے میں فائدہ محسوس کرتا تھا بلکہ غیروں میں بھی کتنے تھے جو اپنے نامسلمان ہونے پر اس زمانہ میں پچھتاتے تھے، لیکن جب "ملوک" بدل جائیں گے اور افسدوھا[1] وجعلوا اعزۃ اھلھا

---

[1] قرآن کی آیت ہے ملکہ سبا نے کہا تھا کہ وسلاطین جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو بگاڑ دیتے ہیں اور ملک کے عزت والوں کو خوار و ذلیل کر دیتے ہیں ۱۲

اذ لہ وکذالک یفعلون" کے مستمر قاعدہ کی بنیاد پر اس وقت اسلام سے وابستگی کا یہ "ملوکی" ذریعہ بھی باقی نہ رہے گا، سوال یہی تھا کہ پھر اسلام اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن مبارک کے ساتھ بندھے رہنے کی ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا شکل ہوگی۔

دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان میں مذہب اسلام کی تعلیم و تعلّم اور نشر و اشاعت کے جو ذمہ دار ہیں، ان کے دونوں طبقوں (یعنی مذہب کے ظاہری رسوم و عام عقائد کے محافظ جنھیں عموماً علماء کہتے ہیں اور مذہب کی واقعی روح اور اس کے باطنی مقاصد کے علم بردار جنھیں صوفیہ اور مشائخ کہتے ہیں) دونوں گروہوں کا اس زمانہ تک پہونچتے پہونچتے عجب حال ہو رہا تھا، شاہ صاحب کے جس "پیغام" کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد کے علما کی کیا حالت تھی کہ ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

اشتغلتم بعلوم الیونانین وبالصرف والنحو والمعانی | تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں الجھے ہوئے ہو

اور یہ تو عام علما کا حال تھا، خصوصیت کے ساتھ جنھیں علماء دین کا لقب حاصل تھا اور فلسفہ و منطق سے وہ کارہ تھے جن کا نام فقہا تھا ان کی یہ کیفیت تھی، کہ دین کے حقیقی سرچشموں قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے اقوال تک سے بہت دور آگے نکل کر ہر وہ چیز جو فقہ کے نام سے کسی کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی انکے نزدیک "وحی محکم" اور "نص قطعی" کا درجہ حاصل کیے ہوئے تھی، اپنی مشہور کتاب الانصاف میں فقہاء عصر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

فالفقیہ یومئذ ھو الثرثار المتشدق الذی حفظ اقوال الفقہاء قویہا وضعیفہا من غیر تمییز وسردھا بشقشقۃ شدقیہ (۹۳)

اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو، زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو، جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے کس میں نہیں ہے وہ انھیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے۔

اسی گروہ کے متعلق دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ان کی بے تمیزیوں کا یہ حال ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ ان کے تلامذہ اور بعد کے علماء کے اقوال تک میں فرق نہیں کر سکتے،

وبزعم ان جمیع مالیوجد فی ھذہ الشروح الطویلۃ وکتب الفتاوی الضخمۃ فھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ ولا یفرق بین القول المخرج وبین ماھو قول فی الحقیقۃ ولا یحصل معنی قولھم علی تخریج الکرخی کذا وعلی تخریج الطحاوی کذا ولا یمیز بین قولھم جواب المسئلۃ علی قول ابی حنیفۃ کذا

(یعنی اس زمانہ کے فقیہوں کا) خیال یہ ہے کہ طویل و ضخیم شرحوں اور فتاوی کی کتابوں میں جو مسائل پائے جاتے ہیں، یہ سارے کے سارے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ہیں، (یہ مسکین فقیہ) اس کی تمیز نہیں رکھتا کہ جو باتیں ائمہ کے اصول کی بنیاد پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن میں اور جو واقعی ان کے اقوال ہیں ان میں کیا فرق ہے، وہ بیچارا فقہ کی یہ اصطلاح بھی نہیں سمجھتا جو لکھتے ہیں کہ فلاں بات کرخی کی

وعلی اصل ابی حنیفۃ کذا ۔ (۸۶) | تخریج پر مبنی ہو، یا طحاوی کی تخریج سے اس کا تعلق ہے

اسی طرح یہ قول کہ ابو حنیفہ کے قول پر مسئلہ کا جواب یہ ہو اور ابو حنیفہ کی اصل پر جواب یہ ہے، ان دونوں قولوں میں ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی اور یہ بیچارے ان میں کوئی فرق نہیں جانتے۔

اس قسم کی واقعی تنقیدوں سے ان کی کتابیں معمور ہیں، ماسوا اس کے اسی طبقہ میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو

نہضوا لطلب العلم توصلا الی العز ودرک الجاہ فاصبح الفقہاء بعد ما کانوا مطلوبین طالبین وبعد ان کانوا اعزۃ بالاعراض عن السلاطین اذلۃ بالاقبال علیہم (۸۱) | طلب علم کے لیئے اس لیئے آمادہ ہوئے تاکہ علم کو اپنی عزت اور جاہ کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں، نتیجہ اس کے بعد یہ ہوا کہ فقہا، جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہو گئے اور سلاطین اور بادشاہوں کے دربار سے الگ رہنے

کی وجہ سے جو معزز شمار کیئے جاتے ہیں، اب بادشاہوں کے آستانوں پر وہ جھک کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

دین کے ان غاشیہ برداروں کو شاہ صاحب دیکھ رہے تھے، اور ان کا سینہ شق ہوا جاتا تھا "ملوکی" رابطہ کے ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کو ان کے صحیح دین پر باقی رکھنے کی ایسوں سے کیا توقع ہو سکتی تھی، پھر کچھ ہی دن پیشتر ان ہی دنیا طلب علماء کے ہاتھوں اکبر کے دربار میں اسلام کا جو ہنجار ہو چکا تھا اس کا نقشہ بھی شاہ صاحب کے پیش نظر تھا،

دوسری طرف صوفیہ اور مشایخ کی جو کیفیت تھی شاہ صاحب کے درد مند دل کے لیئے وہ صرف اذیت اور دکھ ہی بنی ہوئی تھی، کیونکہ علماء سے زیادہ غریب مسلمانوں پر اس زمانہ میں خصوصاً ہندوستان میں ان ہی کا اثر غالب تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر مسلمان ان ہی کے ہاتھوں میں سپرد کر دیئے گئے، تو یہ ان کو کہاں لے جا کر غرق کریں گے اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:-

کرامات فروشاں ایں زماں ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمات ونیرنجات را کرامات دانستہ اند | کرامتوں کے بیچنے والے اس زمانہ میں سب کے سب (بجز اس کے جسے خدا چاہے) اپنی طلسماتی کارروائیوں اور علم نیرنج کے نتائج کو کرامات سمجھ بیٹھے ہیں۔

پھر اس کی تفصیل کرنے کے بعد کہ آدمی طلسمی قوانین، اور علوم نیرنجات کے زور سے کس کس قسم کے "خوارق" دکھا سکتا ہے آخر میں فرماتے ہیں، کہ

واعمال جوگ کہ بعضے ملاخطات جوگیہ را خاصیتے تمام در اشراف وکشف | اور جوگ کی بعض تدبیریں، کیونکہ جوگیوں کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دوسرے کے دل کی حالت پر فی الجملہ اطلاع یا کشف وغیرہ سے خاص تعلق ہے۔

جن لوگوں نے شاہ صاحب کے متعلق خیال قائم کیا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے براہمہ اور جوگیہ کے فلسفہ ویدنت اور فلسفہ یوگا کو اسلامی حقائق سے مخلوط کر کے ایک "جدید ہندی دین" کی بنیاد ڈالی ہے، کیا ان کی نگاہوں سے یہ

اور اس قسم کی بیسیوں عبارتیں نہیں گزری ہیں، شاہ صاحب نے صاف کھل کر لکھدیا ہے کہ

بسیارے از سادہ لوحاں دیدہ ایم کہ چوں ایں اعمال از شیخ فراگرفتہ انداں را عین کرامات می دانند،

ہم نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ کسی شیخ سے جب اس قسم کے عمل وغیرہ کو سیکھ چکتے ہیں تو ان ہی باتوں کو ٹھیک کرامت قرار دیتے ہیں،

لیکن واقعہ یہ ہے کہ

صلاح و فجور مقبول بودن یا مردود بودن دریں جا ہیچ فرق پیدا نمی کند۔

نیکوکاری یا بدکاری اسی طرح مقبول ہونا یا مردود ہونا اس معاملہ میں اس اختلاف حال سے کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی

ان روحانی ورزشوں سے یہ نتائج ہر ایک میں پیدا ہوتے ہیں خواہ شقی ہو یا سعید

خصوصًا جو زمانہ شاہ صاحب کا تھا، طرح طرح کے طریقے، اور نئی نئی شکلوں میں تصوف پیش ہو رہا تھا، آپ ہی کے عہد میں دلّی کا وہ مشہور مردود معروف بہ ——— "نودو انمود" ——— ایک خاص بھیس میں ان ہی طلسمی نیرنجاتی جوگیاتی طریقوں کو سیکھ کر نمودار ہوا تھا جس نے ایک خاص زبان اور اس کے قواعد ایجاد کیئے تھے، اور اپنے ایک ساتھی کو محرم اسرار بنا کر ——— "آفوزہ مقدسہ" ——— نامی کتاب کے الہام کا دعویٰ کیا تھا، مدعی تھا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک اور لاہوتی عہدہ ہے، جس کی تعبیر وہ "بگوگت" کے لفظ سے کرتا تھا، کہتا تھا کہ ہر اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ ہمیشہ نو بگوک ہوا کیئے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نو ہی بگوک کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ پھر شیعوں کی جماعت میں تو یہ کہتا کہ بگوک اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، ان کے بعد آٹھ اماموں تک یعنی حضرت علی رضا علیہ السلام تک امامت اور بگوگت کے عہدے ایک ہی ذات میں جمع ہوتے رہے ان کے بعد صرف امامت رہ گئی، اور نواں آخری بگوک کا منصب مجھے حاصل ہوا ہے مجھ ہی پر یہ عہدہ ختم بھی ہوتا ہے اور سنیوں سے کہتا کہ چار بگوک تو خلفاء راشدین تھے، اور باقی چار بگوکوں کے لیئے بنی امیہ اور عباسیہ کے بعض ایسے خلفا کا نام لیتا، جو گو نہ نیکی، اور دینی حمیت میں امتیاز رکھتے تھے اور نواں بگوک اپنے کو ٹھیراتا، اس نے عوام کو فریب دینے کے لیئے اپنے مریدوں، اور لڑکوں لڑکیوں کے خاص خاص مجہول المعنیٰ نام رکھے تھے، مثلًا وہی محرم اسرار جو گویا اس کا خلیفہ تھا اس کا نام "دوجی یار" تھا نما نود فغار نود دید یہ اس کے لڑکوں کے اور نمانہ کلاں، نمانہ خورد" لڑکیوں کے نام تھے، مریدوں کو "فرلود" کہتا تھا، اس نے پنجوقتہ نمازوں کے سوا "دید" نامی عبادت کا طریقہ جاری کیا تھا، جو طلوع و غروب و استواء شمس کے وقت ایک خاص طریقہ سے ادا کی جاتی تھی علاوہ اسلامی عیدوں کے چند مزید تہواروں کا اضافہ کیا تھا، یعنی جن دنوں میں (العیاذ باللہ) "وحی" کی اس پر ابتدا ہوئی۔

ملعون مدعی تھا کہ اس پر بھی وحی دو طریقوں سے آتی ہے، ایک میں آفتابی قرص اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے اور اسی پر حروف لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری میں آواز آتی ہے، الغرض خرافات کا ایک سیلاب تھا، جو پیر و مرید نے مل کر بہایا تھا، چونکہ بعض امراء بھی اس کے معتقد ہو گئے تھے اس لیئے عوام کا میلان بھی اس کی طرف بتدریج

بڑھتا جاتا تھا، حتیٰ کہ فرخ سیر بادشاہ بھی اس کی استجابت دُعا کی شہرت سُن کر تنہائی میں ملا، مکار نے یہ سُنکر کہ بادشاہ ملنے آرہا ہے کمرہ کا دروازہ بند کردیا، ہزار منت و سماجت کے بعد جب دروازہ کھلا، تو بادشاہ کے سامنے اس مرگ چھالے کو پھینک کر جس پر خود بیٹھا ہوا تھا بولا

پوست تخت گدائی و شاہی همه داریم انچه می خواہی

بادشاہ اپنے ساتھ روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لیئے لے گیا تھا، ٹھوکر مار کر کنارہ کردی۔ جب فرخ سیر نے بہت اصرار کیا، تو خود نوشتہ قرآن دے کر اس کی اجرت کل ستر روپیہ اس نے قبول کی، بادشاہ پر اسکی مصنوعی بے نیازی و استغنا کا پورا اثر ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک تو کچھ علماء اور عام پبلک کے خوف سے اپنے مزخرفات کے علانیہ اظہار کی اسے جرات نہ ہوئی تھی، لیکن بادشاہ کی عقیدت مندی کے بعد خوب کھل کھیلا، ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی سر پر رکھے، آگے آگے دو جھنڈوں کے ساتھ اسکے "فرود" اس کی سواری نکالتے تھے، باہم ایک دوسرے پر عبیر و گلاب چھڑکتے جاتے اور وہی مجہول المعنی اختراعی الفاظ والے منتر جپتے جاتے تھے اور اب ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ دلی کی ایک بڑی مخلوق اس کی معتقد اور اس کی اصطلاح میں اس کی "فرود"، ہوگئی تھی۔ فرخ سیر کے عہد تک اس کا یہی حال رہا۔ محمد شاہ کے زمانہ میں جب محمد امین[1] خاں منصب وزارت سے سرفراز ہوئے تو منجملہ اور کاموں کے اس "نمود و المنود" کی بھی خبر لینی چاہی لیکن اتفاق دیکھیئے جیسا کہ طباطبائی نے لکھا ہے ٹھیک ان ہی دنوں میں جب اسکی گرفتاری کے احکام جاری ہوئے۔ امین خاں جو مرض قولنج میں پہلے ہی سے مبتلا تھے انتقال کرگئے، مردود "المنود" کے لیئے ان کی موت استدراج کا ذریعہ بن گئی، اب کیا تھا خوب لن ترانیوں کی لینے لگا۔ اگرچہ دو تین سال بعد خود بھی مرگیا، اور اسی کے بعد اس کے خلیفہ اول "دوجی یار"، اور صاحبزادے بلند اقبال "نما لمنود" میں نصف لی و نصف لک" کے قصہ میں جھگڑا ہوگیا۔ "دوجی یار" نے آخر ایک دن جب اس کے اکثر "فرودوں" کا مجمع تھا، کھڑے ہو کر "سازش" کا سارا قصہ سُنا دیا دونوں مل کر جو مسودات بناتے اور کاٹ چھانٹ کر درست کرتے تھے ان کا طومار لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر

از جانب خدا می بود حاجت بحک و صلاح ہمدیگر نداشت	اگر اللہ میاں کی طرف سے یہ کتاب ہوتی تو اس میں کانٹ
سیر المتاخرین م ۲ ص ۴۴۶	چھانٹ اور اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی۔

دونوں کے حروف کے پہچاننے والے کثرت سے موجود تھے، راز کھل گیا، اور بیچارے عوام کو اس کے فتنہ سے نجات میسر آئی اگرچہ "نما لمنود" نے کچھ دن اپنے باپ کی بھگوکٹ کو بجائے دہلی کے ایک دیہات میں جا کر چلایا اور "نما نمود" کے بعد "فغار" صاحب دوسرے بیٹے نے بھی کچھ دن اس تحریک کو چند لوگوں میں باقی رکھا، یہاں تک کہ بالآخر فغار کے مرنے کے بعد چند بقیۃ السیف اس کے اعزہ بنگال میں پناہ گزیں ہوئے، اور مشہور اشقی القوم میر جعفر کے بیٹے میرن کی سرپرستی میں کچھ دن گذارے۔ خدا جانے ان منحوسوں کے نام لیوا اب بھی بنگال میں پائے جاتے ہیں یا نہیں، تاہم ایک مدت تک خصوصاً اس زمانہ میں جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دلی میں تھے، ہندوستان کے مسلمان اس خبیث

[1] حضرت آصف جاہ اول بانی سلطنت آصفیہ کے عمزاد بھائی تھے ان کے قصے آگے بھی آرہے ہیں ۱۲

فتنہ کے شکار ہو رہے تھے، اور واقعہ کچھ بھی نہ تھا، عالمگیر کے عہد میں کابل کا صوبہ دار امیر خاں تھا، اس کے پاس ایران سے یہی "نمود و المنود" جس کا اصلی نام محمد حسین تھا آیا، اور سید ہونے کا مدعی ہوا، امیر خاں کی بیوی جو لاولد تھی اس نے ایک لڑکی پال رکھی تھی اسی سے اس کا نکاح ہو گیا امیری سے گزرنے لگی، امیر خاں جب مر گیا، تو محمد حسین جو امیر خاں کے خوشبو خانہ کا داروغہ بھی تھا، عطر و گلاب کا تحفہ لیکر دلی چلا لاہور میں عالمگیر کی وفات اور خانہ جنگی کی خبر ملی، امراء کے ہاتھ یہی عطر و گلاب اونچے بیکر اس نو ساٹھ ستر ہزار روپیہ کھری کیئے اور اسی "دوجی مایہ" سے سازش کر کے مکر و فریب کا یہ طلسم کھڑا کیا تھا [1]

مسلمانوں کی یہ زود اعتقادیاں، جو غلط تصوف کے رواج کا نتیجہ تھیں، حتی کہ بادشاہ تک ان ہی اوہام میں مبتلا تھا، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب بصیرت روح کے لیئے کس درجہ سوہان روح بنی ہوئی ہونگی۔

اور بات کچھ اسی پر ختم نہیں ہو گئی تھی، یہ تو ایک فرقہ تھا اور بھی اس قسم کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے تصوف و عرفان کے بلند آہنگ دعووں کے ساتھ پیدا ہو رہے تھے، اور مختلف قسم کے شعبدوں، کرشموں سے عوام کو اپنی طرف مائل کر کے گمراہ کر رہے تھے، شاہ صاحب خود اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتے ہیں:۔

ما تجربہ کردہ ایم کہ ماہر در فن نجوم چوں دانست کہ الحال کدام دقیقہ ست از دقائق روز از ہمیں جا ذہن او منتقل می شود، بطالع وہمہ بیوت و مواضع کواکب در خاطر حل صورت می بندد گویا صفحہ تسویۃ البیوت، مقابل او ایستادہ است وہم چنیں ماہر در فن رمل گاہے در دل خود معین می کند کہ فلاں انگشت را لحیان قرار دادہ ام و فلاں انگشت را فلاں شکل در ذہن صورت می بندد ازیں اشکال کدام متولد می شود، تا اینکہ زائچہ پیش او حاضر می شود،

ہم نے خود تجربہ کیا ہے کہ نجوم کے فن میں جن لوگوں کو مہارت ہوتی ہے، جب انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت دن کے دقیقوں میں سے کون دقیقہ ہے تو مطالع اور ہر ہر بیت و مقامات کواکب کی طرف اس کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جو فن رمل میں ماہر ہوتے ہیں اپنے دل میں یہ خیال جاتے ہیں کہ فلاں انگلی کو میں نے لحیان قرار دیا ہے، اور فلانی انگلی فلاں شکل اور ان سب سے ذہن میں ایک صورت قایم کر کے سوچتے ہیں کہ ان میں ظاہری شکل صورت میں بچہ کس کی مناسب ہوگا اس طرح زائچہ سامنے ہو جاتا ہے۔

اور یہ تو نجوم کا حال ہے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہانت جس کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں کبھی جن اور ارواح کو حاضر کیا جاتا ہے (یعنی موجودہ زمانہ کا اسپریچولزم) نیز توجہ کو کسی خاص نقطہ پر مرکوز کر کے معمول کو متاثر کرنا جسے اب مسمریزم کہتے ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

ہمت بستن برکارے و بشکل مہیب برآمدن و دل بہ دل کسے داشتن وطالب را مسخر کردن ہمہ از فنون نیرنج است۔

وصیت نامہ صـ ۳۴ و ۳۵

کسی کام کے متعلق ہمت کو وہمی کرنا اور ڈراؤنی شکل میں لوگوں کے سامنے اپنے کو نمایاں کرنا کسی کے دل پر دل رکھنا اور طالب کو مسخر کرنا یہ ساری باتیں علم نیرنگ سے تعلق رکھتی ہیں۔

[1] میں نے اس مردود "نمود و المنود" کے حالات میں ذرا زیادہ بسط سے قصداً کام لیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں بھی بعض لوگ اپنے مریدوں اور عزیزوں کو جو عجیب و غریب خطابات تقسیم فرماتے ہیں، یا نبوت و مسیحیت، مہدویت وغیرہ کے معجون سے "بروزی" "مثالی" اور خدا جانے کس کس قسم کی جو نئیں تراش رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہندوستان ان تراشوں کو پہلے بھی دیکھ چکا ہے ۱۲ منہ

لیکن غلط تصوّف نے عوام کو باور کرایا تھا، کہ یہ ساری باتیں قربِ الٰہی کے دلائل ہیں،
اس زمانہ کا ہپناٹزم جس میں اپنے اوپر وجد کی حالت طاری کر کے غیبی باتیں بتائی جاتی ہیں کچھ لوگ اس
راہ سے بھی شکار پھنسا رہے تھے، حضرت شاہ صاحب ہی کا بیان ہے،

هم چنیں وجد و شوق و قلق و سرایت ایں حالت در حاضراں

اسی طرح وجد و شوق و بیچینی اور جو لوگ موجود ہوں ان میں اس حال کا ساری و طاری ہو جانا،

حالانکہ اس حال کو بھی مقبولیت حق سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ بقول حضرت،

منشار آں حدت قوت بہیمیہ ست

اس کا منشا بہیمی قوت کی شدت اور تیزی ہے،

اور یہ تو زندہ پیروں کے کرامات شمار ہوتے تھے۔ وہمی تخیلات نے گزشتہ روحوں کے متعلق عجیب و
غریب خیالات پیدا کر دیئے تھے، فاتحہ جو عموماً اس لیئے کیا جاتا تھا کہ بزرگوں کی روح کو کچھ قرآن پڑھ کر اور غرباد
مساکین کو کھلا کر اس کا ثواب بخشا جائے، لیکن سرزمین ہند میں اس فاتحہ نے بہ تدریج ایصال ثواب کے مقصد کو چھوڑتے
ہوئے، قریب قریب وہی شکل اختیار کر لی تھی جو ہندوؤں میں چڑھاوے کی ہے، یعنی مختلف قسم کے پھل پھول
پکوان وغیرہ دیوتاؤں اور دیویوں پر اس لیئے چڑھائے جاتے ہیں کہ ان دیوتاؤں کی روحیں چڑھانے والوں کے اس
تحفہ سے خود متمتع اور لذت گیر ہوتی ہیں، جاہل مسلمانوں میں اس فاتحہ کا بھی قریب قریب یہی مطلب ہو گیا تھا، اور
عوام ہی کیا بعض خواص تک کا خیال یہ تھا کہ جو کھانا کسی بزرگ کے نام فاتحہ دیا جاتا ہے، اس پر اس بزرگ کی روح
خود حاضر ہوتی، اور ان سے لذت گیر ہوتی ہے، مولوی غلام حسین طباطبائی جنھوں نے سیر المتاخرین جیسی کتاب
لکھی ہے، اور جو ان کے علم و فضل کی کھلی دلیل ہے خود اپنے متعلق ایک موقعہ پر اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

بعضے مردم کہ دستر خوان حضرت شاہ مرداں می نمائند و براں نشانے از غیب می شود، چنانچہ در ہند معمولی و مکرر مردم ہوشیار بچشم خود نشانہا را دیدہ سرمہ اعتقاد و بصیرت در دیدہ دلہا کشیدہ اند و ایں کرامت ازاں جناب نظر احقر ہم الحمد للہ مکرر در آمدہ ح ۵۰ ج ۲

بعض لوگ جو حضرت شاہ مرداں (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے دستر خوان کی تقریب کرتے ہیں اور اس دستر خوان پر غیب سے آپ ہی آپ ایک نشان نمایاں ہو جاتا ہے، چنانچہ ہندوستان میں اس کا رواج ہے اور بڑے اچھے ہوش گوش والوں نے بار بار اپنی آنکھوں سے
ان نشانوں کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں اعتقاد و بصیرت کا سرمہ لگایا بلکہ (دستر خوان والی کرامت حضرت کی) اس کا معائنہ تو
الحمد للہ متعدد بار اس احقر کو بھی ہوا ہے)

جس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے نام سے جو فاتحہ دی جاتی تھی اس کے متعلق
لوگوں کا خیال تھا کہ فاتحہ کے اس کھانے پر خود حضرت تشریف فرما ہوتے ہیں اور اسی لیئے "قبولیت" کی علامت
اس پر بنا دیتے ہیں، بتایا جائے کہ کہاں فاتحہ کا وہ مقصد کہ بزرگوں کی روح کو اس کا ثواب بخشا جاتا ہے، اور
کہاں یہ اعتقاد کہ اس کھانے پر ان بزرگوں کی روح خود حاضر ہوتی ہے، یہ نشانات کس طرح بنتے تھے اس سے تو

خدا ہی واقف ہے، لیکن طباطبائی صاحب ہی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو ان کے نزدیک خارجی العقیدہ تھا شیعوں کے علی الرغم ان غیبی نشانوں کی خبر سن کر دعویٰ کیا کہ ہم بھی یزید وغیرہ کے نام کا فاتحہ دیتے ہیں، اور اسی قسم سے دستر خوان کا انتظام کرتے ہیں چونکہ ان کی روحوں سے مجھے اخلاص ہے اس لیئے وہ بھی ضرور آکر دستر خوان پر نشان بنا دینگی یہ ارادہ کرکے اس نے دستر خوان کا انتظام کیا، اور ایک عورت کو حکم دیا کہ کمرہ میں دستر خوان کو بند کرکے باہر اس کی کنجی لے کر بیٹھ جائے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولے اور جب نشانات دستر خوان پر نمایاں ہوں تو مجھے خبر دے تاکہ دوسروں کو بھی اس کا تماشا دکھایا جائے،

اب طباطبائی صاحب لکھتے ہیں کہ

زن درباطن شیعہ بود و مذہب خود مخفی داشت بعد از ساعتے حسب الامر در را کشود دید کہ سگے سیاہ گرگین در اں جائگاہ بر سر دستر خوان نشستہ از ہر گونہ طعام اندک اندک چشیدہ و می چشد از شدت شغف خود داری نہ توانست بے اختیار دوید و بشارت رسانید کہ نشاں چہ معنی دارد خود تشریف آوردہ نوش جان می نمائند۔

وہ عورت اندر سے شیعہ مذہب اور تقیہ کیئے ہوئے تھی تھوڑی دیر بعد اس نے جب دروازہ کو کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک کالا بھیڑیئے جیسا کتا وہاں پر دستر خوان پر ہر قسم کے کھانے کو تھوڑا تھوڑا کچھ چکا اور چکھ رہا ہے، عورت کو اپنے مذہب سے جو محبت تھی اس نے اپنی خودداری پر اس کو باقی نہ رکھا اور بے اختیار ہو کر دوڑی انہیں کو اس نے بشارت پہونچائی کہ نشان کا کیا پوچھتے ہیں وہ تو خود ہی تشریف لا کر نوش جان فرما رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ حرکت "زن درباطن شیعہ بود" ہی کی تھی، بس اسی واقعہ سے ان نشانوں کے بنانے والوں کا سراغ مل سکتا ہے، آج بھی ہندوؤں میں جب مُردے گنگا میں بہانے کے لیئے بھیجے جاتے ہیں تو ان کے بہنے کے بعد دوسرے دن عموماً پنڈت یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس گھاٹ سے مُردہ بہایا گیا، اس کے کنارے کی ریت پر فلاں جانور کے پاؤں کے نشانات دیکھے گئے، اور اسی سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والے نے اسی جانور کے جون میں جنم لیا جس کے نشانات نظر آئے ہیں، مجھ سے بعض معتبر برہمنوں نے بیان کیا کہ یہ کارستانی خود ان پنڈتوں کی ہوتی ہو جو گنگا کے کنارے مردوں کے بہانے کی رسم انجام دیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے یا ممکن ہے کہ رات کو ہر قسم کے جانور چلتے ہیں ان ہی کو مُردے کے قدم کا نشان فرض کر لیا جاتا ہے یا وہم کی خلاقی ہو، بہر حال طباطبائی صاحب نے "کتے"، کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہ ہر قسم کے کھانوں کو "اندک اندک" اُسے چکھتے پایا گیا، اس سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہو کہ صاحب فاتحہ کے متعلق لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ تھوڑا تھوڑا ہر کھانے سے مردہ کی روح چکھتی ہے، گو بحمد اللہ اب بہت کم لوگ فاتحہ کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں اور عموماً اب یہی سمجھا جاتا ہے کہ مقصود بزرگوں کی روح کو ثواب پہونچانا ہو، لیکن بعض لوگ اب بھی ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے خود کہا کہ "کھانے کی روح کو بزرگوں کی روح آکر کھا جاتی ہے اور اس کے مادی وجود کو ہم لوگ کھاتے ہیں، اسی بنیاد پر ہم اس کھانے کو بزرگوں کا اُلش خیال کرتے ہیں"، الغرض غلط نمود "اور

جھوٹے "تمشخ"، کی راہوں سے اعتقادی و عملی تباہیوں کا سیلاب مختلف شکلوں میں ملک کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں کی خالص اسلامی و دینی زندگی کے "ایوان"، کو دھمکیاں دے رہا تھا،

ام الفتن اور سچ پوچھئے تو باہر کے فتنوں کے جگانے میں در اصل جو حقیقی اسباب کام کر رہے تھے ان کا باہر سے نہیں بلکہ بالکلیہ تعلق ہمارے "اندر"، ہی سے تھا، کچھ آج ہی نہیں بلکہ جب کبھی جہاں کہیں یہ صورت پیش آئی ہے تحلیل و تنقیر کے بعد یہی ثابت ہوا کہ جو کچھ ہوا

ماظلمنا ھم ولکن کانوا انفسہم یظلمون	نہیں ظلم کیا ہم نے بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

کے ازلی قانون ہی کے تحت ہوا، خصوصًا امت محمدیہ صلے اللہ علی صاحبہا صلوٰۃً وسلامًا کے متعلق تو صحیح حدیثوں میں آچکا تھا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست پیش کی۔

لا تسلط علیہم عدوًا من انفسہم	(میری امت پر) ان ہی میں سے ان پر کوئی دشمن نہ مسلط کیا جائے۔

تو "الحکیم الغنی"، کی طرف سے آپ کو جواب ملا،

لا اسلط علیہم عدوا سوی انفسہم یستبیح بیضتہم ولو اجتمع علیہم من باقطارھا حتے یکون بعضہم یھلک بعضہا۔	میں ان پر ان کے سوا کسی (بیرونی دشمن) کو مسلط نہیں کرونگا بلکہ وہی اندرونی دشمن ان کے قلمرو میں تباہی پھیلائے گا اور خارجی دشمن مسلمانوں پر مسلط نہیں ہو سکتے اگرچہ زمین کے کناروں سے سمٹ کر کیوں نہ وہ آجائیں بلکہ مسلمان ہی باہم بعض بعض کو ہلاک کریں گے۔

صحاح کی مختلف کتابوں مثلاً مسلم ابوداؤد و ترمذی میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے اور اسلام کی تاریخ شاہد ہے، جو مصیبت مسلمانوں پر جس شکل میں بھی آئی در اصل اس کی ابتدا گھر والوں سے ہوئی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے،

اخشیٰ علیکم الدنیا فتنافسوا فیہا (بخاری)	میں تم پر دنیا سے ڈرتا ہوں کہ اس کے معاملہ میں باہم نفسانیت میں مبتلا ہو جاؤگے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس جب فارس کے اموال غنیمت آئے، آپ نے ان کو مسجد نبوی کے چبوتروں پر ڈلوا دیا، صبح ہوئی تو جو کچھ آیا تھا اس پر سے چادر ہٹائی گئی راوی کا بیان ہے:۔

فنظر عمر الی شی لم تر عیناہ مثلہ من الجوھر واللولؤ والذھب والفضۃ فبکی	عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایسی چیزیں دیکھیں جنھیں انکی آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا، یعنی جواہرات، موتی اور سونے چاندی وغیرہ پس عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رو پڑے

عبدالرحمن بن عوف حاضر تھے بولے:۔

ھذا من مواقف الشکر فما یبکیک	یہ تو شکر کی جگہ ہے پھر آپ کو کس خیال نے رلا دیا،

فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:۔

اجل ولکن اللہ لم یعط قومًا ھذا الا القی بینھم العداوۃ والبغضاء۔ (کتاب الخراج لابی یوسف)	ہاں! لیکن اللہ تعالےٰ نے کسی قوم کو یہ چیز نہیں دی، مگر اسی کے ساتھ ان میں باہم عداوت وبغض وکینہ پیدا ہوگیا۔

مغل حکومت بھی عہد عالمگیری کے بعد فتنوں کے جس طوفان میں گھر گئی تھی جس کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ باہر سے جتنے سیلاب آئے ان کا سرچشمہ بھی اندر ہی تھا، جس کا افسانہ طویل ہے اور عام طور سے تاریخ کی کتابوں میں مسطور ہے، میرا اشارہ اس اندرونی فتنہ کی طرف ہے جس کی تعبیر عام کتابوں میں "سادات بارہؔ[۵] کے فتنہ سے کی جاتی ہے، عالمگیر کے لڑکے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد معز الدین جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی، اس معرکہ میں فرخ سیر کی کامیابی چونکہ بالکلیہ بارہ کے سیدوں میں سے دو بھائی حسین علی خان اور حسن علی خان کی رہین منت تھی، اسی بنیاد پر فرخ سیر کے عہد میں حکومت پر ان ہی دونوں بھائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا اور ایسا اقتدار کہ بادشاہ بیچارہ "شاہ شطرنج" ہوکر رہ گیا، قدرتاً فرخ سیر کے لیئے یہ صورت حال ناقابل برداشت بنتی چلی جارہی تھی، سید بھائیوں اور فرخ سیر میں اَن بَن ہوگئی، اور اسی مخالفت اور معاندت نے بالآخر ان نتائج کو پیدا کیا جن کا خمیازہ آج ہندوستان کے مسلمان بھگت رہے ہیں، طباطبائی جو ہم مشربی کی وجہ سے بجائے فرخ سیر کے سید بھائیوں کے سخت ترین طرفداروں میں ہیں، ان کو بھی لکھنا پڑا کہ یہی فسادات سادات،

بر ور تمام مملکت ہندوستان را فرو گرفتہ اقتدار سلاطین تیموریہ بالمرۃ بباد فنا رفت ص ۴۴ ج ۲	آہستہ آہستہ ہندوستان کی ساری مملکت کا اس ذاحاطہ کرلیا، اور تیموری سلاطین کا اقتدار قطعی طور سے فنا کی آندھی کے نذر ہوگیا۔

اگرچہ بظاہر یہ مخالفت بادشاہ اور ان سید برادران کے درمیان تھی لیکن جو واقعات کے عالم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ سادات بارہہ کے اقتدار نے در اصل اسی فتنہ کی آگ کو ہوا دے کر تیز کر دیا، جس کی ابتدا ہمایوں کے عہد سے اس ملک میں شروع ہوئی تھی، ـــــ سب جانتے ہیں کہ اسلام کا داخلہ (عربی حملوں کے بعد) ترکستانی مسلمانوں کے ذریعہ سے ہوا،

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ غوریوں سے لودیوں تک جتنے خانوادے دلی کے تخت پر قابض ہوئے سب کے سب سنی حنفی مسلمان تھے،۔ جب تک یہ دور رہا ہندوستانی مسلمان اُس وقت تک بڑے خوش قسمت رہے

[۵] کہا جاتا ہو کہ سید ابو الفرح واسطی اکبر کے عہد سے پہلے عراق کے مشہور شہر واسطہ سے ہندوستان تشریف لائے۔ ابتدا میں پٹیالہ (پنجاب) کے گرد و نواح میں آپ کی اولاد آباد ہوئی، جن گاؤں میں ان کی اولاد آباد ہوئی تھی ان کے نام چھتبت بانور، بھتن بڑر اور جگت نیر تھے۔ پھر سادات کا یہ خاندان آگے بڑھا دوآبہ میں آباد ہوا، ضلع مظفر نگر میں جانسٹھ اب بھی ایک مشہور قصبہ ہو اس میں اس خاندان کے کچھ لوگ آباد ہوئے اور وہی سادات بارہ کے نام سے مشہور ہیں، یہ بارہ کیوں کہلاتی ہیں؟ مورخین اس کی توجیہ میں مختلف ہیں لیکن ابو الفرح واسطی کی جو اولاد جگت نیر میں آباد ہوئی تھی اور بعد کو وہ جاجنیری سادات کے نام سے مشہور ہوئی ان کا ایک سلسلہ بہار ضلع مونگیر میں پایا جاتا ہو اور چونکہ بارہ گاؤں میں آباد ہیں اس لیئے سادات بارہ گانواں کہلاتے ہیں۔ خاکسار مناظر احسن گیلانی کا تعلق بھی ان ہی جاجنیری سادات سے ہو بارہ کی وجہ یہاں بھی ممکن ہے بارہ گاؤں سے ہو۔ ۱۲

لیکن مغلی عہد میں ہمایوں کو شیر شاہی حکومت کے مقابلہ میں جب ایرانی حکومت کی امداد سے کامیابی حاصل ہوئی، تو اس ملک میں تورانیوں کے ساتھ ایرانیوں کا اقتدار بھی بڑھنے لگا، ہمایوں اور ہمایوں کے بعد جتنے مغل بادشاہ تھے وہ بطور مشت شناسی کے ایران سے آنے والوں کو بڑی قدر و عزت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لینے لگے، اور اسی زمانہ سے بڑے بڑے عہدوں پر حتیٰ کہ صوبہ داریوں اور گورنریوں پر بھی ایرانی حکام کا تقرر ہونے لگا، عالمگیر کے عہد تک مغل حکومت شباب کے دور میں تھی، جو زہر اندر داخل ہو گیا تھا اس کے نتائج محسوس نہیں ہوتے تھے، لیکن عالمگیر کے بعد عناصر کے اعتدال میں ضعف پیدا ہوا، اور ان دو متضاد عناصر کے اندرونی تصادم نے رنگ لانا شروع کیا، سادات بارہہ اگرچہ وطناً ایرانی نہ تھے، لیکن ان کا مسلک وہی تھا جو ایرانیوں کا تھا، قدرتی طور پر ان کے زمانۂ اقتدار میں ایرانی اُمرا کو تورانی یا دوسرے لفظوں میں "سنی" اُمرا پر برتری حاصل ہونے لگی، اور اتنی برتری کہ بعض بعض بڑے بڑے تورانی امیر تو حکومت اور حکومت کے تعلقات سے دلکش ہو کر گھر بیٹھ گئے، جن میں حضرت آصف جاہ اول بانی حکومت آصفیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:-

کہ بنا بر گرمی بازار امراء جدید و کساد بازاری امراء قدیم از نوکری استعفار دادہ بہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد آمدہ و لباس درویشانہ پوشیدہ خانہ نشین شد ص[۱۲]

نئے امیروں کی گرم بازاری اور پرانے قدیم امرا کی کساد بازاری کو دیکھ کر حضرت آصف جاہ اول مغلی حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہو کر شاہجہان آباد پہونچے، اور درویشانہ لباس اختیار کر کے خانہ نشین ہو گئے؛

خلاصہ یہ ہے کہ سارے فتنوں کی بنیاد اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان میں بھی وہی مسئلہ رہا ہے جس سے ہر جگہ حتیٰ کہ پہلی صدی ہجری میں فتنوں کی ابتدا ہوئی، یعنی وہی شیعیت و سنیت کا جھگڑا۔ ابتداء تاریخ اسلام سے جس کسی کے دل میں دنیا طلبی کی انگیٹھی سُلگی اُس نے دین کے اسی مسئلہ کی آڑ لے کر اپنے حرص و ہوا کی جہنم روشن کی۔ اور آج تک حال یہ ہے کہ جس واقعہ پر اس اختلاف کی بنیاد قائم ہے حالانکہ اس پر تیرہ سو سال گزر چکے، لیکن جب کسی کا جی چاہتا ہے، اس کو تر و تازہ کر کے اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ابھی وقت پیش آرہا ہے، اور فریقین کو دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو ابھی طے کرنا ہے، کتنی عجیب بات ہے کہ قرآنی تعلیمات کے بے شمار بینات و محکمات مثلاً یہ کہ کسی مومن کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کو کسی حال میں اکیلا اور تنہا خیال کرے اس پر یہ اعتقاد حتمی طور پر واجب ہے کہ ہر حال میں ایک لامحدود قوت کو انتہائی رحم و کرم کے ساتھ اپنے قریب یقین کرے، محسوس کرے کہ یہ قوت اس کے ظاہر و باطن اوّل و آخر کو محیط ہے، بغیر کسی دغدغہ کے اس واقعہ پر بھروسہ کرے کہ اس کی ایمانی صفت کی وجہ سے یہی لامحدود طاقت ہر لمحہ اور ہر حال میں اس کی طرف سے مدافعت پر آمادہ ہی جب مومن مخلوقات کی ربوبیت سے اپنے دل و دماغ کو آزاد کر کے خالق کی ربوبیت پر قدم جماتا ہے، تو اس کو باور کرنا چاہیئے اور قطعاً بغیر کسی شک و شبہ کے باور کرنا چاہیئے، کہ غیبی قوتیں یعنی ملائکۃ اللہ اس پر نازل ہو رہے ہیں اور دُنیا و آخرت میں اس کی امداد و اعانت ان کے فرائض میں سے ہے علیٰ ہذا مثلاً ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنے مال

باپ، اموال و تجارت، گھر، در، الغرض ہر چیز سے زیادہ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت رکھے، ظاہر ہے کہ یہ اور ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو قرآن کے نصوص صریحہ سے بغیر کسی تاویل کے ماخوذ ہیں، اسی طرح حمد و شکر توکل و تفویض، توبہ استغفار و انابت واطاعت وغیرہ وغیرہ ان کے قرآنی حقائق ہونے میں کون شک کرسکتا ہے، بلاشبہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ انکا انکار کرنیوالا کافر ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ہی چیزوں کا نام عقائد ہے لیکن بجائے ان کے ایسی باتیں کہ خدا کے صفات زائد بر ذات ہیں یا عین ذات، صفات حقیقی سات ہیں یا آٹھ، پھر ہر صفت کی نوعیت کیا ہے خصوصاً کلام کی قسمیں اور اس کے مباحث از ہی قبیل یہ مسئلہ کہ دُنیائے اسلام کے کس علاقہ کے کن باشندوں کو اور ان باشندوں میں کس قبیلہ کو اس قبیلہ میں سے کس بطن کو اس بطن سے کس فخذ کو اس فخذ سے کس خاندان والوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کا صرف استحقاق نہیں بلکہ پہلا استحقاق حاصل ہے، ان مسائل کو عقائد کی کتابوں میں مجبوراً اس لیئے شریک کرنا پڑا کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں ان ہی مسائل کو اپنے فساد و زیغ کا ذریعہ بنایا، اگر بنی اُمیہ خلافت کے مباحث کا سب وشتم کے ساتھ برسر منبر فیصلہ کرنے کی ابتدا نہ کرتے تو جو واقعہ ہو چکا تھا اور جن لوگوں کا اس سے تعلق تھا جب وہ گزر چکے تھے پھر ان کو کوئی خواہ مخواہ کیوں چھیڑتا، لیکن چھیڑنے والوں نے ان ہی چیزوں کو زیادہ اُجاگر کرکے اسلام کی طرف منسوب کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کتابوں میں آخر ان ہی مباحث کی طرف زیادہ توجہ کرنی پڑی، اور قرآن کے سیکڑوں بینات و محکمات نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، اور ایسے اوجھل کہ بجائے اعتقادیات میں شریک کرنے کے سمجھا جاتا ہے کہ اچھے مسلمان ہونے یا دوسرے لفظوں میں صوفی مسلمان ہونے کے لیئے ان کی مشق و مزاولت ایک پیشہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بس —— حالانکہ ان میں ہر مسئلہ قرآن کا تھا، جس کا انکار آدمی کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے، یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے، کہ عقائد کی کتابوں میں جن چیزوں کو عقائد کے ذیل میں علمانے شریک فرمایا ہے۔ میں ان کو اعتقادیات قرار دینے سے انکار کر رہا ہوں، بلکہ مجھے کہنا یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف اغراض سے لوگوں نے بعض خاص چیزوں پر جو زور دیدیا، تو اس کا آج یہ نتیجہ ہے کہ بہت سے اعتقادی امور ان کتابوں میں شریک نہ ہوسکے، جو اسی لیئے لکھی گئی ہیں کہ ہر مسلمان کا اس کے ہر مسئلہ پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ لوگوں کو غلط فہمی یہ ہوگئی، کہ جو کچھ ان کتابوں میں نہیں، گویا وہ اعتقادیات سے تعلق ہی نہیں رکھتا، حالانکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ واقعہ نہیں ہے کم از کم قرآن کی ہر تعلیم کی حیثیت تو یہی ہے کہ اس کا انکار کفر ہو جاتا ہے خواہ وہ توکل کے سلسلہ کی چیز ہو، یا تسلیم و رضا، و صبر و شکر کے باب کی ہو،

میں اپنے مقصد سے بہت دور ہٹتا چلا جا رہا ہوں، کہہ یہ رہا تھا کہ بالآخر سادات بارہہ کے اقتدار کے زمانہ میں پھر اسی پرانے مسئلہ نے ہندوستان میں سر اُٹھایا، اور بالآخر اس کا انجام اس پر ہوا کہ ان ہی بادشاہ گر سید بھائیوں کے ہاتھ فرخ سیر مخول ہوا، اور انتہائی بے دردی و قساوت قلبی کے ساتھ تسمہ میں اس کی گردن کھینچ دی گئی۔ حضرت آصف جاہ اول کے اُستاذ میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی نے تاریخ لکھی:۔

دیدی کہ چہ باشاہ گرامی کردند | صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود | سادات بوے نمک حرامی کردند
(۱۱۳۱)

مغل بادشاہ کا ارباب حکومت کے ہاتھ سے مارا جانا غالبًا پہلا واقعہ تھا جو دلی میں پیش آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جوان ہو چکے تھے۔

انفاس العارفین میں آپ نے فرخ سیر اور سید بھائیوں کے اس تنازعہ کا ذکر فرمایا ہے، اور ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم کی خدمت میں اس جھگڑے کے قصے جب پیش ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

در واقعہ دیدم کہ گویا مسند فرخ سیر را مردم می خواہند کہ برہم زنند۔	میں نے (کشفی) واقعہ میں دیکھا کہ فرخ سیر کی مسند کو لوگ اُلٹ دینا چاہتے ہیں،

اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے جو واقعہ نقل فرمایا ہے "عقلِ دُنیا" اس کے ماننے کے لئے شاید تیار نہ ہو لیکن جیسا کہ ابدالی اور مرہٹہ کی جنگ کا غیب میں کسی اور سے تعلق تھا، فرخ سیر کا ایک زمانہ تک سید بھائیوں کے حملہ سے محفوظ رہنا اس میں جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا، وہ شاہ ولی اللہ کی زبانی سُنیئے، فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ان لوگوں سے جو بادشاہ کی مسند اُلٹنا چاہتے تھے فرمایا کہ

برائے من ایں اسم چنیں بگذارید۔	میری خاطر سے اس بادشاہ (فرخ سیر) کو اسی حال میں چھوڑ دو (یعنی اس پر ظلم و زیادتی نہ کرو)۔

صـ ۶۲

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب تک ان کے والد زندہ رہے فرخ سیر پر آنچ نہ آنے پائی لیکن جوں ہی ان کا انتقال ہوا، کل

بعد پنجاہ روز از وفات حضرت ایشاں اسیر شد	پچاس دن آپ کی وفات کے بعد فرخ سیر قید ہو گیا

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اور تاریخوں میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ فرخ سیر کا ان بھائیوں کے ہاتھ قتل ہونا تھا کہ ملک میں ایک ایسا زلزلہ برپا ہوا کہ پھر نہ تھما، شاہ ولی اللہ اپنی چشم دید شہادت یہ درج فرماتے ہیں:-

ہرج و مرج عظیم دست داد	سخت کشت و خون کی گرم بازاری ہوئی۔

خصوصًا تورانی اُمراء، اپنے ہم مذہب بادشاہ کے اس دردناک مظلومانہ قتل سے سخت برہم ہوئے، جیسا کہ میں نے لکھا تھا، حضرت آصف جاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترک دُنیا کر کے "دسی جنوں ترک منصبہا" کو اختیار فرما لیا تھا، جو شاہ ولی اللہ کا مسلک تھا، لیکن اس واقعہ نے ان کی رگ حمیت میں جوش پیدا کر دیا، اور لباس فقیری اتار میدان میں اُتر آئے سادات بارہ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ان کو رام کر لیا جائے، لیکن دلی چھوڑ کر وہ مالوہ اور دکن کے جنگلوں میں جوش انتقام میں بھرے ہوئے شیرنیاں کی طرح ڈکارتے پھرتے تھے، مظلوم بادشاہ کی تڑپتی ہوئی لاش ان کو چین لینے نہیں دیتی تھی، مشہور ہے کہ حسین علی خاں نے ایک خط بڑی منت سماجت کا ان کو مالوہ لکھا جواب میں صرف یہ شعر لکھ کر حضرت آصف جاہ نے بھیجدیا

من بے وفانیم بوفا می خورم قسم
من چو شمانیم بشما می خورم قسم

بہر حال فرخ سیر کو ختم کر کے ان بھائیوں نے پہلے رفیع الدرجات پھر رفیع الدولہ کو دلّی کے تخت پر اپنے نوکر ہونے کی حیثیت سے تخت نشین کیا، دونوں چونکہ مدقوق تھے تین چار مہینے کے اندر اندر دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تب سید برادروں نے محمد شاہ بادشاہ کو اپنا نوکر بنا کر مغل تخت پر بٹھایا، اور اسی کو حسین علی خاں اپنے ساتھ لے کر تورانیوں کے سردار آصف جاہ کو ختم کرنے کے لیئے ایک فوج لے کر دکن کی طرف روانہ ہوا، جہاں آصف جاہ نے قبضہ جما لیا تھا مگر چند ہی منزل دلّی سے آگے بڑھے تھے کہ آخر جس شاہین بلند آشیانہ کے شکار کے لیئے نکلے تھے، اس کی دعاہائے نیم شبی کہیئے یا دُعا کے ساتھ اس کی دوا کے بھی وہ شکار ہو گئے، حضرت آصف جاہ کے چچا زاد بھائی محمد امین خاں کے اشارہ سے میر حیدر کاشغری نے حسین علی خاں کا کام تمام کر دیا، سفر میں جب حسین علی خاں کی بارگاہ لوٹی گئی تو طباطبائی کا بیان ہے کہ اس وقت خزانہ میں ایک کروڑ روپیہ تھا۔ اس بازو کا ٹوٹنا تھا کہ دوسرا بازو بھی ایرانیوں کا بظاہر ٹوٹ گیا، یعنی دوسرے بھائی حسن علی خاں الملقب بہ قطب الملک نے بھی محمد شاہ کے ہاتھ گرفتار ہو کر قید خانہ میں آخری سانسیں پوری کیں۔ تورانی امیروں کی مغل دربار میں یہ بڑی کامیابی تھی، محمد شاہ۔ جو شاہی کرنے کے لیئے نوکر تھا اب اس کی جان میں جان آئی، کچھ دن تو محمد شاہ واقعی حضرت آصف جاہ کو وزیر اعظم بنا کر محمد شاہ بنے رہے، لیکن یاروں نے اس غریب کو بجائے تورانیوں کے پھر ایرانیوں کے زیر اثر ڈال دیا، بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا ابر سیاہ ان کا نقیب قرار پایا، عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے، بادل گرجے، کہ میر خیمہ، خرگاہ صحرا روانہ ہوا، ہر طرف ؎

می دید صبح کلہ بستہ سحاب	الصبوح الصبوح با اصحاب
ژالہ بارید بر رخ لالہ	المدام المدام با احباب

کا شور تھا، اسی لیئے بیچارا آخر میں رنگیلے کے نام سے بدنام ہو گیا۔ آصف جاہ دربار کے اس رنگ کو دیکھ کر پھر دکن کی پہاڑیوں اور جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

حریف بظاہر بادشاہ سے ملے ہوئے تھے، لیکن ایرانیوں کو جو زخم تورانیوں سے پہونچا تھا، اس کی آگ اندر اندر بھڑکتی رہتی تھی، آخر وہ آگ بھڑکی، اور طے کر لیا گیا، کہ اب اس تورانی امیر اور اس کے ساتھیوں، ہمنواؤں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا جائے تاریخ میں واقعات کو بکھیر کر بیان کیا گیا ہے، لیکن تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ اندرونی کارروائی کیا ہوئی، محمد شاہ کا عہد ہے، بذات خود وہ جو کچھ بھی تھا، لیکن اگر شاہ عبد العزیز صاحب کی یہ روایت صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی چشم دید گواہی کے قریب قریب ہے

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند و ایں چنیں اتفاق کم می شود	محمد شاہ کے زمانہ میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور طریقہ کے دلّی میں تھے ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔
ملفوظات عزیزیہ ص ۱۰۶	

ؔ۱ کہا جاتا ہے کہ داڑھی کھینے والے اس تورانی امیر پر خلیع العذار ایرانی امرا فقرے چست کرتے تھے، قلعہ میں جب داخل ہوتے، تو بڈھا بندر کا مشہور

ظاہر ہے کہ محض رسمی یا خاندانی پیرزادوں کے متعلق یہ بیان نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کے خیال میں بھی جو واقعی ارشاد و ہدایت کے سزاوار تھے ان کی محض دلی شہر میں اتنی تعداد تھی۔ یقیناً اس قسم کا اتفاق کم ہوا کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بااین ہمہ رندی وخراباتی محمد شاہ میں ایک دوسری لٹک بھی ضرور تھی کہ بہر حال حکومت کی قدر دانیوں اور جوہر شناسیوں سے اس قسم کے اجتماعات کو بہت کچھ تعلق ہے۔

خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

تو اسی رنگیلے نے وہ رنگین سلوک کیا ہے کہ اگر مسلمان اس غریب کو محض اس کی اسی خدمت کی بنیاد پر بخش دیں، تو وہ اس کا مستحق قرار پا سکتا ہے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جن مقاصد اور خیالات کو لے کر حجاز تشریف لے گئے، اور حرمین کے جن "فیوض" سے مالا مال ہو کر وہ پھر ہندوستان واپس ہوئے، اور کچھ طے کر کے واپس ہوئے جیسا کہ ان کے اس وداعی بیان سے معلوم ہوتا ہے جو رخصت ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنے اُستاذِ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ہر چہ خوانده بودم فراموش کردم الا علم دین (یعنی حدیث) (ملفوظات عزیزیہ ص۹۳)	جو کچھ میں نے پڑھا تھا سب کچھ بھلا دیا بجز علم دین یعنی علم حدیث، کے

اور اسی بنیاد پر جیسا کہ سب جانتے ہیں، حضرت شاہ صاحب ہی کی بدولت آج ہندوستان میں "علم حدیث" کا بحمد اللہ مینارہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اب اسلامی ممالک میں کوئی ملک اس حیثیت سے اس کی ہمسری نہیں کر سکتا کسی معمولی آدمی کی نہیں بلکہ الازہر کے ہم وطن مشہور ناقد و بصیر عالم رشید رضا مرحوم مصری کی شہادت ہے اور ان کو مجبوراً واقعات کی بنا پر یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث فی هذا العصر لقضی علیها بالزوال. (مقدمہ مفتاح کنوز السنہ ص ط)	اگر ہمارے بھائی ہندوستان کے علماء کی توجہ اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ساری برتری براہ راست بلاشرکت غیرے حضرت شاہ ولی اللہی کی رہین منت ہے، آج ہندوستان میں جس طبقہ میں بھی جو کچھ حدیث کا چرچا پایا جاتا ہے "ہمہ آوردۂ اوست"، شاہ عبدالعزیز صاحب اسی بنیاد پر کبھی کبھی فرماتے :-

علم حدیث پدر من از مدینہ آورده، چهارده ماه در حرمین بوده سند کرده (ملفوظات ص۹۳)	میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے چودہ[۱۴] ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی

لیکن دنیا کو شاید یہ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب نے مدینہ سے واپسی کے بعد جب درس حدیث کا افتتاح فرمایا تو

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) لطیفہ اس نیک دل وفادار بزرگ کی شان میں استعمال کیا جاتا۔ کہا گیا ہے کہ جھلا کر ایک دن حضرت آصف جاہ نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ لو لیکن میری آنکھیں اس دن کو دیکھ رہی ہیں جب لال قلعہ کی دیواروں پر بندر اُچھلتے پھریں گے، اور یہی فرمانے کے بعد دربار سے علحدگی کا انھوں نے مصمم ارادہ فرما لیا ۱۲

اس وقت پرانی دلی میں جہاں اب ان بزرگواروں کے مزارات ہیں، واں اپنے والد کے پرانے مکان میں پڑھانے کی جو مختصر سی جگہ تھی اسی سے کام شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر جب پہونچنے لگے تو ظاہر ہے کہ شاہ عبدالرحیم کی درسگاہ مسند الوقت کے دارالعلوم بننے کا کام کیسے انجام دے سکتی تھی، اور یہ سعادت محمد شاہ بے نام کے نام قدرت نے لکھی تھی کہ اس نے

"مولنا کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر آپ کو اندرون شہر بکھا قدیم جگہ غیر آباد ہو گئی"

(دارالحکومت دہلی جلد ۲۸۶/۲ مولفہ مولوی بشیر صاحب)

دلی کے پرانے کھنڈروں کا یہ سب سے بڑا ماہر دوسری جگہ اسی محمد شاہی عطیہ کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے :-

"یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا"۔

دارالعلوم کی پختگی اور استحکام کا اندازہ تو اسی سے ہو سکتا ہے کہ غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قایم تھا، اگر اس کو ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا کہ

"غدر میں مکانات لوٹ لیئے گئے، کڑی تختے تک لوگ اٹھالے گئے"۔

تو آج بھی وہ شاید باقی رہتا،

رہی اس کی وسعت اور کشادگی، کاش! مکان موجود ہوتا تو صحیح رائے قایم ہو سکتی تھی، لیکن مولوی بشیر الدین صاحب کتاب مذکور کا یہ بیان کہ

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی جگہ تھی ہی لیئے متفرق لوگوں کے مکانات اس میں بن سکے، بلکہ جو محلہ "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کے نام سے مشہور ہے اگر اس کی کل آبادی اسی مدرسہ کی زمین پر قایم ہوئی ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ مکان بجائے خود ایک محلہ کی گنجایش اپنے اندر رکھتا تھا اور یوں بھی تو سمجھنا چاہیئے کہ جس مکان میں شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز رح پھر شاہ عبدالعزیز کے بعد آخر میں شاہ اسحاق رح تک سا کے مشہور عظیم ترین حلقہ کے طلبہ بھی اسی میں پڑھتے رہے، خیال کیا جا سکتا ہے کہ محمد شاہ کا دیا ہوا یہ مکان مکان نہیں بلکہ غالبا کوئی بڑی ڈیوڑھی یا حویلی ہو گی، جس میں اتنی گنجایش پیدا ہو سکی،

مغلی عہد کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کا اندازہ موجودہ زمانہ کے ہندوستانیوں کو نہیں ہو سکتا، تھوڑے بہت اس کے نشانات اب بھی حیدرآباد میں پائے جاتے ہیں، کہ ایک ایک امیر کی بعض ڈیوڑھیاں اس وقت بھی بحمداللہ شاید ایک ایک مربع میل سے کم زمین میں نہ ہوں گی، بہرحال مولوی بشیرالدین صاحب کتاب مذکور ہی نے لکھا ہے کہ

"شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے وہی مشغلہ (درس تدریس) کا جاری

رکھا اور مدرسہ نے تعلیم دینیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہوگیا، جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحاق (مہاجر مکی) نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی۔"

جو لوگ حضرت شاہ عبدالعزیز اور بالخصوص حضرت شاہ اسحاق صاحب کے حلقہ درس کی وسعت سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ ایک زمانہ ہندوستان پر وہ بھی گزرا ہے کہ جس طرح آج ہر صوبہ اور تقریباً ہر صوبہ کے ہر ضلع اور ہر ضلع کے ہر تعلقہ (سب ڈویژن) میں دیوبند کا کوئی نہ کوئی طالب العلم ضرور پایا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت شاہ اسحاق صاحب کی درسگاہ کی بھی اپنے زمانہ میں یہی نوعیت تھی وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کی وسعت کیا ہوگی، اس کا پتہ تو نہ چلا کہ اس مدرسہ میں طلبہ کے قیام کا بھی بندوبست تھا یا نہیں، ظاہر تو یہی ہے کہ اس زمانہ میں جب مسلمانوں نے ہر طالب العلم کے لیئے قیام وطعام (لاجنگ بورڈنگ) کے مسئلہ کو فری (او رمفت) کر رکھا تھا تو اسی دستور کے مطابق طلبہ مساجد اور ان مقامات میں رہتے ہوں گے، جن کا نام اس زمانہ میں جاگیر تھا، تاہم شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اپنے اسی مدرسہ کی مسجد کا حال بیان فرماتے ہوئے جو یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ

دراں ہنگام بزرگان بسیار واولیا ربسیار از یاراں والد ماجد . . . معتکف مسجد بودند ص ۱۰۹

اس زمانہ میں بہت سے بزرگ اور بہت سے اولیاء اللہ والد ماجد کے دوستوں میں سے مسجد میں معتکف تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کی خانقاہی حیثیت بھی تھی، رمضان کے مہینہ میں بھی جو عموماً عربی تعلیم کی عطلت کا زمانہ ہے "بزرگان بسیار واولیار بسیار" اس مدرسہ کی مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو عام واردین وصادرین کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے،

چونکہ محمد شاہ کی ایک اسلامی خدمت کا اظہار مقصود تھا اس لیئے قصداً میں نے ذرا طول بیانی سے کام لیا، اور اس سے گونہ شاہ صاحب کے مدرسہ کی حالت پر بھی روشنی پڑگئی، نیز اسی مدرسہ کے کچھ حالات آخر مضمون میں بھی انشاء اللہ آئیں گے، اسی سلسلہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب خود محمد شاہ نے حضرت شاہ صاحب کو بلوا کر یہ مدرسہ حوالہ کیا تھا، تو عقل کا تقاضا ہے کہ حکومت نے ان طلبہ کے لیئے بھی ضروری وظائف منظور کیئے ہوں گے، جو اس مدرسہ میں دور دور سے آتے تھے، کیونکہ بادشاہ تو بادشاہ، عام امراء کے خزانوں سے مد وظائف طلبہ میں کافی رقموں کے دینے کا عام دستور تھا، حافظ الملک حمت خاں والی بریلی کے متعلق ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ ماہوار سیکڑوں طالب العلموں کو ان کی سرکار سے امداد ملتی تھی، نجیب الدولہ کی علم دوستی کا حال تو خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود ادنیٰ پنج روپیہ واعلیٰ پانصد روپیہ ص ۸

نجیب الدولہ کے پاس نوسو عالم رہتے تھے جن میں ادنیٰ درجہ کے علما کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو پانچسو روپیہ ملتے تھے۔

میرا اندازہ ہے کہ یہ پانچ اور پانچسو روپیہ ماہوار نہیں بلکہ "یومیہ" تھا، حیدرآباد دکن میں بحمداللہ ان کی نشانیاں اب تک باقی ہیں

اور جس زمانہ میں مسلمانوں کی دولت کا حال یہ تھا کہ زیادہ دن پہلے نہیں بلکہ انگریزوں کے تسلط سے کچھ ہی پہلے دلّی کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

کہ بخانہ قمرالدین خاں عورات غسل اخیراز گلاب می کردند وبخانہ دیگر نواب سہ صد روپیہ گل وپان برائے عورات می رفت

قمرالدین خاں کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کرتی تھیں، اور ایک دوسرے نواب کے یہاں تین سو روپیہ روز کا صرف پھول، پان عورتوں میں جاتا تھا

اور وہی "سید برادران" جن کا حال ابھی گزرا ان میں کے بڑے بھائی حسین علی خاں جب اورنگ آباد دکن کے صوبہ دار تھے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی کا بیان ہے کہ

مردم اورنگ آباد بالاتفاق بیان می کنند درعہد امیرالامرا اکثر مردم درخانہ خود طعام نمی پختند طباخان سرکار امیرالامرا حصہ خود می فروختند وقاب پلاؤ مکلف بچند پل می دادند (خزانۂ عامرہ ماثرالکرام) ج ۱

اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیرالامرا (حسین علی خاں) کے زمانہ میں اکثروں کے یہاں کھانا نہیں پکتا تھا بلکہ امیرالامراء کی سرکار کے باورچی اپنے حصہ کا کھانا بیچدیتے تھے پلاؤ کا ایک مکلف قاب چند پیسوں میں دیتے تھے۔

خیر بات بہت طویل ہوئی جاتی ہے، لیکن "فاقصص القصص" بھی چونکہ عبادت ہے اور اس سے بھی زیادہ "لعلھم یتفکرون" (پہلوں کے حالات سن کر شاید پچھلوں میں جو تک پیدا ہو) اس لئے اس معترضہ جملہ کے بیان کرنے میں مضائقہ محسوس نہ ہوا۔ اب اصل مدعا کی طرف آتا ہوں، تو قصہ یہ ہورہا تھا کہ حجاز سے سند حدیث لے کر جب شاہ صاحب دلّی واپس ہوئے اور طلبہ کے عام رجحان کو دیکھ کر محمد شاہ نے آپ کو یہ حویلی کہیئے یا اسی زمانہ کی زبان میں دارالعلوم (کالج) قرار دیجئے۔ حوالہ کیا تو شاہ صاحب اپنے منصوبوں کو دل میں لے کر اس کے مطابق سرگرم عمل ہوئے ہی تھے کہ اچانک ہندوستان خصوصاً دلّی کی زمین پر نادرشاہ درانی کی مشہور مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ شاہ صاحب ۱۱۴۴ھ میں حجاز سے دلّی پہونچے تھے اور ۱۱۵۱ھ میں نادرگردی کی دلّی شکار ہوئی، مورخین کا اس حملہ کے اسباب میں اختلاف ہے، میاں بشیر مرحوم نے تو آصف جاہ مرحوم کو نادر کا داعی قرار دیا ہے لیکن سچ یہ ہے اور واقعات اس کے موید ہیں کہ ایرانیوں کی قوت سادات کی تباہی سے جو کمزور ہوئی تھی، اسی کی تلافی کے لئے غریب تورانیوں[۱] پر نادرشاہ کو اکسا کر بلایا گیا تھا، اور بالفرض یہ سب

[۱] عام تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہو کہ آصف جاہ بہادر نادر سے دوسرے دن مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے بادشاہ محمد شاہ کو آپ نے یہی مشورہ دیا تھا لیکن برہان الملک یعنی شاہان اودھ کے مورث نے ان کے منشا کے خلاف تنہا لڑائی چھیڑ دی اور خود اپنے کو نادر کے ہاتھ گرفتار کرا کے نادر کو دلی لے گیا اور کروڑہا کروڑ روپیہ تخت طاؤس کے ساتھ جو گیا سو گیا لاکھوں انسانوں کا خون بھی بہا ۱۲

نہ بھی ہو، جب بھی واقعہ یہ ضرور پیش آیا کہ ہمایوں نے ایرانی جراثیم کے لیے جو سوراخ پیدا کر دیا تھا نادر گردی نے اس سوراخ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ یعنی اب تک ہندوستانی حکومت اپنے جذبہ منت شناسی کا اعتراف ایرانیوں کو مناصب و خدمات دے کر کر رہی تھی۔ لیکن نادرشاہی اور قزلباشی افواج کے عسکری اور سیاسی تفوق نے ہندوستانی دماغوں میں مرعوبیت کی اُسی کیفیت کو پیدا کر دیا جس کا مشاہدہ آج مغربی حکومت کی مرعوبیت اور اس کے نتائج کی شکل میں ہم کر رہے ہیں۔

ہمارا ظاہر و باطن و اندر باہر، صرف محکومیت اور تعبد کی تجلی گاہ بنا ہوا ہے مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ہمارا بال بال یورپ کی غلامی کے سحر سے مسحور ہے، سروں کے بال اور مونچھ داڑھی کی تراش و خراش میں بھی ہماری آنکھیں اپنے مغربی آقاؤں کے چہروں کو تاکتی رہتی ہیں اب ہم خود کچھ نہیں دیکھتے، بلکہ جو یورپ دکھاتا ہے وہی دیکھتے ہیں جو کچھ وہ سوجھاتا ہے وہی سوچتے ہیں، جو وہ سمجھاتا ہے، وہی سمجھتے ہیں، جو کچھ وہ کھلاتا ہے وہی کھاتے ہیں جو کچھ وہ پلاتا ہے وہی پیتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ ہم میں کتنے ہیں جو استنجا اور قضا حاجت کی شکلوں میں بھی آج یورپ کی راہنمائی کا اپنے کو دست نگر بنائے ہوئے ہیں، یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ تماشا ہے جو حکومت کی سحر طرازیاں ہیں اس وقت ملک کے ہر صوبہ اور ہر علاقہ بلکہ دور دست ریاستوں تک میں دکھلا رہی ہیں۔

نادر سے ہندوستانیوں نے شکست کھائی تھی اور ایسی شکست کھائی تھی، جس کی نظیر کم از کم ہندی مسلمانوں کی آنکھوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جامع ملفوظات نے ایک موقع پر یہ نقل کیا ہے کہ شاہ صاحب نے ایک دن

تذکرہ قتل نادرشاہی و عزم جوہر شدن شرفا کہنہ شہر و جواب والد ماجد و قصہ امام علیہ السلام	نادرشاہی قتل، اور پرانی دلی کے شریفوں کے اس ارادہ کا ذکر فرمایا کہ وہ "جوہر" کا قطعی طور پر ارادہ کرچکے تھے، پھر والد نے جو جواب اُن کو دیا اور امام علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا

اس "جوہر" کی رسم سے شاید عام لوگ واقف نہ ہوں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی ایک قدیم رسم تھی "جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد کو پہونچ جاتا تھا کہ نجات و خلاصی کی راہ مسدود ہو جاتی تھی تو پاس ناموس و عزت کے لیے آگ کا الاؤ جوڑ کر عورتیں، مرد، بچے سب اُس میں کود جاتے تھے،

شاہ صاحب کی اس شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ "نادر گردی" کی دہشت اس حد کو پہونچ چکی تھی کہ پرانی دلی کے شرفا آگ میں پھاندنے کی تیاریاں کر چکے تھے، لیکن جیسا کہ آگے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، اس موقعہ پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور حسین علیہ السلام کے مصائب یاد دلائے اور بتایا کہ وہاں بھی تو جان و مال کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی عزت و ناموس خطرہ کی آخری شکل میں گھر چکی تھی، لیکن حضرت امام نے "جوہر" کا فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ صبر و رضا کی راہ اختیار کی تو اس ارادہ سے لوگ باز آئے۔

بہر حال اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دلّی اور دلّی کے ساتھ سارے ہندوستانیوں کی ایرانیوں سے مرعوبیت کا کیا حال ہوا ہوگا، یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس "مرعوبیت" نے ہندوستانیوں کے اندر صرف ایرانی اعتقادات اور دینی مسلک کے میلان کے راستہ کو صاف کیا بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا "محکومیت" ہر قسم کے انفعالات و تاثرات کو اپنے ساتھ لاتی ہے ہمایوں کے بعد ہندوستانی مسلمان یوں بھی ایران کی شاعری، ایرانی مفکرین اور ایرانی ارباب علم و دانش سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ مغل دربار زیادہ تر ایرانی ہی شعراء، حکماء اور فلاسفہ سے معمور تھا، جس کی تفصیل عام تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے، ورنہ مغل حکومت سے پہلے اگرچہ "ولائت" یعنی "بیرون ہند" سے ہر قسم کے لوگوں کا اس ملک میں تانتا بندھا ہوا تھا، اور ان میں اکثر تھوڑی کد و کاوش کے بعد اپنی اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر کسی نہ کسی عہدہ اور مرتبہ تک پہونچ ہی جاتے تھے، لیکن اس میں ان "ولایتی ممالک" میں سے کسی خاص ملک کی تخصیص نہ تھی۔ ترکستان - خراسان - ایران - عرب بلکہ روم وغیرہ تک کے لوگ آتے رہتے تھے اور اگر کچھ غلبہ حاصل تھا تو خراسانی اور تورانی ممالک کے اہل علم و فضل کو تھا، اور چونکہ ان علاقوں میں زیادہ تر تصوف فقہ و اصول فقہ کا چرچا تھا اسی لیئے مغل عہد سے پہلے ہندوستان میں ان ہی علوم کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا، فلسفہ منطق کی طرف لوگوں کا کم میلان تھا، لیکن ہمایوں کے بعد ہم بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر کو محسوس کرتے ہیں یعنی آہستہ آہستہ فلسفہ اور منطق کو اہمیت حاصل ہوتی جاتی ہے، اور اس کے بعد ان دونوں "علموں" کے ساتھ ہمارا ملک جس شدت سے چمٹ گیا، اس کا حال کس کو معلوم نہیں، اس تغیر کی تاریخ یہ ہے — کہ جہاں گیر اور شاہجہاں کے عہد میں ایران میں خاص دل و دماغ کے کچھ لوگ پیدا ہو گئے تھے، جن میں عجیب و غریب شخصیت میر باقر داماد نامی ایک ملّا کی تھی، یہ استرآباد کا رہنے والا تھا، مشہد میں تعلیم حاصل کی تھی اور صفہان میں سکونت اختیار کر لی تھی، شاہ عباس صفوی اس کا بڑا قدر دان تھا اور اسی کی قدردانیوں نے اس کو شہرت و عزت کے اس مقام پر پہونچایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جو ہمارے مدرسوں میں مشہور ہے کہ "باقر داماد بادشاہ کا داماد تھا اسی لیئے داماد کے لقب سے مشہور ہوا، بلکہ داماد در اصل ان کے والد کا لقب تھا جن کا نام سید محمد تھا، سید محمد کی شادی اس زمانہ کے ایک بڑے فقیہ شیخ علی بن عبد العالی سے ہو گئی تھی اسی لیئے لوگ سید محمد کو سید محمد داماد کہنے لگے، سید محمد کے بعد یہی لقب دامادی کا ان کے بیٹے میر باقر کو وراثت میں ملا، بہر حال باقر داماد جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک خاص قسم کا آدمی تھا، جہاں تک میرا خیال ہے اس کو فلسفہ سے زیادہ ادب میں مہارت حاصل تھی، وہ فطرۃً شاعر تھا اور اگرچہ عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں لیکن فارسی زبان میں وہ شاعری بھی کرتا تھا، اشراق تخلص تھا مگر بیچارے کے لیئے دشواری یہ ہو گئی تھی کہ پیدا ہو گئے تھے "ملّا گھرانے" میں، جس کے لیئے شعر و شاعری کے مشاغل کسی طرح مناسب نہ تھے، آخر ان کی فطرت نے ایک دوسری راہ بتائی، دینیات اور مذہبیات سے تو اس شخص کو کبھی دلچسپی نہ ہوئی اگرچہ برائے نام بعض مختصر رسالے دینی موضوع پر بھی لکھے ہیں، لیکن اپنے دماغ کو فلسفۂ الٰہیات کی طرف پھیر دیا اور اس زمانہ کی ایرانی ادبیات میں الٰہیات کا جو سرمایہ تھا، خصوصاً متاخرین کے لفظی جھگڑوں نے بات کو بتنگڑ بنا کر

اوہام کی جو بھول بھلیاں تیار کر دی تھیں میر باقر نے ان ہی چیزوں کو لے کر ایک خاص قسم کے ادیبانہ رنگ میں جس میں لغت کے نامانوس غریب الفاظ، عربی زبان کے ایسے مصادر جن کا عام بول چال میں کم استعمال ہوتا ہے، مثلاً باب تجشیبات اجلواذ احرنجام اقشعرار وغیرہ کے وزن پر زبردستی الفاظ کو تراش خراش کر لانا، نون تاکید اور باب تفعیل و تفعل، کی تشدید سے کلام میں زور پیدا کرنا، ایسی چیزوں کی جمع بنانا جن کی جمع کی طرف بآسانی ذہن منتقل نہ ہو سکے، مثلاً عام طور سے منطقی اور کلامی طبقوں میں "لانسلم" (ہم یہ نہیں مانتے) یا "لم لایکون کذا" (آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا) وغیرہ الفاظ کا استعمال بکثرت کیا جاتا ہے، خصوصاً ارباب جدل و مناظرہ کی زبانوں پر تو گویا یہ الفاظ بطور سخن تکیہ کے چڑھے رہتے ہیں میر باقر نے ان لوگوں کا نام ہی "لانسلمیون" اور "لم لایکونیون"، رکھدیا، ظاہر ہے کہ اس جمع کو دیکھ کر بآسانی کس کا دماغ ان کے مفردات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، بہر حال اس زمانہ کے شروح و حواشی خصوصاً دوانی اور صدر معاصرنے شرح تجرید کے حاشیوں میں قدیمہ، جدیدہ، اجد وغیرہ کے ناموں سے بے معنی مباحث کا جو طوفان پیدا کیا تھا، اور اس پر مرزا جان، اخوند یوسف، آقا حسین خونساری وغیرہ نے جو کوہ کندن کاہ برآوردن" کی خدمتیں انجام دی تھیں، میر باقر نے ان ہی سب کو سامنے رکھ کر اپنے جدید انشا اور ادب کا ان کو تختۂ مشق بنایا، گویا ایک قسم کے منطقی اور الٰہی ادب کی اس نے ایجاد کی، اسی کے ساتھ میر داماد نے اپنی کتابیں جن میں تقریباً ایک ہی قسم کے مضامین ہیں ان کے نام بھی عجیب و غریب قسم کے رکھے جن کے سننے کے ساتھ ہی آدمی پر ایک رعب سا چھا جاتا ہے، مثلاً "الافق المبین"، "الصراط المستقیم"، ایماضات، تقدیسات، قبسات از یں قبیل اور بھی چند کتابیں ہیں۔

غرض میرے نزدیک تو میر باقر پر بجائے فلسفہ اور منطق کے فی الحقیقت ادب و شعریت غالب تھا اس کا اندازہ علاوہ ان تدبیروں کے اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نظامی گنجوی کی پانچ نظم کی کتابوں کا شمار فارسی شاعری کے جواہر پاروں میں تھا، اور "جواہر خمسہ نظامی" کے نام سے یہ مجموعہ عام طور پر مشہور ہے۔ میر باقر نے بھی اپنی پانچ کتابوں کو "جواہر خمسہ" کے نام سے ملقب کیا۔—— میر باقر کے بعد ان کے شاگردوں میں ایک اور صاحبِ قلم (بلکہ "صاحب قلم" سے زیادہ "صاحب سیاہی و روشنائی"، کا خطاب ان کو دیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا) پیدا ہوئے .... یعنی ملا صدر الدین شیرازی جن کی کتاب شرح ہدایت الحکمۃ "صدرا" کے نام سے مدرسوں میں آج بھی مشہور ہے، یہ شخص بلا کا لکھنے والا تھا، ہزارہا صفحات کی بیسیوں کتابوں مثلاً تعلیقات شفا یا حواشی شرح حکمت الاشراق "شواہد ربوبیت" وغیرہ کے علاوہ ایک بسیط کتاب اسی لفظی فلسفہ کے متعلق چار ضخیم جلدوں میں اس شخص نے تیار کی جس کا نام "اسفار اربعہ"[۱] ہے، اس کے زمانہ تک لایعنی مباحث کا جو ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، سب کو تلاش کر کر کے اس نے اپنی تالیف میں

---

[۱] حکومت آصفیہ کے دار الترجمہ نے فلسفہ کی اس ضخیم کتاب کا اردو میں ترجمہ کرا دیا ہے جسکی پہلی جلد کا ترجمہ خاکسار نے اور باقی جلدوں میں سے ایک حصہ کا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اور دوسرے حصہ کا مولوی میرک شاہ کشمیری نے کیا ہے دنیا کی کسی زبان میں فلسفہ کی اتنی بڑی کتاب شاید ہی موجود ہوگی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فلسفہ چونکہ نام ہی وسوسہ کا ہے مشرقی ہو یا مغربی لیکن اگر علم اس کا نام ہے تو صدر شیرازی کا یہ لیا کام ہی جس میں ڈھونڈھنے والے فلسفہ کے ہر مکتب خیال والوں کے خیالات تلاش کر کے نکال سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

جمع کیا، اور اس کے ساتھ بعض مسائل میں اپنے خاص نظریات بھی قایم کیے، اُستاذ سے ان کا رنگ اس اعتبار سے جُدا ہے کہ ثقیل وغریب لفظوں کے طمطراق سے ان کی کتابیں خالی ہیں، صرف اسفار کے عنوانوں میں میر باقر کی کچھ جھلک پائی جاتی ہے مثلاً "لمعۂ اشراقیہ" "حکمۃ عرشیہ" وغیرہ

بہر حال جس وقت ہندوستان میں عہد شاہجہانی وعالمگیری گزر رہا تھا، ایران کی زمین ان لفظی فلسفیوں کی علمی جلالت شان کے غلغلوں سے گونج رہی تھی، اور ہندوستان وہی ہندوستان جس نے ہمایوں کی راہ سے اپنا رشتہ ایران سے جوڑ لیا تھا اس میں ان غلغلوں کی صدائے بازگشت آآ کر ٹکراتی تھی، اب تک کسی میدان میں اسلامی ہند نے چونکہ شکست کی رُسوائی نہیں اُٹھائی تھی اس لیئے ایران کی ان آوازوں سے اتنا تو متاثر نہیں ہوا جتنی کوئی محکوم مفتوح قوم متاثر ہو سکتی ہے، لیکن میل ملاپ اور احسان مندی کے جذبات نے ہندوستان کو اتنا منفعل ضرور کر دیا، کہ جو ملک اب تک صرف تصوف، فقہ و اصول فقہ کی جولانگاہ تھا، اب ان علوم سے ہٹ کر آہستہ آہستہ اس کا میلان ایرانیوں کے ان لفظی گورکھ دھندوں کی طرف فلسفہ اور منطق یا عقلیات کے پرشوکت ناموں سے بڑھنے لگا۔ زیادہ دن نہیں گزرنے پائے کہ بالآخر پُرانے ذوق پر یہ جدید شوق غالب آگیا اور ایسا غالب آیا کہ عالمگیر کے عہد کے ایک مشہور عالم جو عالمگیری فوج میں ایک بڑی مذہبی خدمت یعنی فریضۂ احتساب پر ملازم تھے، جس کا براہ راست تعلق فقہ اور فقہی مسائل کی تفصیلات ہی سے ہے فقہ اور اس کے جزئیات سے جو پورے طور پر واقف نہ ہو صحیح طور پر اس فریضہ کا انجام پانا اس سے مشکل ہے، میری مراد میرزاہد سے ہے جو اس وقت تک عربی مدارس میں اپنے "زواہد ثلثہ"، کی بدولت خاصی شہرت رکھتے ہیں، اور منطق وفلسفہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کے استاد ہیں، ان ہی میرزاہد صاحب کے متعلق جو آگرہ میں صدر محتسب عساکر عالمگیر تھے، مولٰنا شاہ عبدالعزیز راوی ہیں کہ

امیرے شرح وقایہ می خواند بے حضور جدّ بزرگوار سبق نمی فرمود　　ملفوظات ص۸۲

ایک امیر میرزاہد سے شرح وقایہ پڑھتا لیکن فقہ میں میرزاہد کو اپنے اوپر چونکہ اعتماد نہ تھا، اس لیے جب تک دادا حضرت شاہ عبدالرحیم نہ آجاتے میر صاحب سبق نہیں پڑھاتے تھے

شرح وقایہ پڑھانے میں تو محتسب صاحب کا یہ حال تھا لیکن اسی کے مقابلہ میں معقولات سے آپ کے تعلق کی جو نوعیت تھی شاہ عبدالعزیز ہی نے ان کا یہ دلچسپ فقرہ نقل کیا ہے، کہ میرزاجان اور اخوند یوسف جن کے دوانی کے حواشی پر حواشی ہیں ان دونوں کے متعلق میرزاہد[1] کہا کرتے :-

تقریر میرزاجان جان من ست و تقریر اخوند جان جانِ من

مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے اور اخوند کی تقریر میری

[1] مگر باوجود اتنی معقولیت کے اس زمانہ کے معقولی کا یہ حال تھا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی میرزاہد نے رمضان میں ایک دن دعوت کی اس عرصہ میں ایک کبابی کتابوں سے بھرا ہوا خوانچہ مرزا کے پاس لاکر رکھا کہ "نیاز اور دہ ام" مرزا نے کہا اے عزیز! پیر تو نہ ام استاد تو نہ ام نیاز چہ معنی؟ آخر دو دکے بعد معلوم ہوا کہ اس کی دکان کو مرزا کے سپاہی غلط جگہ پر ہونے کی وجہ سے اُٹھانا چاہتے ہیں اسی کی رشوت میں لایا ہے آخر دام دے کر لینا طے ہوا لیکن ڈھائی روپیہ کی کتاب آٹھ آنہ میں دے رہا تھا مرزا کو معلوم ہوا سخت برہم ہوئے اور پورے دام ادا کیے ۱۲ انفاس ص۳۲

من ست | ۱۲ھ | جان جاناں ہے،

اور یہ اس زمانہ میں کچھ بیچارے میرزا زاہد ہی کا حال نہ تھا، تقریباً علماء کے اکثر افراد پر یہی کیفیت طاری تھی تاہم "حملہ نادری" سے پہلے ہندوستان کے علماء ایرانی فضلاء میں فانی نہیں ہوئے تھے، ان کے اعتراف فضل و مہارت کے ساتھ اپنی کمتری کا احساس ان میں نمایاں نہ ہوا تھا، اسی لئے بجائے تقلید جامد کے ان کے انفعالی تاثرات بظاہر مقابلہ کے رنگ میں ظاہر ہوتے تھے، ملا باقر نے اپنی کتاب "الافق المبین" کا نام قرآن سے انتحال کیا تھا ٹھیک اسی کے توڑ پر شاہجہاں کے عہد میں جونپور کے مشہور فلسفی ادیب ملا محمود جونپوری نے بالکل اسی طمطراقی طرز پر تو نہیں جو ملا باقر کی خصوصیت ہے لیکن اچھے خاصے بلند انشائی رنگ میں فلسفہ کی ایک کتاب تصنیف کی، اور انھوں نے بھی قرآن مجید ہی سے اس کا نام "الشمس البازغہ" اقتباس کیا، اسی طرح اورنگ زیب کے عہد میں ملا محب اللہ بہاری نے اپنی مشہور دونوں درسی کتابوں یعنی مسلم و سلّم کے نام میں بھی ایک ادیبانہ پہلو ملحوظ رکھا اور دونوں کتابوں میں ڈھلے ڈھلائے ترشے ترشائے فقرے جہاں تک میرا خیال ہے، میر باقر ہی سے شعوری یا غیر شعوری اثر پذیری کی بنیاد پر داخل کیے گئے ہیں، مگر اب تک دونوں ممالک کے فضلاء گویا ایک حد تک "رقیبانہ" تعلقات رکھتے تھے، اگرچہ سچ یہ ہے کہ غیر محسوس طور پر ایران کے تفوق کو وہ اپنے طرز عمل سے گونہ تسلیم کرتے جاتے تھے لیکن "نادری حملہ" نے تو اس نامحسوس کو محسوس اور غیر شعوری انفعال کو شعوری بنا دیا بلکہ جیسا کہ تمام مفتوح ہزیمت خوردہ اقوام کا قاعدہ ہے انھوں نے اپنے اس انفعال و تاثر کو سرمایہ صد افتخار، اور موجب ہزار نازش و امتیاز قرار دے دیا جس کا اندازہ ہندی علما کی ان کتابوں سے ہو سکتا ہے جو "حملہ نادری" کے بعد ہندوستان میں لکھی گئیں، میر باقر کا نام اسی کے بعد "خیر اللحقۃ بالمہرۃ"[۱] "سید الاذکیا" اور خدا جانے کیا کیا ہو گیا۔

اس بحث میں ذرا زیادہ بسط سے میں نے قصداً کام لیا ہے، کیونکہ آئندہ جیسا کہ معلوم ہوگا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے جہاں اور کام انجام دیئے ہیں ایران کی اس ذہنی مرعوبیت کے رد عمل میں بھی اس نے کامیاب کوشش کی ہے، حضرت کی اس خدمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس عہد کی اس ذہنی و علمی کیفیت کا کم از کم اجمالاً حال لوگوں کو معلوم نہ ہو، جس کا میں نے اس وقت ذکر کیا، اب میں پھر اصل مبحث کی طرف توجہ کرتا ہوں، کہ نادر ہندوستان سے لیجانے کو تو جو کچھ بھی لے گیا لیکن اسی کے ساتھ ملک میں یک مصیبت بھی چھوڑ گیا، یعنی ایران کے دینی رجحانات اور ذہنی اور دماغی میلانات میں قدرتاً مفتوح ہندوستانیوں میں جو پہلے سے بھی بہت کچھ متاثر تھے اور بھی شدت پیدا ہوگئی، بلکہ نادر شاہ اگر یوں ہی مار پیٹ اور تاخت و تاراج کر کے نکل بھاگتا تو شاید عداوت و بغض کی وجہ سے کوئی دوسری کیفیت پیدا ہوتی، لیکن ہوا یہ کہ ساری خواری و ذلت اور بربادی و تباہی، کے باوجود سہمے ہوئے بادشاہ محمد شاہ نے نادر شاہ کی باضابطہ ہفتوں مہمانی کی دربار کے بڑے بڑے اُمرا نادر شاہ کی خدمت پر مقرر رہے عمدۃ الملک جیسا امیر کبیر بیچارہ نادر کو قہوہ پلانے پر

[۱] یعنی پچھلے لوگوں میں ماہرین فن کی صفت میں سب سے بہتر آدمی جو شریک ہوا وہ میر باقر ہے ۱۲

مامور ہوا تھا، اور یہی حال دوسرے امیروں کا تھا، بہر حال "محمد شاہ ضیافت نادر شاہ بکمال تکلف قرار داد"، اور بات اسی پر ختم نہ ہوئی بلکہ اسی کے ساتھ نادر شاہ نے

دخترے از احفاد شاہجہاں پادشاہ بحبالہ نکاح پسر کوچک خود نصر اللہ مرزا کہ ہمراہ داشت در آورد

سیر ص ۴۸۵

شاہجہاں بادشاہ کی پوتیوں میں سے ایک لڑکی نادر کے چھوٹے لڑکے نصر اللہ مرزا کے نکاح میں دیدی جو اس کے ساتھ ایران سے ہندوستان آیا تھا

ہندوستانی امراء بلکہ خود شاہی خاندان والوں سے صدیوں کے ناز و تنعم نے حمیت و غیرت کی حرارت یوں بھی بجھادی تھی اب یہ عزیز داری کا رفتہ جوش انتقام کو فرو کرنے کے لیئے ان کے بزدل قلوب کے لیئے بہانہ مل گیا، اور یوں بزدلی کے رذیلہ پر جذبہ رواداری اور وسعت چشمی کی چادر اُڑھا دی گئی، نادر نے جو کچھ کیا دھرا تھا سب بھلا دیا گیا، "آقا! خوش آمدید" کے ساتھ ہر ایرانی کا ہندوستان میں خیر مقدم ہونے لگا، ان کی کتابیں، شوق سے پڑھی جانے لگیں ان کے علما کی باتیں دلچسپی سے لوگ سننے لگے اور اس کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہی،

لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہے، ظاہر ہی کہ نادر کابل و قندھار کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا، راستہ میں ان علاقوں کے باشندوں نے مزاحمت کی، لیکن باوجود اپنی مشہور جلادت و شجاعت کے قزلباشوں کی ضرب کی تاب نہ لاسکے، ہر جگہ ان کے پاؤں اُکھڑتے چلے گئے اور نہ صرف کابل و قندھار بلکہ سرحد کے افریدی و مہمندی مسعودی، اور دوسرے جاں باز و جاں فروش قبائل بھی نادر کے ٹلے کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے ایسا عجیب و غریب واقعہ کیسے پیش آیا، تاریخ کا یہ اہم سوال ہی اور ہماری بحث سے خارج ہی، تاہم بعض اشارات تورانی و ایرانی تنازعات کے قصہ میں مل سکتے ہیں، غور کرنیوالے شائد ان کی مدد سے صحیح نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں۔

بہر کیف یہ واقعہ تھا کہ ہر جگہ کابل و قندھار و سرحد کے پٹھانوں کو بھی نادر کے مقابلہ میں زک اُٹھانی پڑی اور ہر جگہ "خونی نادر" نے ان پر عافیت تنگ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ہزیمت خوردہ پراگندہ قوم اپنے علاقوں سے بھاگ بھاگ کر ہندوستان میں پناہ ڈھونڈھنے لگی، اور

جمعے ازاں قوم پراگندہ بہ ہندوستان درآمدہ در ہر جا سکنی و اکثر در سرکارات ملازم شدہ داخل سپاہ گشتند

سیر ۴۸۰

اس پراگندہ پریشان قوم کا ایک حصہ "ہندوستان" پہونچا، اور ہر جگہ انھوں نے سکونت اختیار کی اور ملک کی مختلف سرکاروں (علاقوں) میں انھوں نے ملازمت اختیار کر لی۔

اور مختلف سرداروں کی ماتحتی میں جتھے بنا بنا کر انھوں نے چند دنوں میں اپنے مختلف مرکز قایم کر لیئے خصوصًا

محمد خاں معروف بہ روہیلہ، مورد التفات اعتماد الدولہ گردیدہ بعضے محالات جاگیرات و خالصہ را بطور ملکیت قابض و متصرف بہ توجہات وزیر گشت۔

محمد خاں جو روہیلہ کے نام سے مشہور ہی وہ اعتماد الدولہ (امین خاں) کی نظر التفات سے سرفراز، اور اسی وزیر کی توجہ سے بعض محالات اور جاگیروں خالصہ وغیرہ پر بطور مالک ہو نیکے قابض ہو گیا

چوں صاحب جرأت و شخص صاحب ارادہ و شعور بود ہمیں افغانان و روہیلہ ہائے گریختہ قندھار و اطرافش را با خود رفتن ساختہ بنام روہیلہ اشتہار و از اجتماع انہا اقتدار یافت ملک بسیار بے رانثل آنولہ و سنبھل و مراد آباد و بداؤں و بریلی وغیرہ متصرف گشت۔ (ص ۴۸۰)

چونکہ محمد خاں جرات و ہمت والا آدمی تھا اور ارادہ و عزم اور تمیز و شعور کا بہرہ رکھتا تھا اس نے قندھار اور اس کے گرد و نواح کے بھاگے ہوئے روہیلوں کو اپنے ساتھ کر لیا روہیلہ کے نام سے اس کی شہرت ہوئی، اور ان لوگوں کے جمع ہو جانے سے اس شخص کو اچھی خاصی قوت حاصل ہوگی ملک کا ایک بڑا علاقہ مثلاً آنولہ سنبھل۔ مراد آباد۔ بدایوں۔ بریلی وغیرہ کو اپنے تصرف میں لے آیا۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے اس علاقے کے باشندے ہندوستان میں نہیں پائے جاتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر اس بے سروسامانی کے ساتھ روہیلوں کی ایک بڑی تعداد یکایک جو ہندوستان کے بالائی علاقوں اور خصوصاً دہلی میں پھیل گئی، تو اس کا سبب یہی نادر اور اس کی عجیب و غریب لشکر کشی تھی، اب ہوا یہ کہ ایک طرف نادر کی وجہ سے ایرانی اور ایرانی مذہب و ذہنیت رکھنے والوں کو ملک میں تفوق حاصل ہوا، اور ان ہی کے ساتھ ایک اور جدید عنصر بالکل ان کے مدمقابل یعنی روہیلوں کا بھی اقتدار بہ تدریج جڑ پکڑنے لگا تیسرا عنصر تورانیوں کا تو پہلے ہی سے موجود تھا، کہ حکومت ہی تورانیوں کی قایم کی ہوئی تھی۔ ـــــــ جیسا کہ میں نے عرض کیا آخر زمانہ میں اورنگ زیب کے بعد تورانی اور ایرانی سوال میں کافی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی جس کی بظاہر تعبیر تورانی و ایرانی سے کیجاتی تھی، لیکن در اصل یہ مقابلہ سنیوں اور شیعوں میں تھا، سنیوں ہی کا نام تورانی رکھا گیا تھا اور شیعوں کو کبھی ایرانی اور کبھی سادات کے نام سے خصوصاً سیر المتاخرین کے مصنف جو خود شیعی ہیں، یاد کرتے ہیں ایک موقعہ پر طباطبائی نے ان تورانی بیچاروں سے متعلق جن میں سب سے زیادہ بدنام آصف جاہ بہادر کا خاندان تھا اُن کے خاص چچازاد بھائی اعتماد الدولہ کے متعلق طباطبائی لکھتے ہیں،

اعتماد الدولہ وغیرہ تورانیاں کہ عداوت سادات را سرمایہ سعادت خود دانستہ (۴۷۸)

اعتماد الدولہ وغیرہ تورانی جو سادات کی دشمنی کو اپنی سعادت کی کنجی خیال کرتے ہیں۔

الغرض یہ دو متقابل عناصر تو ہندوستان میں پہلے ہی سے موجود تھے، اور گو طباطبائی دونوں فرقوں کی باہمی عداوتوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ تورانی جن لوگوں کا نام رکھا گیا تھا یہ عموماً ترکستان یعنی بخارا۔ سمر قند۔ تاشقند۔ خیوہ۔ کاشغر وغیرہ کے لوگ تھے، اور جن لوگوں کو ان ممالک کے حالات کا خصوصاً جس زمانہ سے ہم بحث کر رہے ہیں علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس وقت اس ملک کے مسلمان بہ نسبت فقہاء اور علماء کے زیادہ تر حضرات صوفیہ کرام کے زیر اثر تھے، اور تصوف کی لوگ جو کچھ بھی خرابیاں بیان کریں لیکن اتنا تو ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ صوفیانہ مسلک رکھنے والے نفوس بجائے تنگ چشم ہونے کے وسیع المشرب ضرور ہوتی ہوتے ہیں حتیٰ کہ اسی بنیاد پر "الصوفی لا مذھب لہ" کا مقولہ مشہور و معروف ہوگیا ہے، بلکہ بعضوں کا تو خیال ہے کہ صوفیوں اور شیعوں میں بجائے تخالف اور تصادم کے توافق کے جہات زیادہ ہیں، اور اسی لیے

سمجھا جاتا ہو کہ تصوف کا بہت کچھ میلان تشیع کی طرف رہا ہو جس کی ایک مثال شاید خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہوسکتی ہو کہ مسئلہ خلافت کے متعلق کہاں تو آپ کی رائے یہ ہے کہ عام اشاعرہ جو

تقریر می کنند کہ خلافت ایشاں بہ نص نیست مطلقاً یا بہ نص جلی نیست بلکہ امر اجتہادی ست کہ اہل عصر بنا بر اجتہاد بر آں اتفاق نمودند۔

یہ کہتے ہیں کہ (حضرات خلفاء) کی خلافت مطلقاً کسی نص سے ثابت ہی نہیں ہے، یا نص صریح واضح سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایک اجتہادی بات ہے اُس زمانہ کے لوگ اپنے اجتہاد اور غور و فکر سے ان لوگوں کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

اشاعرہ کا یہ خیال شاہ صاحب کے نزدیک درست نہیں ہے بلکہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ازاں علم شریف نصاً و اشارۃً خبر دادند تا آں کہ تکلیف عباد باستخلاف ایں بزرگواراں عملاً و اعتقاداً متحقق شد و پردہ از روی کار بر انداختہ گشت

بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شریف علم کی نص اور اشارہ ہر طریقہ سے خبر دی ہی، حتیٰ کہ اسی بنیاد پر اللہ کے بندے اس بات کے مکلّف ہوئے کہ ان بزرگوں کو خلیفہ مقرر کریں اور عملاً و اعتقاداً یہی بات واجب ہوئی

یہ اس ازالۃ الخلفاء کے مصنف علّام کی رائے ہی جس کو پڑھکر وہی نہیں جو خاندان ولی اللّٰہی کے حلقہ بگوشوں میں ہیں، بلکہ وہ بھی جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہو کہ بجائے عقیدت و نیاز کے ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ اپنے کو وہ علم کے اس سلسلہ اور خانوادہ کے حریف مقابل سمجھا کیے میری مراد مولٰنا فضل حق خیرآبادی سے ہے، ان کے بڑے مداح شاگرد مولٰنا محسن بہاری رحمہ اللہ خود اپنی براہ راست سُنی ہوئی شہادت ادا کرتے ہیں کہ جب الور میں مولٰنا فضل حق سے وہ پڑھا کرتے تھے تو اسی زمانہ میں

وقعت فی یدہ نسخۃ من کتاب ازالۃ الخفا. فکان اولع بھا و یکثر النظر فیھا او ان فراغہ من درسہ و سائر ما یشغلہ من شانہ فلما وقف علے شی کثیر منھا قال بمحضر من الناس وکنت فیھم ان الذی صنف ھذا الکتاب لبحر ذخار لا یری لہ ساحل الیانع ص۹۳ مطبوعہ علی جان الطحاوی

مولٰنا فضل حق کے ہاتھ ازالۃ الخفا کا ایک نسخہ کہیں سے لگا مولٰنا اس کے مطالعہ کے حریص تھے، اور جب درس و تدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی تو بکثرت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے، جب مولٰنا اس کتاب کے بڑے حصہ کو پڑھکر فارغ ہوئے تب آپنے سب کے سامنے جن میں میں بھی شریک تھا یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ تو ایک دریائے بے کراں ہی، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا۔

مگر اسی "ازالۃ الخلفاء" کے مصنف نے فیوض الحرمین میں جو یہ لکھا ہے کہ

ان طبیعتی و فکرتی اذا ترکتا و انفسھما فضلتا علیاً کرم اللہ وجھہ و احبتا اشد محبتہ۔

میری طبیعت اور میری فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیں اور دونوں کو حضرت سے شدید محبت ہو[۱]

[۱] ملاحظہ ہو اگلے صفحہ پر

تو کیا آپ کی طبیعت وفکرت کا یہ رنگ اسی تصوف، کا نتیجہ نہیں ہے جس کے آپ کابراً عن کابرٍ وارث تھے وہ تو غنیمت ہوا کہ دربار رسالت سے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں الوصاۃ بتفضیل الشیخین یعنی شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کو فضیلت دینے کی وصیت ہوئی اس لیئے فرماتے ہیں کہ یہ تفضیل شیخین کا اعتقاد

شئ طلب منی التعبد بہ خلاف المشتہی وھیھات ھذہ المناقضات منی لولا ان شدۃ الجامعیۃ ھی اللتی اوقعتنی فی ذلک

فیوض الحرمین ص۶۵

ایک ایسی چیز ہو کہ میری ذاتی خواہش کے خلاف مجھے اس کے ماننے اور عبادت خدا سمجھکر ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔ افسوس مجھ میں یہ کس قسم کی متناقض اور متضاد باتیں ہیں لیکن مجھ میں شدید جامعیت کا جو رنگ پایا جاتا ہو اسی نے اس حال تک مجھے پہونچایا ہو۔

خیر یہ تو بیچ کا ایک جملہ معترضہ تھا، میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمایوں کے بعد مغل دربار میں تورانیوں اور ایرانیوں یا دوسرے لفظوں میں سنیوں اور شیعوں دونوں کی آمد ہو رہی تھی، دونوں طبقوں کے امراء حکومت کی مشین میں داخل ہو ہو کر اپنی اپنی فراخور قابلیت کے لحاظ سے پرزے بنتے چلے جاتے تھے، اور گو ان دونوں میں رقابتیں ضرور رہتی تھیں لیکن واقعہ یہ ہو کہ محض سنی ہونے یا شیعہ ہونے کی وجہ سے اس اختلاف نے کبھی کسی سخت خطرناک فساد کی شکل اختیار نہیں کی۔

جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے، اولاً تو باہم مذہبی مناقشوں کا کوئی ایک دوسرے کو موقعہ ہی نہیں دیتا تھا، بلکہ حتی الوسع ہر ایک دوسروں کے جذبات کا عموماً خیال کیا کرتا تھا اور گاہے ماہے اگر کوئی ناخوش گوار گفتگو اس سلسلہ میں ہو بھی جاتی تو اسے غیر معمولی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور بات وہیں رفع دفع ہو جاتی تھی اور خواہ مخواہ اس کو عام جھگڑا بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی باقی پچھلے دنوں میں سادات بارہ کا جو قضیہ نامرضیہ پیش آیا اس میں شک نہیں کہ باروں نے اس میں ایک حد تک شیعہ سنی کے اختلاف کا رنگ ضرور بھرا اور خوب بھرا۔ امیر الامراء حسین علی خاں کے قتل پر مرثیے لکھے گئے، اور بڑے دردناک مرثیے لکھے گئے، گویا اس واقعہ کو کربلا ثانی ٹھرایا گیا۔ میر عبد الجلیل بلگرامی کا مرثیہ تو اسی مشہور مصرعہ سے شروع ہوتا ہی

آثار کربلاست عیاں از زمین ہند

اس باب میں اتنے غلو اور مبالغے سے کام لیا گیا کہ جب جانسٹھ کی جنگ میں حسین علی خاں کے ایک عزیز سیف الدین خاں لڑتے ہوئے کام آئے، تو طباطبائی جیسے روشن خیال بزرگ نے بھی اس کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن دنوں یہ واقعات پیش آئے۔

(۱) "الفرقان" شاہ صاحب کی طبیعت کا یہ میلان اسی قسم کا تھا جیسا کہ عموماً لوگوں کو اپنے روحانی بزرگوں کے اعزہ واقارب خصوصاً انکی اولاد کی طرف ہوتا ہے جو صرف "طبیعت" ہی کا اقتضا ہوتا ہی اور "دین" یا "طبیعت" کے اس اقتضا کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہاں اصل چیز کتاب وسنت کے دلائل ہیں، تو چونکہ دلائل کا فیصلہ تفضیل شیخین کے حق میں تھا جیسا کہ خود شاہ صاحب نے ہی ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں پورے شرح وبسط کے ساتھ اس کو ثابت فرمایا ہو اسلیئے شاہ صاحب نے اپنی ذاتی چاہت اور طبعی میلان کے خلاف اسکو اختیار فرمایا پھر روحانی مکاشفہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی آپ کو تفضیل شیخین ہی کی وصیت ہوئی ۱۲

معتبر لوگوں سے یہ بات سنی گئی کہ ان دنوں میں مسلسل صبح و شام کے شفق کی سرخی اتنی زیادہ تیز ہوجاتی تھی کہ گویا فلک کا دامن مظلوموں کے خون سے آلودہ ہو رہا ہے اور دن و رات کی آنکھیں ان عزیزوں کے ماتم میں خوں فشاں ہیں۔	از معتمدان مسموع افتاد کہ دراں ایام علی التواتر سرخی شفق صبح و شام بمرتبہ ازدیاد و اشتداد داشت کہ گویا دامن فلک جفاکار آلودۂ خون مظلومان و دیدہ لیل و نہار بر ماتم ان ابرار خوں فشاں گشت ص ۲۷۴ ج ۲

لیکن جو اصل واقعات سے واقف ہیں اور اجمالاً میں بھی کچھ پہلے ذکر کر چکا ہوں، کیا ان کے دیکھنے والی ایک لمحہ کے لئے بھی "سادات بارہہ" کے جھگڑوں کو واقعی کسی مذہبی سوال کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں؟ تاریخ اسلام میں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر جاہ و اقتدار کے متوالوں نے اپنے اپنے ہم خیالوں میں ہمدردی کا نشہ پیدا کرنے کے لئے اپنی اپنی خواہشوں پر مذہب کا نقاب چڑھایا تھا والقصۃ بطولہا

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ نادر شاہی تلوار کی شرر باریوں، اور برق افشانیوں نے روہیلوں کی ایک بڑی تعداد کو جب اپنے علاقوں سے منتشر اور پراگندہ کر کر کے ہندوستان کی طرف ڈھکیل دیا، تو ایرانی و تورانی عناصر کے ساتھ اب ملک اور دربار دونوں میں ایک جدید موثر عنصر کا اضافہ ہوگیا، اور بات اسی پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ نادر شاہ کی واپسی اور راستہ میں اچانک اس کے قتل کی وجہ سے جب شاہ ابدالی کو کابل و قندھار کے علاقوں میں تسلط حاصل ہوا اور مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر ایک دفعہ نہیں بلکہ مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ صرف روہیلوں کے جرگوں کو ساتھ لیکر شاہ ابدالی نے ہندوستان پر سات حملے کیئے جن میں آخری حملہ وہی تھا جو "پانی پت کی مرہٹہ جنگ" کے نام سے مشہور ہے، جس کا اجمالاً ذکر میں پہلے کر چکا ہوں، اس طرح نادر شاہ کے ستائے ہوئے خانہ برباد روہیلوں کیلئے شاہ ابدالی نے زمین تیار کر دی کہ وہ ہندوستان کی اس حکومت میں جس پر عالم سکرات طاری تھا، اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اپنے لیئے مواقع فراہم کریں، علی محمد روہیلہ تو پہلے ہی سے ایک مرکز تیار کر چکا تھا، اور وہی علاقہ جو آج روہیل کھنڈ کے نام سے موسوم ہے ان کے تسلط کی آماجگاہ بنا ہوا تھا ان کے نفوذ اور اثر کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ علاقہ ان ہی کے نام سے مشہور ہوگیا اور اب تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے، خصوصاً "مرہٹی فتنہ" کے استیصال کے بعد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت دہلی کا جو نظم قائم کیا، یعنی بادشاہ شاہ عالم (جو اس وقت شاہزادہ عالی گہر کے نام سے مشہور تھے) یہ تو بادشاہ رہیں گے، اور امیر الامرائی کی خدمت نجیب الدولہ روہیلہ کو اور وزارت کا چارج نواب وزیر اودھ کے سپرد ہوا، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں کا ملک پر ایسا اقتدار قائم ہو چکا تھا جن سے قطع نظر ناممکن تھا۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اب ملک میں تین عنصر پیدا ہوگئے تھے یعنی ایرانی تورانی روہیلے اسی لیئے شاہ ابدالی نے بادشاہی تو تورانیوں میں رکھی کہ وہی اب تک اس کے خاندانی طور پر مستحق تھے، وزارت ایرانیوں کو کہیئے یا شیعوں کو دی گئی، اور امیر الامرائی کا عہدہ ایک روہیلہ امیر نجیب الدولہ کے سپرد ہوا۔

روہیلوں کا حکومت دہلی کے ایسے جلیل منصب پر اقتدار حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ تھا کہ روہیلے جو اب تک

اپنا مادی لمحاز زیادہ تر روہیل کھنڈ کو بنائے ہوئے تھے، اب دلی میں بھی اقتدار و قوت کے مظہر بن کر اپنے وجود کو محسوس کرانے لگے، علامہ محسن البہاری الترہتی "الیانع" میں لکھتے ہیں،۔

لما استولی احمد الابدالی المعروف بالدرانی احد ملوک جبال الافاغنۃ علی دھلی وکثرفی سگکھا جماعات من قومہ وکانوا اکثرحصی من شعرات غنم کلیب۔

جب احمد ابدالی جو درانی کے لقب سے مشہور ہیں، اور افغانی کوہستانوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں ان کا تسلط دہلی پر ہوگیا، اور دلی کی گلیوں میں بکثرت ان کی قوم کے لوگ بھر گئے اور یہ لوگ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ بریلی میں حافظ الملک رحمت خاں، نجیب آباد میں نجیب الدولہ اور ان کے سوا اور بھی دوسرے دوسرے مقامات میں، روہیلوں کی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم ہوگئیں حتی کہ اس وقت تک رامپور، ٹونک[1] بھوپال ان ہی روہیلوں کی یادگاریں نیم آزاد ریاستوں کی صورت میں موجود ہیں، بہر حال نادر شاہ نے دشمن بن کر اور شاہ ابدالی نے دوست بن کر ان روہیلوں کو ہندوستان خصوصًا بالائی علاقوں میں بھر دیا۔ ظاہر ہے کہ روہیلے عمومًا صرف سنی مسلمان ہی نہیں بلکہ پکے حنفی بھی ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ اپنے اندر چند مخصوص قومی خصوصیات رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ ان دونوں قدیم عناصر تورانی وایرانی سے الگ نظر آتے تھے، اور مختلف وجوہ واسباب نے ایک حد تک ان کو ایک الگ عنصر کی حیثیت سے ملک میں قائم کردیا تھا۔ خصوصًا ان کے مزاج میں نظرتًا جو ایک قسم کی سختی اور کرختگی پائی جاتی ہے جو نہ ایرانیوں میں تھی اور نہ تورانیوں میں، اور اسی کے ساتھ باوجود سنی مسلمان ہونے کے تورانیوں اور ان میں ایک نمایاں فرق یہ تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ تورانی زیادہ تر صوفی مشرب، اور حضرات صوفیا و کرام و اولیاء عظام کے زیر اثر تھے[2] ان کے برخلاف روہیلے مسلمانوں پر بجائے صوفیوں اور ارباب باطن کے زیادہ تر تنگ نظر ظاہر بین "جزئیاتی فقہا" کا پنجہ سختی سے جما ہوا تھا، پشتہا پشت سے وہ اپنے ان ہی مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر جنھیں یہ ملا کہتے ہیں، زندگی گزار رہے تھے،

صاحب الیانع الجنی لکھتے ہیں،

وکانوا اشد قوم عصبیۃ" لما ینتحلونہ من آراء فقہائھم رحمھم اللہ تعالیٰ واشد الناس جمودا علیھا۔

جن فقہاء رحمہم اللہ کی آراء کی پیروی کو ان لوگوں نے اپنا مشرب اور مسلک قرار دیا تھا ان کے معاملہ میں اپنے اندر سخت تعصب رکھتے ہیں اور اس پر جمے رہنے میں روہیلے سخت ترین قوموں میں ہیں۔

[1] انگریزوں کے تسلط کے بعد سنبھل کے ایک پٹھان میر خاں نے ان ہی "اکثر حصی من شعرات غنم کلیب" کے لوگوں کو جمع کر کے جن میں مختلف امراء کے تحلیل یافتہ فوج کے سپاہی بھی شریک ہوگئے تھے مختلف علاقوں خصوصًا راجپوتانہ مالوہ کی ریاستوں پر چھاپہ مارنا شروع کیا آخر میر خاں سے انگریزوں نے ایک معاہدہ کر لیا اور راجپوتانہ مالوہ کی ریاستوں سے چند اضلاع کاٹ کاٹ کر ایک ریاست بنا دی گئی جس کا مرکز حکومت ٹونک ہی ہے۔ جاورہ کی ریاست بھی میر خاں ہی کے ایک رفیق عبد الغفور خاں کو حاصل ہوئی ۱۲

[2] اس وقت کتاب تو میرے سامنے نہیں ہے لیکن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مدظلہ العالی نے ظہیر الدین بابر پر جو مقالہ لکھا ہے اس میں بابر کی باپ کا ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت عبید اللہ احرار کی مجلس میں یکہ۔ ان حاضر ہوا اور نوکیلی ہڈی پر اتفاق سے بیٹھ گیا گھنٹوں یہ ہڈی چبھتی رہی لیکن ادبًا اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ۱۲

یہ تو بیچارے کسی شاعر نے شاعری کی ہے کہ اس کے معشوق کی محفل میں ——— "بات پر یاں زبان کٹتی ہے"

لیکن اس قوم کا یہ واقعہ ہے کہ کیدانی جیسی معمولی کتاب کی ایک فقہی روایت یعنی "چاہیے کہ تشہد میں اہل حدیث کے مانند شہادت کی انگلی نمازی نہ اٹھائے" اس مسئلہ نے صدیوں بلکہ سنتے ہیں کہ اب تک یہ اہمیت حاصل کرلی ہے کہ اگر اتفاقاً نماز میں کسی کی انگلی اٹھ گئی اسی وقت اس کی انگلی تراش دی جاتی تھی علامہ رشید رضا مصری نے مغنی کے مقدمہ میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے کہ

سمعتہ باذنی من بعض طلاب الافغانیین فی مسجد لاھور الجامع فی ھند وقد سألتھم عن صحۃ مانقل عن بعض اھل بلادھم فی ذلک فقالوا نعم وعللوہ بانہ عقاب علی مخالفۃ الرسول وترک سنتہ

میں نے اپنے کان سے بعض افغانی طلبہ سے لاہور کی جامع مسجد میں جو ہندوستان میں واقع ہے یہ سنا ہے میں نے در اصل ان سے دریافت کیا تھا کہ (انگلی تراشنے کا قصہ) کیا صحیح ہے؟ اس کے جواب میں ہاں کہا اور اس کی توجیہ یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ترک سنت کی یہ سزا دی جاتی ہے

تمباکو جیسی غیر منصوص چیز کی حرمت وحلت پر جو جھگڑا یہاں کے ملانوں میں چھڑا سنا جاتا ہے کہ پچھلے چند سالوں تک یہ قصہ ختم نہیں ہوا تھا، بیچارے کوٹہ ملا نے تمباکو کی حلت کا فتویٰ دیدیا تھا، پھر کیا تھا مختلف جرگوں کے مجاہد دینی حمیت و غیرت کے نشہ میں چور، اپنے ملانوں کے زیر کمان باضابطہ مسلح ہو ہو کر کوٹہ ملا پر چڑھ دوڑے راستہ میں اس "دینی جہاد" کی مہم پر جو رجز پڑھا جاتا تھا میرے ایک دوست نے ہم سے بیان کیا تھا کہ وہ یہ تھا

کوٹہ ملا کاپردی جو ساگ شرہ ہم کا پردی !

(یعنی) کوٹہ ملا کافر ہے اور جو اس کے ساتھ وہ بھی کافر ہے !

میرے ایک اور سرحدی ہم سبق کہتے تھے کہ تمباکو کی حرمت کے جو لوگ قائل تھے ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جس کھیت میں تمباکو بویا جائے اس کھیت کے اطراف سے بیلوں پر غلہ لاد کر جو کوئی گزرے گا اس کا غلہ بھی حرام ہو جاتا ہے، بہرحال اس قوم کے اسی فطری "بطش شدید" اور "ملا کیشی" کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اور مغلی حکومت جس میں ایرانی وتورانی اب تک گونہ رواداری اور باہمی مدارات کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، اس میں روہیلوں کی شدید ملایانہ ذہنیت نے بتدریج تلخی اور تندی کا اضافہ کرنا شروع کردیا، یہ تو ظاہر ہے کہ واقعی طور پر سرحدی پٹھان یا روہیلے نہ کبھی خارجی تھے نہ کبھی ہوئے اور نہ اب تک ہیں۔ لیکن ان کی "صوفیانہ سنیت" نہیں بلکہ شدید ملایانہ سنیت، کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ جو آج تک شیعوں میں اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کی وجہ سے بدنام اور حد سے زیادہ بدنام ہیں جس دن سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ سنا گیا ہے کہ ایران میں بھی اس کے جواب دینے کی بارہا کوشش کی گئی، لکھنؤ کے مجتہد مولوی سید محمد صاحب کے متعلق معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بہت سی جلدوں میں اس کا جواب لکھا ہے، اور بھی بہت سے چوٹی کے مجتہدوں نے اسکے جواب لکھنے کی کوشش کی اور آج تک یہ کوششیں ہو رہی ہیں ——— بہرکیف شاہ صاحب کا سنیت کی حمایت میں جو شہرہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن خود شاہ عبد العزیز صاحب اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روہیلہ پٹھان جن کا نام حافظ آفتاب تھا

اور شاہ صاحب کے وہ شاگرد تھے" وہمیشہ حاضر درس می شد"، فرماتے ہیں کہ

روزے ذکر حضرت امیر علیہ السلام بود چنانچہ عادت ما سنیاں است کہ ہر صحابی کہ از بجان و دل مناقب و فضائل او بیان می کنم ہمچنیں کردم

ایک دن حضرت امیر علیہ السلام کا تذکرہ تھا، پھر جیسا کہ ہم سنی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی بھی ہوں دل و جان سے ان کے فضائل اور مناقب کو ہم بیان کرتے ہیں حسب دستور اس تذکرہ میں بھی میں نے یہی کیا،

لیکن شاہصاحب کے اس روزانہ حاضر باش روہیلہ تلمیذ رشید کا حال سُنئیے کہ محض اس لیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اس وقت شاہ صاحب نے دوسرے صحاب و خلفار کے مناقب و محامد کا چونکہ ذکر نہیں فرمایا تھا اس لیئے باوجود سُنی ہونے کے، اور کسی کو نہیں بلکہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بے تحاشہ اس نے "شیعہ" ہونے کا فتویٰ صادر کردیا خود شاہصاحب فرماتے ہیں کہ

بندہ را شیعہ فہمیدہ | بندے کو اس نے شیعہ سمجھ لیا

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی "ملائی سنیت" نے شاہصاحب کی جانب سے ایسی شدید نفرت اس کے دل میں پیدا کردی کہ

آمدن درس موقوف کرد | کہ درس میں آنا بھی اس نے بند کردیا۔

یہ فتویٰ تو "تحفہ اثنا عشریہ" کے مصنف پر اس روہیلہ پٹھان نے لگایا، "ازالۃ الخفاء" اور "قرۃ العینین" وغیرہ کتابوں کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی انکے "ناوک تعصب" سے محفوظ نہ رہ سکے، شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کی روایت ہے فرماتے ہیں۔

ہم چنیں شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید آنحضرت اختلاف حنفیہ کہ دریں باب ہست بیان کردند

یوں ہی ایک شخص نے والد ماجد سے شیعوں کے کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ پوچھا حنفی فقہار کا اس باب میں جو اختلاف ہے (والد ماجد نے) اس کو بیان فرمایا۔

"ملاکیش" غریب روہیلہ پہلی دفعہ تو یہ سُن کر چپ ہو رہا اور پھر دہرا کر ذرا اصرار سے اپنے منشا کو ظاہر کرتے ہوئے

چوں مکرر پرسید ہماں شنید | جب اس نے دوبارہ وہی بات پوچھی تو جواب میں پھر وہی سنا

دوسری دفعہ اس کا یہ سننا تھا کہ آگ بگولا ہو گیا، جن کو وہ قطعی کافر سمجھتا تھا ان کے کفر کے متعلق اختلاف کا سننا اور دوبارہ پوچھنے کے بعد بھی سننا ناقابل برداشت ہوگیا، گیا تھا خود حضرت سے فتویٰ پوچھنے لیکن اُلٹ کر خود مفتی بن بیٹھا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔کہ

شنیدم می گفت ایں شیعی ست | میں نے سُنا وہ کہتا تھا کہ یہ (یعنی شاہ ولی اللہ) شیعی ہے

اور یہ حالت تو ہمارے سرحدی اور افغانی بھائیوں کی "سنیت" کی تھی، باقی رہی ان کی "حنفیت" سو اس کا کچھ اندازہ "رفع سبابہ" اور "تبنک" کے مذکورہ بالا مسائل ہی سے ہو سکتا ہے "الیانع الجنی" کے مولف نحریر نے حضرت شاہ ولی اللہ کے زمانہ کی

اِن حنفی روہیلوں کی حنفیت صلبہؒ یا سنگین مُلایانہ حنفیت کی تصویر ان الفاظ میں کھنچی ہے:۔

فکانوا اذا قرع صماخهم ما ينا بذ مقلد هم الذی استطابوا غدا کان احدهم یکاد یسطو بالذی خرجت منه المقولة وامتلاء علیه غیظا قد انتفخت اوداجه واحمرت وجنتاه کانهما ضرام العرافج ص۸۳

ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کے کان میں کوئی ایسی بات پہونچتی، جو ان کے اس تقلیدی امر کی خلاف ہوتی جسے کل وہ اچھا سمجھتے تھے تو ان میں جو کوئی ہو، قریب ہوتا کہ اس شخص پر چڑھ بیٹھے جس کے منہ سے ایسی مخالف بات نکلی ہوتی، غصہ سے اس کے مقابلہ میں بھر جاتا، اس کی گردن کی رگیں پھول جاتیں اس کے رُخسارے سرخ ہو جاتے، اور ایسا معلوم ہوتا کہ جھاؤ کی لکڑی کے انگارے ہیں۔

ہندوستان میں رہ پڑنے کے بعد اگرچہ اب ان کی پچھلی نسلوں میں نسبتًا وہ کرختگی اور تصلب تو باقی نہیں رہا ہے جس میں کچھ تو اس ملک کی آب وہوا کا اثر ہے، نیز اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں جن کا کچھ ذکر شاید آئندہ آئے ورنہ جو اَب تک ان ہی پتھریلے کوہستانوں میں رہتے ہیں، ان کی دینی سختی کا حال جیسا کہ سید رشید رضا مصری نے لکھا ہے وہی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

ومن ذلک ان بعض الحنفیة من الافغانیین سمع رجلا یقرأ الفاتحة وهو بجانبه فی الصف فضربه بمجموع یده علی صدره ضربة وقع بها علی ظهره فکاد یموت وبلغنی ان بعضهم کسر سبابة مصل لرفعه ایاه فی التشهد ص۱۶ مقدمۂ مغنی

اِن کی سختیوں کی داستانوں میں ایک قصہ یہ ہے جو بعض افغانی حنفیوں کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ اس نے جماعت میں اپنے برابر والے کو دیکھا کہ وہ سورہ فاتحہ (امام کے پیچھے) پڑھ رہا ہے، تو اس افغانی نے اس بیچارے فاتحہ پڑھنے والے کے سینہ پر اس زور سے دوہتڑ مارا کہ وہ بیچارا پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا، اور قریب تھا کہ مر جائے اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ ایسے ہی ایک شخص نے تشہد کی انگلی نماز میں اُٹھائی تو بعض افغانوں نے اس کی انگلی توڑ دی۔

بہرحال فتنوں والی تاریک راتوں کی جس "خونی موج کے آغوش" اور اسلامی ہند کے جس شدید طوفانی عہد کے ذکر کو میں نے ناصیہ مضمون پر ثبت کیا ہے، غالبًا اہل نظر کے سامنے اگرچہ جیسا کہ چاہیئے میں کوئی تفصیلی بیان نہ پیش کر سکا، لیکن ایک مجلاتی مقالہ میں اس تصویر کے جتنے خط وخال کو نمایاں کیا جا سکتا تھا، اپنے محدود معلومات اور کوتاہ رسائی کی حد تک ممکنہ کوشش کی گئی ہے، کیونکہ بغیر اس کے سچی بات یہی ہے کہ اس "دُرِ تابندہ" کی حقیقی قدر قیمت قطعًا نہیں پہچانی جا سکتی جس نے ابتلاء وامتحان کی ان ہی خونی موجوں میں پرورش پائی اور طوفان کے ان ہی ہنگاموں میں انتہائی دانائی وفرزانگی کے ساتھ وہی جس کی محبت میں وہ ہر چیز کی محبت سے دست بردار ہو چکا تھا، اسی کی ملت مقدسہ اور امت مرحومہ کی کشتی کو اپنی وسعت وطاقت کی حد تک منجدھار سے نکالنے میں قطعًا کامیاب ہوا، فصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا ونبیہ ورسولنا ورسولہ وجزاہ اللہ عنا وعن امتہ نبیہ خیر الجزا

میرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ بالا اوراق کے پڑھنے والے اب صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شاہ

ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے، اور جن دنوں میں وہ سرزمین ہند میں زندگی گزار رہے تھے، اس وقت ہر چہار طرف سے اسلام نرغہ میں گھرا چلا جاتا تھا، شمالی مغربی علاقوں میں سکھوں کی آتشیں قوت سر اٹھا رہی تھی، جنوبی ہند سے مرہٹوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا ہوا ملک کے "اعزۃ" کو "اذلۃ" بنانے میں بے دردی سے سرگرم تھا دونوں قوتوں میں باہم جو کچھ بھی اختلاف ہو، لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آثر و نشانات ان کے نام لیوؤں اور وابستوں حلقہ بگوشوں کا بالکلیہ قلع قمع کرنے پر دونوں ادھار کھائے بیٹھے تھے، تیسری طرف خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے مغربی قومیں بتدریج اپنا پنجہ ملک پر جماتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں —— اور یہ تو بیرونی فتنے تھے، اندر ایرانیوں اور تورانیوں، پھر ان کے ساتھ روہیلوں کے باہمی تصادم اور مختلف اغراض و مقاصد کی کش مکش سے "اسلامی حکومت ہند" کی قبا تار تار ہو رہی تھی ان سیاسی مفاسد کے ساتھ صوفیا کے غلط تصوف، اور فقہا ر کے غلط تفقہ، حد سے گزری ہوئی عصبیت، اور جاہلی حمیت" نے امت کے شیرازوں میں الگ انتشار پیدا کر رکھا تھا —— اسی کے ساتھ ساتھ ایرانی علماء اور شعراء و ادبا رکا جو دباؤ مختلف وجوہ سے ہندوستانی علماء ارباب فکر و نظر اور تعلیم و تدریس، وتصنیف و تالیف کے نظام پر پڑ رہا تھا، اس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے اہل علم کا تعلق قرآن و حدیث، تحقیقی فقہ و اصول فقہ اور عقائد و کلام سے ہٹ کر بے معنی لاطائل ذہنی اور لفظی مباحث کے گورکھ دھندوں میں الجھ الجھ کر "خسر الدنیا والاخرہ" کی صورت پیدا کر رہا تھا کہ ان لاحاصل مساعی کا کوئی نتیجہ نہ ان کو دنیا میں مل سکتا تھا نہ آخرت میں، خصوصًا ایک ایسے زمانہ میں جب "مغل دربار" اور مغل دربار کے امراء جو ان لفظی نکتہ نوازیوں اور دماغی عیاشیوں کے قدردان تھے اور ان سے گونہ محظوظ بھی ہوتے تھے، خود ان غریبوں کا اقتدار ہی اندر اندر کھوکھلا ہوتا چلا جا رہا تھا ان کے تختے خود ہی الٹ رہے تھے پھر وہ بیچارے دوسروں کی قدردانی کیا کرتے، اور ملک میں جو نئی قوتیں ابھر رہی تھیں، ان کے سامنے ان ایرانی نژاد لفظی کج بحثیوں کی کوئی قیمت نہیں تھی،

غالبًا ان حالات کو سب دیکھ رہے تھے کیونکہ سبھوں کے سامنے گزر رہا تھا جو کچھ گزر رہا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جو کچھ انجام ہونے والا تھا وہ مشکل ہی سے کسی کو سوجھ رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عقل و حواس کو معطل کر کے ہر ایک اسی دھارے پر بہا چلا جا رہا تھا جدھر زمانہ کے تھپیڑے انھیں بہائے لیے جا رہے تھے، لیکن حیرت نہ کرنی چاہیئے خصوصًا اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو ششدر نہ ہونا چاہیئے کہ پہلی دفعہ نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے اسلامی حدود کے جس علاقہ میں اس قسم کے واقعات پیدا ہوئے ہیں، تو کائنات کی وہی آخری قوت جس کے پیغام کا نام اسلام ہے، اور جس پر خدا نے اپنی پیامبری کے سلسلوں کو ہمیشہ کے لیے مختتم فرمایا ہے اسی کا کوئی معجزہ ضرور ایسے وقت میں ظاہر ہوا ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے جو دشمن اپنے دلوں میں سوچا کرتے تھے اور جن کا خیال کر کے ایمان والے سہمے جاتے تھے،

یہی واقعہ ہندوستان میں بھی پیش آیا، ایک ایسے باپ سے جو مشربًا صوفی اور تعلیمًا مشہور معقولی و منطقی عالم میرزاہد ہروی صاحب "زواہد ثلثہ" کے رشید شاگردوں میں تھے، اور کیسے رشید شاگرد کہ شاہ ولی اللہ نے خود اپنے

ے۵۱ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

والد کے زبانی نقل کیا ہے

کہ ایشاں با من التفات بسیار می کردند بحدے کہ اگر می گفتم کہ امروز مطالعہ نہ کردہ ام می گفتند یک سطر یا دو سطر خوانید کہ ناغہ نشود (انفاس ص۱۳۵)

مرزا زاہد کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہی اس لیے نہیں پڑھونگا تو میرزا کہتے کہ ایک یا دو سطر ہی پڑھ لو تاکہ ناغہ تو ہو،

میرزا زاہد کی سب سے بڑی معرکۃ الآرا تصنیف حواشی امور عامہ شرح مواقف کے متعلق شاہ ولی اللہ کا بیان ہے

ظاہر اتسوید حاشیہ شرح مواقف بہ تقریب قرأۃ حضرت ایشاں بود ص۱۴۷

حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری کا کام میرزا نے اسی سلسلہ میں کیا جب والد ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے۔

بہر حال اسی معقولی فلسفی کے ایک صوفی شاگرد کے صلب مبارک سے حق تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بڑے سخت وقت، اور کٹھن گھڑی میں ہندی مسلمانوں کو وہ گرامی ہستی عطا فرمائی، جس کا نام

"حضرت سیدنا الامام مولٰنا الشاہ ولی اللہ الدہلوی قدس اللہ سرہ العزیز" ہے

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ جو کچھ ہونے والے تھے اور ہندوستان میں جس دینی و علمی موسم کو ان کی مخلصانہ کوششوں نے پیدا کیا، اس موسم کی بہار کی ابتدا خود ان کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم ؒ سے ہو چکی تھی، پہلی بازی جو شاہ عبدالرحیم نے جیتی وہ اس وقت کی بات ہے جب وہ طالب علم تھے اور فتاوی عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی ان کے ایک ساتھی جن کا شیخ حامد نام تھا ان کو بھی کام کا کچھ حصہ دفتر تدوین سے عطا ہوا تھا براہ محبت و دوستی شیخ حامد نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو شریک کار کر کے کچھ یومیہ (تنخواہ) کی امید دلائی لیکن جو کسی آنے والے سال نکو کی بہار تھا، اس نے ملتی ہوئی تنخواہ سے انکار کر دیا اس انکار کی خبر جب شاہ عبدالرحیم کی بیوہ والدہ کو ہوئی تو برہم ہوئیں اور اصرار کر کے حکماً نوکری قبول کرنے پر مجبور کیا، نوکر ہو گئے، مگر جب اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو اب یہ برہم ہوئے اور ترک ملازمت پر زور دینا شروع کیا، شاہ صاحب نے والدہ کے حکم کا عذر پیش کیا، لیکن "پیر" نے اپنے حکم کی پیروی کا فیصلہ صادر فرمایا پھسل جانے کا شاید موقعہ تھا لیکن شاہ عبدالرحیم سنبھل گئے، اور مرشد سے عرض کیا کہ آپ ہی دعا فرماویں کہ نوکری خود چھوٹ جائے ورنہ یوں چھوڑونگا، تو والدہ کی سخت آزردگی کا اندیشہ ہے، حصول ملازمت کیلئے نہیں بلکہ ترک ملازمت کی دعا کرائی گئی اور کی گئی قبول ہوئی، عالمگیر کے پاس تدوین فتاوی کے ملازموں کی فہرست وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہتی تھی حسب دستور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ تقریباً دو ڈھائی سو سال سے اس ہراتی ہندی عالم کی تین کتابیں ہندوستان بخارا کابل وغیرہ کے مدارس میں اعلیٰ نصاب ہیں ان کتابوں کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ عالم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ میرزاہد کی کتابوں میں سے کسی ایک پر یا سب پر کوئی حاشیہ نہ لکھتا ہو مبالغہ نہیں ہے کہ ان تین کتابوں کے حواشی کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہوئی ہوگی، ہندوستان در اصل میرزا زاہد کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں آئے۔ بادشاہ نے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر قاضی اسلم کا تقرر کر دیا تھا۔ قاضی اسلم ملا فاضل کے اور ملا فاضل میرزا جان شیرازی مشہور منطقی و معقولی عالم کے شاگرد تھے۔ بہر حال انہی قاضی اسلم کے صاحبزادے کا نام میرزا زاہد ہے۔ معلوم نہیں کہ عام مدارس میں بجائے میرزا زاہد کے میر زاہد کیسے مشہور ہو گیا غالباً یہ تصحیفی غلطی ہے، یاروں نے اس غلطی پر دوسری غلطی یہ کی کہ "قال السید الزاہد" اور "قال السید السند" وغیرہ لکھنا شروع کیا۔ میرزا زاہد بچپن سے بڑے ذہین تھے کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے عالمگیر کے زمانہ میں مختلف خدمتوں پر بحال ہوئے شاہ عبدالرحیم جس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے آگرہ میں فوج کے محتسب تھے علاوہ زواہد ثلثہ کے میرزاہد کا ایک حاشیہ شرح تجرید پر بھی ہے، اور اشراقیوں کی کتاب "ہیاکل النور" پر بھی ایک شرح لکھی ہے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے "از مشرب صافی صوفیہ نیز بہرۂ تام داشتند" ۱۲

پیشی کا عالمگیر نے حکم دیا اور بلا وجہ شاہ عبدالرحیم کے نام پر قلم پھیر دیا۔ مگر ابھی امتحان کی ایک منزل باقی تھی اورنگ زیب نے تنخواہ بند کر کے اس سے بھی بڑا لقمہ پیش کیا فرمان ہوا کہ

اگر خواستہ باشد ایں قدر زمیں بدہید	اگر چاہیں تو اتنی زمین ان کو دی جائے

نوکری چھوٹی تھی جاگیردار بنائے گئے، قدرت جس کا ارادہ کچھ اور تھا اس کی توفیق نے پھر ان کے بازو تھام لیئے، شاہ عبدالرحیم صاحب سے "شاہی فرمان" کے بموجب جب استصواب کیا گیا تو باوجود تنگی معاش اور محض بے وسیلہ ہونے کے خود فرماتے ہیں کہ

قبول[1] نہ کردم وشکرانہ بجا آوردم وحمد خدا تعالے گفتم	میں نے قبول نہیں کیا اور شکر ادا کیا اور حق تعالیٰ کی حمد کی

[1] شاہ عبدالرحیم کے اس قول سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اور آپ کے خاندان والوں کو جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور تھا حکومت سے کسی قسم کی کوئی جاگیر منصب وظیفہ، مدد معاش وغیرہ نہیں ملی تھی، شاہ ولی اللہ کے متعلق میں نے بہت تلاش کیا بجز اس حویلی کے جو مدرسہ کیلئے محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو پیش کی تھی اور کسی حکومتی امداد کا پتہ نہیں چلا شاہ عبدالرحیم تک تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان میں قدیم سے طبابت کا پیشہ چلا آتا تھا لیکن جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں ہے

حکمت ہم در خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگوار وعم فقیر دوامی کردند والد ماجد بندہ موقوف ساختند ص ۲۲

شاہ ولی اللہ کے بعد بھی خاندان میں کوئی جاگیر وغیرہ آئی اس کے متعلق صرف مرحوم امیر شاہ خاں صاحب کی امیر الروایات میں ایک روایت ہے کہ ضلع بلند شہر تحصیل سکندرہ میں حسن پور نامی ایک گاؤں اس خاندان کا تھا امیر شاہ خاں نے اس گاؤں کو خود بھی دیکھا ہے فرماتے تھے کہ اچھا خاصہ بڑا گاؤں ہے، ان ہی خاں صاحب کا بیان ہے کہ عموماً مالگذاری وغیرہ وصول کرنے کے لیئے مولانا اسمٰعیل شہید جایا کرتے تھے ایک دفعہ مولوی موسیٰ بن مولانا رفیع الدین بھی گئے تھے، امیر الروایات میں دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انگریزی عہد میں شاہ اسحاق وشاہ یعقوب سے حکومت نے یہ جاگیر ضبط کرلی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن دونوں بھائی جتنے مسرور دیکھے گئے کبھی اس حال میں لوگوں نے آپ کو نہیں پایا تھا" بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں غالباً شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں کسی ذریعہ سے اس خاندان میں آیا تھا ورنہ اس سے بیشتر ان حضرات کا معاشی ذریعہ وہی توکل تھا جس پر سلفاً عن خلف عموماً اہل اللہ کا مدار رہا ہے اگرچہ ادھر کچھ دنوں سے مغربانہ دلوں کے فقروں سے تنگ آکر لوگوں میں اس سے گونہ کراہیت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے تائید میں صحابہ کرام کو پیش کیا جاتا ہے جن کی ظاہر ہے کہ حیثیت مریدوں کی تھی لیکن مشائخ واکابر صوفیہ جس ذات گرامی کی نمائندگی کرتے ہیں سوال ان کے متعلق ہے کہ نبوت کے بعد اور فتوحات سے پہلے درمیانی زندگی حضور کی جو گزری کیا اس کیلئے آپ نے کوئی کسب اختیار فرمایا تھا اصل یہ ہے کہ مشائخ ان فتوحات کو دینی مہمات میں کام لیتے تھے اب اگر کوئی ان کو اپنے لذائذ نفسانی پر صرف خرچ کرتا ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے لیکن محض اس غلط استعمال کی وجہ سے فتوحات مشائخ کے عدم جواز کا فتوے صادر کرنا کیا صحیح ہو سکتا ہے، کچھ بھی ہو میرے نزدیک تو اس زمانہ کی "چندہ بازیوں" اور اس کی خواریوں سے پہلے زمانہ کی فتوحات سازیوں کی عزت بہرحال بہتر تھی چندہ گر لیڈروں کی ریس میں جو مولوی یا مشائخ فتوحات سے کارہ ہیں اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر؟ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

نوکری چھوٹی، جاگیر سے محروم ہوئے، لیکن اس پر بھی حمد خدا تعالے گفتم، جس کا یہ مقام ہو، اگر اس کا اور اس کی ذریت طیبہ کا قدرت کسی اہم خدمت کیلئے انتخاب کرے۔ تو

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ | اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں بڑھاتا چلا جاؤں گا

کے وثیقہ محکمہ اور وعدہ موکدہ والے سے اور کس بات کی توقع کی جاسکتی تھی، زیادہ تو نہیں لیکن اتنا حال تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ اس امتحان سے کامیاب ہونے کے بعد شاہ عبدالرحیم کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم جو آگرہ میں رہتے تھے اور شاہ صاحب بھی ان دنوں آگرہ ہی میں تھے، خلیفہ صاحب نے شاہ صاحب کو حکم دیا کہ شاہ عظمت اللہ نامی بزرگ کے پاس جاکر حاضری دو، جو سلسلہ طریقہ چشتیہ کے ایک کہنہ سال معمر ترین بزرگ اس زمانہ میں آگرہ میں تھے، مرشد کے بار بار اصرار کے بعد آخر ایک دن شاہ عبدالرحیم عظمت اللہ شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے وہ بیمار تھے پلنگ پر لیٹے لیٹے باتیں کرتے رہے۔ سلسلۂ گفتگو میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنا خاندانی تعلق "شیخ عبدالعزیز شکر بار"[1] سے ظاہر کیا، معاً عظمت اللہ شاہ صاحب یہ سنتے ہی پلنگ سے زمین پر آگئے اور شاہ عبدالرحیم کو گلے سے لگایا، پھر ایک سوال کیا، جواب پایا، اس کے بعد شاہ عظمت اللہ صاحب نے یہ قصہ کہنا شروع کیا کہ "میرے دادا صاحب کو شیخ عبدالعزیز شکر بار نے وصیت فرمائی تھی اور کچھ تبرکات دیئے تھے اور کہا تھا کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی تمہارے پاس آکر فلاں سوال کا فلاں جواب دے تو میرے یہ تبرکات اس تک پہونچا دینا یہ تبرکات دادا کے زمانہ سے اس وقت تک اسی وصیت کے ساتھ محفوظ چلے آرہے ہیں" شاہ عظمت اللہ نے فرمایا کہ چونکہ سوال کا جواب تم نے دیدیا اس لیئے وصیت پوری کرنے کا وقت آگیا یہ کہکر شاہ عبدالرحیم کے سر پر انھوں نے عمامہ باندھا اور اپنے طریقہ کی اجازت بھی عطا فرمائی جب چلنے لگے تو کچھ مٹھائی اور نقد روپے بھی ساتھ کردیئے شاہ عبدالرحیم صاحب وہاں سے ان سب چیزوں کو لیئے ہوئے اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کے پاس پہونچے، اور مٹھائی، روپے خلیفہ صاحب کے آگے رکھدیئے، ماجرا بیان کیا "بشاشت قلبی تلقی کروند"، اور آخر میں خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ بشارت سنائی۔

---

[1] انفاس میں ہے کہ "ایشاں جد اعلی حضرت والد بزرگوار اند از جہت والدہ ایشاں"، یعنی یہ شاہ عبدالرحیم کے نانا تھے۔ شیخ عبدالعزیز کے والد کا نام حسن تھا، حسن کے والد کا نام طاہر تھا، شیخ طاہر اگرچہ اچھہ ملتان کے رہنے والے تھے لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ناحیۂ پورب اقامت گاہ ایشاں شد"، پورب سے کیا مراد ہو صاف طور سے معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ شیخ طاہر کی تعلیم اور شادی کا ذکر فرماتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ "تحصیل علم ایشاں بہ بلدہ بہار کہ مجمع علماء بود"، میں ہوئی اور "بعد فراعت قاضی بہار صبیہ خود ایشاں را داد"، شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ "شیخ طاہر از ملتان بطلب علم باین دیار افتاد و مدتے در بلدہ بہار سکونت کرد و پیش شیخ بدھ حقانی تحصیل علم نمود و ہم در بہار شیخ حسن از خلوت خانۂ عدم بمہمان سرائے وجود رسید ۹۱۵ھ جس کے یہی معنے ہوئے کہ شاہ عبدالرحیم کے نانا کے والد بہار ہی میں پیدا ہوئے تھے اور غالباً "قاضی بہار"، جس کی لڑکی سے شیخ طاہر کی شادی ہوئی وہ شیخ بدھ حقانی" ہیں" واللہ اعلم بالصواب ۱۲

آخر میں شیخ عبدالعزیز اپنے مرشد قاضی خاں ظفر آبادی کے حکم سے دلی آئے اور "مؤسس قوانین ارشاد گشت" ۱۲

نقد اشارت بہ جمعیت ظاہر و عمامہ اشارت بہ اجازت وجمعیت باطن	روپیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور فراغبالی کی طرف اشارہ ہو اور عمامہ باطنی اطمینان اور فراغبالی اور اجازت کا اشارہ ہو۔

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ معاشی پراگندگی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ "جمعیت باطن" کی اس خوش خبری کے بعد انھیں معاد ی حیات "کیلئے" کبھی دشواری اٹھانی پڑی "فتوحات" کی یہی شکل کہ دل سے نکال دینے کے بعد آنکھوں کے سامنے آئے تب تو وہ واقعی فتوحات ہیں لیکن جو لوگ بہ ظاہران سے آنکھیں چراتے ہیں، لیکن ان کے دلوں میں چوبیں گھنٹے ان ہی فتوحات کے بت براجمان ہیں یقیناً یہ فتوحات نہیں عقوبات ہیں قرآن کی اس آیت کا ایک مصداق اگر یہ "فتوحات" بھی ہوں تو کیا تعجب ہو

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکنزون،	قطعا بہت سے احبار (علماء یہود) اور رہبان (مشائخ نصاریٰ) لوگوں کے مال باطل راہ سے کھاتے ہیں اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو سونے چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو دکھ بھرے عذاب کی بشارت سنادو جس دن تپایا جائے گا چاندی سونے کو جہنم کی آگ پر پھر داغی جائے گی پیشانی ان کے پہلو اور ان کی پیٹھ یہی ہے جو تم نے جمع کیا تھا اپنے لیے پس لو چکھو عذاب اس کا جو جمع کیا تم نے۔

انفاس العارفین اور بعض دوسری کتابوں میں شاہ عبدالرحیم کی جس صاف ستھری زندگی کے پڑھنے سے دل کو جو ملتی ہے، اسی سے اندازہ ہوتا ہو کہ "ولی اللہی حقیقت" دراصل قدرت کے اسی قانون کا مظہر ہو جو کسی شاعر نے کہا ہو:

کذلک تنشاء لینۃ ھو عرقھا ‎ ‎ وحسن نبات الارض من کرم البذر

بلکہ شاہ ولی اللہ نے خود بھی اور دوسروں نے بھی لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے کمالات و مقامات کی بشارت شاہ عبدالرحیم کو پہلے سے مل چکی تھی ایک واقعہ انفاس العارفین میں جو درج ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہو کہ محض شاہ ولی اللہ کی ولادت کے لیے شاہ عبدالرحیم نے کسی غیبی اشارہ کے ماتحت ہی ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی بعض لوگوں کو اس پر اعتراض بھی ہوا کہ

دریں عمر کہ خدائی مناسب نہ بود	اس عمر میں شادی مناسب نہ تھی،

شاہ عبدالرحیم نے سنکر فرمایا کہ

مدتے دراز از عمر من باقیست و فرزندان بوجود خواہند آمد

میری عمر کا بڑا حصہ ابھی باقی ہے اور انشاء اللہ چند لڑکے ابھی اور پیدا ہوں گے،

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد والد سترہ سال زندہ رہے، اور دو لڑکے حضرت کے تولد ہوئے جن میں ایک خود شاہ صاحب ہیں، اسی طرح انفاس ہی میں ہے کہ تہجد کی نماز شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ پڑھ رہی تھیں، نماز کے بعد شاہ عبدالرحیم نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور بیوی صاحبہ سے آمین کہنے کے لیے کہا، دُعا ہو رہی تھی اور اس وقت ہو رہی تھی کہ ابھی شاہ ولی اللہ عالم وجود میں نہیں آئے ہیں. بہرحال عین دعا کی حالت میں

درمیان ایشاناں دو دست دیگر ظاہر شد شاہ عبدالرحیم نے فرمایا کہ این دو دست فرزند ماست

ان دونوں کے درمیان میں دو ہاتھ اور ظاہر ہوئے یہ دونوں ہاتھ ہمارے لڑکے کے ہیں

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ نماز تہجد میں ٹھیک اسی شکل کے ساتھ دُعا کرنے کا موقع میسر آیا "وھذا تاویل رویای قد جعلہ ربی حقا"۔ — شاہ ولی اللہ جس لئے پیدا ہوئے تھے اس کا اشارہ بچپن ہی میں ان کے والد نے ایک خاص طرز سے فرما دیا تھا خود ہی لکھتے ہیں:

این فقیر بموافقت احبا و اقربا روزے بہ تفرج بوستانے رفت چوں باز آمد حضرت ایشاں فرمودند اے فلانے دریں شبانہ روز چہ حاصل کردی کہ با تو باقی ماند

فقیر اپنے دوست احباب اور بعض عزیزوں کے ساتھ ایک دن ایک باغ کی سیر کو گیا جب واپس ہوا تو حضرت (والد) نے فرمایا اے فلاں رات دن میں تم نے کیا چیز ایسی حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے گی،

"چہ حاصل کردی کہ با تو باقی ماند" والد بزرگوار کے سوال کا یہی تیر تھا، جو سعادت مند فرزند کے قلب صافی میں جا کر ترازو ہو گیا، اور ایسا ترازو ہوا کہ پھر عمر بھر نہ نکلا، خود فرماتے ہیں:

بمجرد ایں کلام دل فقیر از تفرج بوستانہا سرد شد باز مثل ایں داعیہ بوجود نیامد۔

بس اتنی بات کے سننے کے ساتھ ہی فقیر کا دل باغوں کے سیر سپاٹے سے سرد ہو گیا پھر کبھی اس قسم کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کل ساٹھ اکسٹھ سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "از تو باقی ماند" والے جو کام کیے ہیں کم از کم ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے، لکھنے پڑھنے کے بعد "از تو باقی ماند" کے خدمات کا یہی ذوق تھا جس نے ان کو اس دھارے میں بہتے ہوئے نہ چھوڑا جس میں ان کے ابنائے عصر تقریباً ہر طبقہ کے بہہ رہے تھے، جس کی وجہ کچھ تو حضرت کے والد کی خاص تربیت تھی، ماسوا اس کے شاہ صاحب فطرۃً "رسم عام" کی پابندی سے نفور تھے، حتیٰ کہ ائمہ مجتہدین تک کی تقلید جس پر انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں مختلف

حیثیت سے محض خوش اعتقادی کے طور پر نہیں بلکہ تحقیقی نقطۂ نظر سے زور دیا ہے، لیکن بااین ہمہ اپنے فطری میلان کا حال بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

وجبلتی تابی التقلید وتانف منہ راسًا (فیوض الحرمین)	تقلید سے میری جبلت اور سرشت انکار کرتی ہے، اور بالکلیہ اس سے بھڑکتی ہے۔

مگر وہی آپ کی نسبت اویسی" اس فطری میلان کے صحیح استعمال میں کام آئی خود فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ سے مجھے براہ راست جن امور کی وصیت کی گئی (جن میں سے ایک کا ذکر پہلے کر چکا ہوں) ان میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ

التقید بھذہ المذاھب الاربعۃ لا اخرج منھا والتوفیق ما استطعت	ان چار مذاہب مروجہ کی تقلید سے کبھی باہر قدم نہ رکھوں اور جہاں تک ممکن ہو سب میں تطبیق کی کوشش کروں۔

پھر شاہ صاحب ترک تقلید کے متعلق اپنے نفسی میلان اور طبعی رجحان کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مجبوری کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

ولکن طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی	لیکن میں کیا کروں کہ میرے اقتضائے نفسی کے

خلاف ان مذاہب اربعہ کی پابندی ہی کا مجھ سے مطالبہ ہے اور اس بارہ میں مجھے سر نیاز جھکا دینے ہی کا حکم ہے۔

آگے چل کر اپنے میلان نفس بسوئے عدم تقلید اور وصیت نبوی دربارہ اختیار تقلید کے اصل راز کے متعلق صرف اتنا فرماتے ہیں کہ

وھھنا نکتۃ طویت ذکرھا وقد تفطنت بحمد اللہ بسر ھذہ الجبلۃ وھذا لوصاۃ فیوض ص۶۵	یہاں ایک باریک راز ہے جس کے ذکر کو میں نے بالقصد قلم انداز کر دیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اپنی فطرت اور آنحضرت کی اس وصیت کے اس راز کو میں نے سمجھ لیا ہے

جب شاہ صاحب نے ہی اس نکتہ کا ذکر نہیں فرمایا تو میں کیا کہہ سکتا ہوں، لیکن اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہی ہے کہ آپ کے اس فطری میلان، اور طبعی رجحان کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے سامنے وہ چیزیں مسلسل آتی رہیں، جن سے آپ کے معاصرین غافل تھے، سب سوئے ہوئے تھے، لیکن خدا نے آپ کو بیدار رکھا، اسلام و مسلمانوں کی جو حالت اس ملک ہو رہی تھی، اس کے تمام پہلوؤں پر آپ کی نظر پہونچی، دماغ نے مخلصی اور نجات کی راہ ڈھونڈھنی شروع کی، یہ ہو سکتا تھا کہ کفر کے اس غلبہ و استیلار اور ارباب حکومت کی خود غرضیوں اور نااہلیوں کو دیکھ کر آپ آستین چڑھا لیتے اور ایک دفعہ آستین چڑھا کر "الجہاد ثم الجہاد" کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کی کسی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر سیاسی کش مکش میں مبتلا ہو جاتے، اور جب دنیا کے نام پر مختلف گوشوں سے مختلف قوتیں اپنے گرد لوگوں کو جمع کر رہی تھیں تو دین کے نام پر نیم مردہ مسلمانوں کو بھی کیوں نہ زندہ کیا جا سکتا تھا؟ خصوصًا جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شاہ صاحب کا خاندانی تعلق جس قبیلہ اور نسل سے تھا علم و تصوف کے ساتھ

اس خاندان کے لوگ فوجی کاروبار میں بھی یگانہ روزگار تھے، بلکہ شاہ عبدالرحیم سے پہلے تو شاہ صاحب کے خاندان میں علم و تصوف کی محض ثانوی حیثیت تھی، اصلی کام اس خانوادہ کا جہاد ہی تھا ـــــ آپ کے ہمراہ راست جد امجد یعنی شیخ وجیہ الدین کے واقعات تو خود شاہ صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں درج کیے ہیں، جن کو سنکر حیرت ہوتی ہے، عالمگیر کی فوج جب شاہ شجاع سے نبرد آزما ہوئی اور شجاع نے ہاتھیوں سے حملہ کیا تو شاہ صاحب کے ان دادا ہی نے گھوڑے پر بیٹھ کر ان زرہ پوش ہاتھیوں پر حملے کیے اور ان کی سونڈ کاٹ ڈالی، نتیجہ یہ ہوا کہ بھگوڑے ہاتھیوں نے شجاع ہی کی فوج کو کچل کر رکھدیا، ایک اور موقعہ پر مسلسل تین مرد میدان راجپوتوں کو ایک ایک وار سے ختم کیا، یہ تینوں راجپوت حقیقی بھائی تھے، قتل ہونے کے بعد ان کی ماں شیخ وجیہ الدین سے آکر ملی اور اپنا منہ بولا بیٹا بنایا جسے شاہ وجیہ الدین نے بھی تسلیم کرلیا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے تھے۔ کہ

من بارہا بخانہ او رفتم و او را جدہ می گفتم و وے شفقت دقیقہ فرو نمی گذاشت بلکہ من جدہ خود را ندیدہ بودم و در صغر نمی دانستم کہ مرا بجز ایں عجوزہ جدہ دیگر بودہ است۔

بارہا میں اس بڈھی کے گھر جاتا تھا اور اس کو میں دادی کہتا تھا، وہ بھی مہربانی اور شفقت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتی تھی، بلکہ اپنی واقعی دادی کو چونکہ میں نے نہیں دیکھا تھا اس لیئے بچپن میں اس بڈھی کے سوا میں اپنی دادی کسی اور کو نہیں جانتا تھا۔

ایک مشہور بہادر سید شہاب الدین نے آپ سے بدمعاملگی کی شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میرے سامنے والد نے اسے ایک طمانچہ رسید کیا جس سے وہ بیہوش ہوکر گر گیا ـــــ بہرحال شیخ وجیہ الدین کا مدت العمر مشغلہ یہی فوجی خدمت تھی، اگرچہ آخر عمر میں نوکری چھوڑ دی تھی، لیکن بڑھاپے میں پھر گھوڑا خرید کر جہاد کے لیئے دکن روانہ ہوئے اور راہ میں شہادت میسر آئی، بیان کیا جاتا ہے کہ جسم پر بائیس گہرے زخم تھے، سر کٹ جانے کے بعد بھی ایک غلیل کی زد تک آپ کی بے سر لاش دشمن کا تعاقب کرتی رہی ـــــ تقریباً یہی حال شاہ ولی اللہ نے اپنے پر دادا شیخ معظم کا لکھا ہے اور مسلسل پشتہا پشت تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان فوجی مہمات میں نام آور اور دیدہ ور رہا ہے، شاہ ولی اللہ خود اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ

ایشاں باخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفائت و غیرت بوجہ اتم متصف بودند۔

حضرت دیگر اخلاق سلیمہ پسندیدہ کے ساتھ شجاعت بہادری اور غیرت غیرہ صفات سے بوجہ اتم موصوف تھے

اگرچہ شاہ عبدالرحیم صاحب کو فوجی خدمت انجام دینے کا کوئی موقعہ اپنے اسلاف کے مطابق نہ ملا لیکن اس نفرہ سے ان کی شجاعت اور بہادری کا حال بھی معلوم ہوتا ہے[۱] اور خود شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق تو مشہور ہی ہے

---

[۱] الفرقان: سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ نے شاہ عبدالرحیم صاحب ہی کے تذکرہ میں ارقام فرمایا ہے کہ "شاہ عبدالرحیم کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے۔ ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ اسمیں اُن کا خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے جسمیں انھوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے" ۱۲ م

کہ "ترجمہ قرآن" کی بنیاد پر دلی کے بعض پرانے خیال کے مولویوں نے جب آپ سے اختلاف کیا اور اختلاف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ عوام میں کافی بدظنی و برہمی پیدا ہوئی، اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ فتح پوری کی مسجد میں تقریباً سو سوا سو لچوں اور بد معاشوں کو لے کر بعض ملاؤں نے آپ کو گھیر لیا، شاہ صاحب کے ساتھ اس وقت صرف معدودے چند رفقا تھے، لیکن جیسا کہ مرزا حیرت نے لکھا ہے، "کہ شاہ صاحب کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی لکڑی تھی،، اسی لکڑی کو لے کر اس خونی مجمع میں جو باضابطہ تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔

"غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے"۔

یوں بھی شاہ صاحب کو سیاسی مسائل اور حکومتی نظامات کے متعلق جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ ان کی مختلف کتابوں مثلاً ازالۃ الخفا اور حجۃ اللہ وغیرہ کے سیاسی مباحث سے ہوتا ہے، سیاسیات میں ان کی رائے کتنی عمیق اور دوررس ہے افسوس ہے کہ اس کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجایش نہیں، شاہ صاحب کی عام متداول کتابوں میں اس کا کافی مواد موجود ہے، کوئی چاہے تو ان کو موجودہ اصطلاحات اور تعبیروں کے قالب میں ڈھال کر بیان کر سکتا ہے، ممکن ہے کہ اگر فرصت ہمدست ہوئی تو شائد اس کام کو میں ہی کبھی انجام دوں، بالفعل صرف ان کی طرف اشارہ کر کے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باوجود ایسے ماحول اور اسباب کے شاہ صاحب نے سنانی اور سیفی مجاہدہ کی راہ کیوں اختیار نہیں کی[1] یہ توقطعاً غلط ہے کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق جس پر "ماض الی یوم القیمۃ" (یعنی جہاد کا قانون قیامت تک کے لیے نافذ ہے) کی مہر ثبوت کندہ ہے، اس قانون کو شاہ صاحب خدانخواستہ کسی خاص زمانہ تک محدود سمجھتے تھے، بلکہ اپنے اجداد کے حالات کو درج فرماتے ہوئے جہاں اپنے جد امجد کی بہادری کے واقعات لکھنے لگے ہیں تو ان سے پہلے آپ نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے:۔

چند واقعات ہیں اس لیے اس کتاب میں درج کرتا ہوں تاکہ اس خاندان کے لیے وہ بیداری کا پیغام اور سبب ہوں۔	کہ چندے ازیں باب دریں کتاب می نویسم کہ تنبیہے باشد اہل ایں خاندان را

اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوسری ہی پشت میں حضرت شاہ صاحب کے گھرانے سے جو وہ مرد غازی مولٰنا اسمٰعیل شہید اٹھے، اور ایک مدت تک بجائے قلم کے تلوار کو کمر سے لگائے رہے "تا ایں کہ آں ہی راہ میں بالآخر جان عزیز بھی نذر کی، یہ شاہ صاحب کی کسی اندرونی تربیت کا نتیجہ نہ تھا، جس کا رواج ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا، باوجود ان تمام باتوں کے پھر میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ شاہ صاحب نے آخر یہ راہ خود کیوں اختیار نہیں فرمائی، مجھے اب تک ان کے کلام میں کوئی چیز صراحۃً نہیں ملی ہے، آئندہ اگر کوئی چیز ہاتھ آئی تو انشاء اللہ پیش کی جائے گی بالفعل

---

[1] الفرقان: حضرت شاہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ "جہاد بالسیف" کے بارہ میں بھی اپنی قابلیت کو خود ہی بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو تفہیمات ص ۱۰۱ ج ۲ اور وہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ راہ کیوں اختیار نہیں کی ۲۱۲

ان کے مسلک کے متعلق اس باب میں جن وجوہ تک پہونچ سکا ہوں انھیں درج کرتا ہوں، فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے "تحقیق شریف" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اگرچہ کچھ طویل ہے لیکن جب تک پورا مضمون نقل نہ کیا جائے مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ارقام فرماتے ہیں،

للامة المرحومة اُسوة حسنة برسوله صلى الله عليه وسلم لاصحاب الخلافة الظاهرة اعنى المعتنين باقامة الحدود واعداد ادوات الجهاد وسد الثغور واجازة الوفود، وجباية الصدقات والخراج وتفريقها على مستحقيها وفصل الاقضية والنظر فى اليتامى واوقاف المسلمين وطرقهم ومساجدهم واشباه هذه الامور، — فمن كان مشتغلاً بهذه الامور نسميه بالخليفة الظاهرة لهم اسوة حسنة برسول الله صلى الله عليه وسلم فيما سن فى هذا الباب بالتفصيل المذكور فى كتب الحديث — ولاصحاب الخلافة الباطنية اعنى المعتنين بتعليم الشرائع والقرآن والسنن والآمرين بالمعروف والناهين عن المنكر والذين يحصل بكلامهم نصرة الدين امابالمجادلة كالمتكلمين، او بالموعظة كخطباء الاسلام او بصحبتهم كمشائخ الصوفيه، والذين يقيمون الصلوة والحج والذين يدلون على طريق اكتساب الاحسان والمرغبون فى التنسك، والزاهد والقائمون بهذ الامرهم اللذين نسميهم بالخلفاء الباطنين لهم اسوة حسنة برسول الله صلى الله عليه وسلم فيما سن من هذا الباب، بالتفصيل المذكور فى كتب الحديث

رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زندگی میں امت مرحومہ کیلئے اُسوہ اور نمونہ ہے (پھر اس نمونہ کی تقسیم یوں کرتے ہیں) ظاہری خلافت والے یعنی جو شرعی حدود اور جہاد کے سازوسامان کی تیاری اور سرحدی علاقوں کی ناکہ بندی وحفاظت اور وفود کو اکرام و انعام دینے کی خدمت اور صدقات محصول، مالگذاری وغیرہ کی وصولی، پھر ارباب استحقاق پر ان کی تقسیم، مقدمات کے فیصلے، یتیموں کی نگرانی، مسلمانوں کے اوقاف کے انتظام، نیز رستوں سڑکوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر، اور اسی قسم کے اور کاموں کے لیے مقرر ہیں، غرض مسلمانوں میں جو ان خدمات اور مشاغل میں مصروف ہیں انھیں کو میں خلافت ظاہری والوں کے نام سے موسوم کرتا ہوں، ان لوگوں کے لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بہترین نمونے ہیں جنھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان امور کے متعلق جاری فرمایا اور حدیث کی کتابوں میں جن کی تفصیل مذکور ہے، اور جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں، یعنی جو اس کام پر مقرر ہیں کہ شرائع اور قوانین اسلامی قرآن اور سنن و آثار کی تعلیم دیں، اور معروف یعنی اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دیں بری اور منکر باتوں سے روکیں، اسی طرح وہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے خواہ مناظرہ اور مباحثہ کی راہ سے جیسا کہ متکلمین اسلام کا حال ہے، یا وعظ وپند کے طریقے سے جیسا کہ اسلام کے مقررین اور خطباء جس خدمت کو انجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی صحبت اور توجہ وہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا حال ہے اسی طرح

جو نمازیں قائم کراتے ہیں حج کراتے ہیں اور جو احسان (دوام حضور) کے حصول کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں، اور زہد و تقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ بہر حال جو لوگ ان دینی خدمات کو انجام دیتے ہیں ان ہی لوگوں کو ہم خلفاء باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان گوں کے لیئے بھی بہترین نمونے ہیں یعنی اس باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ عمل اختیار فرمایا، اور حدیث کی کتابوں میں جس کی پوری تفصیل موجود ہے"

اس کے بعد شاہ صاحب نے خلافت کی دونوں صورتوں اور ان کے لوازم و آثار سے بحث کی ہے، جس کے درج کرنے کی سردست ضرورت نہیں ہے،

شاہصاحب کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت ونمائندگی اور "خلافت" کا انحصار محض سیاسی اقتدار کے مظاہر کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جو نمائندگی کرتے ہیں، ان کو بھی "خلافت" کا ایک حصہ ملا ہے جیسے سیاسی اقتدار رکھنے والوں اور حکومتی خدمات انجام دینے والوں کو بھی اس کا ایک ہی شعبہ ملتا ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک قدرت نے جس کسی کو جس قسم کی "خلافت" اور نیابت نبوت کے مظہر بننے کا موقعہ عطا فرمایا ہے وہ اسی اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے کاروبار کی تنظیم کرے اور اسی شعبہ کے اسوہ نبوی کو شمع راہ بنا کر اپنے فرائض "خلافت" کو انجام دے — گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ اسلام نے مثلاً امراء کو بھی مخاطب کیا ہے اور غرباء کو بھی تندرستوں کو بھی اور بیماروں کو بھی احرار کو بھی اور عباد و اماء کو بھی، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سب کے فرائض بالکل یکساں ہیں بلکہ امراء جنھیں قدرت نے مال و دولت عطا کی ہے ان ہی کے ساتھ ان احکام کا تعلق ہے جو مالیات سے متعلق ہیں اور جو صحت کی دولت سے سرفراز ہیں ان ہی تک وہ احکام محدود رہیں گے جن کی ادائیگی صحت کے ساتھ مشروط ہے پس اسی طرح گو قرآن نے ہر قسم کے احکام کی تبلیغ کی ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی جامع زندگی سے تقریباً ہر حکم کے متعلق تشریحی نمونے پیش فرمائے ہیں، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے ہر حکم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر نمونہ کی اتباع پر ہر مسلمان مساوی طور پر مجبور کیا گیا ہے، بلکہ جو خوش بخت خلافت ظاہرہ کے اسباب وادوات سے سرفراز ہیں وہ اس باب میں مکلف ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز حکومت اور طریقہ سیاست، کو اختیار کریں اور اس، کو دنیا میں سربلند کرنے کے لیئے تدابیر عمل میں لائیں — علی ہذا جس کسی کو خلافت باطنہ کا جو حصہ عطا ہوا ہے، وہ اسی پہلو میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے، غالباً یہی وجہ ہے، کہ "تفہیمات الٰہیہ" میں شاہصاحب نے اپنے جس طویل خطاب سے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا ہے جس کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں اس میں آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ کر کے پکارا ہے، اور بجائے اس کے کہ ہر مسلمان پر اس عام دعوت کو پیش فرماتے خصوصیت کے ساتھ "ملوک اسلام"، کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

ايها الملوك! المرضي عند الملاء الاعلى في هذا الزمان ان تسلوا السيوف ثم لا تغمدوها حتى يجعل الله فرقانا بين المسلمين والمشركين وحتى يلحق مردة الكفار والفساق بضعفائهم لا يستطيعون لانفسهم شيئا وهو قوله تعالى وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله

بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں تمہارے متعلق یہ ہے کہ تلواریں سونت لو، پھر انھیں نیام میں نہ کرو جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکوں سے بالکل جدا نہ فرمادے اور کفار کے سرکش افراد نیز فساق کمزوروں ہی جاکر شریک نہ ہوجائیں، اور خود اپنے لیے ان میں کچھ کرنے کی سکت باقی نہ رہے، یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ جنگ کرو، کافروں سے اس حد تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور "دین" "قانون" صرف اللہ کے لیے مختص ہوکر رہ جائے،

الغرض خصوصیت کے ساتھ بجائے عام مسلمانوں کے اس خطاب میں شاہ صاحب نے ملوک یعنی ان ہی لوگوں کو مخاطب کیا ہے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے سیاسی اقتدار اور عسکری قوت کے مالک ہیں، پھر آپ نے ان کو صرف "اس سلبی کام" ہی کا مخاطب نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے بعد حکومت کے ایجابی احکام کا مکلف بھی ان ہی کو قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:-

فاذا اظهر الفرقان فرضاء الملاء الاعلى ان تنصبوا في كل ناحية وفي كل مسيرة ثلثة ايام واربعة ايام اميرا عادلا يأخذ للمظلوم حقه من الظالم ويقيم الحدود ويجتهد ان لا يحصل فيهم بغي ولا قتال ولا ارتداد ولا كبيرة وليفشوا الاسلام وتظهر شعائره ويأخذ بفرائضه كل احد ويكون لامير كل بلد شوكة يقدر بها على اصلاح بلده ولا يكون له شوكة يتمتع بسببها ويعصي على السلطان وينصب في كل اقليم كبير اميرا يقلده القتال فقط يكون جمعه اثنا عشر الفا من المجاهدين لا يخافون في الله لومة لائم يقاتلون كل باغ وعاد فاذا كان

جب مسلم و کافر میں اس طرح جدائی پیدا ہولے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضا یہ ہے کہ تم اے بادشاہو! ہر علاقہ اور تین دن یا چار دن کی ہر مسافت پر ایک صاحب عدل امیر کو مقرر کرو، جو ظالم سے مظلوم کا حق لے سکتا ہو اور شرعی حدود قائم کرسکتا ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ ان کی طرف سے پھر سرکشی اور فساد پیدا نہ ہو اور ارتداد اور کبیرہ کا ارتکاب نہ کرسکیں۔ اسلام بالکل فاش اور علانیہ ہوجائے اس کے شعائر کھلم کھلا ظاہر ہوں اور اپنے منصبی فرائض کو ہر شخص اختیار کرلے، چاہیئے کہ ہر شہر کے امیر کو یہاں اتنی قوت و شوکت ہو جس کے ذریعہ سے اپنے شہر کی اصلاح پر وہ قابو پاسکے مگر اتنی شوکت و قوت اس کے پاس نہ ہو کہ ان سے خود نفع اٹھانے لگے، اور بادشاہ وقت سے سرکشی کرنے لگے، چاہیئے کہ ہر اقلیم (صوبہ) میں ایک بڑا امیر بھی

ذلک فرضاء الملاء الاعلیٰ ان یفتش حینئذ من الانتظامات المنزلیه، و العقود ونحوه حتی لایکون شئ الاموفق الشرع حتی یامن الناس من کل جہۃ

تفہیمات الہیہ ص ۲۱۶/۱

مقرر ہو، جس کے ذمہ فقط جنگ کی ذمہ داری عائد کی جائے چاہیئے کہ اس کی فوجی جمعیت ایسے بارہ ہزار مجاہدوں کی ہو، جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں اور ہر سرکش باغی سے جنگ کر سکتے ہوں جب یہ ہو چکے تب چاہیئے کہ منزلی نظامات (اور معاشرتی قوانین) اور عقود و معاملات کی جانچ پڑتال کی جائے اور اسی قسم کی دوسری باتوں کی (پھر ایسی صورت اختیار کی جائے کہ کوئی بات ایسی باقی نہ رہ سکے جو شریعت کے مطابق نہ ہو، تاکہ لوگ ہر لحاظ سے امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگیں،،

اس قسم کے خاص خاص خطابات، اور مخصوص دعوات کا ذکر شاہ صاحب کے کلام میں اور دوسرے مقامات میں بھی ملتا ہے لیکن میں سر دست اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب کا اس کے بعد جو مسلک منقح ہوتا ہے میں اب اس کی اس سے زیادہ تصریح نہیں کرنا چاہتا اور نہ اب مزید کی ضرورت ہے۔

آج جب دنیا کا ہر طبقہ ایک قسم کے سیاسی بحران میں مبتلا ہے اور "انسانیت" کے اول و آخر ظاہر و باطن میں اب بجز "سیاست" کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اسلام کو صرف "سیاست" اور سیاست کو صرف "اسلام" قرار دینے پر مصر ہے، گویا ان کو غلاۃ کے نزدیک ہر شخص کے اسلام و ایمان دینی خدمات کی بھلائی و برائی کا سارا دار و مدار اسی پر رہ گیا ہے ان کے خیال میں اب "خیر" بلکہ ایمان بھی صرف اس میں ہے جو موجودہ سیاسی قصوں میں اپنا کچھ نہ کچھ پارٹ ادا کرتا ہو، اور جو بیچارے کسی وجہ سے (اگرچہ آجکل کی سیاست کی گندگی ہی کی وجہ سے) ان "سیاسی مشاغل" سے محروم ہیں خواہ دوسرے نقطۂ نظر سے یعنی شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں "خلافت باطنیہ" کی راہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بہترین نمونے کیوں نہ پیش کرتے ہوں وہ بزدل ناکارہ اور بعضوں کے نزدیک تو مخذول و مردود ہیں بلکہ ان کی موت بھی ان کے خیال میں جاہلیت کی موت ہے، اور اسکی زندگی بھی جاہلیت کی زندگی ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں، کہ ارباب سیاست کا یہ اجتہاد واقعی اسلامی نصوص و نبوی آثار و سنن اور فقہاء اسلام کے مجتہدات پر کس حد تک منطبق ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا نقطہ نظر جیسا کہ ان کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، اس باب میں جو ہے اس کو دیکھ کر کیا یہ حضرات اپنے اس طرز عمل میں کچھ تغیر فرما سکتے ہیں؟

اسی طرح جو لوگ ہندوستان یا بیرون ہند کی بعض بچی کھچی ملوکی اور سیاسی قوتوں کے بالکل "استیصال" یا نک کل نظام کا مشورہ محض اس لیئے دے رہے ہیں کہ ان کے یہاں مغربی نظامات اور عقود و معاملات یا دوسرے لفظوں میں بعض معاشرتی، اور معاشی قوانین ایسے مروج ہیں جو شریعت اسلامیہ کے دفعات پر منطبق نہیں ہیں، اگرچہ زیادہ تر

ان مشوروں کا محرک اس زمانہ میں شریعت کا درد نہیں بلکہ مغربی مکاتب خیال میں سے کسی مکتب خیال کے تاثر و انفعال کا یہ نتیجہ ہی، خواہ اس تاثر کا دماغوں کو شعور ہو یا نہ ہو تاہم یہ مان بھی لیا جائے کہ "انقلاب" بالکل "انقلاب" کے ان نقیبوں کی چیخ پکار کے پیچھے شریعت محمدیہ ہی کا درد اور اسی کے اعلاء کا صادق جذبہ کارفرما ہے، لیکن سوال یہ ہی کہ شاہ صاحب نے دعوت کی جو ترتیب پیش کی ہے اور یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ آپ نے عیسائی بادشاہوں، اور مجوسی ملوک وعظماء کو شروع ہی میں شریعت کے منزلی نظامات اور عقود و معاملات کی پابندی کی دعوت نہیں دی، اور نہ ان کے جمہوری یا شخصی نظامات حکومت کی تبدیلی کا ابتداءً مطالبہ کیا بلکہ آپ کی اول دعوت توحید اور اسلام کی تھی، یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی نقطۂ نظر تھا کہ اگر وہ اسلام کو قبول کر لیں گے، تو ان کی زمین، جائداد، اموال و خراج سے فوری طور پر کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، البتہ بتدریج ان کے معاشرتی اور معاشی مفاسد کی صلاح کی جائے گی، آخر نجاشی ابی سینیا کا عیسائی بادشاہ جیسا کہ کہا جاتا ہی مسلمان ہو گیا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا کیا اس میں ہمارے لیئے کوئی اسوہ حسنہ نہیں ہے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ آج جن علاقوں میں مسلمانوں کی تھوڑی بہت سیاسی قوت خواہ وہ کسی حال میں ہو باقی ہے، مسلمانوں کو ان سے متعلق مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان حکومتوں کے بعض معاشرتی اور معاشی قوانین چونکہ شرعی قوانین سے مختلف ہیں اس لیئے چاہیئے کہ ان کا تختہ اُلٹ دیا جائے اور کوئی مسلمان ان کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھے ان کا وجود و عدم برابر ہے، اور پھر اسلام کے ان احکام و اوامر پر جن کی تعمیل کے لیئے خلافت ظاہرہ یا سیاسی قوت کی ضرورت ہے عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ان غریب مسلمانوں سے کیا جائے جو بیچارے قدرتاً ان کی سرانجامی سے مجبور ہیں گویا اس کے معنے یہ ہوئے کہ امرا چونکہ اپنے اموال شرعی طریقوں پر خرچ نہیں کرتے اس لیئے بجائے اس کے کہ ان کو شرعی طریقوں کی پابندی کی دعوت دی جائے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان کو بھی غریب بنا دیا جائے اور پھر مفلسوں پر زکوٰۃ اور عشر و صدقات کے ٹیکس عائد کیئے جائیں۔

ایسے ہی میرے خیال میں جو لوگ آج کل یہ تعبیر پھیلا رہے ہیں کہ اسلام صرف حاکموں کا مذہب ہے، محکوم ہو کر زندہ رہنے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔ اور دلیل میں اسلام کے ان قوانین و اوامر کو پیش کرتے ہیں جو بغیر حکومت کی قوت کے سرانجام نہیں پا سکتے، ان کی مثال ایسی ہی کہ زکوٰۃ و عشر کے احکام دیکھ کر اعلان کر دیا جائے کہ غریب ہو کر جینے کی اسلام میں قطعاً گنجایش نہیں، یا روزہ۔ حج وغیرہ کے فرائض کو دیکھ کر دعویٰ کر دیا جائے کہ بیماروں اپاہجوں کے وجود کا اسلام روادار نہیں کیونکہ غریب اسلام کے اہم احکام مثلاً "اٰتوا الزکوٰۃ" کی اور بیمار "فلصیمہ" یا "للہ علی الناس حج البیت" کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ میرا ہرگز اس سے یہ منشاء نہیں ہی کہ اسلام کو محکومی مطلوب ہی، یا حکومت و اقتدار کو اسلامی نظام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہی —— نیز یہ بھی میرا مطلب نہیں ہے کہ جو مسلمان

"امراء" اسلامی دولی نظام اور اسلامی احکام کے پابند نہیں ہیں اُن کے اس حال کی اصلاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح ان چیزوں میں بھی غلو نہ کیا جائے اور مغربی احوال و تحریکات سے متاثر ہونے اور ان کے طرق کا اتباع کرنے کے بجائے "اسوۂ حسنہ نبوی" ہی کو ان کاموں میں بھی شمع راہ بنایا جائے میں یہاں ان معاملات میں اپنی کوئی خاص رائے پیش نہیں کر رہا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ ان اُمور میں کسی رائے کے قایم کرنے کا مجھے مقام بھی حاصل نہیں، بلکہ میں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے جو بات سمجھ میں آ رہی ہے صرف بطور تشریح اُس کا اظہار کر رہا ہوں۔ اور وہ بھی اس بنیاد پر کہ اب تک اس کے خلاف مجھے ان کی کتابوں میں کوئی دوسری چیز نہیں ملی ہے، اور خود آپ کی زندگی میں بھی اس کے سوا کسی دوسرے پہلو کی شہادت نہیں ملتی، ممکن ہے کہ یہ میرے محدود معلومات اور قلت فکر و نظر کا نتیجہ ہو، لیکن میں اب تک یہی سمجھے ہوئے ہوں کہ "اسوۂ حسنہ نبوت کبری" کی پیروی کو شاہ صاحب صرف "خلافت ظاہرہ" کے اور اس کے مظاہر و آثار کے ساتھ وابستہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسی کے ساتھ ان کے نزدیک اسوہ حسنہ کی پیروی کی ایک دوسری راہ خلافت باطنہ کے ذریعہ سے بھی تھی، اور انھوں نے اپنے گرد و پیش کے واقعات، اپنے ماحول، خود اپنی اندرونی اور بیرونی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کرکے بجائے "خلافت ظاہرہ" کے میدان میں اُترنے کے "خلافت باطنہ" ہی کی راہ سے اسوہ حسنہ کی پیروی کے امکانات اپنے لیے پیدا کیے اور ان ہی طریقوں سے اپنی وسعت و طاقت کی حد تک وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے آستین چڑھا کر حق تعالیٰ کی غیبی نصرتوں کے بھروسہ پر تیار ہو گئے، پھر اس سلسلہ میں ان کے متوازن دماغ اور معتدل مزاج، نے اس کی اجازت نہیں دی کہ خلافت باطنہ کے جتنے شعبے ابتدار تاریخ اسلام سے ان کے زمانہ تک کھلے ہوئے تھے اور جن میں سے ہر ایک کا اسوہ "حقیقت جامعہ محمدیہ" (علیٰ صاحبہا الف سلام وتحیۃ) میں پایا جاتا تھا، ان میں سے کسی شعبے کی واقعی قدر و قیمت کا انھوں نے انکار کیا ہو، اور جیسا کہ عموماً ہر طبقہ کے غلاۃ، اور تشدد پسندوں کا عام شیوہ ہے کہ اپنی دہی کے سوا ہر ایک کے دوغ کی ترشی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، متکلم صوفی کو خشک دماغ مبتلائے مالی خولیا قرار دیتا ہے، صوفی متکلم کو حقائق و اسرار کی دنیا سے اندھا اور محروم ٹھیراتا ہے۔ فقیہ محدث پر تیوریاں چڑھاتا ہے، ایسے ہی محدث فقیہ پر تنگ نظری، اور تقلید جامد کا الزام لگاتا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب سب کی تصحیح فرماتے ہیں، ہر ایک کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی باطنی خلافت کا حصہ دار سمجھتے ہیں۔

اور یہ شاہ صاحب کی "آئی جامعیت"، اور ہمہ گیر فطرت کا ثمرہ ہے جو خدائے بخشندہ نے ان کو بخشی تھی جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے یعنی

وھیہات ھذہ المناقضات منی لولا ان شدۃ الجامعیۃ اوقعتنی فی ذلک (فیوض الحرمین)

آہ! کہ میری فطرت میں یہ متضاد و متناقض امور پائے جاتے ہیں لیکن کیا کروں میری ہمہ گیر جامعیت نے مجھے اس حال میں مبتلا کیا ہے

غالباً یہ ہمہ جہتی مناسبت شاہ صاحب کو اپنے والد سے ترکہ میں ملی تھی، انفاس العارفین میں ایک موقعہ پر حضرت شاہ عبدالرحیم کے متعلق ارقام فرماتے ہیں

از ہر علم بہرہ معتد بہ داشتند و بہ ترک مناسبت بفنے از فنون طبع ایشاں رضامی داد ص۴۳

ہر علم سے کافی مقدار کے حصہ دار تھے اور فنون میں سے کسی فن کے متعلق مناسبت ترک کرنے پر آپ کی طبیعت راضی نہ تھی۔

سنا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تک جامعیت کا یہ ذوق اس خاندان میں باقی رہا، ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے تو براہ راست شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ ایک کتاب کا ذکر ہو رہا تھا، اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا

علمے کہ دیدہ ام و یاد ہم بقدر خود دارم یک صد و پنجاہ علم است۔

جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہو اور اپنی وسعت بھر مجھے یاد بھی ہیں ان کی تعداد ایک سو پچاس ہو۔

پھر اس میں دینی علوم کی خصوصیت نہ تھی خود شاہ صاحب کی زبانی اس کی تشریح منقول ہے کہ

نصف ال مرد ماں سابق و نصفش دریں امت تصنیف شدہ

ان علوم میں سے آدھے تو ایسے علوم ہیں جو گزشتہ امتوں اور قوموں میں پیدا ہوئے، اور نصف وہ ہیں جو اسلامی امت کی تصنیف ہیں۔

طلب کا دائرہ کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو جامع ملفوظات نے نقل کیا ہو یعنی حسب دستور شاہ صاحب پیادہ پا ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے، کسی مکان سے گانے کی آواز آ رہی تھی فرمایا یہ "دھناسری" ہے، (یہ ہندی راگ کی کوئی قسم ہے) آگے ایمن ملتانی وغیرہ راگوں اور گتوں کا ذکر فرماتے جاتے تھے اور آخر میں ارشاد ہوا کہ

سابق مرا دریں فن دخل بسیار بود چنانچہ ناموران ایں فن برائے تحقیق می آمدند حالا موقوف کردم لیکن می آمد حالا مراضرر می کند یعنی قلب جوش می کند و بعد ازاں مرض ہم حائل گردد۔

پچھلے دنوں میں اس فن (موسیقی) میں مجھے بڑا دخل تھا چنانچہ اس فن کے نامور لوگ اس فن کے مسائل کی تحقیق کے لئے میرے پاس آتے تھے، لیکن میں نے اس سلسلہ کو موقوف کر دیا ہو، مگر پھر بھی لوگ میرے پاس آتے ہیں، مگر اب مجھے اس کا اشتغال ضرر پہونچاتا ہو یعنی دل میں جوش پیدا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد بیماری بھی حائل ہو جاتی ہو[1]

[1] غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی کے کسی دور میں العیاذ باللہ ان مکروہات شرعیہ میں مبتلا تھے۔ ملفوظات میں ہو کہ کسی نے دریافت کیا میل حرام گاہے نرمودہ اند" جواب میں ارشاد فرمایا گیا" ازی سہ بار اینچہ بود کہ در جوانی شنیدم کہ قصہ خوانے خوش گو آمدہ است بہ ترغیب احبا قصد کردم ناگاہ آواز مزامیر و رقص در گوش رسید خواستم کہ زیر دیوار نشستہ شنیدہ راہی مقصد شوم بمجرد نشستن خواب غلبہ کرد چوں چشم باز کردم صبح بود باز دگر ہمیں ماجرا پیش آمد" ازص ۹۹ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہو کہ رقص و سرود کی مجلس میں نہیں بلکہ سرود ہمسایہ کے طور پر بھی آپ اس میں شریک نہ ہوئے ہی ملفوظ سے پہلے شاہ صاحب کا ایک فقرہ یہ بھی ہو از وقت شباب از رقص وغیرہ ممنوعات نفرت طبعی داشتم ص۹۹ لہذا ابد

* مطلب یہ ہو کہ فن موسیقی کو شاہ صاحب صرف علمی طور پر جانتے تھے ۱۲

غرض "ایں خانہ تمام آفتاب است" کا مصداق فضل وعلم کا یہ گھرانا بنا رہا ہی، سچ یہ ہو کہ اس کی نظیر ہند کیا بیرون ہند کی اسلامی دُنیا میں بھی مشکل سے میسر آسکتی ہی، طوالت جواَب حد سے زیادہ متجاوز ہو رہی ہی اس کا خوف نہ ہوتا تو کچھ دوسروں کا بھی اس سلسلہ میں ذکر کرتا۔

بہر حال میں گفتگو شاہ صاحب کے توازن صادق، اور اعتدال صحیح کے متعلق کر رہا تھا کہ اسی کی بدولت اسلام کے علمی و دینی خادموں کے ہر طبقہ کی صحیح قیمت وہ پہچان سکے، دوسروں کی طرح انھوں نے اپنے طبقہ کے سوا اوروں کو ناکارہ نہیں ٹھیرایا ان کے نزدیک فقیہ، و صوفی اور محدث و متکلم سب کے سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفاء ہیں، البتہ اسی کے ساتھ "طولِ امد" کی وجہ سے قدرتاً دلوں میں جو ایک قسم کی بے حسی یا قساوت پیدا ہو جاتی ہی، اس نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے اسلامی خطوں میں بھی ہر شعبہ کو "اسوۂ حسنہ" کے حدود سے بہت آگے نکال دیا تھا، اور اس کی شکایت شاہ صاحب کو ہر طبقہ سے ہے جس کی کچھ مثالیں میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔

اب تک میں جو کچھ لکھ چکا ہوں ان ہی متفرق و منتشر امور نے میرے دل میں اس خیال کو پیدا کیا ہے کہ عام اہل علم یا ارباب درس وتدریس وتالیف وتصنیف کے مساعی کی جو نوعیت ہوتی ہی، حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی خدمات کی نوعیت ان سے مختلف ہے۔ میں نے تمہید ہی میں عرض کر دیا تھا کہ شاہ صاحب کی علمی سرگرمیوں خصوصاً ان کے تصنیفی کاروبار کے پیچھے بعض اہم مقاصد اور اغراض کم از کم مجھے چھپے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ مقاصد اور منصوبے ان کے دل میں جن اسباب و علل سے پیدا ہو سکتے تھے، دراصل اس وقت تک اجمالاً ان ہی کا ذکر کیا گیا اب میں شاہ صاحب کے "منصوبہ"، اور اس منصوبہ یا نصب العین کے لحاظ سے جو کام کر کے وہ چلے گئے ہیں میں ترتیب کے ساتھ اس سب سے بحث کرنا چاہتا ہوں، لیکن یہ بحث کوئی واقعی تفصیلی بحث نہ ہو گی کہ اس کا یہاں نہ موقعہ ہے اور نہ گنجائش، محض ان کی ایک اجمالی فہرست پیش کر رہا ہوں

(۱)

آپ کی کتابوں میں ایک بڑا ذخیرہ تالیفات کا تو وہ ہے جن سے اس مکروہ خانہ جنگی کو ختم کرانا مقصود تھا جو پچھلے چند دنوں سے ہر مذہب کے متصلب و متقشف فقہا کی بدولت ملک میں شدت اختیار کرتی جا رہی تھی اگرچہ یہ تو صحیح نہیں ہی جیسا کہ اس زمانہ میں مشہور کیا جا رہا ہی کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان ہی فروعی اختلافات کی طرف عائد ہوتی ہی، سمجھایا جا رہا ہی کہ حنفیت شافعیت، مالکیت و حنبلیت کے اختلافات کی نوعیت اسی قسم کی ہی جیسے یورپ میں صدیوں کلیسا اور عوام کے باہمی مذہبی اختلافات کی رہی، حالانکہ چہ نسبت

خاک را با عالم پاک"، کہاں یورپ کی وہ مذہبی خانہ جنگیاں جن میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس لاکھ آدمی مختلف ظالمانہ طریقوں سے موت کے گھاٹ اُتارے گئے، ہزاروں کو پھانسیاں دی گئیں، لاکھوں زندہ جلائے گئے، فرانس کے بارتھلمی ہنگامہ میں رومن کیتھولک والوں نے پروٹسٹنٹوں پر جو مظالم توڑے ہیں ان کی داستان سُن کر اس وقت تک انسانیت کا کلیجہ پھٹتا ہے، مسیح علیہ السلام کی ان مسکین بھیڑوں نے زندہ بچوں کو ماؤں کے پیٹ سے چاک کر کر کے نکالا اور اپنے کتوں کھلایا، نو دن تک پیرس کی گلیوں میں صرف خون بہتا تھا۔ دریائے سین کا پانی ان ہی کے لہو سے سُرخ ہو گیا تھا (والقصۃ بطولہا) یورپ اگر اپنے مذہب کے ان ہی نمونوں سے ڈر کر سرے سے مذہب ہی کے نام سے پناہ مانگنے لگا تو واقعہ یہ ہے کہ شاید یہ کچھ بیجا بھی نہیں ہے اور موجودہ مغربی الحاد و زندقہ کی پیدائش میں مسکین سائنس اور بدنام کیمیا سے زیادہ دخل سچ پوچھیے تو مذہبی نمائندوں کے ان ہی خونچکاں کارناموں کو ہے اگرچہ مسلم عوام کو دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ سائنس نے یورپ میں مذہب کی چولیں ڈھیلی کر دیں، حالانکہ اس دھوکہ کی وہی شکار ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں جو نہ سائنس سے واقف ہیں اور نہ مذہب سے۔ ورنہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ بے ایمانیوں یا ہٹ دھرمیوں کے پیچھے ان کے مذہب اور مذہبی پیشواؤں کی وہ چیرہ دستیاں چھپی ہوئی ہیں جن کے نیچے صدیوں یورپ کے عوام سسکتے رہے ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ یورپ کی ان ہی مذہبی خانہ جنگیوں کو بلا وجہ اسلام کے ان فروعی اختلافات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسلام زمین کے کرہ پر آج چودہ صدیاں گزار چکا ہے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ محض حنفی اور شافعی ہونے کے اختلاف نے ہر جگہ نہیں تو اسلامی ممالک کے کسی خاص خطہ میں بھی کبھی اس قسم کی خوفناک شکل اختیار کی ہے، زیادہ سے زیادہ اگر اس اختلاف نے کبھی حد سے تجاوز کیا ہے، تو قلمی لڑائیوں یا زیادہ سے زیادہ ٹھٹھی حملوں سے کبھی نہیں بڑھا ہے، شیعیت اور سنیت کے جھگڑوں سے اس وقت بحث نہیں کہ اس کا معاملہ ہی دوسرا ہے، میری گفتگو کا تعلق صرف ان فروعی اختلافات تک محدود ہے جن کی حنفیت اور شافعیت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اسلامی تاریخ کے اس طویل زمانہ میں کوئی ایسا اہم واقعہ ان اختلافات کی بنیاد پر پیش نہیں آیا ہے جسے یورپ کی ان خونی داستانوں کے مقابلہ میں سامنے لایا جا سکتا ہو۔

مگر جو کچھ بھی ہو، اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض خاص حالات خصوصاً اسلام کے اصلی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس جس حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے بتدریج یہ اختلاف بہت غلط صورت اختیار کرتا چلا جاتا تھا۔ خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان) و خراسان کے حنفی فقہاء کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستہ سے آیا چونکہ وہ ان ہی ممالک کا راستہ تھا اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت ان ہی ممالک کے علما کی ذہنیت سے متاثر تھی،

پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلوں کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا تو تشدد و تصلب کی یہ شراب دو آتشہ ہو چکی تھی

شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہری مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمایا، بعضوں کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہو کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی، اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ اس باب میں گونہ آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر اُمت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت وہ معلومات نہ ہوتے جنھیں شاہ ولی اللہ کی عرقریزیوں نے وقف عام کیا ہے۔ تو سرزمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی، اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقہ سے اچھالنا شروع کیا تھا (؟)[۵۱]، واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں کم ہی جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں اور اپنے دماغ سے اپنے خیالات سوچتے ہوں مشکل ہی سے غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا، اس میں شک نہیں کہ اندرونی طور پر مغربی دجل وکید نے جو دام بچھایا تھا اور ذم کی صورتوں میں اس تحریک کی مدح کا جو گیت مختلف لہجوں میں گایا جاتا تھا جس کا افسانہ طویل ہے، اس میں بیچارے کچھ سادہ لوح ابتداء میں پھنس گئے، لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ صرف شاہ ولی اللہ کے تحقیقی طرز عمل نے اس تحریک کو ہندوستان میں زیادہ پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ ولی اللہی مکتب خیال کے علماء کی کوششوں کا آج یہ نتیجہ ہے کہ "شیءٌ من سدا سر قلیل" کے سوا اب عمل بالحدیث کے مدعیوں کی آبادیاں اپنے اندر اور کچھ نہیں رکھتیں۔

اس سلسلہ میں حضرت کی کتابیں انصاف عقد الجید۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب تفہیمات الٰہیہ کی بعض تفہیمات، ازالۃ الخفاء کی بعض ضمنی چیزیں اور سب سے زیادہ موطا کی شرحوں نے حدیث فہمی کا جو معیار پیش کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی جو راہیں اشاروں اشاروں میں شاہ صاحب نے اہل فہم کے سامنے کھولی ہیں، سچی بات یہ ہو کہ آج حنفیت علی بصیرۃ من ربہ ان ہی بنیادوں پر قائم ہے[۵۲]

---

[۵۱] "الفرقان" میرے نزدیک مولانا کا یہ بالکل جدید "انکشاف" ہو میرے معلومات اس بارہ میں اُن کے بالکل برعکس ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ بحث بڑی تفصیل اور تطویل کو چاہتی ہو جس کی اس وقت گنجایش نہیں۔ انشاء اللہ آئندہ کبھی "الفرقان" ہی میں اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کی نوبت آئے گی ۱۲ م

[۵۲] اس موقع پر ناظرین سے میں سفارش کروں گا کہ جناب مفتی عبد اللطیف صاحب رحمانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ و حال صدر شعبۂ اسلامیات جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کی کتاب "تذکرہ اعظم" کا مطالعہ کریں مفتی صاحب نے شاہ صاحب کی چیزوں کو اس میں بڑے سلیقہ سے جمع کر دیا ہو ۱۲ منہ

ایک بڑی دانشمندی شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ حنفی فقہ کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر شافعی فقہ کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اپنے مسلک کی تشریح میں ایک موقعہ پر اپنے کو "الشافعی درساً" جو فرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے جو جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے اور شافعی و حنبلی فقہ کی زیادہ تر نوعیت ایک تنقیدی فقہ کی ہے حنفیوں کی فقہ کو مشرق میں اور مالکیوں کی فقہ کو مغرب میں چونکہ عموماً حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا اس لیئے قدرتاً ان دونوں مکاتب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث و جزئیات و تفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی بخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم و تعلّم، درس و تدریس اور تالیف و تصنیف سے رہا اس لیئے عموماً تحقیق و تنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا، بہر حال یہ افسانہ تو دراز ہے، مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ اور اسلامی قوانین کا جو تعلق ان کے سرچشموں یعنی کتاب و سنت سے ہے، جو چاہتے ہیں کہ یہ تعلق مسلسل ترو تازہ حالت میں رہے، ان کے لیئے شاہ صاحب کا یہ طریقۂ عمل کہ شوافع اور حنابلہ کی فقہ اور ان کے ادبیات کا بھی مطالعہ جاری رکھیں بہت کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے یا کم از کم حدیث کے درس میں خصوصیت کے ساتھ فقہاء امصار کے خلافیات اور ان کے وجوہ و دلائل کے بیان کرنے سے مسائل فقہیہ میں زندگی باقی رہتی ہے ہر مذہب کا پیرو ان علل و اسباب سے واقف رہتا ہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قایم فرمائی ہے نیز چونکہ اس کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل و وجوہ بھی اس کے سامنے آتے رہتے ہیں اسی لیئے قدرتی طور پر جاہلی حمیت کا نہ ہر ان میں پیدا ہونے نہیں پاتا، "عقد الجید" میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتایج کے متعلق بجائے اس نظریہ کے کہ حق اُن میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس خیال کو جو ترجیح دی ہے کہ سب ہی حق پر ہیں، تو فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصہ ہی کو ختم فرما دیا ہے اس باب میں شاہ صاحب کے مباحث قابل دید ہیں، جس قسم کا اجمال میرے پیش نظر ہے اُس کے لحاظ سے گنجایش نہیں ورنہ ان چیزوں کا ذکر کرتا چاہیئے کہ لوگ اس کا عام طور پر مطالعہ کریں، اُردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲)

دوسرا ذخیرہ آپ کی کتابوں کا وہ ہے، جس میں مشائخ زمانہ اور صوفیہ عصر کو آپ نے چونکانے کی کوشش کی ہے، تصوف کا کتنا ہی حصہ خالص اسلامی ہے، اور زمانہ کی ضرورتوں سے جس طرح متکلمین اسلام نے وقتاً فوقتاً غیروں کی چیزوں کو اپنی کتابوں میں شریک کر لیا تھا حتیٰ کہ شرح مقاصد و مواقف میں عنصریات و کائنات الجو تک کی مباحث درج ہو گئے ہیں، اسی طرح تصوف میں بھی اجنبی عناصر کا اضافہ مختلف وجوہ سے جو ہوتا رہا ہے اپنی مختلف کتابوں خصوصاً الطاف القدس، ہمعات، سطعات، وغیرہ میں اسی کی آپ نے تفصیل بیان فرمائی ہے، تصوف کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں اس کے خلاف میں شاہ ولی اللہ ہی نے قلم بغاوت اُٹھایا، حالانکہ

معاملہ اس کے برعکس ہے، آج جبکہ یورپ تحقیق وریسیرچ کے نام سے اسلامی چیزوں کو غیروں کی طرف مختلف شاطرانہ چابکدستیوں سے منسوب کرنے میں منہمک ہو اگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی کتابیں اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا ہو کہ اس دجالی ہنگامہ میں تصوف کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ باقی رہ سکتا تھا؟ یورپ زدوں کا ایک بڑا گروہ باوجود اس کے بھی جاہلوں کو جو بہکا رہا ہے کہ اسلامی صوفیہ کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے بلکہ مصری اشراقیوں، عیسائیوں، صابیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور آخر میں ہندوستانی یوگیوں سے مختلف چیزیں لے کر مسلمان صوفیوں نے تصوف کی عمارت کھڑی کی ہو۔

خدا جزائے خیر دے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف کتابوں میں مختلف پیرایوں سے آپ نے اسلام کے حقیقی تصوف، اور اجنبی اجزار کو جدا کر کے دکھایا ہے اور اس سلسلہ میں تو آپ نے اتنا کام کیا ہے کہ جن جن چیزوں کا تصوف سے محض برائے نام تعلق تھا، مثلاً جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ اس کے متعلق بھی آپ نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں "القول الجمیل" اور حزب البحر کی شرح وغیرہ اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں، اس طرز عمل کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جس طرح نمبر ایک کی کتابوں سے حنفی وشافعی اختلافات کی شدت کم ہوتی ہے، ان کتابوں سے ملّا اور صوفی کو جھگڑوں کا بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے خاتمہ ہوجاتا ہو، شاہ ولی اللہ نے تصوف کے مسائل کو خالص اسلامی تعبیروں میں پیش کر کے "مولویوں" کی اس بھڑک کو مٹا دیا ہو جو ان بیچاروں میں صوفی وصوفیت کے متعلق پائی جاتی ہے

(۳)

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہو ہندوستان میں پہلے تورانی سنی، پھر ایرانی شیعہ، اور آخر میں متشدد سنی وہابیوں کی شکل میں داخل ہوئے ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن وتشیع کے سلسلہ میں عجب افراط وتفریط کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں بھی بڑا کام کیا بڑی محنت سے ہزارہا ہزار صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفار کے واقعی حالات۔ ازالۃ الخفا میں ایسے دلنشین طریقہ سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے، تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں کی شدت وتیزی میں بھی کمی پیدا ہوتی ہو جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مناقب کیوں بیان کئے، یا شاہ ولی اللہ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہار حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا، ان پر بھی شیعیت کا فتوے صادر کر دیتے ہیں —— اور اس کے بجائے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب نے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی، جس سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہوگیا، مولوی شبلی صاحب نے اسی کی پیروی میں "الفاروق" لکھی جو زیادہ تر ازالۃ الخفا ہی سے ماخوذ ہو اور اس سے دونوں فرقوں کے اہل انصاف پر مفید اثر مرتب ہوا،

(۴)

اسی سلسلہ میں شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے ان معقولی علماء کی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ لفظی گورکھ دھندوں میں مبتلا تھے، آپ نے بجائے اوہام وخرافات کے قرآن وحدیث کے کلیات سے خود ایک فلسفہ تیار کیا اور جو لوگ ذہنی تمرین وتشحیذ کے لیے لایعنی خیالات میں وقت ضایع کرتے تھے ان کے لیئے شاہ صاحب نے فکر وغور کا ایک بڑا میدان پیش کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی سب سے بہتر کتاب "الخیر الکثیر" ہے نیز حجۃ اللہ والبدور البازغہ کے اکثر مباحث کا رخ بھی اسی نصب العین کی طرف ہو اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے سامنے ہندوستان کی وہ مرعوب طبائع بھی ہیں، جو میر باقر داماد اور صدر شیرازی وغیرہ ایرانی لفاظوں کے بقبقوں اور شقشقوں سے متاثر ہوکر اپنی جگہ پر گویا کانپ رہے تھے،

شاہ صاحب کی بعض کتابوں میں میر باقر وغیرہ کی عبارتوں کی جو جھلک نظر آتی ہے تو میں اس کو کوئی اتفاقی واقعہ نہیں سمجھتا، بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ نے قصداً اس طرز عمل کو اختیار کیا ہو اور مقصود وہی ہے جو میں نے عرض کیا،

(۵)

پانچویں چیز جو مجھے شاہ صاحب کے خدمات میں نظر آتی ہے، ممکن ہے کہ لوگوں کو اس باب میں مجھ سے اختلاف ہو، لیکن بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ انگریزی حکومت کے بعد ہندوستان میں مذہب اور مذہبی امور کے متعلق شک وارتیاب کا جو دور آنے والا تھا شاہ صاحب کے کاموں کا ایک بڑا حصہ اس سے بھی تعلق رکھتا ہے، خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ، اور البدور البازغہ، میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو سوالات آئندہ پیدا ہونے والے ہیں، ان کا جواب پہلے سے تیار کر کے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو سپرد کر رہے ہیں جیسا کہ میں خود لکھ چکا ہوں، شاہ صاحب کے زمانہ تک انگریزی حکومت کا اثر دلی تک نہیں پہنچا تھا لیکن جب بنگال اور مدراس میں ان کے قدم جم چکے تھے، اور اپنے اسی اقتدار واختیار کی قوت کو محسوس کر کے عیسائی مذہب کے بوادر وبطارقہ مغربی خیالات کو کسی نہ کسی شکل میں ملک میں پھیلانے کی تیاریاں کر رہے تھے، عوام کو ان کا احساس نہ ہوا ہو، لیکن کوئی تعجب نہیں کہ شاہ صاحب تک اس کی لہریں پہونچی ہوں، ماسوا اس کے جب حجۃ اللہ کے دیباچہ میں وہ خود یہ فرماتے ہیں:۔

بینا انا جالس ذات یوم بعد صلاۃ العصر متوجہا الی اللہ اذ ظہرت روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغشیتنی من فوقی بشئ خیل الی انہ	کہ اس حال میں کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا ہوا تھا اچانک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

ثوب التقی علی ونفث فی روعی فی تلک الحالۃ انہ اشارۃ الی نوع بیان للدین ووجدت عند ذلک فی صدری نورا لم یزل ینفسح کل حین۔

روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے اوپر سے اس نے ڈھانک لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجھ پر کوئی کپڑا اُڑھا دیا گیا ہے اسی کیفیت میں میرے اندر یہ بات پھونکی گئی کہ دین کی تشریح کے ایک خاص طریقہ کی طرف مجھے اشارہ کیا جا رہا ہے میں نے اپنے اندر اس حال میں ایک روشنی پائی جو لمحہ بہ لمحہ پھیلتی چلی جاتی تھی۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بعد کا جو یہ فقرہ ہے کہ شاہ صاحب کو یہ محسوس ہوا کہ

ان الشریعۃ المصطفویۃ اشرفت فی ھذا الزمان علی ان تبرزھا فی قمص سابغۃ من البرھان

مصطفوی شریعت کے لئے وقت آگیا ہے کہ برہان اور دلیل کے پیراہنوں میں ملبوس کر کے اسے میدان میں لایا جائے۔

آئندہ انگریزی عہد میں وساوس واوہام اور شکوک و شبہات کے جو سیاہ بادل اُمنڈنے والے تھے، اگر ان کی طرف اس میں اشارہ نہیں ہو، تو بتایا جائے کہ حجۃ اللہ کی تصنیف کے بعد انگریزی عہد کے سوا ایسا کون سا دور آیا جس میں ضرورت تھی کہ اسلامی شریعت کو دلیل "و برہان" کے پیراہنوں میں آراستہ کر کے پیش کیا جائے۔ بہرحال میرا خیال ہے، اور یہ خیال شاہ صاحب کی کتابوں سے پیدا ہوا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اور مسلمانان ہند پر جو اُفتاد پیش آنے والی تھی، کسی نہ کسی ذریعہ سے شاہ صاحب کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی، اور اپنے تصنیفی کاروبار میں ان کے سامنے جہاں اور مقاصد و اغراض تھے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے خطرات کے انسداد کی بھی انھوں نے اپنی کتابوں میں پوری کوشش کی ہو، اور میں سمجھتا ہوں وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں، جوں جوں نئی روشنی کی تاریکی بڑھتی چلی جا رہی ہو، حضرت شاہ ولی اللہ کی جلائی ہوئی علمی شمع کی قیمت اسی نسبت سے بڑھ رہی ہو، مغربی الحاد و زندقہ کے زہر کا تریاق شاہ ولی اللہ کا کلام ہے، اب یہ ایک ایسی مسلم بات ہو گئی ہو کہ صرف ہندوستانی ہی نہیں بلکہ مصر اور اب تو عرب و ترکی ایران و افغانستان سب ہی کو اس کا احساس ہو رہا ہے، اور بحمد اللہ ان تمام اسلامی ممالک میں شاہ صاحب کی کتابیں کافی مقبولیت حاصل کر رہی ہیں چونکہ میں سر دست صرف ولی اللہی کارناموں کی ایک اجمالی فہرست بنا رہا ہوں اس لئے مزید گفتگو کی گنجائش نہیں انشاء اللہ اگر تفصیل کا موقعہ کبھی ملا، تو یہ دکھلایا جا سکتا ہو کہ آج جو کچھ پوچھا جا رہا ہے سب کے جواب سے ولی اللہ القطب الحکیم کا قلم مدت ہوئی کہ فارغ ہو چکا ہے۔

(۶)

اور سب سے بڑا کام کم از کم میرے ناچیز خیال میں شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے

ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمہ کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈالدی تھی اگرچہ خود انھوں نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا اور حدیث کی قدیم ترین کتاب موطا مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا، کہ ان کے زمانہ تک غالباً اُردو عام طور سے لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی، جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے، لیکن جوں ہی کہ اُردو نے قدم آگے بڑھایا اور اس راہ میں اس نے بڑی تیزی دکھائی، تو محض اس لیئے کہ شاہ صاحب کا نمونہ فارسی میں موجود تھا آپ کے صاحبزادوں میں سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بامحاورہ اُردو میں، اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لفظی ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

یہ بات کہ ان حضرات کو ترجمہ کرنے کا خیال اپنے والد کے ترجمہ ہی کی بنیاد پر ہوا، موضح القرآن میں اسکے متعلق شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں:-

> بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے حضرت شیخ ولی اللہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنے آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح اس عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنے لکھے" ھ

اور ان دونوں حضرات کے بعد پھر اس وقت تک اُردو میں قرآن بلکہ حدیث کے بھی جتنے ترجمے ہوئے، یا آئندہ ہوں گے کم ازکم ہندوستان کی حد تک اس سنت حسنہ کے تسنن کا سہرا حضرت شاہ ولی اللہؒ ہی کے سر بندھتا ہے۔ قرآن وحدیث کے ترجمہ سے مسلمانوں کو خصوصاً ایسے زمانہ میں جب اسلام سے ان کا وہ ملوکی (دفتری) تعلق باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے مسلمان تو مسلمان نامسلم بھی اسلامی زندگی کی اتباع میں فخر محسوس کرتا تھا، ایسے زمانہ میں ان ترجموں نے ہم مسلمانوں کے اسلام وایمان کی حفاظت میں کیا کام کیا ہے، اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے، اور خواہ میری یہ خوش اعتقادی قرار دی جائے یا جو کچھ بھی سمجھا جائے میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی شاہ صاحب کو اس مصیبت کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا جس میں انقلاب حکومت کے بعد بیچارے مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے،

میرا اشارہ اس طریقہ عمل کی طرف ہے جسے اس زمانہ کے ارباب تشکیک وارتداد نے اسلام کے خلاف بڑی چالاکی سے اختیار کیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسی تعلیم کا انکار کریں، لیکن ڈرتے ہیں کہ عام مسلمانوں میں اس سے برہمی پیدا ہوگی یا کم ازکم صاف انکار اگر کر دیا جائے گا تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے، اس لیئے "مولوی کا مذہب" ایک لفظ تراشا گیا ہے، اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن کی یا حدیث کی ہوتی ہے مولوی

کی طرف منسوب کرکے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے کہدیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے، قرآن کا انکار نہیں کیا ہے، حد یہ ہے کہ آج جنت و دوزخ ۔ حور ملائکہ شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا علانیہ انکار کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے، لیکن سادہ لوحوں کو کتنی دیدہ دلیری سے یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ ان چیزوں کا ثبوت کہیں بھی قرآن میں نہیں، بلکہ یہ غبی کند فطرت مولوی ان کا قائل ہے، الغرض اس پردہ میں قرآن کے جس عقیدے سے چاہا جاتا ہے انکار کر دیا جاتا ہے،

اور یہ واقعہ ہے کہ اگر اُس وقت شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد ڈال کر نہ چلے جاتے اور اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا، تو بیچارہ "مولوی" اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا، صبر و سکون کے ساتھ الحاد و بے دینی کے ان طمانچوں کو برداشت کرتا رہے، اُس کے لیئے اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا،

لیکن بحمد اللہ شاہ ولی اللہ ایک ایسا کام کر کے چلے گئے ہیں کہ جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حقیقت کے طالب ہیں، ان کیلئے — "مولوی کے مذہب"، — کا پرانا جال اب بیکار ہو چکا ہے، قرآن تمہاری زبان میں بہ شکل ترجمہ موجود ہے، خود پڑھ جاؤ، اور پڑھنے کے بعد خود انصاف کر سکتے ہو کہ مثلاً آج جس جنت و دوزخ حور و غلمان، اشجار و انہار کا دار آخرت میں انکار کیا جا رہا ہے، یہ کسی غریب مولوی کی بات کا انکار ہے، یا براہ راست قرآن کا انکار ہے.

غرض یہ ایک بڑی پرفریب دجالیت تھی جس کا قلع قمع کم از کم انصاف پسندوں کی حد تک ہو چکا ہے اور سچ پوچھیئے تو انحطاط و ناقدری کے اس زمانہ میں بیچارے مولویوں کے لیئے بھی قرآن و حدیث کے یہ تراجم آج اکسیر کا کام دے رہے ہیں، عربی مدارس میں ٹوٹی پھوٹی ہمتوں والے طلبہ آج جو کچھ پڑھتے ہیں یہ واقعہ ہے کہ ان میں ایسے بہت کم پیدا ہوتے ہیں، جو بغیر ترجمہ کی مدد کے قرآن یا حدیث کا پورا مطلب خود سمجھ سکتے ہوں، اگر یہ کہوں تو شائد مبالغہ نہ ہوگا کہ نوے فی صدی مولویوں کی آبرو محض ان ہی ترجموں کی بدولت بچی ہوئی ہے[1]، اور سچی بات یہ ہے کہ محض زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ کے جو بندے اپنے مالک کے براہ راست مخاطب بننے کی سعادت سے محروم تھے یا براہ راست اپنے رسول کے ملفوظات وارشادات کے سمجھنے سے معذور تھے، اس نعمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان تراجم کی بدولت اب وہ بھی اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہو گئے اور خود ان آنکھوں سے بغیر کسی مولوی عالم کے واسطہ کے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور جیسا کہ شاہ عبد القادر صاحب نے لکھا ہے کہ

"بتانے والے بہتیرا بتائیں، جیسا خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں

[1] یقیناً مبالغہ ہے اور بہت مبالغہ، مگر غالباً غیر شعوری ۱۲ م

بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے، کسی کے کلام میں نہیں۔"

درحقیقت جو منافع ان تراجم کے پڑھنے سے پڑھنے والوں کو حاصل ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں، وہ لاکھ مولوی ملا کی زبان سے ہم سنیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتے، بلکہ ترجمہ پڑھنے والے عوام میں ایسے کہتے ہیں، جنھوں نے ان ہی ترجموں کی مزاولت سے آہستہ آہستہ عربی زبان سے ایسا لگاؤ پیدا کر لیا کہ براہ راست خود کلام اللہ انکی سمجھ میں آرہا ہی،

خلاصہ یہ ہی کہ شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو میں سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہو اس وقت چونکہ سرسری فہرست کی حیثیت سے اس کا تذکرہ مقصود ہے، اس لئے بالفعل اسی پر بس کرتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، آپ کے ان شش گانہ خدمات قیمۃ پر الگ الگ مقالہ میں چاہتا ہوں کہ بحث کروں اور اسی سلسلہ میں ایک مقالہ تراجم کا بھی ہوگا، خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کے متعلق کیا ارقام فرمایا ہے، اور کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اس کام کو آپ نے انجام دیا۔ نیز ترجمہ کے ساتھ قرآن کے حاشیہ پر بزبان فارسی آپ نے مختصر مختصر لفظوں میں جو جواہر پارے بکھیرے ہیں، اور "الفوز الکبیر" وغیرہ رسائل میں تفسیر کے جو اصول آپ نے وضع فرمائے ہیں، ان سب کا تذکرہ تراجم ہی کے اس مقالہ میں انشاء اللہ کیا جائے گا۔

واقعہ یہ ہی کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیرت انگیز فقید النظیر کوششوں کی جو نوعیت ان شش جہتی کارناموں میں نظر آتی ہے۔ ان میں ہر ایک بجائے خود ایک ایسا مستقل موضوع ہے کہ ایک کیا، اگر علماء کی کوئی جماعت بھی ان سے عہدہ برا ہونا چاہتی تو جتنی کامیابی حضرت شاہ صاحب کو ان میں سے ہر ایک شعبہ میں ہوئی ہے کسی ایک شعبہ میں بھی اتنا کامیاب ہونا آسان نہیں تھا۔ انھوں نے قرآنی آیات کی جن مشکلات کو حل کیا ہے، قرآن فہمی کے متعلق جن کلیات کی انھوں نے خود تاسیس فرمائی ہی، حدیث و فقہ کے باہمی تعلقات کو صحیح تاریخی وثائق کی روشنی میں جس طرح انھوں نے حل فرمایا ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ "علم اسرار الدین" کے سلسلہ میں حدیث اور فقہ کے تقریباً تمام ابواب میں جن حقائق و رموز کو انھوں نے بے نقاب کیا ہے، اس باب میں واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس دعوے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا کہ

اسرار حدیث و مصالح احکام و ترغیبات و سائر آنچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از خدائے تعالیٰ آوردہ اند و تعلیم فرمودہ اند و آں فنے ست کہ پیش ازیں فقیر مضبوط تر از سخن ایں فقیر کسے آنرا نہ کردہ است باوجود

حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہی، ان سب کے اسرار و رموز کا

جلالت آں فن، اگر کسے را دریں حرف شبہ باشد گو کتاب قواعد بہ بیں کہ شیخ عزالدین آنچہ جہدہا کردہ بعشر عشیر ایں فن فائز نشدہ ص۱۹۶ انفاس

بیان کرنا درحقیقت ایک مستقل فن ہے، اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ بات میں نے کہی ہے کسی سے یہ نہ بن آیا، اس فن کے بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو تو چاہیئے کہ کتاب "قواعد" کو دیکھے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔

اسی طرح فن معارف وحقائق اور تصوّف کے متعلق جن تحقیقی مباحث تک وہ پہنچے ہیں۔ نیز اہل السنت والجماعت کے عقائد کی تشریح، اور تطبین منقول بر معقول کے سلسلہ میں انھوں نے جو خدمتیں انجام دی ہیں جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

عقائد قدماء اہل سنت بدلائل وحجج اثبات کردم وآں را از خس وخاشاک معقولیاں پاک ساختم وبوجہے مقرر نمودم کہ محل بحث نہ ماند۔

قدماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل وبراہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا گیا ہے، اور معقولیوں کے خس وخاشاک سے جیسا ان کو پاک کیا ہے اور ایسے طریقے سے ان کی بنیاد قایم کی ہے کہ اب بحث ومباحثہ کی ان میں گنجایش ہی باقی نہ رہی۔

ماسوا اس کے انھوں نے قرآنی نصوص اور نبوی ارشادات کی روشنی میں دو مستقل فن جو ایجاد کیے ہیں جس کی تعبیر ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے یعنی ایک تو علم کمالات اربعہ یعنی ابداع وخلق وتدبیر وتدلی با عرض وطول"

اور دوسرا علم ان ہی کی اصطلاح میں "علم استعداد نفوس انسانیہ بجمیعہا وکمال ومآل ہر کسے"

شاہ صاحب کا ان دونوں علوم کے متعلق دعوی ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ "ایں ہر دو علم جلیل اند کہ پیش ازیں فقیر کسے برگرداں نہ گشتہ"

نیز شاہ صاحب نے علم کلام اور تصوّف کے نظری حصہ کے مباحث کو مخلوط کر کے ایک نیا "فلسفہ" تیار کیا اور ایسا "فلسفہ" جس کو "فلسفہ" قرار دینا، میرے خیال میں اس کی تحقیر ہے کیونکہ اس باب میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ایسی کسی چیز کو اسلامی کلام اور اسلامی تصوّف میں وہ دیکھنا نہیں چاہتے جسکی تائید قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وسلف صالح کی شہادتوں سے نہ ہوتی ہو، خود فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تمام مسائل میں حق تعالےٰ نے ان کو

توفیق تشبث آں بہ کتاب وسنت وآثار صحابہ دادند وبر تمیز آنچہ علم دین ست منقول از حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم وآنچہ مدخول ست ومحرّف وآنچہ

اس بات کی توفیق دی کہ کتاب وسنت وآثار صحابہ سے اسکی بنیادوں کو مستحکم کریں نیز وہ علم دین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور جو دین میں باہر سے چیزیں داخل ہو گئی ہیں ان دونوں میں تمیز کا جو سلیقہ اور

سنت ست وآنچہ ہر فرقہ بدعت کردہ است افادہ ساختند۔ | یہ کہ ان میں کونسی باتیں تحریفی ہیں، کون کونسی چیز سنت ہے اور اسلام کے مختلف فرقوں نے کن نئی بدعتوں کو

شریک کیا (ان تمام امور کا انکشاف جیسا شاہ صاحب نے کیا شائد ہی کسی نے کیا ہو)

الغرض اس قسم کے مختلف الاطراف والجوانب مباحث جمہ کو انھوں نے اپنی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسالوں میں جو جمع کیا ہے، جن کی تعداد "حیات ولی" کے مصنف نے (۵۱) بتائی ہے، اگرچہ اسی کے ساتھ یہ بھی لکھدیا ہے۔

> "آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں، جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں، مگر ہم نے صرف ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہو کر شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور ہو چکی ہیں۔"

اور پھر یہی نہیں کہ ان کی توجہ اپنی ان کتابوں میں محض معنے پر رہی ہے، بلکہ عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں، ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے شاہ صاحب نے عربی انشاء، وادب کا جو نیا قالب تیار کیا ہے یہی نہیں کہ ہندوستانی مصنفین میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ جہاں تک میری محدود رسائی کا تعلق ہے، میں نہیں جانتا کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک کسی اسلامی علاقہ کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے، شاہ صاحب کے اس "اسلوب بدیع" کی کیا خصوصیتیں ہیں اس کے لئے بھی ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے لیکن مختصر لفظوں میں شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر صاحب "جوامع الکلم" النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاوروں میں کریں، جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، اور اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے، ان سے پہلے تو کسی کو عبارت کے اس ڈھنگ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی، لیکن ان کے بعد بھی اس کی تقلید آسان نہیں ہے حدیث کے بعد ان کی عبارت میں قرآنی طرز تکلم کا بھی اثر ہے، لیکن قرآن سے زیادہ اس باب میں وہ حدیث ہی کے زیادہ متبع نظر آتے ہیں، اور اسی چیز نے ان کی کتابوں کے رنگ کو عربی زبان کے تمام دوسرے مصنفین سے ممتاز کر دیا ہے، فارسی میں شاہ صاحب نے اگرچہ کم لکھا ہے، لیکن جو کچھ لکھا ہے کم از کم اس میں ان علماء کے لئے درس عبرت ہے جو اپنے زمانہ کی عام طریقہ انشاء و کتابت میں لکھنے پڑھنے کو اپنی علمی شان سے ایک گری ہوئی بات خیال کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز کی کتابوں کو پڑھیے اور اس زمانہ کے بڑے بڑے ارباب انشاء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیجیے، مشکل ہی سے ان حضرات کی عبارات ان سے دب سکتی ہیں۔

لیکن یہ سارا کام کتنی مدت میں انجام پایا، شاید ہی کسی نے اس پر غور کیا ہو، واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی سفر حج سے پہلے کا جو حصہ ہے، اس میں تصنیف و تالیف کا بظاہر آپ نے کچھ کام نہیں کیا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا خیال بھی نہ تھا،

والد ماجد یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات کے وقت آپ سترہ سال کے تھے اسی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے، ان کی وفات کے بعد اپنے والد کے پرانے مدرسہ رحیمیہ میں درس تدریس کا کام تقریباً ایک قرن تک انجام دیتے رہے خود فرماتے ہیں کہ

بعد از وفات حضرت ایشاں دوازدہ سال کمی بیش درس کتب دینیہ وعقلیہ نمودہ و در ہر علمے خوض واقع شد (انفاس)

حضرت والد کے انتقال کے بعد کم و بیش بارہ ۱۲ سال تک دینی اور عقلی علوم کی کتابوں کا درس دیتا رہا اور ہر علم میں غور و فکر کا مذاق پیدا ہوا،

جس کے معنے یہی ہوئے کہ قریب قریب اُنتیس تیس سال کی عمر تک شاہ صاحبؒ کا بجائے تالیف و تصنیف کے زیادہ تر درس تدریس سے ہی تعلق رہا، اسی زمانہ میں یکایک سفر حجاز کا سودا سر میں سمایا، فرماتے ہیں

بعد از اں دوازدہ سال شوق زیارت حرمین محترمین در سر افتاد

اس بارہ سال کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق سر میں سمایا۔

۱۱۴۳؁ و ۱۱۴۴؁ و ۱۱۴۵؁ یہ تین سال اسی سفر کے نذر ہوئے، جس میں تقریباً چودہ مہینے حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ میسر آیا شاہ عبدالعزیز کا بیان گزر چکا ہے کہ

والد ماجد چہاردہ ماہ در حرمین بودہ (ملفوظات ص۹۳)

والد ماجد چودہ مہینے حرمین میں رہے۔

اور باقی مدت آمد و رفت میں صرف ہوئی، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کو دو حج ملے، ایک اُس وقت جب حجاز پہونچے، اور دوسرا اُس وقت جب واپسی کے قصد سے عرب سے روانہ ہونے والے تھے۔

اس حساب سے حضرت کی عمر کے تینتس ۳۳ چونتیس ۳۴ سال ان ہی مشغلوں میں ختم ہو گئے آپ کی پوری عمر کتنی ہوئی، اس میں اگرچہ تھوڑا سا اختلاف ہے "حیات ولی" کے مصنف نے گو یہ لکھا ہی کہ

"جناب شاہ ولی اللہ عمر کے ترسیٹھ ۶۳ سال مرحلے طے کر چکے تو چند روز خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶؁ میں عازم سفر آخرت ہوئے (ص۳۱۸)

لیکن اس کے برخلاف ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہی:-

عمر شریف شصت ۶۱ ویک سال و چہار ماہ شد، چہارم شوال تولد گشت، و در بست و نہم محرم وفات یافت، تاریخ تولد چہارم ماہ شوال چہارشنبہ ۱۱۱۴؁ بود۔ تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں"

ودیگر تاریخ :- ہائے دل روزگار رفت بست نہم محرم وقت ظہر"
۱۱۷۶

(ملفوظات عزیزیہ ص۴۳)

"تاریخوں کے ملانے سے جیسا کہ یوں بھی چاہیئے شاہ عبدالعزیز ہی کے بیان کی توثیق ہوتی ہے" بہر کیف! میرا مقصد تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی عمر جب کل اکسٹھ سال چار مہینے مانی جائے تو ہر کا صاف مطلب یہی ہوا کہ اس اکسٹھ میں سے تقریباً تینتیس چونتیس ہی منتو لیتو میں گزر گئے اب کل ستائیس اٹھائیس سال کی مدت رہ جاتی ہے جس میں وہ سارا کام انجام پایا ہے، جسے دنیا شاہ ولی اللہ کا کام سمجھتی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ مرحوم حضرت امیر شاہ خاں صاحب جو ولی الٰہی خانوادہ کے گویا "راوئیہ" تھے اگر ان کے اس بیان کا بھی اضافہ کر لیا جائے کہ

"دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں۔ امیر الروایات ص۴۴)

اگرچہ اب تک اس واقعہ کی تاریخی شہادت مجھے میسر نہیں آئی ہے، لیکن! میر شاہ کا بیان کم از کم میرے نزدیک خود ایک زندہ شہادت ہے، پھر چونکہ یہ نہیں معلوم کہ یہ ناگوار سانحہ حضرت کے ساتھ کس وقت پیش آیا، اس لیئے کوئی معین مدت تو مقرر نہیں کی جا سکتی لیکن بقیہ "ستائیس اٹھائیس سال والی وہ مدت لامحالہ اس بنیاد پر اور گھٹ کر رہ جاتی ہے،

اتنی قلیل مدت میں ایسے عجیب و غریب گوناگوں کام کیسے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بن آئے؟ یہ یقیناً محل حیرت ہے، کوئی شبہ نہیں کہ اس میں بہت کچھ دخل خود ان کی خداداد فطرت اور خاص دل دماغ کو بھی ہے، بھلا جس شخص کی ختنہ اور جس کا ختم قرآن ساتھ ساتھ ہوا ہو، جیسا کہ خود فرماتے ہیں،

در سال ہفتم حضرت والد بزرگوار بر نماز ایستادہ کردند و بروزہ داشتن فرمودند و تطہیر نیز در ہمیں سال واقع شد و چناں در خاطر ماندہ کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم (انفاس ص۱۹۴)

عمر کے ساتویں سال میں والد بزرگوار نے مجھے نماز پر کھڑا کیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ختنہ بھی اسی سال میں واقع ہوئی اور خیال ایسا ہوتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں قرآن مجید بھی میں نے ختم کیا۔

اور دس سال کی عمر میں جو شرح مُلا تک پہونچ گیا ہو، اور کس طرح پہونچا ہو، کہ مطالعہ کی قوت بھی پیدا ہو چکی ہو فرماتے ہیں :-

در سال دہم شرح مُلامی خواندم و راہ مطالعہ فی الجملہ کشادہ شد

میں دسویں سال شرح مُلا پڑھتا تھا فی الجملہ اسی وقت سے مطالعہ کی راہ مجھ پر کھلی،

اور ٹھیک عمر کی پندرھویں سال میں باضابطہ دستار فضیلت جس کے سر پر بندھ گئی ہو جیسا کہ ان ہی کا بیان

ہے کہ :-

بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم این دیار پانزدہم فراغ حاصل شد،	خلاصہ یہ ہے کہ عام متداول علوم اس ملک کے درس میں جن کا رواج ہے ان سے پندرھویں سال فراغت حاصل ہو گئی،

ان علوم متداولہ میں صرف درس نظامیہ کی کتابیں ہی داخل نہیں ہیں، بلکہ ان عام کتابوں کے سوا کتب اور تصوف کی ایک نہیں چند چند کتابیں چھوٹی بڑی بھی شریک ہیں بلکہ شائد علم خواص الاسماء وغیرہ کے طرز کی بعض چیزیں بھی اپنے والد سے آپ نے پڑھ لی تھیں، اور پھر سترہ سال کی عمر سے ہر قسم کے علوم وفنون عقلی ونقلی کا درس دینا شروع کر دیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ باتیں ان کی خاص دماغی اور ذہنی قابلیت پر دلالت کرتی ہیں۔

عرب بھی جو وہ گئے، تو اس میں شک نہیں کہ وہاں کے اہل علم وفضل کی صحبتوں سے کافی فائدہ ان کو پہونچا، اور سب سے بڑی چیز جو وہاں سے لائے وہ حدیث کی سند تھی، کیونکہ گو ہندوستان میں بھی قبل سفر حجاز کے اپنے والد سے پوری مشکوٰۃ اور بخاری کا کچھ حصہ پڑھ چکے تھے، لیکن صحاح اور صحاح کے سوا دوسری حدیث کی کتابوں کی سند آپ کو عرب ہی سے حاصل ہوئی، لیکن خود ان کے بعض جلیل القدر اساتذہ بلکہ آپ کے سب سے بڑے اُستاد حدیث علامہ طاہر بن ابراہیم کردی ہی فرماتے تھے :-

یسند عنی اللفظ وکنت اصحح المعنی منه (الیانع الجنی)	مجھ سے وہ لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معنے کی تصحیح کرتا ہوں۔

بلاشبہ یہ ساری باتیں ان کی فطری ذہانت وذکاوت پر دلالت کرتی ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے منقول بھی ہے فرمایا کرتے تھے "مثل والد ماجد شخصے کم نظر آید" حافظہ کے متعلق اُن ہی کی شہادت یہ ہو کہ "مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام" صلا

اور ایک خاص بات شاہ عبدالعزیز نے ان کے متعلق یہ بھی بیان کی ہے کہ "مریض ہم کم می شدند" ۳۳

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہ صاحب کی ان علمی خدمات ومجتہدات میں ان کی فطری خصوصیتوں کو بھی بہت زیادہ دخل ہو۔

لیکن جو کام جتنی قلیل مدت میں ان سے بن پڑا ہے، اور ایسا کام جس کے اکثر حصہ کے وہ موجد ہیں ان کی کتابوں سے اگر ان "باکورات" و "بدائع" کا انتخاب کیا جائے جن کے ابتداع وابتکار کا فخر صرف ان کے نوک خامہ کو حاصل ہے، تو بلا مبالغہ ہزارہا ہزار سے وہ متجاوز ہوسکتے ہیں تو کیا شاہ صاحب کی اس عبقریت اور نابغیت میں صرف ان کے دل و دماغ کو دخل ہے ممکن ہے کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہوں

خصوصاً اس زمانہ میں "جنیس" کا ایک لفظ تراش لیا گیا ہے اور جب کسی شخص کے کام کے متعلق اس قسم کی مدہش اور حیرت انگیز اعجوبہ طرازیوں کا تجربہ ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس "فن" کا فلاں شخص "جنیس" ہے، اگر شاہ صاحب کے متعلق کوئی وثیقہ مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید میں بھی کچھ اسی قسم کی بات کہکر یا سُن کر چُپ ہو جاتا، لیکن الحمد للہ کہ سفر حجاز سے پہلے اور سفر حجاز کے بعد کی شاہ صاحب کی دونوں زندگیوں اور ان کے کارناموں میں جو نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے اس کے تہ میں جو حقیقی سبب کارفرما ہے، وہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے جو سمجھا جاتا ہے،

جیسا کہ میں نے ابتدائے مضمون میں عرض کیا تھا کہ حجاز پہونچکر شاہ صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا اور ایسا خواب کہ اگر اُس کی تعبیر پوری نہ ہوتی تو آج ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ اس خواب میں شاہ صاحب کو حضرت السلطان الغازی الابدالی اور اُن کی فیصلہ کن جنگ جو مرہٹوں سے ہوئی اس کا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

ساری دُنیا جانتی ہے کہ "پانی پت" کے میدان میں اگر اُس دن قدرت ابدالی کے حق میں فیصلہ نہ کرتی تو یقیناً ہندوستان میں مرہٹوں کی حکومت قایم ہو چکی ہوتی اور مرہٹوں کی حکومت قایم ہو جانے کے بعد اس ملک میں مسلمانوں کا جو ہنجار ہوتا وہ یوں بھی ظاہر ہے پیشتر اس "قوم" کے جن نصب العینوں کا تھوڑا بہت ذکر آچکا ہے ان سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، لوگ کچھ ہی خیال کریں لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی مرہٹوں کے مظالم سے تنگ آکر جو حجاز بھاگا تھا اس کو اس فتنہ کے قلع قمع کی بشارت اس خواب کے ذریعہ سے دی گئی تھی، اور جس طرح کفر کے اس استیصال کی خبر سے وہ مبشر ہوئے۔ ٹھیک اسی سفر میں ان کو ایک اور مژدہ اور کامیابی کی خوشخبری سے سرفراز فرمایا گیا تھا جس کا ذکر شاہ صاحب نے حالانکہ اپنی ایک نہیں بلکہ متعدد کتابوں میں کیا ہے لیکن لوگ اس کو پڑھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں حالانکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں شاہ صاحب کی ساری انقلابی زندگی اور حجاز سے واپسی کے بعد ان سے اسلام کی جو عظیم خدمتیں بن آئیں، ان سب کا قصہ اوسی وقت ختم کر دیا گیا تھا۔ واقعہ اسی وقت ہو چکا تھا، صرف اس کا ظہور ہندوستان آکر ہوا، میرا اشارہ شاہ صاحب کے اُس مشہور خواب کی طرف ہے جس کا ذکر حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں بھی کیا گیا ہے۔ اور فیوض الحرمین و درثمین دونوں کتابوں میں بھی ہے، میں پہلے اس خواب کو درثمین سے بجنسہ اُن ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں:۔

كان الحسين والحسن عليهما السلام نزلا في بيتي وبيد الحسن رضي الله تعالى عنه قلم قد انكسر لسانه وبسط الى يده ليعطيني وقال هذا

گویا حسین اور حسن علیہما السلام میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے حضرت حسن نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور

قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال حتی یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ فاخذہ الحسین رضی اللہ تعالے عنہ واصلحہ ثم ناولنیہ فسررت بہ ثم جیئ برداء مخطط فیہ خط اخضر وخطا ابیض فوضع بین یدیھما فرفعہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال ھذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیما وحمدت اللہ تعالے۔

فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اگر پھر آپ بولے کہ حسین اسے درست کرلیں (تب دوں گا) اور فرمایا کہ حسین جیسا درست کرسکتے ہیں، کوئی دوسرا اتنا درست نہیں کرسکتا پھر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا اور اس کے بعد مجھے عطا فرمایا میں اس (انعام) سے بہت مسرور ہوا، پھر ایک چادر لائی گئی جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں ایک دھاری سبز ایک سفید، پہلے یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی پھر حضرت الحسین رضی اللہ تعالے عنہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے پھر وہ چادر مجھے اُڑھا دی گئی، تب میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا اور حق تعالے کا شکر ادا کیا۔

شاہ صاحب نے یہ کیا خواب دیکھا؟ ظاہر ہے کہ اس خواب میں چند اجزا ہیں (۱) حسنین علیہما السلام کا تشریف لانا (۲) حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک ایسے قلم کا ہونا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے (۳) شاہ صاحب کو دینے کا ارادہ فرمانا مگر پھر حضرت حسین علیہ السلام سے اس قلم کو بنوانا (۴) اور یہ فرمانا کہ فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ،، یعنی جیسا قلم حسین علیہ السلام بنا سکتے ہیں وہ نہ تسلم اور جوان کا درست کیا ہوا نہ ہو برابر نہیں ہو سکتے (۵) بن جانے کے بعد اس قلم کو شاہ صاحب کے سپرد فرمانا (۶) اس قلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمانا، (۷) پھر شاہ صاحب کو ایک چادر جو ”بردیمانی،، کے صفات سے موصوف ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے عطا فرمانا، (۸) اس کا اُڑھا دینا۔

میں نے ہر جز کو الگ الگ کرکے اس لئے لکھ دیا ہے تاکہ غور کرنے میں آسانی ہو، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس خواب سے میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہو وہی اس کی واقعی تعبیر بھی ہے، لیکن بہرحال میرا ذہن اس خواب سے جن امور کی طرف منتقل ہوا ہے اب اسے عرض کرتا ہوں،

حضرات حسنین علیہما السلام کی اصل خصوصیت یہی ہو کہ ملت اسلامیہ جب شدائد نرغہ میں آئی ہے تو ان میں بڑے صاحب نے اپنی صلح کی روش سے اور چھوٹے صاحب نے مقابلہ اور مقاتلہ کے طریقہ سے اس

فتنہ کا مقابلہ کیا، پھر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام جن نرغوں میں گھر گیا تھا اسی کے مقابلہ کے لئے شاہ صاحب کا انتخاب کیا گیا، اشارہ ادھر تھا کہ شاہ صاحب سے جس مقابلہ کا کام لیا جائے گا، اس میں صلح و جنگ دونوں طریقوں کو دخل ہوگا، شاہ ولی اللہ نے آنے والے خطرات کے مقابلہ میں مذکورہ بالا جن شش جہتی کارناموں کو پیش کیا، بہ ظاہر تو اس کی صورت جنگ کی نہیں بلکہ ایک مصلحانہ مقابلہ کی تھی کیونکہ یہ تلوار سے نہیں بلکہ قلم کی جنگ تھی، لیکن اس جہاد میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان والوں کو دشمنوں کی جانب سے جو اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں کربلائی قربانیوں کے نشانات نہ تھے ابھی گزر چکا کہ نجف خاں نے شاہ صاحب کے پہنچے اُترو ادیئے تھے، صاحب الیانع علامہ محسن البہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ جس وقت شاہ صاحب نے فقہ و حدیث کے صحیح تعلقات کی تنقیح فرما کر کتابیں شایع کیں، جن میں ظاہر ہے کہ اس "تقلید جامد" کی مخالفت کی گئی تھی جس میں عموماً سرحدی پٹھان اور روہیلے مبتلا تھے، تو قدرتاً ان پر شاہ صاحب کی باتیں سخت شاق گزرتی تھیں، دلّی اس وقت ان ہی لوگوں سے بھری ہوئی تھی بقول مولٰنا محسن[۱] کے کہ غنم کلب کے بالوں سے زیادہ ان کی تعداد تھی یہ لوگ ہر طرح سے شاہ صاحب کے درپے آزار ہوئے لیکن وہ لکھتے ہیں :-

لم یصدہ شی من ذلک مما کان علیہ من ترجیح ما وافق من اقوال الفقہاء ظواھر السنن والاثار ومن بیان ما صفا مودہ من ذلک عما ترنق فکان یصرح بھا بین ظھر اینھم نصحاً للامۃ ووفاء لعھد اللہ الذی واثق بہ العلماء (الیانع) .

ان لوگوں کی مخالفتیں شاہ صاحب کو اس طرز عمل سے نہ روک سکیں جو ظاہر سنن و آثار کے مطابق فقہا کے اقوال کو ترجیح دینے کا تھا، اور اس سلسلہ میں جو مسلک صاف ستھرا تھا اس کو مکدر طریقہ سے وہ جدا کرتے تھے شاہ ولی اللہ ان متصلب سخت پٹھانوں کے درمیان علانیہ اپنے اس مسلک کا اظہار فرماتے تھے مقصد اُمت کی بہی خواہی تھی اور خدا کے اس عہد کو پورا کرنا تھا جس کا علماء سے وعدہ لیا گیا ہے۔

فتحپوری کی مسجد میں قتل کے ارادہ سے شاہ صاحب کا جو محاصرہ کیا گیا اس کا ذکر بھی گزر چکا پھر اس کے بعد آپ کے خاندان پر جو مظالم توڑے گئے اس کا اندازہ شاہ عبد العزیز صاحب کی بعض روایتوں سے ہوتا ہے مثلاً ملفوظات میں ہے :-

---

[۱] یہ مولٰنا محسن بہار کے شمالی حصہ ترہت کے رہنے والے تھے خفر چک ضلع مونگیر میں ان کا عجیب کتب خانہ ابتک موجود ہے اگرچہ بڑا حصہ اس کا بقر عید کی قربانی کے جھگڑے میں ہندوؤں کے ہاتھ برباد ہوگیا مولٰنا محسن نے ہندوستان میں تحصیل علم کے بعد حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی کچھ پڑھا تھا خاکسار کو آپ سے اور آپ کے خاندان سے قرابت قریبہ کے تعلقات ہیں ۱۲

چوں در شہر کہنہ بودم بسیار از رفضا و فساق و بروراں حسود تکلیفہای کشیدم

جب ہم پرانی دلّی میں تھے تو رافضیوں اور فاسقوں اور حسد کرنے والے بھائیوں سے بہت تکلیفیں میں نے اٹھائیں۔

پھران "تکلیفہا" میں سے ایک تکلیف کا ذکران الفاظ میں فرماتے ہیں :-

بعضے قریب خانہ ما تعزیہ بر سقف می کردند و تبرا وسب ہم می نمودند۔

بعض لوگ میرے گھر کے پاس اپنے کوٹھے اور بالاخانوں پر تعزیہ رکھتے اور تبرّا بکتے (اور خلفاء ثلثہ کو) گالیاں دیتے اور اس طرح مجھے ایذا پہنچاتے۔

یہ تو خیر شیعوں کا سلوک تھا "فساق" کا برتاؤ کیا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ

روزے فاجرہ شراب خوردہ در وقت تراویح در عین قرأت قرآن شعر حافظ شیراز

"درکوئے نیک نامی مارا گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را"

خواندو بعضے دفہا و آوازہا می زدند کہ قرأت مشتبہ شود (ملفوظات ۵۴)

ایک دن ایک فاحشہ عورت نے شراب پی کر تراویح کے وقت عین قرأت قرآن کے درمیان حافظ شیراز کا یہ شعر گانا شروع کر دیا
درکوئے نیک نامی مارا گذر ندادند ؛ گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا
اور بعض لوگ ڈھول تاشے بجاتے اور شور پکار بلند کرتے تاکہ میری قرأت میں گڑبڑ پیدا ہو۔

اور یہ تو خیر معمولی باتیں ہیں حضرت قبلہ امیر شاہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے سن کر کلیجہ دھل جاتا ہے فرماتے ہیں کہ وہی نجف[1] خاں جس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروائے تھے اسی نے

"شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تھا، اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مستورات کے ساتھ میدان کربلا میں جو فاضحات ناگفتہ بہ پیش آئے تھے، کیا اوسکی جھلک اس واقعہ میں نہیں پائی جارہی ہے، شاہ ولی اللہ کی بہوئیں اور پوتیاں اس بے سروسامانی کیساتھ دلّی سے پیادہ پا آئی ہیں پھرانہی کا بیان ہے کہ شاہدرہ سے زنانوں کی سواری کا نظم تو حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش سے ہو گیا لیکن

"شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے"

---

[1] مغل دربار کا آخری امیر تھا جس کے بعد ہی لال قلعہ پر غیروں کا قبضہ ہو گیا دراصل یہ شروع میں نواب وزیر اودھ کی وزارت کا دلی میں نائب تھا، لیکن بعد کو خود مستقل بن بیٹھا اور آخری ہانڈی حکومت کی اسی کے سر پھوٹی ۱۲

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام زین العابدین بیمارؒ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا تھا کیا اسی کا ظل ولی اللہ کے بیمار صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب میں نہیں ہے ملفوظات میں ہے کہ شاہ صاحب کو بائیس قسم کی بیماریاں تھیں لیکن ظالموں نے رحم نہیں کیا۔ اور دلی سے پیدل جونپور دوڑا دیا۔ دونوں بھائی سفر میں ساتھ ہوتے تو شائد گونہ تسلی ہوتی لیکن امیر شاہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ

"اُن دونوں کو نہ سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا"

خان صاحب نے اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

"دو دفعہ روافض نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو زہر دیا تھا اور چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص کا مرض ہو گیا تھا"

مجھے یاد آتا ہے کہ میر شاہ خاں صاحب[1] ہی سے میں نے یہ بھی سنا تھا کہ جس وقت شاہ عبدالعزیز پیدل جونپور بھیجے گئے، یہ موسم ٹھیک جیٹھ کا تھا سخت لو کے دن تھے، امیر الروایات میں بھی اتنا موجود ہے کہ

"جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے"

اور آخر میں تو شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسمٰعیل صاحب اور اسی خاندان کے تربیت یافتہ بزرگ حضرت سید احمد بریلوی (رحمۃ اللہ علیہما) نے بالاکوٹ میں جس واقعہ کی تصویر پیش کی اس پر تو کربلا کی ظلیت کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

بہرحال اس خواب میں حسنین علیہما السلام کے دیدار سے شاہ صاحب کا مشرف ہونا محض اتفاقی واقعہ نہ تھا، اس کے بعد حضرت حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں ٹوٹے ہوئے قلم کا ہونا جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت سے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا اسلام کے اہل علم و فضل پر ایسا جمود طاری ہو گیا تھا، کہ پچھلی چند صدیوں میں ایک بھی قابل ذکر مصنف نہیں پیدا ہوا تھا۔ تصنیف کا ذوق و شوق تو باقی تھا، لیکن کتابوں میں صرف لفظوں کی بھرمار ہوتی تھی، انتہا یہ تھی کہ تاریخ جس کا سرمایہ صرف واقعات ہیں۔ اس کی کتابوں میں بھی ادھر دو[2] تین صدیوں سے یہ آفت آئی ہوئی تھی، کہ محض لفظوں کی دھڑا بندی کی جاتی تھی، علماء اسلام کے جو تذکرے ادھر تیار ہوئے اُن میں دیکھیے بقول نواب علامہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی سوائے "البحر العلام والبحر القمقام" کے ہم قافیہ الفاظ کے

---

[1] دار العلوم دیوبند کے متوسلین میں شاید ہی کوئی ہوگا جو حضرت امیر شاہ خاں سے واقف نہ ہو، خاکسار پر بڑی نظر عنایت تھی بلکہ ولی اللہی خاندان سے خاص نیاز خاں صاحب ہی کی بدولت بندہ ایں حاصل ہوا اور حضرت شیخ الہند کی غلامی و بیعت سرفرازی بھی انہی کی بدولت حاصل ہوئی ۱۲

سوانح وحالات کی ایک سطر نہیں ملتی، بے مائگی میں یہی حال دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کا بھی تھا تو میرے خیال میں گویا اسی کی طرف ٹوٹے ہوئے قلم سے اشارہ کیا گیا تھا، اور اب "یہ قلم" شاہ ولی اللہ کے سپرد ہو رہا تھا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اصلاح کی راہ میں شاہ صاحب کو جو قلم دیا جا رہا تھا، اس میں اشارہ کر دیا گیا تھا کہ حسنی رنگ کے ساتھ ساتھ حسینی واقعات کے تجربے بھی پیش آئیں گے اور یہ جو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ "حسین جیسا بناتے ہیں ویسا دوسرا بنا نہیں سکتا"، تو اس میں گویا اشارہ تھا کہ ہر چیز سے بے پروا ہو کر صرف حق کی حمایت میں میدان میں کود جانا چاہیئے، اور میں بیان کر چکا کہ شاہ صاحب نے اس راہ میں کیسی جرأت دکھائی، اپنی تصوّف کی کتابوں میں جب مشائخ عصر پر وہ تنقید فرماتے ہیں، جانتے ہیں کہ ملک ان ہی لوگوں کے زیر اثر ہے، ان کا ایک اشارہ فتنہ کی آگ کو روغن کر دینے کے لیئے کافی ہے لیکن متعدد مقامات پر یہ ارقام فرماتے جاتے ہیں:۔

ہر چند ایں سخن بر بسیارے از صوفیہ زمان دشوار خواہد بود امامرا کارے فرمودہ اند برحسب آں می گویم بازید وعمر وکارے نیست (وصیت نامہ ص۳)	ہر چند میری یہ بات اس زمانہ کے صوفیوں پر گراں گزریگی لیکن مجھے ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق کہہ رہا ہوں مجھے زید وعمرو سے کوئی سروکار نہیں،

آخر میں شاہ صاحب کو بردِ یمانی کے نیچے دونوں حضرات لے آتے ہیں، یعنی یہ فرماتے ہوئے کہ

ھذا ردا جدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	یہ میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے،

وہ چادر حضرت شاہ ولی اللہ کو اُڑھا دیتے ہیں، غالبًا یہ ادھر اشارہ تھا کہ سب کچھ ہوگا، مخالفین بھی ہونگے دشمن ستائیں گے بھی لیکن زیر سایہ عاطفت نبوت کبری علی صاحبہا الف سلام وتحیۃ چونکہ شاہ صاحب کی زندگی گزرے گی، اس لیئے ردائے محمدی کے سایہ میں پناہ لینے والوں پر انشاء اللہ مخالفین کی کچھ پیش نہ جائے گی اور ان کو خائب وخاسر ہو کر واپس ہونا پڑے گا۔ اور شاہ صاحب کے قلمی آثار کو دنیا میں فروغ ہوگا، بلکہ "ٹوٹے ہوئے قلم" کے بعد اسلامی دُنیا میں ایک نیا دَور تصنیف وتالیف کا شروع ہوگا، جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یہی ہوا خود شاہ ولی اللہ صاحب نے درثمین میں جہاں اس خواب کو نقل فرمایا ہے اس کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:۔

فمن یومئذ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیۃ ص۳	اسی دن سے میرا سینہ شرعی علوم میں تصنیف کے لیئے کھل گیا۔

جس کا صاف اور کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ شاہ صاحب کی آئندہ زندگی میں تصنیفی کوششوں کا جو سلسلہ شروع ہوا، اور وہ بڑھا اور اس حد تک بڑھا کہ اب نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر ترکی حجاز اور کابل تک کے جامعات ومدارس میں آپ کی کتابیں داخل درس ہیں، اور ان ہی ممالک کے مطابع سے آپ کی کتابیں چھپ چھپ کر

ہندوستان آرہی ہیں، ان تمام کوششوں کی تہہ میں حقیقی موثر "غیب کی یہی قوت تھی"

بیشک شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی طبیعت و فطرت کے بھی مالک تھے لیکن آپ کے ان حکیمانہ و مجددانہ کارناموں میں صرف آپ کی طبیعت ہی کو دخل نہیں ہے اور نہ آپ کے والد ماجد و دیگر اساتذہ کی تعلیم و تربیت ہی کا اس کو نتیجہ کہا جاسکتا ہے بلکہ کسی کی نگاہ انتخاب نے اب شاہ ولی اللہ کو وہ ولی اللہ باقی نہیں رکھا تھا اب شاہ صاحب کی زبان پر کوئی اور بول رہا تھا اور ان کی انگلیوں میں اب کسی اور کا قلم چل رہا تھا۔ ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک دن اپنے والد کے اس خواب کا تذکرہ فرما رہے تھے جامع ملفوظات نے لکھا ہو کہ آخر میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد

حال نسبت و علم و تقریر دگرگوں شد	والد کی نسبت باطنی اور علم و تقریر ساری باتوں کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔

شاہ ولی اللہ کا رنگ اس کے بعد اتنا بدل گیا تھا کہ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کے والد کے جو پرانے شاگرد تھے وہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد آپ کی حالت کو دیکھ کر یہ محسوس کرتے تھے کہ پہلی بات ان کی باقی نہیں رہی ہے، شاہ عبدالعزیز کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔

چنانچہ مستفیضان سابق ہر گز احساس نسبت سابق نمی کردند۔	چنانچہ جن لوگوں نے شاہ صاحب سے پہلے فیض پایا تھا (یعنی شاگرد و مرید) وہ پہلی نسبت کا آپ میں بالکل احساس نہیں کرتے تھے،

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک مصیبت زدہ مسافر حجاز پہونچا تھا، اخلاص و صداقت کے ساتھ پہونچا تھا جو رنگ لاکر رہا خود شاہ ولی اللہ کا بیان ہو کہ جب مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو

دراں میاں بروضہ منورہ حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰت واتم التحیات متوجہ شد و فیضہا یافت (انفاس)	اس عرصہ میں حضرت سید البشر (علیہ افضل الصلوات واتم التحیات) کی روضہ منورہ کی طرف متوجہ رہتا تھا اور اس سے بڑے بڑے فیض حاصل کیے

ان ہی "فیضہا" کی شرح و تفصیل میں شاہ صاحب نے ایک مستقل کتاب "فیوض الحرمین" ارقام فرمائی ہے، شاہ صاحب کے ساتھ کیا کیا نوازشیں ہوئی ہیں، ان کی تفصیل ہی کتاب میں پڑھنا چاہیئے، مجھے تو اس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ مرہٹوں کے فتنہ کا ازالہ اور آئندہ ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق جو سوالات پیدا ہوئے تھے اور پیدا ہونے والے تھے ان کے جو جوابات اور ان مشکلات کا جو حل شاہ ولی اللہ کے قلم نے پیش کیا، یہ

درحقیقت انہی مدنی فیضہا کا کرشمہ تھا ـــــ اور شاہ صاحب نے اس فیوض الحرمین ہی میں اپنے متعلق جو یہ دعویٰ کیا کہ

سلکنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وربانی بیدہ فانا اویسیہ وتلمیذہ بلا واسطۃ بینی وبینہ (فیوض ص۳۶)

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی اس لیے میں آپ کا اویسی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ شاگرد ہوں۔

تو اس کی حقیقت بھی ان فیوض پر غور کرنے سے کھل جاتی ہے۔

بہرحال شاہ صاحب میں جو نشہ حجاز میں بھر گیا تھا، اس سے مست ہو کر جب وہ ہندوستان واپس ہونے لگے ہیں، اس وقت ان کے دل میں کن کن ولولوں کا زور تھا اور کن حوصلوں کو لے کر چلے تھے، انفاس العارفین کے ایک واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے سب سے بڑے شیخ الحدیث علامہ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی سے جب آخری دفعہ رخصت ہونے کے لیے ملنے تشریف لے گئے، تو خود فرماتے ہیں:-

ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابو طاہر رفت ایں بیت بر خواند

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یؤدینی الی ربعکم

فقیر رخصت ہوتے وقت شیخ ابو طاہر کے پاس حاضر ہوا، اور یہ شعر میں نے پڑھا
ہر راہ میں بھول گیا بجز اس راہ کے جو تمہارے گھر تک مجھے پہونچائے۔

کسی ایسے حال سے معمور ہو کر شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا کہ

بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد وبغایت متاثر شد

کہ سننے کے ساتھ شیخ پر گریہ طاری ہوا اور بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

الغرض ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف ایک "نصب العین" کو سامنے رکھ کر انھوں نے ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا، وہ سالہا سال کا پرانا اور موروثی ذوقِ درس وتدریس قطعاً غائب ہو چکا تھا، مدرسہ چونکہ باقی تھا اور اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے، آپ کے نام پر طلبہ آیا کرتے تھے، لیکن اب جو کام پیش نظر تھا اس کے ساتھ "معلم الصبیانی" کی زق زق بق بق کی گنجائش بھی، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ بجائے خود پڑھانے کے

حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند۔

والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شخص تیار کر لیا تھا جس فن کا جو طالب ہوتا اس کو اسی فن کے استاد کے سپرد فرما دیتے،

غالباً "دوازدہ سالہ تدریس" کے یہ تیار کیے ہوئے لوگ تھے، اب مدرسہ ان ہی کے سپرد تھا اور خود اپنے لیئے کیا مشغلہ باقی رکھا تھا، کل تین چیزیں جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے۔

خود مشغول معارف گوئی و نویسی بودند و حدیث می خوانیدند۔

خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے اور صرف حدیث پڑھاتے۔

کس ذوق، کس شوق، کس اہتمام و استغراق کے ساتھ حجاز سے واپسی کے بعد ان تین مشغلوں میں شاہ صاحب نے زندگی گذاری اس کے متعلق بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عجیب و غریب شہادت ہے فرماتے ہیں:۔

بعد اشراق کہ می نشست تا دوپہر زانو بدل نمی کرد، و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت ص۳۳

اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے، نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے،

شاہ صاحب ۱۱۴۶ھ میں حجاز سے ہندوستان واپس ہوئے اور اپنے کام میں مشغول ہوئے، ٹھیک چار سال بعد دلی کی زمین پر نادرگردی کا وہ آسمان ٹوٹا، جس کے خونی افسانوں سے اب تک ملک کے کوچہ و برزن معمور ہیں، لیکن شاہ صاحب پر جو دُھن سوار تھی اس حادثہ کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادر ہی کے چلے جانے کے بعد محمد شاہ نے طلبہ کے ہجوم و کثرت یا کسی اور سبب سے بجائے پُرانی دلی کی نئے شہر میں خود بُلا کر مدرسہ کے لیئے وہ حویلی عطا کی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اور اسی مدرسہ سے علم کا وہ سلسلہ جاری ہوا کہ آج عرب و عجم میں کم از کم علم حدیث کا جو زور شور ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہ ہی کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے میر شاہ خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رُکا رہیگا حضرت نانوتوی کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں انکی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے اُستاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاق کے، شاہ اسحاق سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز کا نام سُن کر محدث صاحب رُکے بولے اُن کو میں جانتا ہوں اور اس کے بعد فرمایا۔

"شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے"

اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا
سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ص۱۵

اور یہ تو یمن کے ایک گمنام محدث کی شہادت ہے، اس موقعہ پر جی چاہتا ہے کہ پھر الازہر کے ہم وطن علامہ رشید رضا مصری مرحوم کا قول ذرا زیادہ تفصیل سے نقل کر دوں اس سے اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ حضرت حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں جو ٹوٹا ہوا قلم تھا اس کا کیا مطلب تھا۔ علم خصوصاً علم نبوت کی حالت اسلامی ممالک میں کیا ہو رہی تھی،

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار المشرق فقد ضعفت في مصر والشام و العراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر وانني لما هاجرت الى مصر ۱۳۱۵ھ رأيت خطباء مساجد الازهر وغيره يذكرون الاحاديث في خطبهم غير مخرجة ومنها الضعيف والمنكر والموضوع ومثلهم في هذا الوعاظ والمدرسون ومصنفو الكتب فكنت انكر ذلك عليهم كما بدءت بانكار مثله على اهل بلدي طرابلس قبلهم

(مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

ہماری ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر شام عراق حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا، اور چودھویں صدی کی اوائل تک ضعف کی آخری منزل پر پہونچ گیا تھا میں نے جب ۱۳۱۵ھ میں مصر ہجرت کی تو ازہر کی مسجدوں کے خطیبوں کو اور دوسری مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھا کہ اپنے خطبوں میں ایسی حدیثیں پڑھتے ہیں جن کا پتہ نہیں ان میں ضعیف منکر اور موضوع وجعلی روایتیں بھی ہوتی تھیں اور یہی حال واعظوں مصنفوں مدرسوں سب کا تھا میں ان کو ٹوکتا تھا جیسا کہ اپنے وطن طرابلس میں بھی یہی کرتا،

یہ مصر کے ایک فاضل جلیل اور چودھویں صدی کے ایک ناقد بصیر کی گواہی ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی ایک ملک ہی میں نہیں بلکہ مصر شام عراق حجاز جو اسلام کے گہوارے ہیں ان سب میں دسویں صدی سے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا تھا اور صرف کسی ایک طبقہ ہی میں جہل کی حکومت قایم نہیں تھی بلکہ دین و علم کے جو جو گروہ خادم تھے یعنی واعظ، خطیب، مدرسین و معلمین حتیٰ کہ مصنفین و مولفین سب ہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ نبوت کے علم سے بے بہرہ ہو چکے تھے غلط سلط غیر معتبر اور گڑھی ہوئی حدیثوں پر لوگوں کا دار مدار رہ گیا تھا شاہ ولی اللہ صاحب کو علم نبوت (حدیث) کے اسی حال کا تمثل اگر ایسے قلم کی شکل میں ہوا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی، تو اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی تھی اور جب مصر و حجاز عراق و شام جیسے ممالک علم حدیث سے دسویں صدی ہجری تک بے تعلق سے ہو گئے تھے تو پھر خراسان ترکستان، ایران وغیرہ جہاں ایک مدت سے اس علم کا چرچا بہت چکا تھا ان کی جو حالت ہوگی وہ ظاہر ہی!

علامہ رشید رضا کا یہ اقرار کہ اگر علماء ہند کی توجہ اس علم کی طرف نہ ہوتی تو اس علم کا مشرقی ممالک میں خاتمہ ہو جاتا" سب جانتے ہیں کہ یہ علماء ہند کی نہیں بلکہ براہ راست حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا اعتراف ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں حدیث کا جو کچھ بھی چرچا پچھلے دنوں ہوا، سب کی انتہا بالآخر حضرت شاہ صاحب ہی کے وجود با جود پر ہوتی ہے گویا شاہ صاحب کو حسنین علیہما السلام نے جو قلم عطا فرمایا تھا یہ در اصل اسی قلم کے کارناموں کا اقرار ہی، کیونکہ شاہ صاحب کے وہ سارے علمی مجاہدات جن کے اثر سے بالآخر اس ملک میں حدیث کے فن کو اتنی اہمیت حاصل ہو گئی، ان کا تعلق اسی قلم سے ہی، انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اسی قلم کے ملنے کے بعد کیا، بلکہ عوام تو شاید خواب کے اس قلم کو خواب و خیال والا قلم خیال کرتے ہوں گے، لیکن جس شخص کا خود ذاتی مشاہدہ تھا کہ ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کو خواب ہی میں دربار رسالت پناہی سے محاسن (داڑھی) مبارک کے دو بال عطا ہوئے تھے، شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ حالت بیداری میں یہ دونوں موئے مبارک ان کے والد کو ملے جو ایک مدت تک خود ان ہی کے پاس رہے اور جب تبرکات تقسیم ہونے لگے، تو

یکے ازاں دو موی بکاتب حروف عنایت فرمودند (انفاس ص۴۱)	تو ان دو موئے مبارک میں سے ایک موئے مبارک کاتب حروف کو عنایت فرمایا

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف کی جو ایک خاص خصوصیت ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے جو یہ بیان فرمائی ہی کہ

بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند۔ (ملفوظات ۸۴)	کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی اسے ارقام فرماتے تھے،

کون کہہ سکتا ہے کہ اس "مراقبہ" میں شاہ صاحب کا رخ کس طرف ہوتا تھا اور اس سے کیا مقصود تھا ان تصانیف کے لئے آپ کو جس مقام سے قلم ملا تھا؟ کیا اسی طرف توجہ کر کے بیٹھ جاتے یا خواب والے قلم کو پھر اپنے اندر بیدار کرتے تھے، یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر تھی، بہرحال اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہی کہ شاہ صاحب کی کتابوں کا ڈھنگ جو نرالا معلوم ہوتا ہی اس میں ان کی تصنیف و تالیف کی ان خاص خصوصیتوں کو بھی ضرور دخل ہی بلکہ شاہ صاحب کی عبارت میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں "جوامع الکلم"، کی جھلک جو نظر آتی ہے

اس میں بھی قصد سے زیادہ ان کے اسی طریقہ عمل کو شاید دخل ہو،

الغرض سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد جیسا کہ اپنے اُستاد سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا اور غالباً اس کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز نے یہ فرمایا ہے جو ان کے ملفوظات میں منقول ہو کہ

پدر من وقت رخصت از مدینہ از اُستاد خود عرض کردو او خوش می شد کہ ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردم الاعلم دین یعنی حدیث ص۹۳

کہ میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اُستاد سے عرض کیا اور اُستاد اس سے بہت خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا بجز علم دین یعنی حدیث کے بھلا دیا ۵ (ہن انچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ۔ الاحدیث یار کہ تکرار می کنیم)

گویا "جو کچھ پڑھا تھا نیاز نے سو وہ ایک دم میں بھلا دیا" — اب اُن کا مشغلہ صرف یہی رہ گیا تھا کہ متوسلین وتلامذہ کے سامنے اسرار وحقائق پر تقریر فرماتے رہتے تھے، یا حدیث کا درس دیا کرتے تھے یا لکھتے رہتے تھے، اور ہیں شان کے ساتھ لکھتے رہتے تھے کہ ہر مسئلہ "مراقبہ" کے بعد درج کتاب ہوتا تھا، حدیث کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے درس کا ایک جزء اور بھی تھا جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز ہی نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ

معمول والد ماجد آں بود کہ بعد ختم قرآن حدیث می شد ص۷

والد ماجد کا معمول یہ تھا کہ ختم قرآن کے بعد حدیث کا دورہ شروع کراتے

جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہو کہ صحاح کا درس جس کا نام اس زمانہ میں "دورہ حدیث" پڑ گیا ہو اس سے پہلے شاہ صاحب قرآن کا دورہ بھی کرایا کرتے تھے، اور بغیر تفسیر کے مجرد متن قرآن پڑھانے کی ترویج کم از کم ہندوستان میں شاہ ولی اللہ ہی کی ایجاد ہو، اگرچہ افسوس ہو کہ اب مدارس خصوصاً ولی اللہی مدارس میں بھی یہ طریقہ ترک کر دیا گیا، اور محض ان حلقوں تک جن میں محض عامی شریک ہوتے ہیں، بعض شہروں کی مساجد میں حضرت کی یہ "سنت" باقی رہ گئی ہو، آپ نے وصیت نامہ میں طریقہ تعلیم کے متعلق جو ایک "نظام نامہ" مرتب فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ

قرآن عظیم درس گویند باں صفت کہ صرف قرآن بخوانند بغیر تفسیر وترجمہ گویند و آنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نماید، بعد فراغ از درس تفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند درین طریق فیضہاست ص۱۱

قرآن عظیم کا درس دینا چاہئے اس طریقہ سے کہ صرف قرآن پڑھا جائے یعنی تفسیر کے بغیر صرف متن قرآن اور ترجمہ پڑھا یا جائے، پھر قرآن کے متن کے متعلق جو دشواری پیش آئے مثلاً نحو کے متعلق یا شان نزول کے متعلق تو رک جانا چاہئے اور چاہئے کہ اسکی تحقیق کی جائے پھر جب قرآن ختم ہو جائے تب نصاب تک جلالین پڑھائی جائے اس طریقہ میں بڑے بڑے فیض ہیں۔

۵؎ "جزء اللطیف" میں شاہ صاحب کی بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کی بنیاد آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم ڈال چکے تھے واللہ اعلم (نعمانی)

واقعہ ہے کہ آج جتنا زور عربی مدارس کے قدیم سلسلوں میں حمد اللہ اور میر زاہد کی عبارتوں کے حل پر دیا جاتا ہے یا نئے مدرسوں میں ادب و انشاء وغیرہ میں سرمارا جاتا ہے اگر اسی قوت کو قرآنی آیات کے حل ہی میں صرف کیا جائے تو جو کتاب صرف مغز ہی مغز ہے اس سے علماء اور طلبا کو کیسے کچھ فیوض پہنچ سکتے ہیں، تفسیروں کے درس میں عموماً آدمی حق تعالےٰ کے کلام سے ہٹ کر پھر اپنے ہی جیسے انسانوں کی تعبیروں میں اُلجھ جاتا ہے اور ان کے مشکلات میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ قرآنی آیات کی طرف توجہ کرنیکا موقع ہی نہیں ملتا مگر قرآن کے پڑھانے سے آدمی پر جن عجیب وغریب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کے متعلق بڑے تجربہ کی بات فرمائی ہے کہ

مردماں چنانچہ در قرآن متلذذ می شوند در حدیث نہ، و مارا ہم چنانچہ در قرآن معنے ہائے عجیب و غریب دست می دہد و آمدمی باشد در حدیث نہ، در حدیث موافق کتب بیان می کنم ؎

لوگ جتنا قرآن سے لذت گیر ہوتے ہیں اتنی لذت انکو حدیث میں نہیں ملتی، اور خود ہمارا حال بھی یہی ہے، کہ جتنے عجیب وغریب مطالب قرآن میں ہاتھ آتے ہیں اور آمد معلوم ہوتی ہے، حدیث میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی حدیث کے درس میں تو وہی بیان کرتا ہوں جو کتابوں میں ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قرآن میں جب تدبر کیا جاتا ہے تو بغیر کتابی امداد کے خود بخود مطالب کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، بخلاف حدیث یا کسی دوسرے فن کے کہ اس کے درس میں عموماً شروح وحواشی کی ہی ریزہ چینی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ میں لکھنا چاہتا تھا خدا کا شکر ہے کہ وہ لکھا جا چکا اب آپ کے باقیات صالحات اولاد امجاد کے مختصر تذکرہ پر اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں سب ہی کو معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب قدس سرہ کو حق تعالےٰ نے علاوہ اس اولاد کے جو صغر سنی ہی میں وفات پاکر آپ کے لئے "اجر و ذخر" بن چکی تھی چار فرزند عطا فرمائے تھے جو فرزندی کے علاوہ آپ کے صحیح جانشین بھی تھے یعنی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین - شاہ عبدالقادر - شاہ عبدالغنی شاہ صاحب نے اس دُنیا سے جاتے وقت باضابطہ طور پر بھی ان چاروں حضرات کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا تھا، شاہ عبدالعزیز رح کے ملفوظات ہی میں ہے کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی دستار بر سر ہر چہار فرزنداں نہادہ بودند

آپ نے چاروں فرزندوں کے سروں پر دستار مبارک رکھدی تھی یا باندھ دی تھی

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حضرت نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا، یہاں سوچنے بلکہ عبرت کی ایک چیز یہ ہے کہ اسی دلی میں ایک دیندار بادشاہ نے اپنے چند بیٹوں کو اسی طرح دُنیا میں اپنا جانشین قرار دیا تھا جیسا کہ مورخ فرید آبادی رقم طراز ہیں کہ

اورنگ زیب نے اپنی زندگی میں بڑے بیٹے محمد معظم کو شمالی ہند اور کابل کی حکومت سونپ دی تھی، وسط ہند و گجرات باپ کے چاہیتے بیٹے محمد اعظم کے زیرانتظام تھے اور جنوبی ہندوستان شہزادہ کام بخش کے حوالہ کردیا گیا تھا۔

فریدآبادی اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

"اسی انتظام کے مطابق وہ سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا"

لیکن دُنیا کے ان تین بادشاہوں نے ہندوستان اور کابل جیسے وسیع و عریض علاقوں میں اپنے لیے گنجایش نہ پائی، اور ہوا اس کے بعد جو کچھ ہوا ــــ لیکن اسی دلّی میں دین کا ایک سردار اپنے تین نہیں بلکہ چار بیٹوں کے سر پر خلافت کی دستار باندھتا ہے۔ پھر دین کے ان چار شہزادوں نے زندگی کس طرح گزاری، اس کا اندازہ اس تعلقات سے ہوسکتا ہے جو ان چاروں بھائیوں میں آخر عمر تک باقی رہے، میر شاہ خاں کا بیان ہے کہ

"شاہ عبدالقادر کا کھانا اکبری مسجد روزانہ شاہ عبدالعزیز ہی کے گھر سے جاتا تھا وہی اپنے اس متوکل بھائی کے کپڑے بنا دیا کرتے تھے، شاہ عبدالعزیز باوجود بڑے ہونے کے شاہ عبدالقادر کی ولائت کے کس حد تک قائل تھے اس کے متعلق وہی مشہور بات کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا انتیس کا، اس کا پتہ چلانے کے لیے ہمیشہ حضرت شاہ عبدالعزیز رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کے دریافت کراتے کہ

"میاں عبدالقادر نے آج کے سپارے پڑھے ہیں؟ اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ آج ڈیڑھ پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم روئت کا حکم نہ لگاسکیں

(امیر الروایات ص!!)

علی ہذا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ عبدالعزیز کو جو دلی تعلق تھا اس کا اندازہ بھی اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب شاہ رفیع الدین کو لوگ دفن کرکے فارغ ہوئے اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز نے ایک خاص کیفیت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ رفیع الدین سے

مرا چہار رشتہ بود، یکے برادر حقیقی، دوئم قبلہ گاہی (حضرت شاہ ولی اللہ) مرا بہ تقریبے دادند کہ فرزند تست سیوم شیر دایہ من نوشیدہ چہارم شاگرد

رفیع الدین سے میرا چار طرح رشتہ تھا ایک تو حقیقی بھائی تھے، دوسرے یہ کہ قبلہ گاہی (والد ماجد) نے ایک تقریب سے انہیں میرے سپرد کرکے کہا تھا کہ یہ تمہارا لڑکا ہے تیسرے ہم نے اور انھوں نے ایک ہی دائی کا دودھ پیا تھا چوتھے وہ میرے شاگرد تھے۔

کسی نے اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ "شاہ رفیع الدین سے اس خاندان کی بڑی علمی عزت تھی،، شاہ عبدالعزیز نے

اس وقت جو جملہ فرمایا وہ سچّی اور خالص محبت کی کتنی اچھی تعبیر ہے فرمایا

اگر جاہل ہم می بودند مرا همچناں درد بودے | اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا اسی قدر درد ہوتا

جامع ملفوظات نے مولانا رفیع الدین کے جنازہ کی کیفیت، اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا باوجود نابینا ہونے کے ان کی چارپائی اُٹھانے کی کوشش اور انتہائی ضبط کی کوشش کے باوجود بار بار بلبلا اٹھنا اور فرمانا کہ "چہ گویم من طاقتے ندارم"، ایک ایسے دردناک پیرایہ میں ان حالات کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائیوں میں مودّت و اخلاص کے کیسے گہرے مراسم تھے، یہ عجیب بات ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی شاہ عبدالعزیز ہی کا قول جامع ملفوظات نے یہ نقل کیا ہے کہ

ترتیب منعکسہ در رحلت برادران واقع شد یعنی اوّل مولوی عبدالغنی کہ خوردترین ہمہ ہا بودند بعد از اں مولوی عبدالقادر از وشاں بعد مولوی رفیع الدین کلاں سال از وشاں ہستم باری ماست

اُلٹی ترتیب بھائیوں کی وفات میں واقع ہوئی اوّل مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے اس کے بعد مولوی عبدالقادر، ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے،

واقعہ یہ ہے کہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں حضرت شاہ ولی اللہ کے ان چاروں صاحبزادوں نے بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی شان کو بوجہ کمال آخر عمر تک باقی رکھا، شاہ عبدالغنی چھوٹے صاحب نے تو کم عمر پائی لیکن انکی تلافی قدرت نے ان کی "نجل رشید" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمادی ناظرین "الفرقان" جنکے حالات سے شہید نمبر کے ذریعہ سے واقف ہو چکے ہیں۔ اور یوں بھی علم و دین کے دائرہ کا ایسا کون ہے جو ان کے اور ان کے مجیر العقول و مدہش کارناموں سے تھوڑا بہت واقف نہیں ہے شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی زندگی کا اکثر حصّہ اگرچہ عزلت میں گزار دیا لیکن صرف میر شاہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں کل جائداد زندگی ہی میں ان ہی صاحبزادی اور دوسری بھائیوں پر تقسیم فرما کر اکبر آبادی مسجد کی ایک سہ دری میں اپنی زندگی بسر کر دی، شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز دونوں متاہل ہوئے جن میں شاہ عبدالعزیز کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی صرف تین صاحبزادیاں تھیں اور شاہ رفیع الدین کے چار لڑکے مولوی موسیٰ مولوی عیسیٰ مولوی مخصوص اللہ مولوی حسن جان ہوئے، ان میں سے مولوی عیسےٰ صاحب کی شادی شاہ عبدالعزیز کی ایک صاحبزادی سے ہوئی اور بقیہ دو صاحبزادیوں میں سے ایک مولوی افضل صاحب اور دوسری مشہور رفیق شہید مولانا عبدالحی الخطیب المجاہد سے ہوئی تھی مولوی افضل ہی کے دو صاحبزادے یعنی شاہ محمد اسحاق و شاہ محمد یعقوب صاحب ولی اللّٰہی خاندان کے آخری یادگار دلی میں رہ گئے تھے لیکن مسلمانوں کی دلّی جب مسلمانوں کی دلّی ہونے کی خصوصیت کو قطعی طور پر کھو چکی تو دونوں بھائی ۱۲۵۸ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ حجاز ہجرت کر گئے، اور اسی سرزمین پاک میں ہندوستان کے یہ علمی خزانے مدفون ہیں،

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کا کچھ حال پہلے گزر چکا ہے آخر میں چاہتا ہوں کہ دلّی ہی کے ایک چشم دید گواہ کی ایک بیان کو

جو اس خاندان اور اس مدرسہ کے متعلق ہو درج کر کے اس مقالہ کو ختم کر دوں، کہ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً ،، ع

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل

دلّی کے اس عجیب و غریب علمی و دینی خاندان، اور اس خاندان کے دارالعلوم کا آخری انجام وہی ہوا جو ہر اس چیز کا انجام ہے جس کا تعلق اسی عبوری دور کی ابتلائی زندگی سے ہو۔ دہلی کے آثار اور مقامات کے ذاتی تجربہ کار مولوی بشیر احمد مرحوم اپنی کتاب "دارالحکومت دہلی" میں لکھتے ہیں۔

جب شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ رح) کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحاق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی ۱۲۵۸ھ میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اس کی نگرانی فرمانے لگے، ان حضرات نے بھی ۱۲۵۸ھ میں انتقال فرمایا، تو صرف مولوی محمد موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام صاحب بہت صغر سن رہے اور ایک صاحبزادی رہ گئیں، خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھاتا لکھاتا غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ "غدر" میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیئے گئے، کڑی تختے تک لوگ اٹھا لے گئے "خانہ خالی را دیو می گیرد" ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ! جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس کا جس پر قابو چلا قابض ہو گیا، اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے اس خاندان میں سوائے ایک آدھ خاتون عصمت کے اور کوئی نام لیوا اور پانی کا دیوانہ رہا"

مولوی بشیر مرحوم نے اس سے بھی زیادہ دردناک واقعہ ایک دوسری جگہ یہ درج کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا یعقوب کو جو مکانات بنوا کر دیدیئے تھے، اور شاہ اسحاق صاحب نے اس میں کچھ دن درس دیا تھا اب

اس مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، جو ہاں کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھتے تھے، اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے

مولوی بشیر مرحوم نے اس کے بعد جو فقرہ لکھا ہے قلم اس کے لکھنے سے کانپتا ہے، لکھتے ہیں کہ اس لیے "اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے"، ص ۱۶۷

مسلمانان ہند کے لیے عموماً اور مسلمانان دہلی کے لیے خصوصاً اگرچہ یہ ایک شرمناک حادثہ ہے کہ "مدرسہ مولانا محمد اسحاق" پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے"۔

لیکن خدا کی وہ بات کہ اللہ کی راہ میں مرنے والے مرتے نہیں (بل احیاء ولکن لا تشعرون) اب بھی

پوری ہو رہی ہی شمال سے جنوب تک آج ہندوستان میں حدیث اور دار الحدیث کا جو چرچا پھیلا ہوا ہی کوئی شبہ نہیں
کہ ان ہی چند عشقبازوں کی عشق بازی کا نتیجہ ہی ولنعم ماقیل

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر   یادگارے کہ دریں گنبد دوار بماند

حضرت شاہ مولانا عبد القادر کی سکونت گاہ کے سلسلہ میں اکبر آبادی مسجد کا بھی ذکر آیا تھا، جی چاہتا ہے کہ اس کا حال بھی کچھ اسی کتاب سے اخذ کر کے آخر میں درج کر دوں اپنی مولوی بشیر مرحوم کا بیان ہی کہ یہ مسجد نیفن بنا (؟) اعزاز النساء بیگم محل شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ھ میں مطابق ۲۴ جلوس بنائی ہی ان بیگم کا خطاب اکبر آبادی محل تھا اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبر آبادی مشہور ہو گئی، اس مسجد کے تین گنبد اور سات در ہیں مسجد کی عمارت ۴۳ گز طول میں اور سترہ گز عرض میں نری سنگ سرخ کی اور اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا پر چین کار ہے اور اس کے آگے ایک چبوترہ ۶۳ گز طول ستاون گز عرض اور تین گز اونچا اس پر سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے، اور اس کے آگے ایک حوض ۱۲×۱۲ گز کا چشمہ آفتاب و ماہتاب پر شرف لے جاتا ہے، اور نہر کا پانی اس میں آتا ہی .... اس گرد حجرے بنے ہوئے ہیں، ۴ ۵ ۱ × ۴. ۱ گز، اور ہر حجرے کے آگے ایک ایوان ہی، اور اس کے سامنے سرتاسر چار گز عرض کا چبوترہ اس مسجد کے دو مینار بلند من جملہ ان کے شمالی مینار برجی کے صدمے سے ٹوٹ گئی ہی،،

معلوم نہیں مولوی بشیر مرحوم نے یہ عبارت کس کتاب سے نقل کی ہے غالباً "آثار الصنادید" سید احمد خاں سے ماخوذ ہی، اس لیئے کہ اس وقت اس مسجد کا جو حال ہے اس کے متعلق وہی رقمطراز ہیں،

فیض بازار ہی میں یہ مسجد تھی جو غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر ہوئی،، اور اب اس جلے ہوئے "دل" کو کس خاک میں ڈھونڈھنا چاہیئے، فرماتے ہیں :۔

"محل و موقع اس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہی"

آگے لکھتے ہیں "جس وقت اس کے لیئے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جن کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھیں ویسے ہی ڈھک دی گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خانہ خدا اور یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی،، فانا للہ وانا الیہ راجعون ط

شاید کہنے والے نے اسی کے متعلق کہا تھا

جلا ہی جسم جہاں[حکومت ۱۲] دل[دین ۱۲] بھی جل گیا ہو گا   کریدتے ہو جو اب خاک جستجو کیا ہی

العبد الکئیب الامھن الفانی السید مناظر احسن الگیلانی
غفر اللہ لہ ولمن راباہ

رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ ہجری

باسمہ سبحانہ

مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر پہنچکر

از جناب مولٰنا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہی

مزار حضرتِ شاہ ولی اللہؒ پر ہمدمؔ! دل پر یاس و حسرت، چشمِ گریاں لیکے آیا ہوں
نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی میں عقیدت کیشیاں، نقدِ دل و جاں لیکے آیا ہوں
جو کملا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا میں اپنے باغِ دل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں
چڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا میں اپنے سر پہ تیرا بارِ احساں لیکے آیا ہوں
مرے پیشِ نظر تصویر ہے "بزم محدثؒ" کی تصور میں گلستان در گلستاں لیکے آیا ہوں
وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں خزاں کے دور میں یادِ گلستاں لیکے آیا ہوں
بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو بحمد اللہ متاعِ دین و ایماں لیکے آیا ہوں
تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی اسی حسّاس دل کو زیرِ داماں لیکے آیا ہوں
سُنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنت کے میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لیکے آیا ہوں
فلک سے کہدو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے میں قبرِ شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لیکے آیا ہوں
عقیدت، نقدِ الفت، یادِ ماضی، سوزِ پنہانی مزارِ شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں
سُنانی ہے مجھے اک داستان بزمِ تصوّر میں میں اک دنیائے جذباتِ پریشاں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقدِ شہ پر
دعاہائے فراواں، ذوقِ پنہاں لیکے آیا ہوں

حضرت شاہ عبدالرحیم ، حضرت شاہ ولی اللہ - حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے مزارات

مولانا گیلانی کے مضمون کے آخر میں جس '' اکبر آبادی مسجد '' کا ذکر آیا ھے یہ اسی کا عکس ھے جو سر سید احمد خاں کی ''آثار الصنادید'' سے لیا گیا ھے

الحمد لله قد قرأ علي من الرسالة كلها صاحب النسخة اخونا الصالح الشيخ محمد احسن الله
اليه واصلح حاله فاجزت له روايتها عني على ان فيها بعض شيء من الخلل في ضبط
الاسماء لاسيما اسماء [illegible] ثم تتوفر لتصحيحها [illegible] هذه وعسى ان ييسر الله
لنا ذلك في الزمان المستقبل كتبه [illegible] الفقير ولي الله عفي عنه
اول محرم سنة ۱۱۶۰ [illegible] والحمد لله اولا وآخرا [illegible]

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا اجازت نامہ جو کتاب خانہ خدابخش (پٹنہ) کے صحیح بخاری کے ایک نسخہ سے حاصل کیا گیا ہے مفصل تعارف آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو

کتاب " النہایہ فی غریب الحدیث والاثر " علامہ ابن اثیر کی مشہور کتاب ہے جو مصر میں اب چھپ بھی چکی ہے اسکا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتبخانہ میں موجود ہے یہ نسخہ حضرت شاہ ولی اللہ کی ملکیت میں بھی رہ چکا ہے - اسکے آخری صفحہ پر حضرت شاہ صاحب کے دست مبارک سے یہ مختصر سی عبارت لکھی ہوئی ہے جسکا عکس آپ کے سامنے ہے " نہایہ " کا یہ نسخہ دارالعلوم کو ریاست رامپور کے مشہور عالم و مصنف مفتی سعداللہ صاحب مرحوم کے ہاں سے حاصل ہوا تھا

——:o:——

عکس تحریر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

تعارف

(از جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کسٹوڈین خدابخش لائبریری پٹنہ)

مقابل کے صفحہ پر حضرت شاہ صاحب کی جس تحریر کا عکس ہے اس سے متعلق چند سطریں پیش خدمت ہیں :۔

ہمارے یہاں مشرقی کتاب خانہ پٹنہ (خدا بخش لائبریری) میں صحیح بخاری کا ایک مکمل نسخہ شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابو الفتح بلگرامی الہ آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یہ نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ یہ شاہ صاحب کے حلقہ درس میں استعمال ہوا ہے اور اس پر اُن کے دست خاص کا لکھا ہوا اجازت نامہ ثبت ہے، نیز شاگرد (محمد بن پیر محمد) یہ پورا نسخہ جن کا لکھا ہوا ہی کے آخری نوٹ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُستاذ کی نگرانی میں شاگرد نے اس کی تصحیح کی تھی، مزید برآں شاہ عالم بادشاہ (۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ) کے حکم سے ۱۱۸۴ھ میں، کسی محمد ناصح صاحب نے نسخہ کی مزید تصحیح کی اور اعراب لگایا، یہ اجمالی خاکہ تھا، نسخہ کی اہمیت کے پیش نظر تھوڑی تفصیل اور دستخطی تحریروں کے کچھ نمونے دیئے جاتے ہیں :۔

صحیح بخاری کا یہ نسخہ دو جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ۳۰۷ ورق ہیں دوسری جلد میں ۴۰۴ ورق (۸۰۸ صفحے) ہیں، کتاب ۱۴۹ صفحہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی صفحہ کے آخر میں شیخ محمد بن پیر محمد کی مندرجہ ذیل دستخطی تحریر ہے :۔

"ثم الکتاب الجامع الصحیح للامام...... محمد بن اسمٰعیل...... الجعفی البخاری فی المسجد الجامع الفیروزی علی ساحل نہر الجون فی محروسۃ الدھلی (کذا) یوم الاربعاء سادس شعبان المعظم فی سنۃ ۱۱۵۹...... بید احقر العباد شیخ محمد بن شیخ پیر محمد...... مع قراءتہ من الاول الی الآخر وتصحیحہ مرۃ بعد اخری فی خدمۃ قدوۃ علماء الزمان......... الشیخ ولی اللہ العمری...... "الخ

اسی صفحہ کے حاشیہ پر محمد ناصح کی یہ تحریر ہے :۔

"بحمد اللہ..... تصحیح و اعراب صحیح بخاری بحکم اقدس حضرت شاہ عالم بادشاہ........ در سنہ یکہزار و یک صد و ہشتاد و چہار ہجری فقیر محمد ناصح.......... باتمام رسانید"

یہاں تک خط صاف نستعلیق ہے۔

اس کے بعد ص۵ سے ص۵۷ تک حضرت شاہ صاحب کے دستخطی اجازت نامے ہیں۔ ہر ہر کتاب کی الگ الگ اجازت ہے۔ پوری سند کے ساتھ۔ خط نہایت پاکیزہ، کشادہ صاف اور نسخ و نستعلیق کے درمیان ہے۔ روشنائی اب تک واضح ہے اول اور آخر کا کچھ نمونہ دیا جاتا ہے:۔

"الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات........ . امابعد فان اخانا فی اللہ عز وجل الفاضل الصالح الشیخ محمد بن شیخ پیربن الشیخ ابی الفتح...... .... قرأ علی الجامع الصحیح........ وقرأ علی ایضا اطرافا من سائر الکتب الستۃ ومن موطا الامام مالک بن انس ومن........ ومن.............. فاجزت لہ ان یروی عنی کل ما صح عندہ انہ من مرویاتی........

کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم الودود ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن معظم...... العمری نسبا الدہلوی وطنا الاشعری عقیدۃ الصوفی طریقۃ الحنفی عملا والحنفی الشافعی تدریسا خادم التفسیر والحدیث والفقہ والعربیۃ و الکلام ولہ فی کل ذلک تصانیف والحمد للہ اولا و آخرا..... کان ذلک یوم الثلثاء الثالث والعشرین من الشوال (کذا) سنۃ ۱۱۵۹

ان اجازت ناموں کے بعد کتب خمسہ کی کچھ حدیثیں (اطراف) درج ہیں اور ص۷۱ سے ص۸۰ تک شاہ صاحب کی تالیف (الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین) ہے، جو شیخ پیر محمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے،

آخر میں پھر ایک مختصر اجازت نامہ ہے، جو شاہ صاحب کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے، مختصر ہونے کے باعث اسی کا عکس لینا مناسب معلوم ہوا، خط کی شان اور زبان کی حلاوت یکساں ہے، صرف اس کے حروف کچھ اڑے ہوئے ہیں، سیاہی اپنی رونق کھو رہی ہے، ممکن ہے عکس کے پڑھنے میں کچھ دشواری ہو، اس لیئے یہ مختصر اجازت نامہ یہاں بھی درج کر دیا جاتا ہے ــ اس تعارف کا اس سے بہتر خاتمہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ :ــ

الحمد للہ قد قرأ علی ھذہ الرسالۃ کلہا صاحب النسخۃ اخونا الصالح الشیخ محمد احسن اللہ تعالیٰ الیہ واصلح حالہ فاجزت لہ روایتہا عنی علی ان فیہا بعض شیئ من الخلل فی ضبط الاسماء لاسیما اسماء المغاربۃ لم نتفرغ لتصحیحہا ساعتنا ھذہ وعسی ان ییسر اللہ تعالیٰ لنا ذالک فی الزمان المستقبل

کتب ھذہ السطور مؤلفہا الفقیر ولی اللہ عفی عنہ اوائل محرم سنۃ ۱۱۶۰ آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ والحمد للہ تعالیٰ اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا۔

امام ولی اللہ دہلوی

کی

حکمت کا اجمالی تعارف

از حضرت مولینا عبید اللہ سندھی مدظلہ

خاص الفرقان کے ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھا گیا

تقریب

حضرت مولانا سندھی کا جو مقالہ آپ کے پیش نظر ہے اس کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں:-

(۱) یہ ایک عمیق علمی مقالہ ہے اور صرف اہل علم ہی اس کے مخاطب ہیں اس لیئے عربی اور فارسی عبارات کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی

(۲) مولانا ممدوح نے یہ مقالہ املا فرمایا ہے اور ہمارے محترم مولانا نورالحق صاحب علوی نے اس کو قلمبند کیا ہے اور صرف چھ متفرق صحبتوں میں یہ مقالہ اس طرح تیار ہوا ہے اس لیئے املا اور تحریر میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ اس میں کہیں کہیں بہت نمایاں ہے۔

(۳) حواشی کا اضافہ بھی مولانا نورالحق صاحب ہی نے فرمایا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حواشی نے مقالہ کی علمی و افادی حیثیت میں کافی اضافہ کر دیا ہے، اصل مضمون میں وفیات کی تعیین بھی آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے

مولانا ممدوح نے اپنے ایک گرامی نامہ میں لکھا تھا کہ

"حوالہ جات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق میں بہت وقت لگا، ایک ایک حوالہ کے لیئے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی۔ وفیات کی تلاش میں بھی کافی محنت صرف ہوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کی تعیین سے ہر تحریک کا دور معین ہو جاتا ہے۔"

بہر حال اب یہ مقالہ بحالت موجودہ حضرت مولانا سندھی اور محترم مولانا علوی کی گویا مشترک محنت کا نتیجہ ہے اور اس کے لیئے میں ہر دو بزرگوں کا شکر گزار ہوں۔

(۴) تین چار جگہ ناچیز کو بھی اختلافی یا توضیحی نوٹ لکھنا پڑا ہے وہاں شروع میں "الفرقان" یا آخر میں لفظ "نعمانی" لکھ دیا گیا ہے تاکہ مولانا علوی کے حواشی کے ساتھ اشتباہ نہ ہو

(۵) حضرات اہل علم خصوصاً اصحاب درس سے گزارش ہے کہ وہ اس مقالہ کو سرسری نظر سے نہیں بلکہ غور و تعمیق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں، نیز ہر بحث کو شروع سے آخر تک بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ضرورت سمجھیں ایک دفعہ کے زیادہ غور فرمائیں میں نے خود بھی بعض مقامات کا چند چند بار اور بہت غور سے مطالعہ کیا تو مراد کو سمجھ سکا۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مدیر الفرقان بریلی

ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

امامِ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

باب اوّل (تحصیلی ملکات)

شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے تحصیلی ملکات کی تشریح سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایسے مشائخ کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے جن کی صحبت نے اُن کی ذہنیت کو صاف کیا ہے۔

تحصیلی ملکات سے ہماری مراد ہے عربی زبان کا سیکھنا۔ منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا۔ سوسائٹی کی رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شروح کا پڑھنا۔ اس قانون کے عقلی نظام، یعنی اصول فقہ کا سمجھنا۔ متکلمین کے مختلف اسکول اور انکی باہمی مسابقت سے شناسا ہونا۔ اس کے بعد حقائق کائنات پر اپنی صاف ذہنیت سے غور کرنا، اور اپنے کسبی اطمینان پر بھروسہ کرنا۔ یہ سب علوم و فنون تحصیلی ملکات کا ذریعہ ہیں اس وقت ہم آخری حصے پر سب سے پہلے بحث کرتے ہیں۔

آزاد ذہنیت سے حقائق کائنات کو سوچنے کا فلسفہ حقیقۃ الوجود اور اس کے "تنزلات" کو سمجھنے کا نام ہے۔ اس فن کے امام متاخرین صوفیہ میں حضرت شیخ اکبر (محمد بن علی۔ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ) ہیں — شاہ صاحب کے مربی اہل میں سب سے پہلے اُن کے والد شاہ عبدالرحیم (متوفی ۱۱۳۱ھ) ہیں وہ ابن عربی کے فلسفہ کے پورے ماہر استاذ تھے۔

شاہ عبدالرحیم[1] اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد (متوفی ۱۱۰۱ھ) کے شاگرد ہیں۔ شیخ ابوالرضا، مذکورہ بالا فلسفہ میں

[1] قال الامام ولی اللہ فی القول الجمیل صد۱۴۰ قرء سیدی الوالد صغار الکتب علی اخیہ ابی الرضا محمد و الکبار منہا علی میرزا محمد زاہد عن مرزا فاضل عن ملا یوسف الکوسج عن میرزا جان، وغیرہ عن محمود الشیرازی عن المحقق جلال الدین الدوانی ۱ھ محمد نور الحق۔ العلوی۔ غفرلہ

ایک مستقل امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی یہ ذہنیت اپنے والد اور چچا سے خاندانی خصوصیات کے ضمن میں بلا قصد
تکمیل پاتی ہے شاہ صاحب کے والد اور چچا[1] خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد (متوفی ۱۰۷۵ھ) کے خاص صحبتی ہیں
خواجہ خورد اپنے والد خواجہ رضی الدین محمد باقی عرف باقی باللہ دہلوی (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے پانچ شاگردوں[2] کے ہم صحبت ہیں
(۱) حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) (۲) شیخ اللہ داد دہلوی (متوفی سنہ ۔۔۔ھ)
(۳) خواجہ حسام الدین دہلوی (متوفی ۱۰۴۳ھ) (۴) شیخ رفیع الدین (متوفی ۱۰۵۲ھ) (۵) شیخ تاج الدین سنبھلی مکی (متوفی سنہ ۱۰۵۰ھ)

---

[1] فی القول الجمیل ص۱۳۱ صحب سیدی الوالد شیوخاً کثیرۃ۔ اجلہم ثمانیۃ۔ اولہم خواجہ خورد۔ صحب الشیخ احمد السرہندی والشیخ اللہ داد والخواجہ حسام الدین صحبوا خواجہ محمد باقی الخ۔

[2] خواجہ خورد اور ان کے بھائی خواجہ کلاں ہر دو خواجہ باقی باللہ کی آخری عمر میں پیدا ہوئے خواجہ محمد باقی باللہ بہ حضرت مجدد الف ثانی فرمودند
ازحیات کم ماندہ۔ از احوال اطفال خبردار باید بود (خواجہ خورد بعد از چہار ماہ از ولادت خواجہ عبید اللہ مشہور بخواجہ کلاں در ۱۰۱۰ھ از بطن
مادر دیگر متولد گردید) ہر دو طفل را۔ کہ در ایام رضاعت بودند در حضور مبارک طلبیدہ بہ حضرت مجدد سپردند۔ خواجہ خورد در سرہند در سایہ تربیت
حضرت مجدد جا گرفت۔ و از معارف ایشاں فراواں بہرہ برداشت، و بہ تفویض خلافت و ارشاد ممتاز گردید۔ و در سال ۱۰۷۵ھ
برحمت الٰہی پیوست ھ مآثر الکرام از آزاد بلگرامی ص۱۰۰

فی انفاس العارفین خواجہ خورد و خواجہ کلاں ہر دو صغیر بودند کہ خواجہ باقی باللہ وفات یافتند بعد ازاں چوں بسن بلوغ رسیدند بخدمت
شیخ احمد سرہندی رفتند و مدتے در آنجا باشیدند۔ حقیقت خواجہ کلاں معلوم نیست۔ اما خواجہ خورد از ایشاں اخذ طریقہ کردند و اجازت یافتند
بعد ازاں بازگشتند۔ و از خواجہ حسام الدین و شیخ اللہ داد۔ کہ ہر دو خلیفہ خواجہ بودند۔ استفادہ و استرشاد نمودند
(خواجہ حسام الدین) در اوائل حال در سلک امرائے وقت انتظام داشتند، و والد ایشاں از اعاظم امرائے زماں بود۔ چوں صحبت خواجہ
رسیدند، و جذب طریقت در ایشاں اثر کرد ہمہ را ترک کردند۔ طوعاً و رغبۃً از ہمہ برآمدند۔ آنقدر مراعات خواجہ۔ در بارۂ اولاد ایشاں و
اتباع ایشاں، و طریقہ ایشاں و اشتغال ایشاں۔ کہ ازیں دو عزیز (حسام الدین و اللہ داد) بظہور پیوست از دیگراں بوقوع نیامد۔
(شیخ اللہ داد) نخست از طریقہائے دیگر بہرہ یافتہ بودند۔ و بہ صحبت بزرگاں عصر رسیدہ۔ چوں بخدمت خواجہ باقی باللہ رسیدند آں ہمہ دفتر
را طی نمودہ بالکلیہ متوجہ ایشاں گشتند۔ و خدمات خانقاہ خواجہ برخود گرفتند چہ خدمت ظاہری از تہیار آب و نان و چہ باطنی از تفقد حال
خدا طلباں و توجہ برایشاں و کیفیت بیخودی و استغراق کہ حاصل نسبت نقشبندیہ ہماں است۔ باوجود اشتغال باآں خدمات آں قدر
متکیف بودند کہ از دیگرے بظہور نہ پیوست۔
(شیخ تاج الدین سنبھلی) اول خلفا حضرت خواجہ بودند۔ در آخر بمکہ معظمہ اقامت اختیار کردہ ہماں جا مدفون شدند۔ و ایں فقیر از مشائخ
اہل ہند ہیچ کس را ندید کہ اہل مکہ زیادہ از شیخ معتقد او باشند و کرامات وے روایت کنند۔ در بیان اشتغال شعبۂ باقویہ کہ ہماں
طریقۂ نقشبندیہ است بے افراط و تفریط رسالہ دارند در عربیۃ۔ و حضرت ایشاں (یعنی شاہ عبدالرحیم) در ترجمۂ آں رسالہ
فارسیہ نوشتند ملتقط از عبارات سلف، ایں فقیر (ولی اللہ) ہر دو را بخدمت حضرت ایشاں گزرانیدہ ھ انفاس ص۱۸۵-۱۹۱ (ذو الحجہ)

خواجہ باقی باللہ نظریہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ ان کی امامت اشراقی طرز کی ہے۔
وحدات الشہود کا اسکول امام ربانی نے مرتب کیا ہے۔ خواجہ خورد، اور شاہ صاحب کے والد اور چچا اگرچہ امام ربانی سے پورے مستفید ہوئے مگر ان کا فکر وحدۃ الوجود کی طرف مائل ہے۔ امام ولی اللہ نے "انفاس العارفین" میں اپنے والد اور چچا کے مقالات اور مقامات اس طرح ذکر کیے جس سے مذکورہ مقالات اور مقامات کی شرائع الٰہیہ سے تطبیق ہو جائے ہر دو بھائیوں کے خاص نظریات کا ماحصل ایک ایسی شاہراہ بنانے کی سعی ہے جس پر مسلمان فلاسفر، صوفیہ، متکلمین اور فقہا ساتھ ساتھ چل سکیں۔ کشف[۱]، عقل[۲]، نقل[۳] میں خصوصی مہارت پیدا کر کے جس طرح اہل علم فرقوں میں منقسم ہو گئے اُسی طرح یہ افتراق فنا ہو جائے تاکہ اسلامی ذہنیت جو زنگ آلودہ ہو رہی ہے اپنے جوہر دکھا سکے۔ یہ شاہ صاحب کی ذہنیت کا ایک اچھا مظاہرہ ہے۔ کہ وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو شرائع الٰہیہ کی تشریح و تفصیل میں استعمال کر سکتے ہیں۔

فصل (۲)

امام ولی اللہ حدیث شریف کی تکمیل کیلئے ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین گئے۔ پورے[۱] دو سال وہاں رہے سب سے بڑا اُستاد جس سے ان کو معنوی مناسبت پیدا ہوئی وہ شیخ ابو الطاہر[۲] مدنی (متوفی ۱۱۴۵ھ) ہیں۔ شیخ مذکور زیادہ تر اپنے والد شیخ ابراہیم[۳] کردی (متوفی ۱۱۰۱ھ) سے مستفید ہوئے۔

---

[۱] قال الامیر القنوجی فی ابجد العلوم ص۹۱۳ "واقام ہناک عامین کاملین ثم عاد الی الہند ۱۱۴۵ھ"۔ واضح رہے کہ شاہ عبد الرحیم (متوفی ۱۱۳۱ھ) کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ سال امام ولی اللہ ہند میں رہے اور علوم دینیہ اور عقلیہ کی تدریس کرتے رہے خود فرماتے ہیں بعد وفات حضرت ایشاں (والدہ الامام عبد الرحیم) دوازدہ سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود، و در ہر علم خوض واقع شد و توجہ بحضرت ایشاں پیش گرفت (یعنی بالطریقۃ المعہودۃ عندہم فی السلوک) و دراں ایام فتح توحید و کشادہ راہ جذب و جانبے عظیم از سلوک میسر آمد و علوم وجدانیہ فوج فوج نازل شدند (جزء لطیف) زیادہ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ابجد العلوم صفحہ ۹۱۳ و ما بعد

[۲] الشیخ ابو الطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی۔ لبس الخرقۃ من ابیہ واستجاز لہ ابوہ من مشائخ کثیرین منہم الشیخ محمد بن سلیمان المغربی۔ اخذ النحو عن السید احمد ادریس المغربی واکتسب فقہ الشافعی عن الشیخ علی الطولونی المصری والمعقول عن المنجم الباشی المرومی والحدیث عن الحسن العجیمی الحنفی واحمد النخلی والشیخ عبد اللہ البصری والشیخ عبد اللہ اللاہوری وکان مجتہداً فی الطاعۃ مشتغلاً بالعلم والمذاکرۃ رقیق القلب کثیر البکاء توفی ۱۱۴۵ھ ابجد العلوم ص۸۴۳ فی العجالۃ النافعہ ص۲۳ واز حسن اتفاقات اینکہ شیخ ابو الطاہر سند مسلسل دارند بصوفیہ و حرتا شیخ زین الدین زکریا انصاری وہو انہ اخذ من ابیہ الشیخ ابراہیم الکردی وہو عن الشیخ احمد القشاشی وہو عن الشیخ احمد الشناوی الخ

[۳] الشیخ ابراہیم الکردی عارف بفنون العلم من الفقہ والحدیث والعربیۃ والاصلین۔ قال الشیخ عبد اللہ العباسی کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ وکان یرجع کلام الصوفیۃ علی الحقائق الحکمیۃ ویقول ہولاء الفلاسفۃ قاربوا عثوراً علی الحق ولم یہتدوا الیہ تاریخ وفاتہ "انا علی فراقک یا ابراہیم لمحزونون"، ۱۱۰۱ھ ابجد العلوم ص۸۴۶ ۱۲ محمد نور الحق العلوی بتقریرہ

حسن اتفاق سے شیخ ابراہیم کردی اور شاہ عبدالرحیم کی ذہنیت متقارب تھی۔ کیونکہ ہر دو کا سلسلہ تلمذ جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے بنا بریں شیخ ابوالطاہر مدنی کی صحبت شاہ ولی اللہ کو بہت موافق آئی۔

ہم نے شیخ ابراہیم کردی کے بہت سے رسالے مطالعہ کئے۔ وہ شریعت اسلامیہ کو ابن عربی کے فلسفہ سے حل کرتے ہیں اور اس باب میں وہ ایک مستقل مفکر امام کا درجہ رکھتے ہیں شیخ ابراہیم کی تاثیر شیخ ابوالطاہر کے ہر قول و فعل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ہماری سمجھ میں ان دو مختلف طریقوں کا (شاہ صاحب کے والد اور چچا کا طریق، اور دوسرا شیخ ابوالطاہر مدنی اور شیخ ابراہیم کے دوسرے شاگردوں کا طریق، جو حرمین میں تھے) ایک فکر پر متحد ہونا شاہ صاحب کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ ہے۔ کوئی عالِم خواہ کسی زمانے کا کسی مذہب و ملت کا ہو۔ مگر اس کی تعلیمات شاہ صاحب کے اساسی فلسفہ پر پوری اترتی ہوں وہ سب عالِم شاہ صاحب کے یہاں مصیب ہیں۔ ان کے مختلف اقوال کو جمع کرنا، ان میں تطبیق دینا شاہ صاحب کا علمی کمال ہے۔

(۱) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ اکبر کی وحدت وجود اور امام ربانی کی وحدت شہود کو شاہ صاحب ایک دوسرے پر منطبق مانتے ہیں۔ تعبیرات کے اختلاف کو کچھ زیادہ وزن نہیں دیتے۔ اس مسئلہ کو شاہ صاحب نے مکتوب مدنی[1] میں واضح کر دیا ہے۔ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تطبیق گو "ائمۂ مجددیہ" کو سخت ناگوار گزری ہے تاہم وہ شاہ صاحب کے کمالات کے انھیں لفظوں میں معترف ہیں جن میں وہ اپنے ائمہ کا کمال بیان کرتے ہیں

(۲) ہم شاہ صاحب کے اس مسئلہ کو، کہ وہ ائمہ فقہا میں حنفیہ اور شافعیہ کو ایک ہی درجہ پر قبول کرتے ہیں۔ اسی اصول پر حل کرتے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے والد اور چچا حنفی ہیں۔ اور اس فلسفہ (وحدۃ الوجود) کو صحیح طریق سے جانتے اور چلاتے ہیں۔ نیز انھوں نے دیکھا کہ شیخ ابوالطاہر مدنی، اور شیخ ابراہیم کردی، شافعی المذہب ہیں۔ پھر اس اصول کو اسی طرح مانتے ہیں۔ بنا بریں ان کے نزدیک حقیقت شناسی کے نقطۂ نظر سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ شاہ صاحب اپنے ملک میں، اپنی سوسائٹی میں، فقہ حنفی کے پابند ہیں۔ مگر اقلیت فقہ شافعی کی توہین برداشت نہیں کرتی جیسے عام فقہا کے مشاجرات، بلاقصد، استخفاف مذکور پر منتج ہوتے ہیں۔

اب اسی مسئلہ کو ہم ذرا آگے بڑھاتے ہیں۔ شاہ صاحب فقہ حنفی کو امام ربانی محرر مذہب نعمانی محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں اور فقہ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کو براہ راست امام شافعی کی کتابوں سے لیتے ہیں۔ پھر ان ہر دو اماموں کو امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ)[2] کا شاگرد پاتے ہیں۔ اس پر وہ یہ قاعدہ تجویز

---

[1] ملاحظہ ہو "تفہیمات الٰہیہ" ص۲۱۶ "کلمات طیبات" ص۱۶۹ ۱۲ محمد نور الحق

[2] فی الجواہر المضیئۃ عن ابن عبد الحکم سمعت الشافعی یقول قال محمد اقمت بباب مالک ثلاث سنین وسمعت من لفظہ سبع مائۃ حدیث و نیفا ھ ص۴۲ ج۲ وکذا فی الفوائد البہیۃ نقلاً عن الجواہر ص۱۶۳ واللسان ۱۲

کر لیتے ہیں کہ موطا مالک فقہ کی اصل ہے جس سے مالکی، شافعی، حنفی مذاہب پیدا ہوئے، پھر آگے بڑھکر وہ اہل مدینہ کی فقہ کا مرکز حضرت فاروق اعظم کو قرار دیتے ہیں۔ بنابریں ان مذاہب ثلثہ کو فاروق اعظم کے مذہب کی تشریح مانتے ہیں۔ ازالۃ الخفا میں وہ فاروق اعظم کو مجتہد مستقل[1] اور ان ائمہ ثلثہ کو مجتہد منتسب کے درجے پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے وہ ائمہ اہل سنت کے مذہب کو قرآن و سُنت کی صحیح تشریح قرار دیتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ چیز اس رنگ میں، جو متقدمین کی کتابوں میں بھی نظر نہیں آئی۔ شاہ صاحب کی اُس مذکورہ بالا عقلی ذہنیت کی صفائی کا نتیجہ ہے۔

فصل (۳)

چشتی طریقہ میں حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی البحر المواج عرف شکر بار[2]، مولف رسالہ عزیزیہ" (یہ رسالہ انفاس العارفین میں پورا نقل ہے) (متوفی ۹۷۵ھ)۔ ایک بہت بڑے عالم، عارف، متشرع بزرگ گزرے ہیں، اُن کے والد شیخ حسن بن طاہر (متوفی ۹۰۹ھ) سلطان سکندر لودی کے زمانے میں دہلی آ بسے تھے۔ شیخ عبد العزیز کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم بن عبد العزیز ہیں، جو خواجہ باقی باللہ کے خواص اصحاب سے تھے۔ شیخ رفیع الدین شاہ

---

[1] قال الامام ولی اللہ فی ازالۃ الخفاء توسع فاروق اعظم در علم احکام کہ مسمے بہ فقہ مے شود۔ پس اکثر ازاں است کہ بہ ضبط تقریر درآید۔ افقہ اُمت علی الاطلاق اوست۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم در مسائل فقہیہ باو اشارت فرمود تا از وے اخذ کنند، وصحابہ و تابعین باآں تصریح نمودند و در خارج ہمچنیں واقع شد۔ و نسبت فقہ او با فقہ سائر مجتہدین اہل سنت مانند نسبت متن است باشروح۔ و نسبت او با مجتہدان امت مانند نسبت مجتہد مستقل است با مجتہدانِ منتسب وفائدہ ایں در حقِ عوام مسلمین آں است کہ مذاہب مجتہدین را شعب یک شریعت دانند و ہر مذہبے را دینے علٰحدہ و ملتی جداگانہ خیال نہ کنند و اختلاف اُمت مشوش یقین ایشاں باحکام ملت نشود انتہی ملتقطاً ص۲۴۸ جلد ۲ مجتہد کے اقسام کے لیئے شاہ صاحب کا رسالہ الانصاف، اور عقد الجید ملاحظہ ہو ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

[2] شیخ عبد العزیز کا ترجمہ شاہ صاحب نے انفاس میں، اور شیخ عبد الحق نے اخبار الاخیار ص۲۸۲ اور صاحب تذکرہ علمائے ہند" نے صفحہ ۱۲۱ میں دیا ہے" شیخ عبد العزیز بن حسن بن طاہر دہلوی از مشاہیر مشائخ چشتیہ، و اکابر علمائے صوفیہ عالم بود بعلوم شریعت و طریقت و حقیقت در اتباع مشائخ و حفظ قواعد و آداب ایشاں یگانہ عصر بود و مرید پدر خود۔ و در زماں خود یادگار مشائخ چشت بود۔ در دہلی بوجود او سلسلۂ ارشاد و مشیخت بپا بود۔ وے در جونپور بسال ۸۹۸ھ متولد شد۔ بعمر یک و نیم سالگی ہمراہ والد خود بدہلی تشریف آوردہ ہ جمادی الآخرہ ۹۷۵ھ وفات یافت۔ صاحب تصانیف مشہورہ است۔ از انجملہ است "رسالہ عینیہ" کہ در مقابلہ "رسالہ غیریہ" شیخ امان پانی پتی نوشتہ و بسیارے از مسائل غوامض وحدت وجود موافق کشف درانجا بیان نمودہ انتہی۔ ملفوظات مولانا شاہ عبد العزیز بن الامام ولی اللہ میں ہے "رسالہ عزیزیہ" تصنیف شاہ عبد العزیز شکر بار خوش رسالہ ایست، و نیز "رسالہ عینیہ" ہم در بیان وحدت وجود از وست۔ خوب گفتہ و تصنیفات دیگر مثل "آداب السلوک" خوب ہست، باز ارشاد شد کہ تصنیف شیخ حسن بن طاہر کتاب "مفتاح الفیض" در سلوک خوب تصنیف کردہ۔ انتہی ص۳۶

(شیخ قطب العالم) وانجب اولاد شیخ عبد العزیز شیخ قطب العالم است۔ عالم و فاضل و صاحب اخلاق حمیدہ و صفات پسندیدہ، قدم صدق

عبدالرحیم کے نانا ہیں۔ اُن سے اویسی طریقے پر شاہ عبدالرحیم کو فیض پہنچا۔ شاہ عبدالرحیم کی پیدائش سے دو سال پیشتر آپ نے شاہ عبدالرحیم کی خلافت کی سند لکھ کر ان کی والدہ کو دیے گئے تھے۔ یہ جملہ مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت کا تسلسل رہا اسی طرح شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک، پھر اُن کی اولاد تک جو سراج الدین بہادر شاہ ثانی (متوفی ۱۲۷۹ھ) کے زمانے تک رہی۔ علم و عرفان کا تسلسل رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیم کے ایک اُستاذ میر محمد زاہد ہروی[۲] (متوفی ۱۱۱۱ھ) ہیں۔ ان کا سلسلہ تلمذ شیخ محقق جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) پر ختم ہوتا ہے سلطان محمد خاں فاتح[۳] نے جب یورپین اقوام کو اسلام سے آشنا کرنا ضروری سمجھا تو اپنے اہل عصر علماء کو شریعت و حکمت کی تطبیق پر متوجہ کیا ان میں سے محقق دوانی ایک نامور اُستاذ ہیں

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) استقامت بر سجادۂ پدر نہادہ اوقات بطاعت و عبادت معمور دارد۔ و اعظم خلفاء او (شیخ عبدالعزیز) نجم الحق چالمدہ است کہ درمیان سائر خلفاء و مریدان شیخ بہ اتحاد و محرمیت و عزت امتیاز دارد۔ و امروز جانشین شیخ او را میدانند انتہی۔ اخبار الاخیار ص۲۸۲

[۱] قال الامام ولی اللہ فی القول الجمیل ۔۔۔ تادب شیخنا عبدالرحیم علی روح جدہ لامہ الشیخ رفیع الدین محمد واجازہ لہ قبل ان یولد بسنتین بطریق خرق العادۃ عن ابیہ قطب العالم عن نجم الحق چاپیلا عن الشیخ عبدالعزیز ھ ص۱۲۵" حضرت مولانا الشیخ ایک رسالے میں فرماتے ہیں "شاہ عبدالرحیم مادرزاد ولی تھے کیونکہ ان کو پیدا ہونے سے دو سال پہلے اجازت حاصل ہو چکی تھی" شیخ عبدالعزیز اور شیخ رفیع الدین اور اُن کے خاندان کے حالات "انفاس العارفین" میں بھی ملاحظہ ہوں۔

[نکتہ] شیخ عبدالعزیز کا لقب "شکر بار" ہم نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ملفوظات سے نقل کر دیا ہے حضرت مولانا عم فیضہم نے کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید" میں ہر جگہ اُن کو البحر المواج سے ملقب کیا ہے ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ۔ العلوی

[۲] میر محمد زاہد کا ترجمہ "انفاس العارفین" ص۲۳ اور مآثر الکرام ص۲۰۵ سے التقاط کر کے دیا جاتا ہے۔ میرزاہد علم از پدر بزرگوار و دیگر علمائے روزگار اخذ کرد۔ اما بہ قوت ادراک قدم از استاذاں پیش گزاشت۔ میرزاہد در عمر سیزدہ سالگی از علوم فارغ شدہ بود، در جودت ذہن و استقامت عدیم النظیر زماں خود گشتہ۔ در رمضان ۱۰۶۳ھ از پیش گاہ صاحب قران ثانی شاہجہاں بخدمت واقعہ نویسی دار الملک کابل مامور شدہ در سال ہشتم عالمگیری بمنصب احتساب اردوے بادشاہی معزز گردید و بعد چندے صدارت کابل باو تفویض یافت و بہ ایں تقریب در وطن مالوف (کابل) گوشہ جمعیتی گرفتہ متاع علم را در چار سوئے عالم رواج داد۔ مرزا از مشرب صافی صوفیہ نیز بہرۂ تمام داشتہ بصحبت یکے از اکابر طریقہ دریافتہ و سہ نکتہ از تصانیف ایشاں بہ خاطر فقیر (ولی اللہ) چسپیدہ۔ یکے آنکہ در مبحث وجود می نویسد الخ ۱۲

[۳] فائدہ جلیلہ) قام امیر تیمور فی ۷۶۶ھ بتائید جمع من اہل العلم منہم الشیخ بہاء الدین نقشبند رح لاقامۃ خلافۃ ہلالیۃ عجمیۃ و توفی ۸۰۷ھ و اولادہ صاروا ملوکا فی الشرق و فی الھند وکان فتح القسطنطنیۃ علی ید السلطان محمد خان الفاتح ۸۵۷ھ مبدأ لدور العجمی الخالص فی مراکز الاسلام۔ وکذالک کان مبدأ لدور الارتقاء فی اوروبا ھ کتاب التمہید از حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم۔ محمد نور الحق العلوی غفرلہ الیہ تعالیٰ و لمشائخہ الکرام

حکمت عملی میں اکثر افاضل زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے مگر شیخ جلال الدین دوانی نے محقق نصیر الدین طوسی[۵۱] (متوفی ۶۷۲ھ)
کے بعد اخلاق جلالی لکھ کر اس فن کو زندہ کر دیا۔ شاہ عبد الرحیم نے شاہ ولی اللہ کو حکمت عملی سکھانے میں خصوصی
توجہ برتی ہے جس کا ذکر "انفاس العارفین" اور "جزء لطیف" میں موجود ہے۔

شاہ عبد الرحیم قدس سرہ کا یہ کارنامہ بھی قابل احترام ہے کہ حکمت عملی سکھانے پر خاص زور دیتے تھے۔ علم
متکلمین نے ارسطو کی حکمت نظریہ کو اپنا مطمح نظر بنا لیا ہے۔ وہ حکمت عملی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ علوم کلامیہ میں دلچسپی سے حصہ لینے والے فقہا اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تدبر اور تفکر سے محروم
ہو گئے۔ امام ولی اللہ فرماتے ہیں "حضرت ایشاں با اخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بوجہ
اتم موصوف بودند۔ و عقل معاش مثل عقل معاد کامل و وافر داشتند و در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار
می آموختند" بحوالہ کتاب "تمہید فی الانفاس" "این فقیر را در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیارے
آموختہ شدہ" اس بنیاد پر شاہ ولی اللہ نے عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی ہے۔ اپنے حالات میں جہاں
اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہیں یہ بھی لکھتے ہیں "حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ دراں است بوسعت تمام افادہ
فرمودند و توفیق تشیید آں بہ کتاب و سنت و آثار صحابہ دادند" (جزء لطیف) اگر شاہ ولی اللہ کے شاہکار حجۃ اللہ
البالغہ پر غور کیا جائے تو اس میں ایک امتیازی وصف یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ مباحث ارتفاقات میں حکمت عملی کا
مفصل ذکر کر کے تمام احادیث کو انھیں ابواب پر تقسیم کر دیتے ہیں پھر خاص موقعہ پر حدیث کے ذیل میں حکمت عملی کا
کوئی نکتہ ذکر کر دیتے ہیں۔

الغرض شاہ صاحب کی تمام کتابیں عبادات کے چار ابتدائی ارکان کے بعد حکمت عملی کے ابواب پر مرتب ہیں
اس کا ایک نتیجہ ہماری سمجھ میں یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حسن و قبح[۵۲] (یعنی بر و اثم) کے معنی لفظی بحثوں سے مجرد کر کے ہر

حاشیہ ما صفحہ گذشتہ[۵۰] حضرت شیخ عم فیضہم کتاب التمہید میں فرماتے ہیں "۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں عثمانی سلطان محمد خان فاتح نے جب قسطنطنیہ
فتح کیا تو اس کی حکومت کا عیسائی علما اور حکماء سے اختلاط و ارتباط زیادہ بڑھا سلطان نے خاص طور پر اہل علم کو متنبہ کیا کہ وہ یونانی فلاسفروں کے مختلف مکاتب
سے صحیح واقفیت پیدا کریں۔ نیز حکمائے اسلام نے جس قدر علم حقائق مدون کیا ہے۔ غزالی ہوں یا ابن عربی۔ ان کی تحقیقات و نظریات کو فلسفی زبان
میں تحریر کریں۔ خواجہ زادہ (متوفی ۸۹۳ھ) عبد الرحمان جامی (متوفی ۸۹۸ھ)، جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) کی تصانیف اس کی شاہد
عدل ہیں۔ ان سب میں یہی جلوہ نظر آتا ہے" (قلت) علامہ مصلح الدین مصطفےٰ بن یوسف الحنفی المعروف بہ خواجہ زادہ جو سلطان محمد خان
فاتح کے استاذ اور قسطنطنیہ کے سرکاری کالج کے مدرس تھے۔ آپ نے سلطان مذکور کے ارشاد پر تہافتہ الفلاسفہ اسی سلسلہ میں
لکھی ۱۲ نور الحق

[۵۱] ابو عبد اللہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن، کان رأساً فی علم الاوائل ذا منزلۃ من ہولاکو، کان وزیراً لہ
قد ذمہ ابن القیم فی الاغاثۃ اقبح ذم یرومی ذمہ خدمتہ علوم الحکمۃ وکونہ رأساً فی التشیع
توفی سنہ ۶۷۲ھ) محمد نور الحق العلوی غفرلہ ولآبائہ ولمشائخہ الکرام

طالب حق کیلئے ان کو مشخص کر دیا ہے۔ انکی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نوعی خواص اس میں کامل پائے جاتے ہیں مثلاً اگر ایک گدھے کو ہم اچھا کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ حماریت کے لوازم اس میں پورے موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مثلاً ایک انسان سے بھی بڑھکر ہی۔ اسی طرح اگر ہم ایک نبات کو یا ایک جماعت کو اچھا کہیں گے تو اس کے نوعی خواص کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائیں گے بنا بریں ایک انسان کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں انسانیت نوعیہ کے خواص کامل پائے جاتے ہیں اسی طرح جس قدر ان اوصاف میں تنزل ہوگا اسی قدر اس کی خوبی میں نقص پیدا ہوتا جائے گا۔ انسانیت کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کا جواب ایک ماہر حکمت کے نزدیک یہ ہوگا کہ تمام اقوام اور اصناف میں استقراء تام کے بعد جس قدر اوصاف مشترک پائے جاتے ہیں وہ انسانیت کا مصداق ہیں شاہ صاحب کی حجۃ اللہ پڑھکر دیکھیئے وہ ہر بات میں کسی عمل کی، کسی خلق کی، کسی عقیدہ کی خوبی فقط اس طریقہ سے ثابت کریں گے کہ وہ انسانیت کے عام افراد میں۔ یعنی مشرق ومغرب میں اور عجم وعرب میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایسا نفیس جوہر حکمت ہے جس سے عام مصنفین کی کتب خالی ہیں دوسرے علما کی کتابیں پڑھکر حسن وقبح کی تمیز میں بر و اثم کی حقیقت معین کرنے میں خیالی فلسفہ گھڑنے سے زیادہ کوئی کمال پیدا نہیں ہوتا[۱]

شاہ صاحب کی اس استقرائی اجتماعیت کے بعد ایک طالب علم اس ورطہ سے یک لخت نکل جاتا ہے۔ وہ گھر کے نظام کو ایک سلطنت کے طور پر چلانے کی فکر صحیح اپنے اندر رکھتا ہے، اسی کو بڑھا کر وہ محلے، مدینے اور مدن میں پھیلاکر دنیا کی سیاست پر حکمران بن سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالم سمجھ سکتا ہے کہ اسلام عالمگیر انقلاب کا مکمل پروگرام ہے جس پر قرآن عظیم حاوی ہے۔ اور وہ اس نقطۂ نظر سے اپنی تشریح آپ ہے کسی تکمیل اور تشریح کا محتاج نہیں۔ یہ شاہ صاحب کے فلسفہ کا بہترین نتیجہ ہے جس نے قرآن کو مسلمانوں کے اذہان کے قریب کر دیا۔

باب دوم (تکمیلی ملکات)

اب ہم شاہ صاحبؒ کے تکمیلی ملکات سے بحث کرتے ہیں تکمیلی ملکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ

(الف) صاف عقلیت سے تمام معلومات کو مرتب کرلینا تاکہ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تزاحم باقی نہ رہے

۱؎ [تنبیہ] واضح رہے کہ یہ مسئلہ کہ حسن وقبح عقلی ہے، یا شرعی۔ یہ جداگانہ موضوع ہے۔ اور مذکورہ بالا مسئلہ سے نازل درجہ کی بحث ہے۔ دونوں میں خلط نہیں کرنا چاہیئے۔ رہا یہ کہ حسن وقبح شرعی ہے یا عقلی؟ اس کا قطعی فیصلہ شاہ صاحب نے انفاس العارفین صفحہ ۸۱ میں بسط سے کر دیا ہی۔ ظہیر احمد ۱۲ محمد نور الحق

(ب) وہبی قوتوں سے سرشار ہونا، تاکہ تمام اختلافات کی اصلاح کے لیئے جو تدابیر الٰہیہ کام کر رہی ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگیں۔ اس قوت وہبی کا استناد، اول الذکر قوت عقلی پر ہو۔ غرض اس پہلے عقلی فیصلہ کی اس قوت واہبی سے تائید ہو رہی ہو۔

(ج) اس کے بعد قرآن حکیم کے حقائق پر عقلی اور وہبی ہر دو قوتوں سے غور کرنا۔ اور اس کے تاریخی انقلابات کو مرتب طور پر سوچنا، سامنے لانا، اور واضح کرنا۔ پھر اس علم کی ایک تعلیم گاہ بنا کر راسخین فی العلم تیار کرنا۔ جو اپنے زمانہ میں اور آئندہ آنے والے دَور میں قرآنی تعلیمات کو ملل اور ادیان کے مقابلہ میں قایم رکھ سکیں۔

یہ (نمبر سوم) مذکورہ بالا قوتوں (عقلی اور وہبی) کے استعمال کا پہلا میدان ہے۔ اس کی تفاصیل بہر مختصراً آئندہ بحث آتی ہے۔

فصل (۱)

فقہاء عظام نے قرآن عظیم کو اپنی "اصول فقہ" میں پہلے درجہ پر رکھا ہے۔ مگر اُس سے مُراد اُن کے یہاں چند آیات احکام ہیں جو اوامر و نواہی کی شکل میں قرآن حکیم میں مدّون ہیں۔ اس تخصیص کا یہ اثر پیدا ہوا کہ ایک عالم سارا قرآن سمجھنا ضروری نہیں جانتا پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی تفسیر واعظوں اور قصہ گو افسانہ طراز لوگوں کے ہاتھ آگئی۔ اور فقہا کا اس میں دخل نہ رہا۔

ائمہ فقہا نے اپنے اصول میں بالاتفاق یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک آیت بلفظ عموم نازل ہوئی ہو اور مفسرین اس کا کوئی خاص واقعہ سبب بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی مدنظر رہے گا خصوصیت محل کو اس میں دخل نہیں ہوگا۔

اس قاعدے پر اتفاق ہوتے ہوئے آپ جس تفسیر کو اُٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے ماتحت ایک جزئی واقعہ پائیں گے۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے، یہ عبد اللہ بن اُبی منافق کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں اُتری، اس میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے، عام اساتذہ اور طلبہ کو آپ انھیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔ شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسانوں میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود ہیں ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیئے۔ عرب یا عجم، زمانے کے تقدم یا تاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں، الفوز الکبیر میں ہے محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ وجریان مظالم درمیان ایشاں سبب نزول آیات احکام است ہ۔

اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت شاہ صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پیدا ہو گئی

شاہ محمد عاشق پھلتی[1] اور شاہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی اس گروہ کے سرگروہ ہیں۔ سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز (متوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) نے شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد ان سے پڑھکر تکمیل کی۔

فصل (۲)

قرآن شریف میں انبیا کے قصے مکرر سہ کرر موجود ہیں۔ انسان بے ترتیبی سے پڑھتے پڑھتے اُکتا جاتا ہے۔ شاہ صاحب نے عامہ کتب الٰہیہ کے لیئے تین اصول مقرر کیئے ہیں جن کے بعد وہ تمام قصص ایک اعلےٰ روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ وہ تین اصول حسب ذیل ہیں:-

(۱) التذکیر بآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت وما بعدہ۔ آپ نے ان تینوں فنون پر الفوز الکبیر کے مقدمے میں تفصیل سے بحث کی ہے[2] ــــ قرآن شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر، یعنی مطلق تذکیر کیلئے نازل ہوا، قال تعالیٰ شانہٗ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر"

---

[1] حضرت مولانا الشیخ عمر فیضہم رسائل تمہید میں فرماتے ہیں عام طور پر صدہا اہل علم شاہ ولی اللہ سے مستفیض ہوئے۔ حرمین سے با مذاق علم اُن سے علم سیکھنے کیلئے دہلی آتے رہے لیکن اُن کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والے تین چار رفقا سے زیادہ نہیں (۱) ان کے ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللّٰہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڈھانوی (۴) شاہ ابو سعید بریلوی پہلے تین حضرات شاہ عبدالعزیز کے اُستاذ ہیں۔ اور چوتھے کا نواسہ سید احمد امیر شہید پیدا ہوا ھ روزے در اواخر ایام خود / باین فقیر وصلاح آثار محمد عاشق اشارہ کردہ ا والد ماجد فرمودند کہ بایکدیگر دوستی دارند و این دوستی سبب ابتہاج وسرور من مے شود۔ سر این کلمہ من بعد بظہور پیوست۔ کہ ایشاں عزیز باین فقیر ارتباط طریقت پیدا کرد و متنفع شد۔ و اُمید این است کہ این دوستی مثمر فوائد بسیار باشد ھ انفاس ص۶۵ الشیخ محمد عاشق بن الشیخ عبید اللہ بن الشیخ محمد اُودع صحبتی من اول ترعرعہ وکان سیدی الوالد یرانی انا وایاہ متحابین للّٰہ فیقول انہ یسرنی ذلک وعسے ان یکون لہ شان ثم اُلہم طلب طریق الحق منی وحکمتی فی ہذا الطریق وُرزق محبتہ عظیمۃ منی وصنع الاقبال التام علی الاخذ منی فما نال بصحار ولصیح۔ حتی رأیتُ فیہ تیقظ لطیفۃ انا والحجر البہت۔ وہو بحمد اللہ نصحی ووعاء علمی وحافظ اسراری وناظور کتبی۔ بل ہو کان الباعث علی تسوید کثیر منہا والمباشر لتبییضہ واخوف ان علومی تبقی فی الناس من جہتہ۔ اخذ منی وشارکنی فی الاخذ عن مشائخ الحرمین ھ تفہیمات ص۲۵-۲۶ ج۱ بعد از والد ما یاران عمدہ ایشان مثل شاہ محمد عاشق وخواجہ محمد امین ولی اللّٰہی نیز در علوم، حاصل کردم۔ شاہ محمد عاشق در سماع وقرأت بر شیخ ابو الطاہر ودیگر مشایخ حرمین شریک حضرت ایشاں بودند ھ عجالہ نافعہ ص۲۲ قال الشیخ محسن فی الیانع الجنی ومن اجلۃ اصحاب الشیخ ولی اللہ الشیخ محمد عاشق۔ قد شارکہ فی الاخذ من مشائخ الحجاز ومن مولفاتہ کتاب فی السلوک معروف والشیخ محمد امین الکشمیری نجارا والدہلوی قرارًا۔ کان ینتسب الی شیخہ ویعرف بالنسبتہ الیہ وہما اللذان اخذ عنہما الشیخ عبدالعزیز کما ذکرہ فی عجالتہ ھ ص۹۴

[2] باید دانست کہ معانی منطوقہ قرآن خارج از پنج علم نیست (الف) علم احکام از واجب ومندوب ومباح ومکروہ وحرام۔ خواہ از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدینہ وتفصیل این علم ذمہ فقیہ است (ب) علم مخاصمہ با چہار فرقہ ضالہ۔ یہود ونصاری ومشرکین ومنافقین وتفریع برین ذمہ متکلم است (ج) علم تذکیر بآلاء اللہ از بیان خلق آسمان وزمین والہام بندگان بآنچہ ایشاں را

تذکیر مذکور کی بحث کو کسی مستقل طور پر کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرّف کرتے رہے اور ان کی بحثیں ایک طرح تلاعب کے درجہ تک جا پہنچیں۔

(۱) واضح رہے کہ مذکورہ بالا تذکیر میں مفسر کو ایک تو علوم طبعیات میں کافی مہارت ہونی چاہیئے تاکہ الاء اللہ کی تشریح کر سکے "سطعات"[۱] میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حکمت طبعیہ کو قرآن عظیم نے الاء اللہ کی تذکیر میں استعمال کیا ہو۔

(۲) تذکیر بایام اللہ کو فقط ایک مورخ اور فلسفہ تاریخ کا حاذق و ماہر ہی حل کر سکتا ہے کہ ایک قوم کس طرح بڑھی تھی، پھر کس طرح گری۔

(۳) انسانی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ اس پر حنیفی[۱] ادیان میں یہودی، نصرانی، مسلم سب متفق ہیں اور صابی ادیان[۲] میں سے، سناتنی، بدھشٹ، اور مجوس۔ جو تناسخ کے قائل ہیں۔ وہ بھی موت پر زندگی کو ختم نہیں کرتے آزاد طبع عقلمندوں کی جماعت[۳] میں سے بھی بہت بڑا حصہ انسانی زندگی کو موت پر ختم نہیں کرتا البتہ ادنے طبع[۴] کے چند بوالہوس شور مچاتے رہتے ہیں۔ ان سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس غفلت سے انسان کو نکالنا اور اس کی زندگی کا مفہوم اُسے سمجھانا، اس کے ثمرات جو اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں یا وہ ثمرات جو موت کے بعد پیدا ہونگے ان کو ذہن نشین کرانا قرآن عظیم کے مقاصد میں اہم چیز ہو۔

اس مسئلے کو (تذکیر بالموت وما بعدہ کو) الٰہیات کا ایک بہت بڑا فاضل ہی سمجھا پڑھا سکتا ہے جسے عقلی الٰہیات کے سوا مختلف ادیان کے نظریاتِ ما بعد الموت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔

عقدہ لاینحل یہاں ایک پیچیدگی غلط تفسیر سے پیدا ہوئی جس نے مسلم مفکرین کے اذہان کو جامد بنا رکھا ہے۔ ما بعد الموت کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر انسانی روح[۲] کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ عام مفسرین نے روح کے علم کو متشابہات میں داخل کر رکھا ہے۔ کوئی مفکر اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ اس لیے تمام مسائل ما بعد الموت تحت اللفظ ترجمہ پڑھنے سے زیادہ قابل غور نہیں سمجھے جاتے یہاں تک کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا جاتا ہے اور عذاب القبر سے لے کر آگے کی تمام بحثیں نقلی سمجھی جاتی ہیں۔ عذاب القابر کو صرف اسلئے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) درمی بایست واز بیان صفات کاملہ او تعالیٰ (د) علم تذکیر بایام اللہ یعنی بیان وقائعے کہ آں را خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است و انعام مطیعین و تعذیب مجرمین (ھ) علم تذکیر بالموت وما بعد آں از حشر و نشر و حساب و میزان و جنت و نار و حفظ تفاصیل ایں علوم و الحاق آثار و احادیث مناسبہ آں وظیفہ واعظ و مذکر است ھ فوز کبیر ص۳ ۱۲ نور الحق علوی غفرلہ

[۱] دیکھو سطعات طبع جدید ص۱۱ سطعہ (۱۵) نوع انسانی کا اعتدال جن علوم سے وابستہ ہو وہ ستہ ہیں علم الٰہیات۔ علم طبعیات، علم ایام اللہ وغیرہ ۱۲ نور الحق

[۲] روح کے مسئلہ کو شاہ صاحب نے حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات الٰہیہ ج۱ ص۲۴۶ بعد۔ اور الطاف القدس ص۳ بعد میں حل کیا ہے تفہیمات میں یوں شروع کرتے ہیں این کلمات چند در تحقیق سعادت اخرویہ بدانکہ تحقیق سعادت اخرویہ موقوف است بر مقدمہ بحث حقیقت روح و لمیتہ، وانیتہ مجازات الخ نور الحق العلوی غفرلہ

مانا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی تالیفات میں مسلمانوں کو اس غلطی سے بچا لیا ہے۔ ما بعد الموت جو زندگی قرآن ثابت کرتا ہے۔ ان کے یہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے۔ عقل صریح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا۔

اس ہمارے دور میں جب سے ہندوستان سے اسلامی حکومت چلی گئی ہے شاہ صاحب کے ان افادات پر توجہ نہ کرنا مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔

فصل (۳)

شاہ صاحب نے قرآن کے اصول میں سے پانچویں اصل مخاصمہ قرار دیا ہے جو یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین کے ساتھ جاری ہے۔ اس کی پوری تفصیل "الفوز الکبیر" کے مقدمہ میں ملیگی۔ ہماری سمجھ میں شاہ صاحب کے مباحث (دربارۂ مخاصمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اخلاق جو احکام شرعیہ کے ضمن میں ملحوظ ہے۔ اس کی تعلیم دو طرح دینی چاہیے۔ اول بطریق اوامر و نواہی۔ دوم اُن اخلاق حمیدہ کے تارکین کی زندگی میں جو معائب پیدا ہوتے ہیں انکی تفصیل بتائی جائے۔

ایک جماعت جو اپنے آپ کو احکام الٰہیہ کا پابند مان لیتی ہے پھر اس ملت کے متبعین کیلئے مرکز کا کام دیتی ہے۔ اس جماعت کی خرابی سے ساری ملت برباد ہو جاتی ہے۔ انکی مثالیں یہود اور نصاریٰ سے مخاصمہ کر کے واضح کر دی گئیں۔

ایک ایسی جماعت جو عقلی اصول پر اپنی ترقی تجویز کر لیتی ہے۔ وہ اپنے مسلمہ اخلاق کی پابندی کو ترک کر کے کس طرح برباد ہوتی ہے۔ اس کی توضیح مشرکین کے مناظرے میں آئے گی۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند سمجھتا ہے۔ پھر تساہل اور تہاون سے اُن احکام کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ اس کی غلطیاں منافقین کے مناظرے سے واضح ہوں گی۔

شاہ صاحب کی اس توضیح کے بعد مخاصمہ قرآن حکیم کے مقاصد میں نہایت اہم درجہ رکھتا ہے۔ فقیہ اس کو بے التفاتی سے پڑھ کر گزر جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں بہت کم مفسرین ایسے ہوں گے جو اس مقصد پر متوجہ ہوتے ہوں۔ جن لوگوں نے یہ خیال بنایا تھا کہ فقیہ بننے کیلئے قرآن کریم کے فقط اوامر و نواہی کافی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ قرآن کو مس تک نہیں کر سکے۔

جب مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا قرآن عظیم کے متعلق یہ خیال ہو، تو عوام بیچارے اس بارہ میں کہاں تک

قابل ملامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کرکے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہاں اگر آپ کی کسبی عقلی اور وہبی اشراقی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا۔

ہم نے امام فخرالدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی۔ نیز جاراللہ زمخشری (محمود بن عمر متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ ان کے علاوہ معالم التنزیل از ابو محمد حسین بن مسعود فرار) بغوی (متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ (عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن عمر المعروف بہ) ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) بھی پڑھی۔ ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تحیّر کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند[1] قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی اور ہمارے لیے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی۔ اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہو جاتے۔ ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انہی کتابوں سے قرآن سمجھا تھا جب وہ قرآن کی حکومت مجتہدانہ اصول پر قائم کر رہے تھے، مگر اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ہمارے لیے ناممکن ہے۔

ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کتابیں مانگیں۔ آپ نے کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" از حافظ جلال الدین (عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی۔ میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بار ہا پڑھی۔ سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی۔ جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہو کر اس میں ایک مستقل تصنیف[2] لکھ چکا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام "الفوز الکبیر" ہے۔

---

[1] رایت فی مبشرۃ ان الامام مالکاً جاء الی مدرستہ "دار الرشاد" فی السند ھو اقام فی حجرۃ منہا، ثم جاء شیخنا شیخ الہند الی دار الرشاد و نزل فی تلک الحجرۃ۔ فمن یومئذ اُشبّہ شیخنا بالامام مالکؒ و نظراً الی ذلک جعلت عنوانہ "نجم الائمۃ" قال الامام الشافعی اذا ذکر العلماء فمالک النجم، "کتاب التمہید حصہ تحدیث النعمۃ" ص ۹۳ خطبہ) ۱۲

[2] قال الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید "فی آخر ۱۳۰۷ھ صنفت مراصد الوصول الی مقاصد الاصول" لخصت فیہ مسلم الثبوت، واضفت الیہا اشیاء من تحریر ابن الہمام و شرح المختصر للعضد، و شرح المسلم للشیخ نظام الدین اللکھنوی و شرح بحر العلوم حسب ما ادی الیہ فکری فلما عرضتہ علی شیخ الہند استحسنہ جداً و البسنی بلباسہ مراراً ھ ص ۷۵ ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفر لہ

یہاں میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولٰنا قدس سرہ کی عادت مبارکہ کا ضمناً ذکر کر دوں۔ آپ جانتے تھے کہ امام فخرالدین رازی اور علامہ[۱] (مسعود بن عمر المتوفی ۷۹۱ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان نام بردہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ نجم الائمہ شیخ الہند اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے۔ طلبہ سمجھتے کہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہونگی۔ میں ایک لمبے عرصے کے بعد متفطن ہوا۔ کہ محققین سے مراد حضرت شیخ الاسلام مولٰنا محمد قاسم اور ان کے اساتذہ کرام اور مشایخ عظام ہیں۔ جو شاہ ولی اللہ صاحب پر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ باعث تھا کہ آپ نے "الفوز الکبیر" مجھے شروع میں عطا نہ کی۔ بلکہ فقط اس کا تذکرہ کر دیا جب میں سندھ پہنچا تو مجھے "فوز کبیر" کا نسخہ ملا۔ اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے پھر اس دن سے آجتک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرسکا۔

فصل (۴)

قرآن شریف کو عامۂ مسلمین کے اذہان کے قریب لانا ضروری تھا۔ مسلمانوں کی ذہنی سطح استوار کرنے کے لیے سب سے پہلے شاہ عبدالرحیم نے یہ بہترین راستہ اختیار کیا کہ متن قرآن عظیم تحقیق و تفہیم سے پڑھانے لگے۔ اس سے پہلے علما کا یہ دستور تھا کہ قرآن شریف فقط تلاوت کرنے کے لیے پڑھاتے اور مطالب سکھانے کے لیے جس فن سے انھیں دلچسپی ہوتی اس قسم کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھا دیتے جس سے قرآن شریف گویا اس فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی۔ اور جو اخلاقی ذہنیت اُستاد کی طبیعت میں مرکوز ہوتی، تفسیر پڑھنے سے اور راسخ ہو جاتی۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں" غالبًا در حلقہ یاراں بیرون از تلاوت ہر روز دو سہ رکوع بہ تدبّر و بیان

---

[۱] اختلف فی اسمہ و فی مذہبہ فی الفقہ فقیل اسمہ مسعود۔ قال ابن العماد فی الشذرات اثبتہ السیوطی فی طبقات النحاۃ بلفظ مسعود و ہو المشہور والذی اثبتہ ابن حجر فی الدرر الکامنۃ و انباء الغمر بلفظ محمود ھ ص ۳۱۹ ۔ قال مولٰنا الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید۔ قلت قال العجمی قبل انہ شافعی والاوجہ انہ حنفی لتالیفہ فی اصول الفقہ الحنفیہ و لما ذکرہ صاحب "المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی" فی ترجمۃ علاء الدین محمد بن محمد البخاری و ہو حنفی بلا ریب من انہ تفقہ بابیہ و عمہ و سعد التفتازانی وغیرہم انتہی۔ و دعوی امکان تفقہ العلاء البخاری بالسعد مع کونہ شافعیًا تکلف لا یخفی علی المنصف انتہی قول العجمی قال السید احمد الطحطاوی فی حواشیہ علی الدر المختار۔ التفتازانی کان حنفیًا لما ذکرہ صاحب البحر فی دیباچۃ شرح المنار وانتہت الیہ ریاسۃ الحنفیۃ فی زمانہ حتی ولّی قضاء الحنفیۃ و لہ تکملۃ شرح الہدایہ للسروجی و فتاوی الحنفیۃ و شرح تلخیص الجامع الکبیر والتلویح حاشیۃ التوضیح لصدر الشریعۃ انتہی قول الطحطاوی۔ انتہی ما فی التمہید ۱۲

محمد نور الحق العلوی غفرلہ

معانی مے خواندندہ انفاس ص۶۶ دوسرے موقع پر تحریر کیا ہے" ازجملہ نعم عظمیٰ بریں ضعیف آں بود کہ چند بار در مدارست قرآن عظیم۔ باتدبر وشان نزول در رجوع بہ تفاسیر بہ خدمت ایشاں حاضر شدم و ایں معنی سبب فتح عظیم افتاد لطیف حزیز

اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کرلی کہ یہ کتاب بذات خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی شاہی زبان فارسی تھی۔ سنہ ۱۱۵۰ھ میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں "فتح الرحمان" کے نام سے ترجمہ کیا۔ جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا۔ اور ۱۱۵۶ھ میں "فتح الرحمان" کی تدریس کا افتتاح ہوا۔ آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے۔ جن کی اہمیت میں یورپ جاکر سمجھ سکا ہوں۔

(الف) مثال کے طور پر "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت، غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو یہاں مبنائے حیات قرار دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ شانہ "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" پھر انسانی سوسائٹی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (الف) خود اپنی قوم (ب) اور اجنبی۔ اجنبی کو "العبد بالعبد" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اپنی قوم کو (ج) الذکر والانثیٰ میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس بنیادی چیز پر جہاں تک میری نظر کام کرسکی کسی حکیم نے تنبیہ نہیں کی۔ ہمارے دور میں جبکہ ہم یورپ سے اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہیں اور یورپین نظریات کو ہم بڑی عزت و عظمت سے لیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انسانی سوسائٹی کو تحلیل کرنے والے حکما مسلمانوں میں کم نظر آتے ہیں تو نوجوان مسلمان کے دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا۔ وہ یہاں پہونچ کر اپنی خودی گم کرنے لگتا ہے۔ اگر اساسی چیزیں اس کو قرآن حکیم میں سے سمجھا دی جائیے تو وہ تفصیلات ہر اچھے عالم سے لے سکتا ہے۔ اور اس کی اسلامیت کو کوئی صدمہ نہیں پہونچ سکتا۔

(ب) سورۂ رعد کی آخری آیتوں اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها واللہ یحکم لا معقب لحکمہ واللہ سریع الحساب الخ پر شاہ صاحب کا حاشیہ[1] پڑھیئے۔ اس سے مکہ معظمہ میں "اسلامی حکومت" کی تأسیس آپ کو سمجھ آنے لگے گی اور اس سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں آپ کو سہولت ہوگی پارٹی پالٹکس کی بنیاد اس بیان میں روشن نظر آتی ہے جس کی تفصیل "فیوض الحرمین" میں زیادہ موجود ہے وہاں آپ نے سلطنت کو خلافت ظاہرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور سلطنت پیدا کرنے والی پارٹی کو آپ خلافت باطنہ کا

---

[1] حاشیہ کی عبارت یہ ہو: "یعنی روز بروز شوکت اسلام بہ زمین عرب منتشر مے شود و دار الحرب ناقص مے گردد از اطراف آں۔ عامہ مفسرین ایں آیت را مدنیہ دانند و نزد یک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد مراد از نقصان دار الحرب، اسلام اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت ھ محمد نور الحق غفرلہ

نام دیتے ہیں (دیکھو ۔۔۔) قرآن کی حکومت پیدا کرنے والی پارٹی ہی کا نام حزب اللہ ہے اس طرح سیاسی مسائل پر غور کرنے کی توجہ، شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد یورپ کی موجودہ ترقی ہمارے لیئے کوئی نئی چیز نہیں رہتی البتہ اپنے چند غفلت شعار بادشاہوں اور امیروں کی سستی کا برا نتیجہ ہم بھگت رہے ہیں۔ ہمارا مذہب اگر قرآنی قانون سے ماخوذ ہے تو ہم دنیا کے مقابلے میں پسپا نہیں ہوسکتے اگر بادشاہوں کی شکست کے بعد ان کی باقی ماندہ میراث کو ہم اسلام سمجھیں تو میری رائے یہ ہے کہ اس اسلام کی پوری شکست مان لینی چاہیئے۔ تاکہ نئی نسل کو نئے سرے سے کام کرنے کی ہمت پیدا ہو۔ غلط اصولوں کی تصحیح میں ان کے دماغوں کو الجھانا نہیں چاہیئے۔

قرآن عظیم کا مذکورہ بالا ترجمہ، میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لیئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے۔ اس کے ازبر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہئیں۔ تب کہیں ان سے استفادہ[1] کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ ترجمہ ایک استاد سے پڑھنے کے بعد ذہن میں راسخ نہیں ہوا تو میرے خیال میں ایک عجمی موجودہ تفاسیر سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ خواہ وہ تفاسیر نقلی ہوں یا عقلی یا ادبی۔

فصل (۵)

قرآن حکیم نے آیات قرآنی کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کردی ہے۔ عموماً اہل علم متشابہات میں بحث کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔ پھر متشابہات کی ایسی واضح تعریف و تفسیر جس سے تمام ایسی آیتیں تحقیقی اور تحدیدی طور سے جدا کرلی جاسکیں کوئی متفق علیہ موجود نہیں ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو قرآن بتمامہ ناقابل فہم ہوگیا۔ اور متشابہات میں غور نہ کرنا ایک اصول اور عقیدہ مقرر ہوگیا۔ ایک کتاب کی نسبت جب یہ عقیدہ بن جائے۔ کہ اس کے بعض حصے (جس کا پورا تعین بھی نہیں) فہم سے بالاتر ہیں تو انسانی متوسط عقول کے لیئے ساری کتاب مشتبہ بن جاتی ہے طبیعت میں خدشات اور اوہام اٹھتے ہیں کہ فلاں فلاں آیات کا جو مفہوم ہم نے معین کیا ممکن ہے کہ اس کی نقیض ان آیات میں موجود ہو جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس غلط فکر نے عمل کے لیئے قرآن کی طرف سے مسلمانوں کے التفات کو یکسر ہٹادیا۔

شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم کے لیئے تحقیقی راہ سے سمجھا سکتے ہیں۔ ان علوم کو ہم تکمیلی علوم میں شامل جانتے ہیں۔ بیشک ہر طالب علم اس درجہ پر نہیں پہونچ سکتا

---

[1] (لطیفہ) حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے ایک دوسری مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ دور حاضر کے علما اور طلبا کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ کتاب الٰہی کی تعلیم کے وقت متن کو چھوڑ کر شروح (تفاسیر) پر زور دیتے ہیں۔ اور فن حدیث میں صحاح کی شرح حجۃ اللہ البالغہ سے پوری پوری غفلت برت کر صرف متون پر اکتفا کرنا شعار بنا لیا گیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں غیر طبعی ہیں انتہی۔ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ

لیکن اگر وہ اپنی جد و جہد مسلسل جاری رکھے تو رسوخ فی العلم کا مرتبہ حاصل کر لینا اس کے لیے ناممکن نہیں ہے۔

اس یقین کو پیدا کرنے کے بعد قرآن کریم کے عالموں کی ایک مستقل سوسائٹی پیدا ہونا لازم ہے جس میں استاذ کامل و مکمل اور اہل علم۔ اول اور دوم درجہ کے شامل ہوں۔ یہ قرآن کی تعلیمات کو دنیا میں کامیاب بنانے کے لیے مرکزی قوت ہوگی۔

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہمیں زیادہ تر واسطہ ان اہل علم سے پڑتا رہا جو شیخ الاسلام (حافظ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم عرف) ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی امامت کے قائل ہیں۔ ظاہریہ۔ حنابلہ اور شافعیہ محدثین کی طرف ان کا علمی میلان ہے۔ وہ اسی وہم میں مبتلا تھے کہ متشابہات میں بحث کرنا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے اور متشابہات کا علم یقینی طور پر حاصل کرنا کسی عالم کے لیے ممکن نہیں۔ اس طرح وہ ہماری تعلیم پر ایک پابندی عائد کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو کھلے طور پر طلبہ کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ کیونکہ شاہ صاحب متشابہات میں بحث کرتے ہیں اور یہ اُن کے اصول کے خلاف ہے۔

ہمیں اس سے تھوڑے دنوں پریشانی رہی اور ہم نرمی سے عقلی طور پر ان کو سمجھاتے رہے۔ اتفاقاً ہمیں حافظ ابن تیمیہ کی تفسیر قل ھو اللہ احد مطبوعہ مصر ہاتھ آئی جو ہمارے لیے ایک حیرت کا سبب بن گئی۔ ابن تیمیہ نہایت شدت سے اُس فکر کی تردید کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اور یہ نتیجہ ہے اس مشہور قاعدہ کا کہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ" پر وقف لازم مانا جاتا ہے۔ اور "والراسخون فی العلم" کو اس سے منقطع کر دیا جاتا ہے ابن تیمیہ پوچھتے ہیں کہ آیات متشابہات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں؟ اور اس سے اوپر جبریل بھی جانتے تھے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو ان آیتوں کے نازل کرنے کا کیا مطلب تھا؟[1]

---

[1] مقالہ زیر بحث کی ترتیب کے وقت شیخ الاسلام کی تفسیر سورۂ اخلاص میرے سامنے نہیں ورنہ اہل علم کے لیے اس کی عبارت بعینہا نقل کر دی جاتی البتہ ان کے رسالہ الاکلیل فی المتشابہ والتاویل کے چند اقتباسات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں جو ما نحن فیہ میں کافی ہیں

قال شیخ الاسلام۔ لم یقل فی المتشابہ لا یعلم تفسیرہ ومعناہ الا اللہ وانما قال وما یعلم تاویلہ الا اللہ لم ینف علمھم بمعناہ وتفسیرہ بل قال "کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ"، وھذا یعم المحکمات والمتشابہات۔ وما لا یعقل لہ معنیً لا یتدبر وقال "افلا یتدبرون القرآن" ولم یستثن شیئاً منہ نھی عن تدبرہ واللہ ورسولہ انما ذم من اتبع المتشابہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ فاما من تدبر المحکم والمتشابہ کما امرہ اللہ وطلب فھمہ ومعرفۃ معناہ فلم یذمہ اللہ بل امر بذلک ومدح علیہ۔

ولھذا قال الحسن البصری "ما انزل اللہ آیۃ الا وھو یحب ان یعلم فی ما انزلت وما اعنی بھا"۔ وما استثنی من ذلک لا متشابھا ولا غیرہ۔ وقال مجاھد عرضت المصحف علی ابن عباس من اولہ الی آخرہ

ہم نے یہ نقل ان اہل علم کو دکھلانا شروع کی اس پر وہ حیران رہ گئے بعدازاں وہ خود ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں سے اس کی تائیدات تلاش کرکے ہمیں آکر سنانے لگے۔

میرا اپنا اس معاملے میں یہ حال ہے کہ جب سے میں نے "مُسلم الثبوت" کی شرح از مولانا بحر العلوم (متوفی ۱۲۲۳ھ) پڑھی (اور یہ ۱۳۱۴ھ کا واقعہ ہے) تو اس زمانہ سے میں اس پر مطمئن تھا کہ بحث اور مناظرہ سے تو متشابہات کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا مگر وہبی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کاملین امت مرحومہ کو یہ علم عطا کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد کافی زمانہ گزرنے پر خواجہ محمد[۵] معصوم سہرندی۔ العادة الوثقی (متوفی ۱۰۸۰ھ) کے مکتوبات میں میں نے پڑھا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مرّاتٍ اقف عند کل آیتہ واسألہ عنہا۔ فہذا ابن عباس حبر الامۃ یجیب مجاہداً عن کل آیتہ فی القرآن۔ وھذا ھو الذی حمل مجاھداً ومن وافقہ کابن قتیبۃ علی ان جعلوا الوقف عند قولہ "والراسخون فی العلم" فجعلوا الراسخین یعلمون التاویل لان مجاھداً تعلم من ابن عباس تفسیر القرآن کلہ وبیان معانیہ۔ ویُبیّن ذلک ان الصحابۃ والتابعین لم یمتنع احد منھم عن تفسیر آیتہ من کتاب اللہ۔ ولا قال ھذا من المتشابہ الذی لا یعلم معناہ ولا قال قط احدٌ من سلف الامۃ ولا من الائمۃ المتبوعین ان فی القرآن آیات لا یعلم معناھا ولا یفھمھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولا اھل العلم والایمان جمیعاً لا نعلم احداً من سلف الامۃ ولا من الائمۃ لا احمد بن حنبل ولا غیرہ انہ نفی ان یعلم احد معنے المتشابہ وجعلوہ بمنزلۃ الکلام الاعجمی الذی لا یفھم۔ ولا قالوا ان اللہ ینزل کلاماً لا یفھم احد معناہ وانما قالوا فی احادیث الصفات تُمرُّ کما جاءت ونھوا عن تاویلات الجھمیۃ وردوھا وابطلوھا ونصوص احمد والائمۃ قبلہ بیّنۃٌ فی انھم کانوا یبطلون تاویلات الجھمیۃ فھذا اتفاق من الائمۃ علی انھم یعلمون معنے المتشابہ وانہ لا یسکت عن بیانہ وتفسیرہ بل یُبیّن ویفسّر باتفاق الائمۃ عن غیر تحریف ولا الحاد۔ وانما مذھبھم نفی ھذہ التاویلات وردھا لا التوقف عنھا ثم ان الصحابۃ نقلوا عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انھم کانوا یتعلمون منہ التفسیر مع التلاوۃ ولم یذکر احدٌ منھم عنہ قط انہ امتنع عن تفسیر آیتہ ھ ۱۲

[۵] قال مولانا عبد العلی فی فواتح الرحموت قد نقل عن الاولیاء الکرام اصحاب الکرامات، انھم یعلمون تاویل المتشابہات عند ریاضاتھم الشدیدۃ والمجاھدات القویمۃ وخلعھم ابدانھم وانخراطھم فی علی علیین فانہ یفاض علیھم عندہ ھذہ الحال علوم وھی من غیر قصد وطلب وکسب وما لا عین رات ولا اذن سمعت والسلف انما راموا بعدم مفھومیۃ المتشابھات عدم المفھومیۃ بالکسب والنظر ھ ص۶۸ ج۲ طبع مصر بالمستصفی للغزالی

قال الامام عبد القاھر البغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) فی کتابہ "اصول الدین" کان شیخنا ابو الحسن الاشعری یقول لا بد ان یکون فی کل عصر من العلماء من یعلم تاویل المتشابہ من حروف الھجاء وغیرھا۔ والیہ ذھبت المعتزلۃ ھ ص۲۲۳

[۵] خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات گو مطبوع ہیں مگر باوجود سعی بسیار کے اسکا کوئی نسخہ مجھ کو دستیاب نہ ہو سکا تا کہ حضرت خواجہ کی اصل عبارت سے مقالہ کو مزین کیا جاتا ۱۲ محمد نور الحق عفرلہ العلوی

کہ حضرت امام ربانی وہبی طریقہ سے متشابہات کی تاویل پر قادر ہونے کو صحیح مانتے ہیں اور مقطعات کی تفسیر سمجھانے میں انھوں نے بڑی احتیاط برتی کہ اس مجلس میں سوائے خواجہ محمد معصوم کے کوئی دوسرا حاضر نہ ہو۔

یہ میرے اساسی خیالات تھے شاہ ولی اللہ کی حکمت نے اس فکر کی تکمیل کر دی۔ اس کے بعد قرآنی مفاہیم کو میں اطمینانی شکل میں سمجھ سکا۔ میری خیال میں شاہ صاحب کا اس فن کو تعلیم وتلقین کے ذریعہ اپنی خاص جماعت میں عام کر دینا اس دوسرے ہزار میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ شاہ صاحب کے اتباع میں مولنٰا محمد اسمٰعیل شہید (متوفی ۱۲۴۶ھ) پھر مولنٰا محمد قاسم اس حصّے میں ایک استقلالی شان رکھتے ہیں یعنی اپنے اپنے زمانے کی اصطلاحات کے مطابق اہل علم کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تقدیر کے مسئلہ کو "حجۃ اللہ البالغہ" کے صول پر حل نہیں کر سکتا وہ حکمت ولی اللٰہیہ سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے میں مولنٰا محمد قاسم کی بھی وہی شان ہے جو شاہ صاحب کی ہے۔ مگر شاہ صاحب اپنے متبعین کو سمجھاتے ہیں اور مولنٰا ایک عیسائی، ایک آریہ سماجی کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔

جو لوگ اُن اصطلاحات کے پابند ہیں جن سے ان مسائل پر غور کرنا کسی راسخ فی العلم کے لئے بھی جائز نہیں ہو سکتا (اور اُن ہی سے مدارس اور مکاتب بھرے پڑے ہیں) میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اس زمانہ میں اسلام کے لیئے کس قدر مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ میری تربیت کا اثر لازم ہے کہ میں اس قسم کے غوامض میں خود رائی پسند نہیں کرتا اگر کسی راسخ فی العلم جماعت سے تعلق بھی پیدا نہ کرنا اور ان مسائل کے متعلق ہر وقت پریشان دماغی میں مبتلا رہنا طالب علم کی شان سے دور جانتا ہوں۔

فصل (۶)

"رسوخ فی العلم" کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عالم کے معلومات میں کہیں تناقض نہیں ملتا۔ جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں وہ ایک قاعدے کے اندر اس کی نظر میں جمع ہو جاتی ہیں شاہ ولی اللہ نے مکتوبات[1] مدنی کے شروع میں لکھا ہے کہ ہمارے دور کے علوم خاصہ میں سے چوٹی کا علم تطبیق آرا ہے۔ اسی کلیہ کے ماتحت وہ وحدت شہود اور وحدت وجود کی تطبیق اسی رسالہ میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] شاہ صاحب فرماتے ہیں: نصیبنا فی هذه الدورة من رحمة الله ان یجتمع فی صدورنا علوم علماء هذه الامة معقولها ومنقولها ومکشوفها وینطبق بعضها علی بعض ویضمحل الخلاف بینها ویستقر کل قول فی مقره هذا الاصل منسحب علی فنون العلم من الفقه والکلام والتصوف وغیرها ه ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

شاہ رفیع الدین صاحب (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے تکمیل الاذہان[۵۱] میں تطبیق الآراء کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ "عبقات" میں وجودیہ و سرائیہ اور شہودیہ[۵۲] ظلیہ میں تطبیق کی سعی کرتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم "قاسم العلوم"[۵۳] میں راسخین فی العلم کے مابین اختلاف تسلیم ہی نہیں کرتے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے دو سلیم الحواس ایک چیز کے دیکھنے سننے میں مختلف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دو راسخ فی العلم کسی عقلی، وجدانی مسئلے میں بھی کبھی مختلف نہیں ہو سکتے جو اختلاف بظاہر نظر آتا ہے وہ فقط صوری ہوتا ہے۔

ان مقالات پر غور سے تامل کرنے کے بعد راسخ فی العلم کے معنے محقق ہو جاتے ہیں۔ ہم شاہ صاحب کو "راسخین فی العلم" کا امام مانتے ہیں۔

مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تحقیقات کا ایک نازک مسئلہ یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر جو وحدت وجود کے مسئلے کے مسلم امام ہیں۔ اُن کے کلام میں دو مختلف نظریئے ملتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولانا اسمٰعیل شہید کی زبان میں عینیۃ اور سرائیۃ ہے۔ یہ اصطلاح "اخبار الاخیار" میں بھی ملتی ہے اور "نفحات الانس" میں بھی موجود ہے۔ اہل علم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اُن مختلف عبارات کا مرجع و محمل کیا ہے جن میں ہر چیز کو وجود کا عین (بالفاظ دیگر واجب الوجود کا عین) کہا جاتا ہے اور پھر وہی عالم (شیخ اکبر) دوسری موقع پر واجب الوجود اور ممکن الوجود میں فرق کرنے بیٹھ جاتا ہے پھر اس کے بعد تنزل وجود کا اصول تحقیق سے پیش کرتا ہے۔

اب شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ عینیت، نفس کلیہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس تمام ترکائنات کا ایک نفس ہے۔ جیسے ایک شخص کا ایک نفس ہے۔ اس حقیقت پر ابن عربی کے یہاں بھی پوری بحث موجود ہے اور حکما کے ہاں بھی شاہ صاحب، نفس کلیہ اور اس کے ماتحت تمام کائنات کو من وجہ ایک دوسرے کا حقیقۃً عین مانتے ہیں۔ جیسے زید و عمرو و انسان من وجہ عین ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نفس کلیہ کو

---

[۵۱] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے کتاب التمہید کے "موقف سادس" میں موضوع تطبیق پر بحث کی ہے اور اس موضوع کے متعلق ائمہ ثلثہ۔ مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا محمد قاسم کی تصریحات بسط سے نقل کی ہیں مضمون کی ابتدا میں فرماتے ہیں ولما کان التطبیق بین الاحادیث المختلفۃ۔ ثم التطبیق بین الاحادیث الصحیحۃ واقوال الفقہاء الحنفیۃ من خواص علوم مشائخنا ائمۃ الطائفۃ الدیوبندیۃ والدہلویۃ عمومًا۔ ومن اہم علوم شیخنا شیخ الہند خصوصًا۔ وانا لا اقدر علی ایضاح طریقۃ لعامۃ اہل العلم الابعد اعلامہم بما انتہی الیہ افکار الموالی الملہمین فاضطررت الی نقل من کلام الامام رفیع الدین دہلوی ثم من کلام الصدر الشہید محمد اسمٰعیل الدہلوی ثم من کلام شیخ الاسلام محمد قاسم الدیوبندی ما یتعلق بالباب ۱۲

[۵۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب العبقات" از ص۳ بعد عبقہ ص۲ و ص۲۱ بعید ۱۲

[۵۳] کاش قاسم العلوم کا ایک نسخہ میری پاس بھی ہوتا ۱۲ محمد نور الحق العلوی عفرلہ

جنس الاجناس قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک جوہر اور عرض دونوں جنسیں نفس کلیہ کے ماتحت آتی ہیں۔ عام حکماءِ یونان کا جوہر و عرض سے اوپر جنس مشترک عالی کا نہ ماننا اُن کی قصور نظر پر محمول ہے۔[1]

نفس کلیہ کا بطریق ابداع ذات حق سے صادر ہونا، ذات حق کو "وسائط الوسائط" ثابت کر دیتا ہے نسبت ابداعیہ میں مبدِع اور مبدَع کے مابین ایک طرح کی وحدت کہی جا سکتی ہے۔ مگر وہ وحدت حقیقی نہیں ہوتی۔ انسانی عقل وہاں جاکر تھک جاتی ہے۔ درجہ ابداع پر پہنچکر عقل کسی امتیاز کو قائم کرنے پر قادر نہیں ہوتی۔ اس لیئے مجازاً "وحدت (بین المبدِع والمبدَع) کا اطلاق کر لیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ صاف ہو گیا نفس کلیہ تک کائنات کی عینیت حقیقیہ ہے۔ اسی لیئے صوفیہ بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں۔ اس سے اوپر ایک معلومۃ الانیۃ مجھول الکیفیۃ نسبت ہے جسے ابداع سی تعبیر کرتے ہیں۔ عقل کے احاطے سے خارج ہونے کے باعث اس میں ہر قسم کے متشبہ الفاظ مجازاً استعمال کیئے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کا فیصلہ دینا، اور اس کو محقق طور پر سلیم عقول کے دماغ تک پہونچانا اور تمام متعارض اقوال کی توجیہ پر قادر ہونا ایک راسخ فی العلم امام ہی کی شان ہے۔[2]

فصل (۷)

قرآن عظیم میں فکری انتشار کا ایک اور باعث مسئلہ ناسخ و منسوخ کی بحث بھی ہے۔ اہل علم منسوخ

---

[1] شاہ صاحب "الطاف القدس" میں فرماتے ہیں" فلاسفہ درمیان جوہر و عرض حقیقت مشترکہ اثبات نہ کردہ اند۔ و نفس کلیہ را جنس اعلیٰ نشمردہ اند۔ و منشاء آں عدم ظہور نفس کلیہ است نزدیک عقل ایشاں۔ شہادت کسے کہ مشہود لہ وعلیہ وے را نشناختہ است باور نتواں کرد۔ ما خود میدانیم کہ یک حقیقت متنشح مے شود بدو شبح گاہے در کسوت قیام بنفسہ ظہور کند۔ ومسمے بجوہر گردد۔ وگاہے در لباس قیام بغیرہ برآید۔ ومسمے بہ عرض شود ؎

گہے در کسوت لیلے فرو شد گہے در صورت مجنوں برآمد

از نیرنگی ہائے ہمیں معنے ست تجوہر اعراض در عالم مثال۔ و عرض شدن جواہر در موطن وہم۔ و صدق صورت ذہنیہ بر موجود خارجی الی غیر ذلک مما لایخفی ھ ص ۱۰۴ ۱۲

[2] مسئلہ ابداع پر شاہ صاحب نے بدور بازغہ و تفہیمات وغیرہ کتب میں بحث کی ہے۔ "الطاف القدس" میں ص ۱۰۴ سے ص ۱۰۵ تک مفصل بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ درمیان مبدِع و مبدَع نسبتے واقع است کہ نظیر آں در شہادت موجود نیست مادہ نیست تا تحقق مبدَع در مادہ بود۔ و ازیں جہت انفرادے و استقلالے پیدا کند۔ و مدت نیست کہ سابق و لاحق بتقدم و تاخر زمانی از ہم ممتاز شود الی ان قال۔ پس محقق در مسئلہ ابداع آن است کہ نسبتے است معلوم الانیۃ و مجہول الکیفیۃ الخ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

آیات کو متفقہ طور پر محدود و محصور نہیں کرتے۔ یعنی ایسی آیات کی تحدید میں وہ خود باہمی مختلف ہیں اس کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے پر یہ پڑتا ہے کہ وہ ہر علمی معاملے (حکم) میں اس کے منسوخ ہونے کا شبہ پیدا کر کے اپنے آپ کو فارغ الذمہ بنا لیتا ہے۔

شاہ صاحب کے رسوخ فی العلم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔ "الفوز الکبیر" میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔[۱] شاہ صاحب نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں۔ متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے تو اس سے اُن کی مُراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہوں گے۔ بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی اُن کی مراد ہوتا ہے۔ اگر کوئی مضمون ایک دفعہ مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں۔ یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا۔

اس اعتبار سے بے شک قرآن کی آیات میں کثرت سے نسخ موجود ہے مکی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات محقق کیئے جاتے ہیں۔ اور مدنی سورتوں میں ان کی تشریح اور تفصیل آتی ہے۔ ایک قوم کو تدریجی ترقی دینے والا کوئی اُستاد اس طریق بیان سے بچ نہیں سکتا۔ اس تبدیلی کو جو قطعاً طبعی ہے معیوب نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ اس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں، پھر متقدمین کے بعد متاخرین آتے ہیں۔ وہ نسخ کا ایک خاص مطلب معین کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جیسے تورات کے تفصیلی احکام پر عمل کرنا قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد ممنوع ہے، اسی طرح قرآن میں بعض ایسی آیتیں موجود ہیں جن پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔

یہ اصطلاح فقہا کے باہمی اختلاف اور تضارب کے بعد پیدا ہوئی۔ شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں منسوخ نہیں مانتے — لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحب کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے۔ قوم کی عام حالت کو مدنظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے اہل علم[۲] پانچسو آیتیں منسوخ مانتے رہے۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی اتقان میں بیس[۲۰] سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے

---

[۱] پوری بحث کے لیئے دیکھو فوز کبیر طبع مجتبائی دہلی از ص۱۱ بعد ۱۲

[۲] فوز کبیر کی اصل عبارت حسب ذیل ہے: "متقدمین (بنظر اصطلاح خود) عدد آیات منسوخہ بہ پنج صد رسانیدہ اند واگر بنگاہ تعمق نگاہ کنی غیر محصور است۔ اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لاسیما بحسب توجیہے کہ ما اختیار کردہ ایم۔ شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد از انکہ از بعض علماء آنچہ مذکور شد بہ بسط تقریر نمود۔ آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بر وفق شیخ ابن عربی تحریر کردہ قریب بہ بست[۲۰] شمردہ۔ فقیر را در اکثر آں بست نظر است۔ الی ان قال۔ قلت وعلی ما حررت لایتعین النسخ الا فی خمس آیات ھ فوز کبیر ۱۲ نور الحق

اس بارے میں سیوطی کا مقتدا اور شیخ قاضی ابوبکر (محمد ابن عبداللہ المعروف بہ) ابن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہے۔ شاہ صاحب مذکورہ بالا بیس[20] آیتوں میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ[15] آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی بآسانی تطبیق دے سکتا ہے۔ شاہ صاحب صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا۔ اور عامہ اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے[1]۔

اب صورت حال یہ ہو کہ مشکل آیتوں کو تو انھوں نے حل کر دیا اور نہایت آسان آیات میں نسخ مان لیا اگر اسلوب حکیم بیان کے بیان کو محمل کیا جائے تو ہمارا مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کرنا بعید نہیں ہوگا۔

ان پانچ آیات میں جو سب سے زیادہ مشکل ہے ہم اس کو یہاں مثالاً بیان کر دیتے ہیں قال الامام ولی اللہ، کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الآیۃ۔ قلتُ منسوخۃٌ بآیۃ یوصیکم اللہ فی اولادکم وحدیث لا وصیۃ لوارثٍ مُبیّنٌ للنسخ ھ الفوز الکبیر ص۱۔

اگر وارثوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی۔ والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور آیت مذکورہ بالا میں مکتوبہ وصیت والدین کے لیئے ہے۔ اس لیئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا۔ مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے تنبہ ہوا۔ میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی۔ میں بیمار ہوا تو مجھے اُس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے۔ میرے مرتے ہی محروم ہو جائے گی۔ اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا۔ کہ اگر حالات ایسے درپیش ہوں تو وصیت لازم ہو بنا بریں کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی۔ اسلئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بشیک کر لیجیے۔ یہ تو فقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہو۔

علی ہذا القیاس باقی ماندہ چار آیتوں میں تطبیق بہت آسان ہے۔ وہ اولیٰ غیر اولیٰ عزیمت و رخصت پر محمل کرنے سے حل ہو جاتی ہیں۔

میں اپنی سمجھ کے موافق شاہ صاحب کے بیان کو ایک حکیمانہ طرز بیان سمجھتا ہوں۔ میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔ کہ جس امر پر مجھے تنبہ ہوا۔ شاہ صاحب کی نظر ادھر جا ہی نہ سکتی تھی۔ اور باقی چار آیتوں کی مثالیں

---

[1] قال الامام عبد القاھر البغدادی زعم بعض القدریۃ من اھل عصرنا انہ لیس فی القرآن اٰیۃ منسوخۃ ولا اٰیۃ ناسخۃ وھو ابو مسلم الاصبھانی الخراسانی ھ ۳۲۲ھ (راجع ترجمتہ فی الاعلام لخیر الدین الزرکلی) ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

میرے مطلب کی شواہد ہیں۔ وہاں انھیں قواعد سے بآسانی تطبیق ہوسکتی ہے جن کو وہ دوسری آیات میں استعمال کررہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ذہنیت عامہ کو منتشر نہ کرنے کے لیے شاہ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اسکی مثال مسوّی[۵۱] میں بھی ایک جگہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غیر مطہر چیز کو شارع مطہر کے درجے پر رکھدیتا ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز (جس کی تطہیر زیر بحث ہے) نجس ہی نہیں ہے مگر چونکہ دیکھا جاتا ہے کہ نجاست کی نفی سے ذہنیت عامہ ابا کرے گی اس لیے ایک غیر مطہر چیز کو کہدیا جاتا ہے کہ "یطھرہ ما بعدہ"

فصل (۸)

قرآن شریف کا مقصد معین کرنے کے لیے "حجۃ اللہ" کا باب[۵۲] الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان پڑھنا چاہیے۔ اس کے بعد ازالۃ[۵۳] الخفا" میں "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق الایہ کی تفسیر پڑھنا ضروری ہے یہ تفسیر شاہ صاحب کے نوادر میں سے ہے۔ یہ مسئلہ (تعیین مقصد قرآن) بہت بڑی اہمیت کا مالک ہے کہ پہلے تمام ادیان پر اس دین کو فوقیت دینا کیوں ضروری ہے؟ پھر آیا اس کا تحقق بھی ہوا یا محض ایک امید افزا خیال ہے۔ دونوں کتابوں کے مذکورہ بالا دو مباحث (باب تنسیخ الادیان' اور تفسیر ہو الذی ارسل رسولہ الخ) کے پڑھنے کے بعد مذکورہ بالا ہر دو سوالوں کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے۔ اور اس سے قرآن شریف کی حکمت اساسی طور پر معین ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی مزید توضیح آپ کو حجۃ[۵۴] اللہ البالغہ" کے باب "اقامۃ الارتفاقات" میں ملے گی۔ اس مقصد (وجہ غلبۂ دین حق اور اس کا وقوع) کو تشخیص اور تعیین سے محفوظ کرنے کے بعد اسلام کی حقیقت روشن ہو جائیگی۔

---

[۵۱] مسوّی کی عبارت حسب ذیل ہے۔ ان ام ولد لابراھیم بن عبد الرحمان بن عوف سالت ام سلمۃ زوج النبی صلعم فقالت انی امرأۃ اطیل ذیلی وامشی فی المکان القذر قالت ام سلمۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یطھرہ ما بعدہ۔ قلت فی المنھاج طین الشارع المتیقن نجاستہ یعفی منہ عما یتعذر الاحتراز عنہ غالبًا ویختلف بالوقت وموضعہ من الثوب والبدن۔ وفی الھدایۃ عن محمد انہ لما دخل الری ورای البلوی فی الارواث افتی بان الکثیر الفاحش لا یمنع الصلاۃ وقاسوا علیہ طین بخارا ھ ص ۴۳/۱ طبع مکہ معظمہ تفصیل کیلئے مصفٰے ص ۶۳/۱ بجد ملاحظہ ہو ۱۲

[۵۲] حجۃ اللہ طبع مصر ص ۹۳/۱ ۱۲

[۵۳] دیکھو ازالۃ الخفا طبع ہند ص ۴۳/۱ ۱۲

[۵۴] حجۃ اللہ طبع مصر ص ۲۹/۱ ۱۲

محمد نور الحق العلوی

فصل (۹)

مذکورہ سابق مقصد قرآنی کو ہم شاہ ولی اللہ کی حکمت کی اساس مانتے ہیں۔ جب کبھی ہم فلسفۂ ولی اللٰہی کہیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگا۔ اس فلسفے کی تاریخ ارتقائی دنیا کی تکوینی ترقی کے ساتھ ساتھ "تاویل الاحادیث" میں ملیگی۔ آدم علیہ السلام کے زمانے میں جو شرائع مقرر تھے وہ اسی فلسفے کے ماتحت تھے اور اس زمانے کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی۔ اسی قدر اس فلسفے کی تفریعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ابراہیم سے پہلا دور (یعنی حنیفیت سے پیشتر کا دور) صابئین کا ہے "تاویل الاحادیث" میں اس دور کی (جس میں آدمؑ ادریسؑ و نوحؑ تا قبل ابراہیم علیہم السلام داخل ہیں) پوری تشریح ملے گی۔ ادریس علیہ السلام ہی طبعیات، ریاضیات، الٰہیات کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ حکمت کے ان اقسام کا مرکز بدلتا رہا کبھی ہند[۵۱] کبھی ایران، کبھی یونان اس کے بعد ابراہیمی دور آئے گا۔ حنفا اسی فلسفے کی شکل کو دوسرے رنگ میں بدل دیں گے۔ اس تبدیلی کے اسباب کیا تھے؟ اور تبدیلی کس شکل میں ہوئی، اس کی تفصیل "تاویل الاحادیث" میں ملے گی۔ اس اہم مسئلے کے حل کرنے پر انسانیت کی حقیقت متشخص ہوگی۔ فلسفہ وہی ہے جو دور صابئین میں تھا اس کی تشریعی صورت بدل جاتی ہے ۔

دم بدم گر شود لباس بدل مرد صاحب لباس را چہ خلل

ہمارے حکماء اسلام اس مسئلے میں بہت تھوڑی بحث پر اکتفا کرتے رہے اس لئے وہ "سورۂ انعام" کو کبھی قابل اطمینان طریقے سے حل نہیں کر سکے۔ شاہ صاحب کی کتابیں عموماً "تفہیمات الٰہیہ" "بدور بازغہ" خصوصاً اس مسئلہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے بار بار[۵۲] پڑھنی چاہئیں۔

الامام کا لقب اور شاہ صاحب ہم نے امام کا لفظ شاہ ولی اللہ کے منصب میں اسی ضرورت کیلئے اضافہ کیا ہے۔ کہ یہ اہم مسئلہ ہیں کوئی پہلا امام نہیں بتلاتا۔ اگر ہم شاہ صاحب کو امام مان لینگے، تو دوسرے لفظوں میں اس مسئلہ کی اہمیت اصلی شان میں طلبہ کے سامنے آجائے گی۔ انھیں غور کرنا پڑے گا کہ شاہ صاحب کیوں امام کہلاتے ہیں تو اس خصوصیت کی طرف آسانی سے توجہ مبذول ہو سکتی ہے۔ تاویل الاحادیث میں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام

---

۵۱ یہ ممالک صابیت کا مرکز تھے۔ جس کی دعوت ادریس علیہ السلام سے منسوب ہے۔ صابیت کے بعد حنیفیت ہے۔ جس کے داعی اول ابراہیم علیہ السلام ہیں ۱۲

۵۲ تفہیمات الٰہیہ ص ۶۶/۱، ص ۲۸/۱ و ص ۱۴۷/۲۔ و تفہیم علم مقامات الملاء الاعلیٰ ص ۹۴ نسخہ خطیہ، و بدور بازغہ ص ۱۸۵ و ص ۱۹۹ ببعد۔ ملاحظہ ہوں ۱۲

محمد نورالحق غفرلہ العلوی

انبیا کی زندگی کو تدریجی ترقی کے اصول سے موجہ بنایا گیا ہے۔

یہاں ہمیں یہ امر واضح کر دینا چاہیئے کہ کسی مفکر کا اس سلسلہ بیان میں کسی خاص حصے سے اختلاف کرنا ہماری نزدیک کوئی معیوب بات نہیں ہم شاہ صاحب کی امامت کو اس تسلسل تاریخی میں منحصر کرنا چاہتے ہیں ہمیں کوئی بڑا امام ایسا نظر نہیں آتا کہ جن انبیار کا ذکر قرآن شریف میں ہے انکی تاریخ کو کسی فلسفے کے ماتحت مرتب کر دے۔ یہ خصوصیت خدا تعالےٰ نے شاہ صاحب کے لیئے ودیعت رکھی ہوئی تھی ہماری رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی اس حکمت کو محققانہ سمجھنے کے بعد اگر قرآن عظیم تحت اللفظ پڑھا جائے گا۔ تو وہ کسی زائد تفسیر کا محتاج نہیں ہوگا۔

فصل (۱۰)

یہاں تک جس قدر بحث قرآن عظیم کے متعلق شاہ صاحب کی کتابوں سے ذکر کی گئی۔ اُس کا موضوع قرآن کے مواد خمسہ کی عقلی تشریح ہے۔ قرآن نے ان مضامین کو ایک خاص طریقے سے بیان کیا ہے مضامین مختلف سورتوں میں منقسم ہیں۔ سورتوں کے مضامین میں آپس ربط جیسا کہ علمی کتابوں کی شان ہے۔ نظر نہیں آتا مولوی شبلی مرحوم کی زبان میں اُسے مختلف پھولوں کا ایک ڈھیر کہا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب حکمت بیان کرتے وقت اس موضوع (ربط آیات) پر مطلق توجہ نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں[۱]۔ اُمی قوم کی تفہیم کیلئے ان کی عادات کے مطابق خود ان کے محاورات میں قرآن نے اپنے مقاصد واضح کر دیئے۔ "تکرار ہو یا اطناب" اس سے بچنے کی کبھی سعی نہیں کی۔ مخاطبین کو عالم بنا دینا مقصد ہے۔ اس میں قرآن کامیاب ہو گیا ایک حکیم کی نظر میں اگر ایک علمی کتاب اس طرح سوسائٹی کو بلند کر دیتی ہے تو وہ تناسب آیات کی زیادہ ضرورت نہیں سمجھے گا "الفوز الکبیر" میں شاہ صاحب فرماتے ہیں" بیان ایں علوم بروش تقریر عرب اول واقع شدہ۔ نہ بروش تقریر متاخران۔ پس مناسبت در انتقال از مطلبے بمطلبے رعایت نہ کرد۔ بلکہ آں چہ القاے آں بر عباد خود مہم دانست۔ آں را نشر

---

[۱] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے ایک دوسری مجلس میں شاہ صاحب کی طرف سے توجیہ کرتے ہوئے مجھسے ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحبؒ مذکورہ بالا مضامین خمسہ میں ترتیب و ربط کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً احکام مرتباً ایک جگہ مذکور ہوں۔ پھر مخاصمہ کسی خاص ترتیب سے بیک جگہ بیان ہو۔ بعدہ تذکیر بآلاء اللہ مرتباً۔ اس کے بعد تذکیر بایام اللہ آئے وعلی ہذا القیاس، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ آیات و سور میں ربط کا انکار کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ رکوع "یا بنی اسرائیل" کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ مترجم گوید از ینجا تا سیقول السفہاء خدا ے تعالےٰ اشارت میفرماید بنوت پیغمبر ما صلے اللہ علیہ وسلم از قصہ دعا حضرت ابراہیم کہ در تورات مذکور است و ترجیح میدہد ملت حنیفیہ را کہ پیغمبر ما برائے آں مبعوث شدند و رد میکند قول یہود را کہ حضرت یعقوب بہ یہودیت وصیت کردہ است۔ و از تفریق در انبیا نہی میفرماید یعنی معتقد بعض باشند و منکر بعضے۔ ھ فتح الرحمٰن دیکھا کس طرح ایک طویل مضمون کو چند الفاظ سے مرتبط کر دیا ۱۲ محمد نور الحق العلوی عفرلہ

فرمود، ہر چہ مقدم شود گوشود وہر چہ مؤخر شود گوشود ۵ ص۳

فصل (۱۱)

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب قرآن کی ادبی لطافت (نسق آیات) پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کا مطلب فقط یہ ہے کہ سب سے پہلے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔ جسے اکثر مفسرین فراموش کر چکے ہیں۔ علوم بلاغت اور اس کے توابع میں ہمارے متاخرین نے کوتاہی نہیں کی۔ مگر چونکہ حکمت کے اصول پر مطالب کو ذہن نشین کرنے کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔ اس لیئے ان کی ادبی موشگافیاں عقلمندوں پر زیادہ موثر نہیں ہوتیں۔ جب شاہ صاحب اصل مطلب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو نمونہ کے طور پر ربط آیات پر توجہ دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت "یا بنی اسرائیل" کے حاشیہ سے ظاہر ہے۔ اُن کے بعد شاہ عبدالعزیز آئے۔ اُنھوں نے فتح العزیز میں ربط آیات پر التزام سے بحث کی۔ اور اس فن کو ظاہر کرنے میں شاہ صاحب کے اتباع میں سے آپ نے سبقت کی۔

میری توجہ شروع سے اس فن (ربط آیات وسور) کی طرف منعطف رہی۔ بعض بعض لطیف نکتے سمجھ میں آنے لگے۔ میں نے مولانا شیخ الہند سے جب ذکر کیا۔ تو حضرت نے بعض نادر فوائد تلقین فرمائے مثلاً ایک غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے، قرآن کے اندر ربوا کا مسئلہ آگیا ہے حضرت مولانا نے اس کا ایسا لطیف ربط[۱] بتایا جو تفسیروں میں نہیں ملتا۔ مولوی احمد علی صاحب نے مجھ سے سُن کر اپنے حاشیئے میں نقل کر دیا ہے۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ربط آیات پر بحث کی اس قدر سرسری مضمون لکھتے ہیں کہ اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ نہ لکھتے۔ حضرت خود اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ کہ یہ مسئلہ اُن کا زیادہ وقت لیتا تھا۔

میں اس فن کی طرف قاضی ابوبکر بن عربی کا ایک مقولہ کتاب الاتقان میں پڑھنے کے بعد متوجہ ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ربط آیات کے تحت میں علوم جمہ مستنبط پائے۔ مگر لوگوں کو اس کا طالب نہ دیکھا اس لیئے توجہ ہٹالی[۲] میں خود تقریباً چالیس برس سے اس مسئلے پر غور کرتا رہا ہوں۔ عموماً ان مقاصد قرآنیہ کو پیش نظر رکھکر

---

[۱] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے نظارۃ المعارف دہلی میں اس آیت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا صحابہ کرام نے جب احد میں شہیدوں کی حالت زار دیکھی تو کہا لنربین۔ یعنی ہم زیادتی سے بدلہ لیں گے۔ اس پر خدا تعالٰے نے فرمایا کہ جب معمولی معاملوں میں تم ربوا اور زیادتی کو ناجائز قرار دے چکے ہو (جیسے سورہ بقرہ میں گزرا۔ ان الذین یاکلون الربوا لا یقومون الخ نور) تو یہاں پھر زیادتی کو کیسے جائز قرار دیتے ہو" اضعافا مضاعفۃ" کا یہ مطلب لینا کہ ربوا کھانا تو جائز ہے۔ مگر اضعافاً مضاعفہ حرام ہے۔ بالکل غلط ہی کیونکہ ربوا کی حرمت سورہ بقرہ میں صاف طور پر واضح کر دی گئی ہے۔ انتہی بکلماتہ الشریفۃ ۱۲

[۲] قال ابوبکر بن العربی فی سراج المریدین، "ارتباط ای القرآن بعضھا ببعض حتی تکون کالکلمۃ الواحدۃ متسقۃ المعانی ومنتظمۃ

جو شاہ صاحب کی حکمت میں معین ہوئے۔ ایک ایک سورت کو ایک خاص موضوع اور معین مضمون کے لیئے مقرر کرکے تسلسل قایم کرنے پر کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معانی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کرونگا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تشبث کے تحت میں ہوگا۔ بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولٰنا شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدین اور مولٰنا محمد اسمٰعیل شہید اور مولٰنا محمد قاسم کے کلام میں ملیگی شاذونادر باتیں ایسی ہونگی۔ جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں۔ میں ایسے موقع پر صراحۃً بتا دیا کرتا ہوں۔ کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے۔ مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں۔ اور انکی تقلید سے ابا نہ کریں۔

فصل (۱۲)

عام اہل علم قرآن شریف کے ساتھ سنت اور اجماع کو ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستنبط چیز مانتے ہیں۔ لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہا میں مروج ہے۔ بلکہ حکمت کے اصول پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علٰحدہ مقرر ہیں۔ "خیر کثیر"[۱۵] میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھدی ہے۔ اس طرح پر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے استقلال پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔

فصل (۱۳)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت عثمانؓ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) المبانی علم عظیم لم یتعرض لہ الا عالم واحد عمل فیہ سورۃ البقرۃ، ثم فتح اللہ لنا فیہ فلما لم نجد لہ حملۃ ورأینا الخلق باوصاف البطلۃ ختمنا علیہ وجعلناہ بیننا وبین اللہ ورددناہ الیہ ہ وقال غیرہ اول من اظہر علم المناسبۃ الشیخ ابو بکر النیشاپوری وکان یزری لعلماء بغداد بعدم علمہم بالمناسبۃ۔ وقال الشیخ ولی الدین الملوی قد وہم من قال لا یطلب للآی الکریمۃ مناسبۃ لانہا علی حسب الوقائع المتفرقۃ وفصل الخطاب انہا علی حسب الوقائع تنزیلاً وعلی حسب الحکمۃ ترتیباً وتاصیلاً فالمصحف علی وفق ما فی اللوح المحفوظ مرتبۃ سورہ کلہا وآیاتہ بالتوقیف کما انزل جملۃ الی بیت العزۃ ومن المعجز البین اسلوبہ ونظمہ الباہر والذی ینبغی فی کل آیۃ ان یبحث اول کل شیء عن کونہا مکملۃ لما قبلہا او مستقلۃ ثم المستقلۃ ما وجہ مناسبتہا لما قبلہا ففی ذلک علم جم وہکذا فی السور یطلب وجہ اتصالہا بما قبلہا وما سیقت لہ ہ قال الامام الرازی فی سورۃ البقرۃ ومن تامل فی لطائف نظم ہذہ السورۃ وفی بدائع ترتیبہا علم ان القرآن کما انہ معجز بحسب فصاحۃ الفاظہ وشرف معانیہ فہو ایض معجز بسبب ترتیبہ ونظم آیاتہ الا انی رأیت جمہور المفسرین معرضین عن ہذہ اللطائف والاسرار ہ اتقان ص ۱۰۸ ج ۲

[۱۵] انکی سند شاہ صاحب کی عبارت میں مجھکو نہیں ملی۔ حضرت نے فرمایا شاہ فوز کبیر میں ہو تلاش کرو۔ جمع ۱۲ [۱۵] دیکھو خیر کثیر ص ۸۵ وسیاتی تفصیل ذلک فانتظرہ ۱۲ نور الحق العلوی

(۳۵ھ) تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل "ازالۃ الخفا" میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا۔ اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو۔ شاہ صاحب اس دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل "ازالۃ الخفا[1]" میں موجود ہے۔ اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالٹکس کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی۔ اس پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیت میں "السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان اولٰئك الذين رضی اللہ عنهم و رضوا عنه"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول وفعل خدا تعالےٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا۔ اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لیئے قیامت تک مسلمانوں کے لیئے ضروری ہے۔ جو چیز اس زمانہ میں متعین ہوگئی۔ اس کو اسی شکل میں اور اسی معنے میں قایم رکھنا اتباع بالاحسان ہے۔ زمانے کے تغیرات سے جو نئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اس جماعت متبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہوگا یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے۔ اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے۔ یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا۔ لہذا اجماع قرآن سے علٰحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اجماعیات قرآنی اصول کے تشریحی بائیلاز ہوں گے۔ اس سے کوئی ترقی کن جماعت، جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے۔ خالی نہیں ہوسکتی۔ اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا۔ بلکہ قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا۔ اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ دہلوی ہیں[2]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا ص۵ و ص۱۲۱ و دیگر مواضع ۱۲

[2] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے ۱ر اگست ۱۹۳۹ء کو تفسیر سورۂ والنجم میں مجھ سے ارشاد فرمایا "علماء اصول فقہ لکھتے ہیں کہ اصول دین چار ہیں۔ کتاب[1] وسنت[2] واجماع[3] وقیاس[4]۔ درحقیقت یہ تعبیر صحیح نہیں۔ کیونکہ قیاس تو وہی معتبر ہے جو اصول ثلاثہ سے مستنبط ہو۔ باقی رہے تین اصول سو ہمیں بڑی محنت کے بعد معلوم ہوا کہ ساری سنت قرآن سے مستنبط ہے۔ خیر کثیر ص۸۶ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلثہ کے متفقہ فیصلہ کے بغیر کوئی عمل مستند نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی کے عہد میں خیر الامم سے مشورہ کا جوہر کھو گیا تھا لہذا اجماع کا مدار بھی کتاب وسنت پر ہوا۔ بنا علیہ اصل ہی فقط کتاب اللہ "ما ینطق عن الهوىٰ" ای ما ینطق بالقرآن عن الهوى۔ ہمارا رسول دین کے معاملہ میں کوئی ہوائی کی بات نہیں کہتا۔ ذاتی خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور دین قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے۔ یہاں ینطق سے

باب سوم۔ علم حدیث

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں۔ مگر انبیاء کے حصولِ استنباط کو ائمہ فقہاء کے

(بسلسلہ صفحہ سابق) مطلق نطق مراد رکھ کر وحی متلو اور غیر متلو کو ملا دیا گیا ہے۔ ہمارے یہاں یہ پسندیدہ نہیں بلکہ مطلق نطق بالقرآن مراد ہے۔
واضح رہے کہ جب اساسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قانون اساسی غیر متبدل ہوتا ہے اور تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم سُنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء ثلثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔ خلافت عثمانیہ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا کہ تمام کام مشورے سے کیے جائیں۔
[**تنبیہ**] واضح رہے کہ ارشاد "شاورھم فی الامر" میں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے جن لوگوں نے امر استحبابی بنایا ہے۔ اُن کی تغلیط امام ابوبکر جصاص رازی (متوفی ۳۷۰ھ) کی تفسیر "احکام القرآن" میں مفصلاً موجود ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت اس قرآن پر عمل کرنے کیلئے اولیں بار پیدا ہوئی جن کو "السابقون الاولون من المھاجرین والانصار" کہا جاتا ہے ان کے مشورہ سے قانون تمہیدی بنانا یہ سُنّت ہے سنت کو ہمارے فقہاء حنفیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے اور یہ سنت قرآن ہی سے پیدا ہوگی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو بائیلاز کہا جاتا ہے۔ جیسے "تعزیرات ہند" اصل ہے اور "ضابطہ فوجداری" بائیلاز۔ اول قانون ہے اور دوسرا اُس کی تفصیل ہے (اجماع) مشورہ سے کثرت رائے سے بحث کر جو فیصلہ ہو وہ اجماع ہے [**فائدہ**] سنت کا نازل درجہ یہ ہے کہ حضور نے کچھ ارشاد فرمایا، یا کہا۔ اور سب نے اُس کو تسلیم کر لیا۔
(قیاس) اپنے زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر بائیلاز تیار کر لینا یہ قیاس کہلاتا ہے۔ حضرت عثمان کے بعد بائیلاز تیار کرنے والے حضرات کو "والذین اتبعوھم باحسان" کہا جاتا ہے۔ اصل قانون اساسی متعلق ہے۔ بائیلاز اُس وقت اور تھے اس وقت اور ہوں گے جنہیں زمانہ کے اقتضاآت کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہونگی نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے متعلق تفصیلی احکام کا استخراج ہوگا اور اس کا نام فقہ ہے۔ ان ھو الا وحی یوحی، ان ھو ای القران ھ فتح الرحمان۔ بعض حضرات "ھو" کی ضمیر آنحضرت کے مطلق نطق کی طرف راجع کرتے ہیں۔ تاکہ حدیث شریف بھی اس میں داخل ہو جائے۔ بے شک احادیث صحیحہ وحی غیر متلو ہیں۔ مگر اس حصہ کو آیت کے مفہوم میں داخل کرنے سے بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ استنباط حضور ملحق بالوحی ہے۔ اس کو وحی باطنی کہا جاتا ہے۔ یہی وحی باطنی صوفیہ میں بطور الہام موجود ہے۔ اور یہ وحی باطنی اقامت قرآن کے لیے کام آتی ہے۔ ۱۲

[۱] یہ تصریح مجھے نہیں ملی ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

اصول فقہ سے علحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر[۵۱] میں فرماتے ہیں: "میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیا کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے، سطعات[۵۲] میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ

---

[۵۱] خیر کثیر کی عبارت حسب ذیل ہے: "ومن علوم الحدیث تفسیر القرآن والاستنباط منہ۔ وھو اعظم العلوم و سنورد علیک منہ کفافاً۔ امر اللہ سبحانہ باشیاء مطلقۃ کالصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ وکقولہ سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ وسبح بحمد ربک وغیر ذلک۔ فوقتہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باوقات معینۃ۔ وامر باموِر کقوموا، وکبروا، واتل ما اوحی الیک، وارکعوا واسجدوا۔ فبین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہا ارکان الصلوٰۃ۔

واقسم باموِر کالفجر۔ والضحیٰ، واللیل اذا سجیٰ۔ والشفق، ولیال عشر۔ فاستنبط منہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہا اوقات الصلوٰۃ۔ علی تفصیل ذکر فی کتب الاحادیث۔

وسبح نفسہ فی اوقاتٍ وحمد نفسہ فی اوقاتٍ فذکر ان المراد الصلوٰۃ السریۃ والجہریۃ وبالجملۃ۔ فہذا طریق استنباطہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ ونحن قد تتبعنا جمیع ما وصل الینا من الاحادیث الواردۃ فی کتاب الصلوٰۃ، فوضح لنا انہا مستنبطۃ کلہا من کتاب اللہ استنباطاً حکمیاً۔ وعسی ان نخبطہ فی رسالۃ منفردۃ ہ خیر کثیر ص۰ ۱۲

[۵۲] قال الامام ولی اللہ۔ در نفس پیغمبر برکات الٰہی از دو میزاب مے ریزد (میزاب اول) از دریائے تشریع، چنانکہ حقیقت او را در اقسام ہفت گانہ بیان کردیم [دیکھو ص۱۱ سطعہ ص۱۵۔ نور] میزاب دوم] از دریائے ستر کلام و تعیین صنعی ازاں منزل برقلب پیغامبر قرآن باشد۔ اگر میزاب اول پیش دستی کرد و میزاب ثانی تخلف نماید آں حدیث قدسی باشد و آنکہ میزاب کلام پیش دستی نماید و میزاب تشریع تخلف کند محتمل غیر واقع است۔ وکتب الٰہی پیش از قرآن ہمہ بروش حدیث قدسی بودہ اند۔ الا ما شاء اللہ۔ لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند۔ انما کان ینزل علی النبی ما مثلہ آمن علیہ البشر الحدیث۔ دو چیز لازم کتاب الٰہی است یکی برکات ملکوت و استحسان ملاء اعلیٰ و رضائی ایشاں از ہر کہ آں کتاب را خواند و در ترویج آں کوشد۔ دیگر بقائے آں کتاب علی ممر الدہور والاعصار۔ و توفیق یافتن امت حفظ آں را۔ اگر ایں دو معنی متخلف شود آں کتاب الٰہی نخواہد بود بلکہ صحیفہ فردے از افراد بشر کہ بہ ارادہ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔ مانند صحیح بخاری و صحیح مسلم در امت ما ہ سطعات طبع جدید ص۱۶ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ۔ العلوی شب ۲۱ اپریل ۱۹۴۰ء

مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں۔ چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا۔ عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں۔ جو اس نبیؑ کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معنیً مقرر ہو کر نازل ہوئی (جیسے تورات کے احکام عشرہ۔ یا انجیل کے بعض خطبات) نیز وہ چیز بھی آجاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے) ہماری اُمت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں[1]

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ سے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے۔ ہمارے علماء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے۔ اور اُن کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الٰہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں، اس لئے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ بُرا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا اُس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علماء عاجز آگئے۔ محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصلہ رفع ہو جاتا ہے۔

سورۂ والنجم کی آیت ”ان ھو الا وحی یوحیٰ“ کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے:-

(۱) شاہ صاحب کے طریقے پر تحقیق یہ ہے کہ ضمیر ”ھو“ قرآن کی طرف راجع ہے۔ اور ”ما ینطق عن الھویٰ“ میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے اُن کے نزدیک ”وما ینطق عن الھویٰ“ قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ”وما ینطق عن الھوے“

---

[1] ”الفرقان“ — غالباً شاہ صاحبؒ کی یہ تمثیل صرف نوعیت تنزیل اور طریقہ جمع و تالیف کے لحاظ سے ہے اور یقیناً بالکل صحیح ہے، ورنہ جس شخص نے بائبل بالخصوص ”عہد جدید“ کو بغور دیکھا ہے اور ان ”کتب مقدسہ“ کی تاریخ پر جس کی نظر ہے اُس کے نزدیک ان کی روایتی حیثیت صحیحین کیا معنی ”معاجم طبرانی“ جیسی کتابوں کے برابر بھی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب کی اس تحقیق سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جس کا ذکر مولانا نے آئندہ سطور میں کیا ہے۔ کما لا یخفےٰ علے المتبصر المتیقظ ۱۲

م

میں داخل ہے۔ اور اسی کو "ان ھو الا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ فقط الفاظ کا فرق ہے۔ قرآنی الفاظ وحی سے معین ہوئے۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں۔ مگر معانی سب کے سب وحی ہیں۔

(۲) پھر اُن کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے۔ کہ قرآن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہً محفوظ کر دیا گیا۔ اور اُس کی روایت بالتواتر قایم رہی۔ لیکن حدیث میں جو وحی آئی اُنکی نزدیک بھی، نہ تو حضور کے زمانے میں اُس کی کتابت ہوئی اور نہ اُس کے لیے تواتر ضروری ہے۔

ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جائے تو بطریق اولے اس کو مستند نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

(۱) ہمارے کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں (۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے (۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علما درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین، ابو داود، ترمذی) کے درجہ پر رکھدیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔[۱]

میں نے انجیل کی شرح (مسٹر جنری اسکاٹ) کی اُردو میں مطالعہ کی اُس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اُسی طرح جمع کرنے، اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں۔ اُس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموماً ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولنا رحمت اللہ مہاجر مکی نے "اظہار الحق" میں اس کو بڑی شد و مد سے ثابت کیا ہے۔ کمزور ہونے لگا۔ اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ دہلوی، اُن کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم

---

[۱] "الفرقان" اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ کے درجہ میں رکھنے کا اگر یہ مطلب ہو کہ انکی جمع و تالیف اس انداز سے ہوئی ہے جس طرح کہ صحاح اربعہ کی، تو بے شک قابل قبول ہے۔ لیکن اگر روایتی استناد میں مساوات مراد ہو تو اس کے لیے بہت سے ناقابل شک حقائق و واقعات سے چشم پوشی کرنا پڑے گی۔ ہاں تورات کا حال بہ نسبت، اناجیل کے ضرور کچھ غنیمت ہے لیکن صحاح اربعہ کے درجہ میں تو اس کو بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ ۱۲

کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ لے آئیں۔ جب سطعات میں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا تصریح پڑھی تو اطمینان کا سانس لیا۔

فصل (۳)

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئیں۔ پہلی قسم وہ ہے جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں۔ دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات کے ساتھ غیر صحیح روایات بھی لکھی گئیں۔ مگر تصریح کر دی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں[۱]۔ پھر ان مصنفات کی روایت کا سلسلہ بھی یکساں قایم نہ رہ سکا۔ بعض صحاح ایسی ہیں جو تواتر کے قریب پہونچ گئیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو مشہور اور مستفیض کے درجے پر رہیں۔ اس فرق کو ملحوظ رکھ کر شاہ صاحب نے کتب احادیث کے طبقات مقرر کر دیئے۔

طبقۂ اولیٰ میں موطا مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم کو رکھا۔ طبقہ ثانیہ میں سنن ابوداؤد۔ جامع ترمذی سنن نسائی مقرر کی، ان چھ کتابوں کے ماسوا باقی طبقات میں کئی دہائیاں اور کئی سیکڑے کتب ملیں گی۔ شاہ صاحب کے نزدیک وہ سب قابل احتجاج نہیں ہیں۔

اس طرح شاہ صاحب نے علم حدیث میں ایک نئی روح پھونک دی شیخ الاسلام ابن حجر اور سیوطی کے زمانے سے جو غیر محققانہ طریقہ اہل علم پر غالب آرہا تھا اس نئی روح نے اس کو مغلوب کر دیا۔

میں نے شیخ عبدالحق، محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) کے مقدمہ مشکوٰۃ میں جب یہ مضمون دیکھا کہ پچاس[۲] کے قریب حدیث کی کتابیں ہیں۔ جن میں صحیح اور غیر صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور شیخ نے اُن سب کو ایک درجے پر رکھا ہے وہ صحاح ستہ میں بھی غلط روایات کا اختلاط اُسی طرح مانتے ہیں جس طرح باقی کتب میں۔ تو میرے دماغ پر

---

[۱] قال الامام فی حجۃ اللہ البالغۃ۔ فان ایراد الضعیف مع بیان حالہ لایقدح فی (صحتہ) الکتاب انتہی ص۲۰۵ ج۱ ۱۲

[۲] حضرت مولانا الشیخ کتاب "التمہید فی ائمۃ التجدید" میں لکھتے ہیں۔ اشاعۃ الحدیث فی الملۃ الہندیۃ انما کانت بعد الالف الثانی لما جاء الشیخ عبدالحق الدہلوی فی ابتداء المائۃ الحادی عشر۔ واقام فی دہلی، وعلّم ودرّس نحو خمسین سنۃً [طریقۃ الشیخ] وطریقۃ الشیخ عبدالحق مبنیۃ علی [الف] الانتصار لمذہب الفقہاء الحنفیۃ [ب] والانتصار لائمۃ طرق التصوف لاسیما القادریۃ والنقشبندیۃ [ج] وعدم التعرض للسلاطین والملوک فی سیاستہم مع عدم الاختلاط بہم۔ فان کانت رسوم الناس موافقۃ للسنۃ فبہا ونعمت، وان کانت المخالفۃ قلیلۃ فیؤول ویؤلف، وان کانت واضحۃ فالجہر بالانکار، بل یقرر الحدیث علی حقیقتہ عمل المتاخرین بوجہہ باختلاف المصالح لاختلاف الزمان، ولولا ذلک لما انتشر شیوع الحدیث فی الذین اقتنع بہ اشیاعہم ولاتالف اذہانہم منذ اربع مائۃ سنۃ۔ بل من ستمائۃ سنۃ [وکان الباعث] الجلب

ایک پریشانی طاری ہو گئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ یہ سب کتابیں مجھے کسی کتاب خانہ میں یکجا ملیں۔ اُن کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کی جو تحقیق ثابت ہو اس پر اعتماد کیا جائے۔ خالی پانچ کتابیں پڑھ لینے سے کیا ہوتا ہے! اسکے بعد میں متون مذکورہ بالا کی فراہمی میں لگ گیا مگر بہت جلد اپنے آپ کو اس سے عاجز ماننے لگا۔

مجھے حضرت مولٰنا شیخ الہند قدس سرہ نے اس قسم کی تشویش سے نجات دلانے کے لیے مشورہ دیا کہ میں حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ جاری رکھوں۔ لیکن سندھ جانے سے پیشتر مجھے ایسا موقع دستیاب

[بسلسلہ صفحہ گزشتہ] النظر من عامۃ المحصلین الی طریقۃ الشیخ عبدالحق امورا۔ منها۔ ان الشیخ لایذعن بحکم المحدثین بحصر الاحادیث الصحیحۃ علی الاغلب فی الکتب الخمسۃ، بل یتبع الشیخ کمال الدین ابن الہمام فی تسویۃ جمیع کتب الحدیث مع البخاری ومسلم فی الاحتجاج باحادیثها، اذا کان رجالها مثل رجال الصحیحین، وبذلک یتسع نطاق البحث للحنفیۃ والا فاحادیث الکتب الخمسۃ اکثرها مخالفۃ للمذهب الحنفی فی زعمهم۔ ومنها۔ انه یستخرج الاحادیث من مجموعات جلال الدین السیوطی، کالجامع الکبیر، والدر المنثور لانتصار المذهب الحنفی۔ ولذلک یاتی الشیخ عبدالحق بتلخیص ماذکره الفقهاء المحدثون مثل العینی وابن الهمام واتباعهما، لتائید المذهب الحنفی۔ ومنها انه یخترع القواعد لتصحیح الاحادیث التی یستدل بها الحنفیۃ۔ ونذکر لذلک مثالاً من کتابه "اللمعات" قال فی باب التیمم۔ اعلم ان الاحادیث وردت فی الباب مختلفۃ متعارضۃ جاء فی بعضها ضربتان۔ وفی بعضها ضربۃ واحدۃ، وفی بعضها کفان، وفی بعضها الی المرفقین۔ والاخذ باحادیث الضربتین والمرفقین اخذ بالاحتیاط (فان قلت) التعارض علی تقدیر ان یکون الاحادیث متساویۃ المرتبۃ والمحدثون حکموا بان احادیث الضربتین والمرفقین غیر مذکورۃ فی الصحاح (قلت) عدم ذکرها فی الصحاح محل بحث، کما نقلناه من الحاکم والدارقطنی۔ علی۔ ان عدم صحتها وقوتها فی زمن الائمۃ الذین استدلوا بها محل منع اذ یحتمل ان یطرق الوهن والضعف من جهۃ لین الرواۃ الذین رووها بعد زمان الائمۃ۔ فالمتاخرون من المحدثین الذین جاءوا بعدهم رووها فی السنن دون الصحاح۔ ولا یلزم من وجود الضعف فی الحدیث عند المتاخرین وجوده عند المتقدمین مثلا رجال الاسناد فی زمن ابی حنیفۃ کان واحد من التابعین یروی عن الصحابۃ، او اثنان او ثلثۃ ثم روی ذلک الحدیث من بعده من لم یکن فی تلک الدرجۃ۔ فصار الحدیث عند علماء الحدیث مثل البخاری ومسلم والترمذی وامثالهم ضعیفاً ولا یضر ذلک فی الاستدلال به عند ابی حنیفۃ۔ فتدبر فانه نکتۃ جیدۃ۔ انتهی (قلت) ویظهر ضعفها لمن اتقن فنون الحدیث من النظر فی مبادی السند واعتبار المتابعات والشواهد باوصاف الثقات۔ انتهی عبارۃ التمهید ۱۲　　محمد نورالحق غفرلہ العلوی

نہ ہو سکا۔ طبقات[1] مذکورہ کی بحث جب "حجۃ اللہ"[52] میں مجھے سمجھ آئی۔ اور معلوم کیا کہ اصل قابل اعتنا فقط چھ کتابیں ہیں، جو پہلے اور دوسرے طبقے میں بیان ہو چکی ہیں تو طبیعت سے تمام بوجھ جاتا رہا۔

جن محدثین نے غیر صحیح احادیث جمع کر کے، (الف) ان کی عدم صحت کی تصریح کر دی (ب) پھر اُن کا فیصلہ بھی اہل علم کے نزدیک مسلم ہے (ج) مزید اس کے اُن کی کتابیں اہل علم میں رواج پذیر بھی ہیں۔ ان تین خصوصیات والی کتابوں کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ اُن کتابوں کے درجے پر نہیں لانے دیتے، جو خصوصیات مذکورہ بالا سے یکسر عاری ہیں۔ عام اہل علم اس دقیقے پر متنبہ نہیں ہو سکے۔ اور پچاس کتابوں کو مساوی درجے پر ایک فہرست میں درج کر گئے۔

شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ" کا یہ مضمون شاہ عبدالعزیزؒ نے زیادہ تفصیل اور توضیح سے عجالہ نافعہ[53] میں درج

---

[1] [نکتۃ فی طبقات کتب الحدیث] (الف) قال النووی فی "التقریب"، اول مصنف فی الصحیح المجرد صحیح البخاری ثم مسلم، وھما اصح الکتب بعد القرآن۔ والبخاری اصحھما واکثرھما فوائد واختص مسلم بجمع طرق الحدیث فی موضع واحد (والصواب) انہ لم یفت الاصول الخمسۃ من الصحیح الا الیسیر اعنی الصحیحین وسنن ابی داؤد والترمذی والنسائی (ب) قال السیوطی فی "تدریب الراوی" منکرا الحصر الصحیح فی الاصول الخمسۃ، ان فی مجمع الزوائد، وغیرہ من کتب الحدیث یوجد صحیح کثیر (قلت) وھل تقدر علی الجمع بین قول الامام النووی "والصواب انہ لم یفت الاصول الخمسۃ الا الیسیر"، وبین قول السیوطی "ان فی مجمع الزوائد وغیرہ یوجد صحاح کثیرۃ" الآن تقول ان الاول قول المحققین والثانی قول الوراقین المتعمقین قال الامام ولی اللہ فی "قرۃ العینین"، جمعے کہ ناظر اند در علم حدیث بطریق وراقیت۔ نہ بطریق اجتہاد و تحقیق۔ از استاد ان محقق حدیث رانہ گرفتہ اند سوفسطائیہ ملت مصطفویہ گشتہ اند۔ نہ تقلید سلف را محکم کردہ ونہ طریق اجتہاد وتحقیق را استوار نمودہ اندھ وما رأینا فی طبقات کتب الحدیث کلاما اتقن من کلام الامام ولی اللہ فی حجۃ اللہ البالغۃ ثم شرحہ الشیخ عبد العزیز فی "العجالۃ النافعۃ"، ثم شید ارکانہ مولانا محمد قاسم الدیوبندی فی ھدیۃ الشیعۃ"، بالدلائل العقلیۃ۔ فیتبین منہ ضعف رای ابن الھمام الذی یبطل الطبقات بالکلیۃ وکذ ضعف رائے السیوطی الذی لا یفرق فی الطبقۃ الثانیۃ والثالثۃ والرابعۃ۔ ویظھر منہ ان الذین لا یتقنون الحدیث من المحدثین والفقہاء ھم مثل السوفسطائیۃ من الحکماء ھ کتاب التمہید ۱۲

[52] دیکھو حجۃ اللہ۔ طبع مصر صفحہ ۲۰۵ بعد ۱۲

[53] ملاحظہ ہو عجالہ نافعہ صفحہ ۴ بعد ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ۔ العلوی

کر دیا ہے۔

مولانا محمد قاسم کی شان

مگر دونوں کتابوں میں یہ مضمون ایک وجدانی فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ہر دو بزرگوں نے کوئی عقلی دلیل اس پر قایم نہیں کی۔ بلکہ محققین اہل علم کا اتفاق اس معاملہ پر کافی سمجھا گیا ہے۔ ابتدا میں ایک حد تک میری دماغی تڑپ کو پورا کرنے کے لیئے یہ امر کافی تھا۔ مگر میں اس سے زیادہ توضیح و توثیق کا خواہشمند تھا۔

اتفاقاً میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کا رسالہ "ہدیۃ الشیعۃ" مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں مولانا نے شاہ صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کو عقلی طور پر مدلل کر دیا۔ اس طرح علم حدیث کی تنقید جو شاہ صاحب نے قایم کی تھی۔ ہمارے لیئے قابل استفادہ ہو گئی۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

اوّل بطور تنبیہ گزارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں۔ جھوٹے سچے، معتبر غیر معتبر فہمیدہ غیر فہمیدہ، ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) ملحدان بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے، اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دی ہیں اور اُن میں اپنی واہیات سیکڑوں بھر دی ہیں۔

(۲) اور جو کتابیں کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں، اُن میں بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ لوگوں کی فیض رسانی کے لیئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں تاکہ نظر ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں۔ اور اتفاق سے نظر ثانی کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے ہاتھ پڑ گئیں۔

(۳) اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کم یاب اور بدرجہ غایت نادر الوجود بلکہ مفقود ہیں۔ اور ملحدوں اور مبتدعوں کے وہ ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں اُن میں داخل کر دی ہیں۔ یا اہل سنت کے مقابلہ کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ تاکہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سو اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں، اور ایسی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اسلیئے اہل حق کو لازم ہے کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنیں تو اول تو یہ دریافت کریں کہ یہ روایت اُس کتاب میں ہے کہ نہیں۔ دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کریں کہ معتبر ہے کہ نہیں،

فصل ۲

اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبائع محزونہ کے لئے فقط قصہ گوئی، اور افسانہ خوانی، مدنظر نہ ہو۔ بلکہ واقعات واقعی سے مشتاقوں کی تسکین کیلئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو۔ ورنہ چاہیئے کہ "بہار دانش"[1] اور "بوستان خیال" کے افسانے اور "چہار درویش" اور "بکاؤلی" کی کہانیاں، اور "فسانہ عجائب" اور "فسانہ غرائب" کے طوفان سب کے سب دستاویز خاص وعام ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مصنف کتاب کسی کی رو رعایت۔ اور کسی کی بغض وعداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار، اور صدقِ گفتار اس درجہ مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک وشبہ نہ ہو۔ ورنہ طومار کے طومار اخباروں کے جولڑکیوں کی باتوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور ان کے غنیموں کی بزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں بالاتفاق مسلم ہو جائیں۔ اور شیعہ سنیوں کی، اور سنی شیعوں کی سندیات پر سر وچشم رکھنے لگیں۔ اور ہر کس وناکس کی بات قبول کرنے لگیں۔ اور یہ فرق قوت وضعف حفظ، وتفاوت صدق وکذب، اور علیٰ ہذا القیاس یہ تہمت رو رعایت اور کینہ وعداوت ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری یہ کہ مصنف کتاب، باوجود صدق ودیانت اور حفظ وعدالت کے اس فن میں جس کی وہ کتاب ہے دستگاہ کامل رکھتا ہو۔ اور ملکہ کما ینبغی۔ نہ یہ کہ دین میں مثلاً "نیم ملا" ہو جس سے خطرہ ایمان ہو۔ یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو۔ کہ بیماروں کو خطرۂ جان ہو۔

چوتھی یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائط مذکورہ کے قدیم سے مشہور ومعروف اور اسی قسم کے لوگوں کے واسطے جو مجموعہ اوصاف مرقومہ ہوں۔ دست بدست ہم تک پہونچی ہو۔ ورنہ لازم کیا الزم تھا کہ انجیل وتوریت جو کلام ربانی ہیں۔ اور اس خدا

---

[1] اس کتاب کا مصنف شاہجہانی عہد کا اچھا عالم ہے۔ شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے۔ جب مولف اس کتاب کو شاہجہان مرحوم کے پاس لے گیا تو شاہ نے صرف ایک روپیہ انعام دیا اور فرمایا۔ کہ یہ کاغذ کی قیمت ہے ٥
مولانا عم فیضہم ۱۲ محمد نورالحق

کی تصنیف ہیں جو بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا۔ مجموعہ صفات کمال، اور معدن جملہ کمالاتِ جلال وجمال ہے۔ اعتماد و اعتبار میں ہم پلہ قرآن مجید اور فرقان حمید کو ہو جائے۔

پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو۔ کہ بجز صحیح روایتوں، اور محقق حکایتوں کے، اور اپنی کتاب میں درج نہ کرونگا۔ جیسے صحاح ستہ کہ اُن کے مصنفوں نے یہ شرط کر لی ہے کہ بجز صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اسی واسطے اُن کتب کا نام صحاح ستہ مشہور ہو گیا۔

فصل (۳)

سو اگر کوئی کتاب کسی بیاض کی ہو کہ اس نے اُس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں، اور صحیح وغلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کر لی ہیں کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح صحیح کو قایم رکھ کر، باقیوں کو نقل کے وقت حذف کر دونگا جیسا امام بخاری اور مسلم نے کیا۔

یا صحیح کو صحیح بتلا کر، موضوع۔ یعنی بنائی ہوئی باتوں، اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف وغیرہ کو لکھ کر اُس کے بعد لکھ جاؤنگا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا۔ لیکن اتفاقات تقدیر سے اُن کا یہ ارادہ پیش نہ گیا۔ اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آدبایا۔ تو ایسی روایات کا ہر گز اعتبار نہ ہوگا۔

ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا۔ خود امام بخاری سے بہت سی سندوں سے منقول ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالی ہیں۔

اور عبدالرزاق[1] بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی تھی اور ان کو چھانٹ کر بخاری کا مسودہ کیا تھا۔

---

[1] امام ولی اللہؒ مصفّٰی، میں فرماتے ہیں: امام مالک در موطا قریب دہ ہزار حدیث جمع کردہ بود۔ بعد ازاں روز بروز نظرے کردہ ازاں کم مے ساخت تا ایں قدر باقی ماند ھ ص ۱/۱ ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ ۲۲ راپریل ۱۹۴۰ء

بہرحال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہی سو اگر اتفاق سے امام بخاری مثلاً بعد فراہمی بیاض کے قبل اس کے کہ بخاری شریف کی حدیثیں اُس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں۔ اس دار فانی سے کوچ کر جاتے تو وہ بیاض امام بخاری کی تصنیف سمجھی جاتی۔ لیکن کوئی بتلائے، تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہو جاتی؟

سب جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس صورت میں خود امام بخاری ہی اس بات کو گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابل اعتبار نہیں۔ پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہان میں کوئی اُس کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔

غرض اگر کوئی اس قسم کی کتاب کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو۔ گو وہ کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو۔ اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ تو وہ کتاب کسی طرح علما کیا، جہال کے نزدیک بھی بہ شہادت عقل قابل اطمینان نہیں

انتہی کلماته الشریفة بحوالهٔ کتاب التمہید۔[1]

شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کے ارشادات کے بعد علم حدیث تنقید شاہ صاحب نے قائم کی تھی ہمارے لئے قابل استفادہ ہو گئی۔

یہ تھا تذکرہ پہلے اور دوسرے طبقہ کا۔

فصل (۳)

شاہ صاحب نے تیسرے، چوتھے، اور پانچویں طبقے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے

(الف) یا تو اُن کے مصنف ملتزم الصحۃ نہیں

(ب) یا اُن کی روایت منقطع ہو گئی ہے یعنی کاتبوں کی بلا تصحیح نقل پر نسخوں کا انتشار تو ہوتا رہا مگر محدثین نے اپنے مشائخ سے پڑھکر، اُس نسخہ کو صحیح کیا ہو۔ پھر اس طرح تسلسل قائم رہا ہو کہ ہمارے زمانہ تک

---

[1] کنت قرأت تعیین طبقات کتب الحدیث فی العجالۃ وانا فی دیوبند او قرأت ذلک المبحث فی حجۃ اللہ البالغۃ۔ لکن ما حصل لی الانشراح فی فہم المسئلۃ الا بعد ما قرأت ما قررہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم فی ہدیۃ الشیعۃ، ھ کتاب التمہید ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

صحیح شدہ نسخے محفوظ طور پر مل سکیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ ایسے نسخے قابل اعتماد نہیں ہوں گے۔

(ج) اُن کے سوا بعض ایسے محدثوں نے بھی کتابیں تصنیف کیں جن کی لیاقت علمی بھی مسلم نہیں ہے متاخرین محدثین نے۔ جن کی ابتدا ابن السبکی [حافظ تاج الدین عبدالوہاب متوفی ۷۷۱ھ] سے ہوئی اور حافظ عراقی [عبدالرحیم بن حسین متوفی ۸۰۶ھ] اور ابوالحسن ہیثمی [علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ] اور ابن حجر عسقلانی کے توسط سے سیوطی پر خاتمہ ہوا۔ ان غیر معتمد کتابوں کی روایتیں زوائد کے نام سے جمع کردیں جس سے علم حدیث میں فتنے کا دروازہ کھل گیا اس ذخیرہ میں کافی سے زیادہ روایتیں ایسی موجود ہیں جن کو دوسرے طبقے کا مصنف ضعیف قرار دیتا ہے۔ اور ان طبقات میں پہونچکر۔ ان متاخرین کی نزدیک وہ حدیث متواتر بن جاتی ہے۔

ہم نے کئی سال کی محنت سے شاہ صاحب کے طبقات کو استقرا کر کے یقین حاصل کیا۔ گو عقلی دلائل سے مولانا محمد قاسم نے ہمیں مطمئن کردیا تھا مگر ہم نے اس کے ساتھ، محدثین کی جو کتابیں مل سکتی ہیں اُن میں عمل استقرا بھی جاری رکھا تو شاہ صاحب کے اس نظریہ پر [کہ پہلے اور دوسرے طبقے کی حدیثیں ہی صحیح ہیں] پورا اطمینان حاصل ہوا۔

مثال کے طور پر صحیح حدیث میں آیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ افضل الاعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "الصلوٰۃ لوقتھا" اس جملے کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ وقت سے نماز کو موخر نہ کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اول وقت میں نماز ادا کی جائے۔ بلکہ بعض اوقات آخر وقت میں نماز ادا کرنا زیادہ مستحب مانا جاتا ہے۔ کما ثبت عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "ابردوا بالظھر الخ" اس کے مقابل بعض روایتوں میں افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتھا" آیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کی تضعیف کردی۔ اب مستدرک حاکم کو دیکھیئے۔ وہ اسی جملہ مضاعفہ کو تیس چالیس سندوں سے روایت کرتا ہے۔ ایک غیر محقق عالم اس کثرت اسانید سے متاثر ہوکر اُس کی صحت یا اُس کے درجہ شہرت اور تواتر پر یقین کرنے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔ ہم نے حاکم کی ان روایات کی تنقید "فتح الباری" کی امداد سے شروع کی تو ان میں سے ایک اسناد بھی صحیح نہ نکلی۔

ان متاخر محدثین نے ائمہ متقدمین پر تصحیح احادیث میں پورا اعتماد نہیں کیا۔

واضح رہے کہ ائمہ تنقید کے طبقات تین ہیں۔

(طبقہ اولیٰ) شعبۃ بن الحجاج (متوفی ۱۶۰ھ) سفیان بن سعید ثوری (متوفی ۱۶۱ھ)

(ثانیہ) یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) عبدالرحمان بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ)

(ثالثہ) یحیی بن معین، متوفی ۲۳۳ھ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

ان کے بعد ائمہ فقہ الحدیث کو چار طبقوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(طبقۂ اولی) سفیان ثوری امام مالک بن انس

(ثانیہ) عبداللہ بن المبارک امام شافعی

(ثالثہ) امام اسحق بن ابراہیم راہویہ امام احمد بن حنبل

(رابعہ) امام بخاری امام ابوداؤد

ان کے بعد ائمہ مصنفین کے طبقے آتے ہیں:-

طبقہ اولیٰ۔ امام بخاری، اور ابوداؤد

طبقہ ثانیہ۔ مسلم و ترمذی۔نسائی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ان حضرات پر تصحیح احادیث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد محدثین کی خدمات دو قسم ہیں:-

اول یہ کہ ان کتابوں کی خدمت کریں جن کا تعلق طبقہ اولیٰ و ثانیہ سے ہے مثلاً اُن کے اسماء الرجال لکھیں۔ اُن کی فقہ پر بحث کریں۔ اُن کی تائید میں طرق جمع کریں۔ اُن کی غلطیوں پر متنبہ کریں کیونکہ تھوڑی تھوڑی غلطیاں ہر مصنف سے ہوتی رہیں۔حتیٰ کہ امام بخاری جو سب سے زیادہ متقن مانے جاتے ہیں اُن کی کتاب میں حافظ ابن حجر چالیس کے قریب ایسی حدیثیں مانتے ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں۔اور حافظ صاحب کے پاس بھی ان کا کوئی حل نہیں ہے۔مگر جن ائمہ کی کتب پر اس طرح کی تنقید عمل میں آئی۔اور اُنکی غلطیاں محدود اور معین ہو گئیں۔ان کی کتابوں سے استفادہ کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

۱؎ امام ابوداؤد کو طبقہ اولیٰ میں اور امام مسلم کو طبقہ ثانیہ میں دیکھ کر کسی صاحب کو سہو قلم کا شبہ نہ ہو فی الحقیقت طبقہ کے لحاظ سے امام ابوداؤد امام مسلم سے مقدم اور امام بخاری کے ہم طبقہ ہیں اگرچہ ان کی کتاب سنن ابی داؤد کا درجہ امام مسلم کی صحیح کے بعد ہے۔لیکن مصنفات کی ترتیب بدلجانے سے ان کے ذاتی تقدم پر کوئی اثر نہیں آتا۔اپنے زمانے کے اکابر میں امام احمد اور امام اسحق گنے جاتے ہیں ان کے بعد امام احمد کی جگہ ابوداؤد نے اور امام اسحق کی جگہ امام بخاری نے لی۔ ۱۲ منہ عم فیضہ

۲؎ یوں تو حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری میں سو کے قریب معلل روایتیں نکالی ہیں۔پھر اُن خدشات کے جوابات بھی بیان کیئے ہیں۔مگر چالیس کے قریب روایات کا ضعف اُن کے نزدیک اس درجہ کا ہے کہ بہ اعتراف حافظ اُس کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا ۱۲

محمد نورالحق العلوی غفرلہ ۲۲ اپریل

اس قسم اوّل) کی طرح حدیث کی خدمت کرنے والے ائمہ محدثین، ہمارے اساتذہ تک پائے جاتے ہیں۔ قسم دوم وہ محدثین ہیں جو علم حدیث میں جدت پیدا کرکے نئی تصانیف پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تمام کتابیں اس قابل نہیں کہ ان سے کوئی دینی مسئلہ اخذ کیا جائے۔ ان میں جو نئی روایتیں ملیں گی وہ عموماً وہی ہونگی جن کو پہلے ائمہ نے غیر صحیح سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح کی بے احتیاطی نے علم حدیث کو بجائے مفید ہونے کے ایک طرح مضر بنا دیا۔ اس دوسرے (جدّت پسند) طبقے کی تصانیف میں وہ تمام نقائص پائے جاتے ہیں۔ جو اہل کتاب کی روایتوں میں ہمارے علما کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔

ہم نے حافظ ذہبی (شمس الدین محمد بن احمد متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ، اور حافظ ابو الحجاج مزی (یوسف بن زکی متوفی ۷۴۲ھ) کے زمانہ تک علما میں تنقید کا مادہ واضح طور پر پایا ہے، اس زمانہ تک پہلی صنف کے عالم (یعنی محفوظ و صحیح کی خدمت کرنے والے) دوسروں سے ممتاز چلے آئے ہیں لیکن ابن السبکی سے لے کر پھر دونوں قسم کے علما میں اختلاط پایا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اس طرح شاہ ولی اللہ تک ممتد ہے۔ شاہ صاحب نے پھر تمیز پیدا کر دی۔ اور محققین کے اس طریقے پر چلنے والی ایک مستقل جماعت تیار کر دی۔ اسے ہم شاہ صاحب ہی کی قوت تجلایلیا کا ایک مظہر جانتے ہیں۔

فصل (۴)

محدثین میں عموماً مشہور ہے کہ صحاح چھ کتابیں ہیں۔ ان میں سے پانچ متفق علیہ ہیں۔ صحیح[۱] بخاری، صحیح[۲] مسلم، سنن ابی[۳] داؤد۔ جامع ترمذی[۴]۔ سنن[۵] نسائی۔ ششم میں اختلاف ہے ایک بڑی جماعت موطا مالک کو چھٹی کتاب مانتی ہے۔ اس جماعت کے اولین امام قاضی عیاض (بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ) ہیں۔ انھوں نے مشارق الانوار[ا] موطا، بخاری، مسلم کی شرح میں لکھی۔ اسی عہد کے دوسرے امام قاضی

[ا] قال الامام عبدالعزیز الدھلوی، فی العجالۃ النافعۃ طبقہ اولی از کتب حدیث سہ کتاب اند۔ موطا۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم قاضی عیاض کتاب "مشارق الانوار" را برائے شرح ایں ہر سہ کتاب مخصوص نوشتہ۔ و ایں "مشارق الانوار" غیر مشارق الانوار صغانی است [قال مولانا الشیخ عم فیضہم حسن بن محمد الصغانی اللاہوری فقیہ محدث و اکابر ائمۃ الطریقۃ مثل شیخ الاسلام فریدالدین اجودنی۔ و سلطان المشائخ نظام الدین الدہلوی و اکابر فقہاء الہند ترجع اسانیدہم الی الامام العلامۃ الصغانی فی الفقہ والحدیث۔ فانہ اخذ من صاحب الھدایۃ بواسطۃ ولدہ عم المرغینانی فھو شیخ الہند الاوّل۔ توفی ۶۵۰ھ تمہید] کہ احادیث صحیحین را بحذف اسناد و فقہ جمع نمودہ۔ چنانچہ مشارق الانوار عیاض شرح ایں سہ کتاب است و کتاب جامع الاصول از ابن اثیر شرح صحاح ستہ است و صاحب جامع الاصول ابن ماجہ را در صحاح عد نہ کردہ۔ بلکہ موطا را ششم قرار دادہ والحق معہ ھ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہیں ان کے بعد اس فکر کے داعی حافظ مجد الدین ابن اثیر[1] شافعی (مبارک بن محمد، مولف جامع الاصول، ونہایہ، متوفی ۶۰۶ھ) ہیں جنھوں نے جامع الاصول میں ابن ماجہ" کو نظر انداز کر کے موطا مالک کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ ان کے بعد حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) ہیں ان کی تصریح ہے "اوّلُ من صنّف الصحیحَ مالکٌ ہ قالہ فی المصنف" پھر ان اساتذہ کی متابعت میں محدثین کی کثیر جماعتیں پیدا ہوئیں۔ شاہ صاحب اُن میں غالباً آخری ہستی ہیں۔

دوسری جماعت نے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ پہلے جس عالم[2] نے یہ تجویز کی۔ وہ اسماء الرجال میں تو امام تھے۔ مگر فقہ اور تعامل مسلمین سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ پھر اُن کے تتبع میں عام طور پر یہی کتاب صحاح میں شمار ہونے لگی۔

اس کتاب (ابن ماجہ) کا **علمی درجہ** نظر محققین کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں وہ منفرد ہے۔ اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہوگی۔

یہ کتاب ہمارے اساتذہ کے یہاں بھی درس میں مروّج ہے۔ اس کو مذکورہ بالا قسم کی غیر صحیح کتب حدیث کے مطالعہ اور سمجھنے کے لئے **نمونہ** بنایا جاتا ہے۔ مگر طالب علم ابتدائے تحصیل میں ان مشکل مسائل پر غور نہیں کرتے۔ جب ایک عالم ہمارے مشائخ کے پاس درجہ تکمیل طے کرنے لگتا ہے تب اُسے ان دقائق پر متوجہ کیا جاتا ہے۔

درجہ تکمیل ہمارے یہاں درجہ تکمیل ایک قاعدے میں ضبط شدہ طریقہ نہیں بن سکا۔ عام طور پر فارغ التحصیل طلبہ جب اپنے طور پر پڑھانے لگتے ہیں تو ان کو شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ اُن کے ازالہ کے لئے پھر اساتذہ کی خدمت میں بار بار آتے ہیں۔ اور تدریجاً اُن شبہات کا حل کرتے کرتے، درجہ اطمینان تک جا پہونچتے ہیں۔ ہم اُن کو درجہ تکمیل کا فارغ مانتے ہیں۔

میری طالب علمی اسی طرح پر ہوئی۔ اور میں آخر میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے طرز میں متفرد نہیں تھا میری طرح میرے ساتھیوں میں اور حضرات بھی تحقیق کرتے کرتے انھیں مسائل پر پہونچے، جہاں میں پہونچا تھا۔ اس تجربہ کے بعد میں نے یہ نظریہ قایم کرلیا ہے کہ تحصیل کے بعد غیر قانونی طور پر ہمارے اساتذہ

---

[1] احد الثلاثۃ الاخوۃ۔ ثانیھم الامام عز الدین، علی بن محمد بن الاثیر، مولف الکامل و اسد الغابۃ ولباب الانساب لخص فیہ الانساب للسمعانی۔ توفی ۶۳۰ھ۔ وثالثھم الوزیر الادیب ضیاء الدین نصر اللہ ابن محمد صاحب المثل السائر، توفی ۶۳۷ھ ۱۲

[2] باوجود جد وجہد کے میں اس عالم کی تعیین کرنے سے قاصر رہا ہوں، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

اپنی صحبت میں رہنے والے عالموں کو مکمل بنا دیتے ہیں۔

نوجوان طلبہ کے ساتھ میرا ان مسائل پر مذاکرہ ہوتا رہا۔ اُنھوں نے عام علما کی شکایت کی میں نے انکو اس خاص طبقے (میری طرح تکمیل کرنے والے حضرات) کا تعارف کرایا جن سے وہ مطمئن ہو گئے۔ جن لوگوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی میں نے اُنھیں یونیورسٹیوں کے متوسط الاستعداد گریجویٹوں کی کثیر مثالوں سے لاجواب کر دیا۔

فصل (۵)

یہ خرابی جو عام اذہان پر مستولی ہے۔ اُس کی تہہ میں یہ مرض پنہاں ہے کہ حدیث کے فن کو خصوصاً صحیح اور تضعیف کو تقلیداً اخذ کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا عالم جو اپنی سمجھ سے صحیح حدیثوں کو صحیح سمجھتا ہو آج پیدا ہونا متعذر ہو گیا ہے اسماء الرجال میں توثیق و تضعیف کا اختلاف۔ پھر صحیح حدیث کی تعریف میں مختلف آرا طالب العلم میں یکسوئی سے کوئی ملکہ پیدا ہونے نہیں دیتیں۔ آخر مجبور ہو کر فقہا[۱] کا جو متوارث مسلک ہے اُسی میں راجح و مرجوح کی تمیز پیدا کرنے کے بعد جو حدیث اس مسلک کے موافق ہو اُسے صحیح اور جو مخالف ہو اُس کو ضعیف بنانے کی استعداد حاصل ہونے پر طالب علم اپنا سفر ختم کر دیتا ہے۔

شاہ صاحب نے پہلے اس مرض کی تشخیص میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ اس کے بعد مرض کے ازالہ کا پورا نصاب تیار کر کے اپنے طریقہ کی تعلیم شروع کر دی۔ اب اُن کے طرز پر چل کر مجتہد منتسب کی طرح ایک محقق محدث پیدا ہو سکتا ہے۔ جو ایک نئی حدیث کی تصحیح میں اگرچہ اپنے آپ کو عاجز پاتا ہو گا مگر جن احادیث کو ائمہ نے عموماً صحیح کہا ہے ان کی صحت کے وجوہ معلوم کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔ اس اطمینان کے بعد وہ فقہ پر نظر ثانی کرے گا۔ جو مسائل صحیح احادیث کے مطابق پائے گا انھیں کو راجح مانے گا۔

اس طریقے کے عالم پیدا کرنے سے شاہ ولی اللہ نے سلف کے طریقے کو زندہ کر دیا جس کی مثال تیسری صدی ہجری کے بعد ملنا مشکل ہے۔

مؤطا امام مالکؒ | فن حدیث میں شاہ صاحب کی تجدید یہاں اس بنیاد پر مرتکز ہو کہ صحاح ستہ میں اصح الکتب بخاری نہیں بلکہ مؤطا ہے بوجوہ ذیل:-

---

[۱] یعنی طلبہ مجبوراً حدیث کو ترک کر کے پہلے فقہ حاصل کرتے ہیں اور اس سے نصب العین معین کر کے پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بعد ازاں جو حدیث مقررہ نصب العین کے مطابق پائی اُس کو راجح اور جو مخالف نظر آئی اس کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عم فیضہم ۱۲ محمد نور الحق غفر لہ العلوی

(۱) مؤطا مالک کے اسانید کی تصحیح سمجھنا بہت آسان ہے کیونکہ ان میں عموماً ایک ڈو ہی راوی ہوتے ہیں۔ جن کا اکثر حصہ علماء مدینہ سے ہے۔ جن کو عام ائمہ مسلمین معتمد علیہ۔ اور ثقہ مانتے ہیں اس لیئے ان اسانید کا سمجھنا بہت آسان ہے۔

(۲) ادھر امام مالک کی شاگردی امام شافعی اور امام محمد ہر دونے کی، ان ہر دو اماموں کی تنقید موطا پر موجود ہے۔ اس سے بھی انسان کو مؤطا کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

یہ ہر دو مجتہد، امام مالک کے استنباط کی مخالفت تو کرتے ہیں۔ مگر روایت کی تضعیف نہیں کرتے یہ چیز طالب العلم کے لیئے سرمایہ توثق ہے۔

(۳) اس کے بعد ائمہ حدیث، امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، امام مالک کی کتاب کی شروح[۵] لکھتے ہیں۔ اس حصے کو شاہ صاحب نہایت وضاحت سے موطا کی شرح میں سمجھا دیتے ہیں۔

قال الامام ولی اللہ فی المسوّی ص۳ من تتبع مذاہبھم و رزق الانصاف من نفسہ علم لامحالۃ ان الموطا عُدۃ مذہب مالک واساسہ، وعُمدۃ مذہب الشافعی واحمد وراسہ، ومصباح مذاہب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ونبراسہ۔ وھذہ المذاہب بالنسبۃ للموطا کالشروح للمتون۔ وھو منہا بمنزلۃ الدوحۃ من الغصون۔ وان الناس وان کانوا من فتاوی مالک فی رد وتسلیم وتنکیث وتقویم۔ ماصفالھم المشرب ولا تأتی لھم المذہب الا بما سعی فی ترتیبہ واجتھد فی تھذیبہ وقال الشافعی لذلک۔ لیس احد امَنّ علیّ فی دین اللہ من مالک۔

وعلم ایضاً ان الکتب المصنفۃ فی السنن کصحیح مسلم وابی داؤد والنسائی وما یتعلق بالفقہ من صحیح البخاری وجامع الترمذی مستخرجات علی الموطا۔ مطمح نظرھم فیہا وصل ما ارسلہ، ورفع ما اوقفہ واستدراک ما فاتہ وذکر المتابعات والشواھد لما اسندہ و احاطۃ جوانب الکلام بذکر ما روی خلافہ۔ وبالجملۃ فلا یمکن تحقیق الحق فی ھذا ولاذلک الا بالاکباب علی ھذا الکتاب، انتہی۔

---

[۵] قال الشیخ الاقدس عم فیضہم۔ الامام ولی اللہ لایقبل قول اکثر المحدثین فی تقدیم الصحیحین علی الموطا۔ بل یوافق الامام الشافعی، حیث قال ما اعلم فی الارض کتابا بعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک ویجعل الموطا متنا متینا مقدما علی جمیع کتب الحدیث ویجعل صحیح البخاری ومسلم وغیرھما کالشروح لہ کتاب التمہید۔ موقف ثالث ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

وقال فی "المصفیٰ"، "بہ یقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد و فقہ امروز مسدود است الا از یک وجہ کہ موطا را پیش گیرند۔ و وصل مرسل آں، و ماخذ اقوال صحابہ و تابعین بہ شناسد و نظر مجتہدانہ اختیار کند و تعقبات شافعی و غیر آں در نظر دارد۔ بعد ازاں جہد کند بعلم احکام الٰہی و یقین یا غالب رائے حاصل کند بہ دلالت دلائل براں مسائل ھ

وقال ایضاً۔ چوں مبتدی قدرت بر زبانِ عربی یافت موطا مالک بخوانانند۔ و ہرگز آں را معطل نگذارند کہ اصل علم حدیث است و خواندن آں فیض ہا دارد ھ۔

وقال فی الحجۃ الطبقۃ الاولے۔ من کتب الحدیث منحصرۃ بالاستقراء فی ثلثۃ کتب الموطا و صحیح البخاری و صحیح مسلم و قد روی الموطا عن مالک بغیر واسطۃ الف رجل و قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک و اتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک و من وافقہ و اما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل و لا منقطع الا و قد اتصل السند بہ من طرق اخرے۔ فلا جرم انہا صحیحۃ من ھذا الوجہ ھ باب طبقات کتب الحدیث.

وقال الامام عبد العزیز فی العجالۃ النافعۃ۔ و نسبت دریں ہر سہ کتب (موطا و بخاری و مسلم) آں است کہ موطا گویا اصل و ام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ۔ و ہزار کس از علمائے عصرِ مالک موطا را روایت کردہ اند۔ و عدالت و ضبط رجال ایں کتاب مجمع علیہ است۔ در مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر مشہور شدہ و بنائے فقہائے امصار براں است۔

در زمانِ مالک۔ و بعد از زمانِ مالک نیز علما در تخریج بر موطا و ذکر متابعات و شواہد احادیث آں

---

[1] قال شیخ الاسلام ابن حجر کتاب مالک صحیح عندہ و عند من قلدہ۔ فی الاحتجاج بالمرسل و المنقطع و غیرہما۔ یعنی ان العلماء قد اختلفوا فی العمل بالحدیث المرسل و المنقطع فذہب الامام مالک و الامام ابوحنیفۃ و اکثر العلماء من تبع التابعین الی صحۃ العمل بہما۔ و یصح عندہم الاستدلال بقول عمر و امثالہ و الاستدلال باتفاق جمع من التابعین من اہل المدینۃ۔ فالامام مالک عمل بمقتضٰی اصلہ و لیست ہذہ العلل قادحۃ فی صحۃ الحدیث عندہ۔ فیکون الموطا کلہ صحیحاً عند مالک و ابی حنیفۃ و سائر تبع التابعین۔

و زاد السیوطی علی الحافظ ابن حجر فقال ان المرسل و المنقطع حجۃ عند مالک و من وافقہ فی ہذہ المسئلۃ و کذلک حجۃ عندنا (ای الشافعیۃ) اذا اعتضد بالروایۃ المرفوعۃ او بموقوف صحابی۔ و لیس فی الموطا مرسل الا و قد اعتضد بالروایات المرفوعۃ بلفظہا او بالمعنے۔ فالصواب ان یقال ان الموطا صحیح عند الجمیع ھ تعریب مقدمۃ مصفٰی ص ۲۰ ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ

سعی بلیغ نمودہ اند۔ ودر شرح غریب، وضبط مشکلات وبیان فقہ و سائر وجوہ بیان، آں قدر اہتمام نمودند کہ زیادہ براں متصور نیست۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہرچند در بسط وکثرتِ احادیث دہ چند موطا باشند۔ لیکن طریقِ روایت احادیث، وتمیز رجال، وراہِ اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اند انتہی۔

(قلت) نبتقدیم الموطا علے سائر کتب الحدیث والفقہ، تختلف الطریقۃ الولی اللّٰہیۃ عن عامۃ الفقہاء والمحدثین اختلافاً جوھریًا۔ ومن لم یتفطن بذلک لا یصح ان یُعدّ من اتباع الامام ولی اللہ انتہی۔ کتاب التمہید۔

پس موطا مالک ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر فقہا اور محدثین سب متفق ہیں۔ اب اگر اس کتاب کو اصل قرار دے کر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو اُن کتابوں کی صحت پر یقین حاصل ہو سکتا ہے میں اس طریقہ پر دو ماہ میں طالب العلم کو حدیث سمجھنے کا فن سکھا رہا ہوں۔ آخر میں مکہ معظمہ رہتے ہوئے بھی حرم محترم کے علما نے مجھ سے یہ فن سیکھا۔

قرآن عظیم ہماری دانست میں اپنے موضوع کی مستقل کتاب ہے۔ گزشتہ فصول میں ہم نے اس کی توضیح کرنے کی سعی کی ہے۔ مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے۔ جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز یوں ادا کرتے تھے مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے۔ بیع وشرا کے معاملات اس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمان تک) سے معلوم ہونی چاہیئے۔ اور یہ چیز موطا میں ملتی ہے۔

حضرت علی کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علی مدینہ منورہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے۔ یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا۔ اس پر فتنہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔

اس کے بعد بنی امیہ کے دَور میں سیاسی مرکز دمشق بنا۔ مگر انھوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا۔ اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا۔ اور یہ توارث موطا میں "السنۃ التی لا اختلاف فیہا عندنا کذا وکذا" کا جملہ امام مالک جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے۔ جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قایم رہا۔

فقہاء سبعہ | مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے بعد سات[1] فقہا پیدا ہوئے (۱) سعید بن مسیب۔

[1] استاذ امام ابو منصور عبدالقاہر تمیمی بغدادی، متوفی ۴۲۹ھ کتاب اصول الدین ص۳۱۱ میں لکھتے ہیں۔ اربعۃ من الصحابۃ تکلم

(۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (۴) خارجہ بن زید بن ثابت (۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابوبکر بن عبد الرحمٰن ابن حارث۔ یا سالم بن عبد اللہ بن عمر یا۔ ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف ۔ ھ تعریب مقدمہ مصفی ص ۳۴

ان فقہاء سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم کو محفوظ کر دیا۔ پھر ان کے شاگردوں (امام ابن شہاب زہری وغیرہ) سے امام مالک نے علم لیا۔ لہٰذا اس سے بڑھکر دنیا میں کسی کتاب کا صحیح ملنا ناممکن ہے۔

فصل (۶)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل علم نے کیوں اس کتاب کو موخر کر دیا؟ اس کا جواب معلوم کرنے کیلئے اس حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں میں محفوظ ہے۔ ان کی چار قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ (الف) علم فقہ (ب) مغازی وسیر (ج) تفسیر (د) فتن وملاحم۔ امام بخاری کی کتاب ان ہر چہار فنون کی جامع واقع ہوئی ہے۔ اور اس طرح کی جامع کتاب اور اس سے بڑھ کر صحیح مجموعے کا ملنا ممکن نہیں ہے بنا بریں اہل علم سب اسی پر ٹوٹ پڑے۔

امام ولی اللہ قرآن عظیم کے معانی کو علٰحدہ علٰحدہ ابواب میں تقسیم کر چکے ہیں اور ان کے نزدیک ہر ایک باب اُن میں سے اپنے افادے میں مستقل ہے۔ نہ تو کسی پہلی کتاب کا محتاج ہے۔ اور نہ کسی بعد کے علم وعمل سے متاثر ہوتا ہے۔ البتہ فن احکام عملی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سمجھنے کا محتاج ہے خیر القرون میں جس طرح قرآن شریف پر عمل کیا گیا۔ وہ اہل مدینہ کے یہاں محفوظ تھا۔ اور موطا اس کا ایک اچھا نصاب ہے۔ اس لئے قرآن پڑھنے کے بعد موطا کی ضرورت بہرحال باقی رہے گی۔

شاہ صاحب کی تقسیم میں احکام کے سوا جو فنون ہیں۔ اُن میں قرآن حکیم کسی فن (مثلاً مغازی و تفسیر، اور فتن وملاحم) کا محتاج نہیں ہے۔ اب ایک ایسے امم کے لئے جو اسلام کو قرآن شریف میں مکمل پاتا ہو۔ موطا جیسی فقہ کی کتاب کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) فی جمیع ابواب الفقہ۔ وھم علی ومعاذ وابن عباس وابن مسعود (۱) وھؤلاء الاربعۃ متی اجمعوا فی مسئلۃ علی قول فالائمۃ فیھا مجتمعۃ علی قولھم (۲) وکل مسئلۃ اختلف فیھا ھؤلاء الاربعۃ فالامۃ فیھا مختلفۃ۔ وکل مسئلۃ انفرد فیھا علی بقول تبعہ فیھا ابن ابی لیلی والشعبی وعبیدۃ السلمانی[۳] وکل مسئلۃ انفرد فیھا زید اتبعہ مالک والشافعی فی اکثرہ۔ ویتبعہ خارجۃ لا محالۃ[۳] وکل مسئلۃ انفرد فیھا ابن عباس اتبعہ فیھا عکرمۃ وطاؤس وسعید بن جبیر[۴] وکل مسئلۃ انفرد فیھا ابن مسعود تبعہ فیھا علقمۃ والاسود ثم من بعد الصحابۃ مرتبۃ الفقہاء السبعۃ وھم سعید بن المسیب[۱] وعروۃ بن الزبیر[۲] وخارجۃ بن زید[۳] والقاسم[۴] بن محمد

پھر شاہ صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمد بن حنبل مغازی، تفسیر اور ملاحم میں بھی صحیح روایات کا انکار کر چکے ہیں۔

وصیت شیخ الہندؒ مجھے مولٰنا شیخ الہند نے دو کتابوں کے مطالعہ کی وصیت فرمائی:۔

(الف) فنون حدیث میں میرا شغف دیکھا کہ میں تمام کتابوں کو جمع کرنے کا از حد ساعی ہوں۔ تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ تمھیں صحاح سے اگر مزید کی ضرورت ہے تو مسند امام احمدؒ کو کافی سمجھو۔

(ب) اور شرح حدیث میں فتح الباری سے تمسک کرو۔

مسند احمد شاہ صاحب کا طریقہ سمجھنے کے بعد مجھے صحاح سے زائد متون کی حاجت محسوس نہیں ہوئی:۔

(۱) مسند احمد کے متعلق افسوس ہے کہ اُس میں اُن کے بیٹے عبداللہ کی روایتیں ملا دی گئی ہیں۔

(۲) اور جن روایتوں کو امام احمد نے صراحۃً غیر صحیح کہا۔ اور مسند سے اُن کو کاٹ دیا تھا کاتبوں نے وہ بھی اُس میں درج کر دی ہیں۔

(۳) ایک اور اتفاقی مصیبت یہ پیش آئی کہ امام احمد جب گھر میں معتکف ہو چکے تھے اُس وقت اُن سے مسند پڑھا گیا ہے۔ اور امام کے بیٹے عبداللہ کے سوا اس کا اور کوئی راوی نہیں ہے۔ اور عبداللہ ابن احمد اتنا لائق اور قابل اعتماد نہیں ہے جتنا کہ اس کتاب کی روایت کے لیے ثقہ ہونا ضروری ہے یہ کتاب یا تو مجمع مسلمین میں پڑھائی جاتی۔ اور متعدد لوگ اُس کے راوی ہوتے۔ اور یا عبداللہ سے کوئی بہت بڑا فاضل اس کا راوی ہوتا۔

اِن حالات کے پیش نظر مجھے ادھر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ پھر بھی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ اور خاص خاص عالموں کے لیے میرا یہ مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔ عام طور پر اس کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) وسلیمان بن یسار وعبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود وابوبکر بن عبد الرحمان بن الحارث بن ہشام ۵ھ فی الحجۃ۔ کاد مسند احمد ان یکون من جملۃ الطبقۃ الثانیۃ (اے سنن ابی داؤد وجامع الترمذی و مجتبی النسائی) فان الامام احمد جعلہ اصلاً یعرف بہ السقیم من الصحیح وقال احمد۔ ما لیس فیہ فلا تقبلوہ ھ

وفی العجالۃ النافعۃ۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ مے فرمودند کہ مسند امام احمد نزد فقیر نیز از طبقہ ثانیہ است۔ و وے اصل است در معرفت سقیم از ضعیف وبہ وے شناختہ مے شود حدیثے کہ آں را اصل ہست، از آنچہ اورا اصل نیست مگر آنکہ در مسند احمد احادیث ضعاف بسیار اند۔ کہ حال آں ہا بیان نہ کردہ اند۔ اما ضعیفے کہ در وے ہست۔ ازیں احادیث کہ متاخرین تصحیح آں ہا مے کنند، بہتر مے نماید۔ وعلمائے حدیث وفقہ آں را جشوائے خود ساختہ اند۔ وبحقیقت رکن عظیم است از فن حدیث ھ[۱۲]
محمد نور الحق

فتح الباری اس کے بعد میں نے فتح الباری سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ میں صحیح بخاری کو حافظ ابن حجر سے بھی بڑھ کر اصح الکتاب مانتا تھا۔ جن چالیس حدیثوں پر حافظ ابن حجر نے جرح کر کے لکھا کہ اس جرح کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ میں اُن کا بھی جواب دینے کے لیئے تیار تھا۔ مجھے یہ بُرا معلوم ہوتا تھا کہ طالب علم کو حدیث کی جو پہلی مرکزی کتاب پڑھائی جائے۔ اس پر بھی اس کو اعتماد کامل نہ ہو۔

سَببُ الرجوع الی المؤطا میرا کافی زمانہ اسی طرح گزرا۔ اس کے بعد شکوک پیدا ہونا شروع ہوئے جبکہ میں نوجوان تعلیم یافتہ گروہ سے ملنے لگا تو بعض چیزیں ان کو سمجھانا میرے لیے مشکل ہوا۔ میں نے صحیح بخاری کے ابواب میں ربط پیدا کرنے کی اسی طرح کوشش کی جس طرح ایک سورت کی آیات میں تناسب پیدا کرتا رہا۔ میں نے ان چیزوں میں سے بعض چیزیں مولنا شیخ الہند کو سنائیں۔ آپ نے بہت پسند کیں میں نے اس کے لیئے **قواعد کلیہ** ضبط کر لیئے ہیں جنھیں لکھ نہیں سکا۔ یہ چیز میرے پاس فتح الباری سے زائد تھی۔

مگر جس قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی۔ اور نوجوانوں کو بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہوتا گیا۔ اسی قدر میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا۔ ؎ میں اس کا کبھی قائل نہیں ہوا کہ دینی تعلیم

؎ "الفرقان" صرف اس بنا پر کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کو صحیح بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہے اس کی صحت کے یقین میں "تزلزل" پیدا ہونا باوجود غور کے سمجھ میں نہیں آسکا —— اس ناچیز نے بھی اس طبقہ کی دینی تعلیم کا کچھ تھوڑا سا تجربہ کیا ہے اور اس تجربہ نے اس نتیجہ پر پہونچایا ہے کہ انمیں سے جن افراد کی ذہنیت صرف کالج ہی میں بنی ہے یعنی ان کو کسی اچھی سوسائٹی یا گھر کی فضا سے اچھے اثرات لینے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا اور صرف کالج ہی کی فضا ان پر اثر انداز ہوئی ہے اور ویسی ہی سوسائٹی ان کی رہی ہے —— اُن کا حال عموماً یہ ہے کہ "قرآن عظیم" کے بھی بہت سے حصے کا سمجھانا انھیں مشکل ہے۔ بالخصوص آغاز آفرینش کے متعلق قرآن پاک جو کچھ کہتا ہے اور ماورائیات کے متعلق اس کے جو بیانات ہیں آج کل کے کتنے ہی جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہیں جو از راہ عناد و تمرد نہیں بلکہ ذہنیت کی ناموزونی کی وجہ سے علی طور پر ان کو نہیں قبول کر سکتے —— ایسے نوجوانوں کے لیئے خود میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُن کو ابتداءً قرآن پاک بطور ترجمہ نہیں پڑھایا بلکہ پہلے دو تین مہینے میں اپنے مخصوص طریقے پر میں نے اس قدر عربی زبان ان کو سکھائی کہ وہ قرآن کو حقیقی معنی میں پڑھ سکیں اور اس دو تین مہینے میں مسلسل تبادلہ افکار کے ذریعہ انکی ذہنیت کو ہموار کرنے کی کوشش میں بھی لگا رہا۔ اس کے بعد بھی اُن کو قرآن پاک ایک سرے سے شروع نہیں کرایا بلکہ ابتداءً ایسی سورتیں منتخب کیں جن کو مضامین کو وہ بآسانی سمجھ کر قبول کر سکتے تھے۔ اس طریقہ عمل سے بفضلہ تعالےٰ وہ قرآن کی اُن تعلیمات کو بھی قبول کرنیکے قابل ہو گئے

اگر عربی مدارس کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان بخش ہو۔ اور اگر وہی تعلیم کالج کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان پیدا نہ کر سکے۔ اگر ایسا ہو تو وہ تعلیم حقیقی اسلام کی تعلیم نہیں ہوگی۔ اس لیئے کہ قرآن ساری دنیا کے لیئے نازل ہوا ہے اگر کالج کے طلبہ کو ہم قرآن کی تعلیم اسی طریقے پر (جو عربی مدارس میں کامیاب ثابت ہوا) نہیں دے سکتے تو غیر مسلم لوگوں کو ہم کیا پڑھا سکتے ہیں۔

اس طرح ابن حجر کی تحقیقات سے[۱] میری طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی۔ رحمت الٰہی کا ایک کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ مجھے موطا مالک کی شرح التمہید، از حافظ ابن عبد البر (یوسف ابو عمر مغربی متوفی ۴۶۳ھ)

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)

جو شروع میں اُن کے لیئے نا قابل فہم تھیں ـــــ میرا خیال ہے کہ اس تدریجی طریقہ سے اُن کو صحیح بخاری بھی پڑھائی جا سکتی ہے ـــــ علاوہ ازیں اس یورپ زدہ طبقہ، یا یورپین نو مسلموں کے فہم و عدم فہم" کو احادیث کی صحت و عدم صحت کے لیئے کسوٹی بنانا تو تجربہ سے قطع نظر علمی و عقلی طور پر بھی صحیح نہیں ـــــ اور اس معیار پر تو قرآن کے بعض حصے بھی قابل غور ہو جائیں گے۔

(۲) نیز اس باب میں عربی مدارس کے طلبا کا اس طبقہ سے مختلف الحال ہونا اور اس کی وجہ بھی بالکل ظاہر ہے ابتدائی درجات کے تعلیمی اثرات کے علاوہ مدارس عربیہ کا ماحول بھی ہمارے طلبہ کے ذہن کو "علوم نبوت" سے قریب تر کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔ بخلاف یورپی علوم کی درسگاہوں کے کہ وہاں کا ماحول اور وہاں کی تعلیم نہ صرف یہ کہ اس بارہ میں کوئی مدد نہیں دیتے بلکہ انسانی ذہن کو وہ علوم نبوت سے اور دور کر دیتے ہیں، اس لیئے عربی مدارس کے طلبہ کا قرآن و حدیث کے علوم کو بہ آسانی قبول کر سکنا، اور "کالجوں" کے تعلیم یافتوں کے لیئے اُن کا مشکل ہونا اور بعض چیزوں کو نہ سمجھ سکنا بالکل فطری چیز ہے، جس میں قرآن یا حدیث کا کوئی قصور نہیں۔

اس موقع پر یہ سطریں لکھنے کی جسارت اس لیئے کرنی پڑی کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کے متعلق خود حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ فیصلہ ہے کہ اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع..... وان کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین الخ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ ۱۲ نعمانی غفرلہ،

[۱] کتاب التمہید از ابن عبد البر کا مکمل نسخہ مغرب میں موجود ہے۔ مکہ معظمہ کے زمانہ اقامت میں مجھے یہ معلوم ہوا تھا۔ ہندوستان میں اُس کی چند جلدیں میرے مطالعہ سے گزریں جن کا تعلق مولوی شمس الحق عظیم آبادی کے کتاب خانہ سے تھا۔ بعد ازاں کابل میں چند اور جلدیں اُسی کتاب کی میرے مطالعہ میں آئیں۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہند اور کابل کے نسخوں کا کاتب ایک ہی ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ جب ہندوستان غارت ہوا تو یہ جلدیں یہاں سے کابل پہونچیں ؎

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری (قالہ مولانا الشیخ نور الحق علوی)

مل گئی۔ اُس نے فتح الباری کی جگہ لے لی۔ میں حافظ ابن حجر کی نسبت ابن عبدالبر کو بہت بڑا محقق مانتا ہوں ادھر شاہ ولی اللہ کا زور تھا کہ موطا کو سب پر ترجیح دینا لازم ہے۔ اب میں اس کا قائل ہونے لگ گیا موطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں جن کا سمجھنا نوجوانوں کے لیئے بہت مشکل ہے۔

اب ان مختلف اثرات کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن عظیم کے بعد، میں شاہ ولی اللہ کی کتاب مسوّٰی شرح موطا کا پڑھنا، حدیث اور فقہ کے لیئے کافی سمجھتا ہوں۔ اور یہ اسلام میں ساری دُنیا کو سکھا سکتا ہوں مسلمانوں کو ائمہ فقہا کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو حکمت کے اصول پر۔

جہاں تک میرا حلقہ اثر رہا، میں اُس میں خدا کے فضل سے کامیاب رہا ہوں۔ اس سے مجھے شاہ ولی اللہ کی اس تجدید کی (کہ موطا اصح الکتب ہے) برائی العین قدر و قیمت نظر آنے لگی۔ متاخرین محدثین اس چیز کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہیں۔ میں اُن کی تعلیمات کو درجہ تکمیل کے لیئے تو جائز قرار دیتا ہوں۔ مگر قرآن سمجھنے کے لیئے اُن کی تعلیمات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

مولٰنا حمیدالدین مرحوم میرے بہت پُرانے دوست تھے۔ قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا۔ اگرچہ طریقے اور پروگرام میں کسی قدر اختلاف رہا۔ وہ بائیبل مجھ سے بدرجہا اعلےٰ جانتے تھے۔ اور میں حدیث اُن سے زیادہ جانتا تھا۔ جب تک میں ہندوستان میں اُن سے ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا۔ اتفاقاً جس سال میں مکہ معظمہ پہونچا ہوں اُسی سال وہ بھی حج کے لیئے آئے۔ ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں۔ افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے سختی سے اُن پر انکار کیا۔ اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا۔ تنگ آکر فرمانے لگے، آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا موطا مالک! فرمایا ہم اُسکو مانتے ہیں۔ میں نے کہا بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے۔ ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لیئے مجبور نہیں کرتا۔ رہا یہ کہ صحیح بخاری میں میرے اشکالات کیا ہیں۔ اور میں ایک یورپین مسلم کو وہ کتاب کیوں نہیں پڑھا سکتا ان تفاصیل پر میں مجالس عامہ میں گفتگو کرنے کا روادار نہیں۔ اہل علم جو تکمیل کر چکے ہیں۔ یا تکمیل کے قریب ہیں اُن سے میں مذاکرات میں سب کچھ کہدونگا۔ میں نے یورپ کا سفر سخت انقلابی حالات میں کیا ہے اور بحمداللہ شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن دانی اور موطا مالک کی فقہ کو مانتا ہوا سالم نکل آیا ہوں۔ یہ میں شاہ صاحب کی تجدید کی بہت بڑی برکت مانتا ہوں۔ کاش اہل علم ادھر توجہ کریں۔ اور نوجوان مسلمان کی مرکزی طاقت (یعنی عربی مدارس اور کالج کے طلبہ) سے ہونہار افراد کو جمع کر کے ایک شیرازے میں باندھ دیں۔

باب چہارم ۔ علم فقہ

فصل اول ۔ عرب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سورۂ جمعہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کے پہلے مخاطب اُمیین ہیں ۔ اُمیین سے مراد عرب کے وہ طوائف ہیں جنھوں نے قریش کی امامت کو تسلیم کرلیا ہے ۔ بعثت کا مقصد دوسرے موقع پر قرآن عظیم نے اس طرح واضح کیا کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے مل کر دعا کی کہ ہماری نسل سے ایک اُمت مسلمہ (یعنی ابراہیمی حنیفی ملت پر) پیدا کی جائے ۔ اور یہ "بیت" اُس کا منبع اور اُس کا مرکز ہو ۔ اس امت مسلمہ کو ایک نبی کی ضرورت ہوگی ۔ جو ملت حنیفیہ کی صحیح معنوں میں تعلیم دے ۔ اور ان کو اس کے لئے تیار کرے کہ اس دین کو وہ تمام امم میں پہونچا سکیں ۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش کیلئے ہے[ع] (؟) قریش عربی قوموں میں مل جل کر عرب بن چکے ہیں ۔ یہ سلسلہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہلے طبقہ سے شروع ہوا ۔ اسمٰعیل کی اولاد قبائل میں تقسیم ہوگئی ہر جگہ اُنھوں نے

ع "الفرقان" اس موقع پر اصل مسودہ مضمون میں یہی الفاظ ہیں ، ہم نے ایک عریضہ کے ذریعہ مولنا کو ان الفاظ کی طرف توجہ بھی دلائی تھی لیکن پھر بھی مولنا نے یہ الفاظ برقرار رکھے ، اور تحریر فرمایا کہ اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب رح کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ ۲۰۳ میں مذکور ہے" ۔ اس وقت اتفاق سے میرے پاس "تفہیمات" کا نسخہ نہیں ہے کہ میں مراجعت کرکے اس کے منشا کو سمجھ سکوں لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کا مطلب آنحضرت کی بعثت عامہ کو قریش یا صرف عرب کے ساتھ مخصوص کرنا نہیں ہے (جیسا کہ بادی النظر کر شبہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے اوپر والی سطر میں آپ کے دین کے "تمام امم" کیلئے ہونے کی تصریح موجود ہے اور آگے بھی اسی بحث میں یہ تصریح چند جگہ ملے گی ۔ نیز قرآن پاک میں بار بار اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ آپ کی رسالت تمام اقوام عالم کیلئے ہے (قال تعالے ، قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموات والارض وقال تعالی "تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیراً" ۔۔۔ وقال تعالیٰ ۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ" الے غیر ذالک من الآیات) ۔۔۔ تو غالباً اس سے مولنا کا منشا یہ ہوگا کہ آپ کی اولین بعثت قریش کیلئے ہے اور آپکے ذریعہ سے من حیث القوم قریش ہی کو وہ بلند مقام دینا مقصود ہے جس کی دعا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کی تھی اور قریش ہی آپکے اولین مخاطب ہیں اور باقی دنیا کیلئے وہی آپ کے

اپنا مرکزِ دعوت قایم کیا۔ اور اُس گروہ خاص کی امامت حاصل کرلی۔ یہاں تک کہ تورات میں جو بارہ[12] سرداروں کی پیش گوئی ہے، اہلِ کتاب اُس کو اسمٰعیل علیہ السلام کی بلا واسطہ صلبی اولاد پر حمل کرتے ہیں۔ ہم اُن کی تاویل کو ملتِ عربیہ میں حنیفیت کی اشاعت کے لئے تسلیم کرتے ہیں کہ انھیں بارہ سرداروں (یعنی حقیقی بلا واسطہ فرزندانِ اسمٰعیل) نے حنیفیت کا مرکز عرب میں پیدا کیا۔ بہت دیر کے بعد قُصَیّ نے منتشر اولادِ اسمٰعیل کو مکہ معظمہ میں جمع کر دیا یہاں سے خاتم النبیین کی بعثت کا ارہاص شروع ہوتا ہے۔ یہ لوگ (جماعتِ قصیّ بن کلاب) فقط عرب کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ عراق و شام تک میں تجارت کے ذریعہ اپنا رسوخ پیدا کر رہے تھے اس طرح یہ مجمع الاقوام بنا کر ان پر سرداری اور حکومت کے متمنی تھے۔ یہ چیزیں اُن کے یہاں خاندانی روایات کے ذریعے منتقل ہوتی رہتی تھیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا جو ہمیں تمام اقوام کا سردار بنا دے گا۔ بنی اسرائیل میں بھی یہی جذبہ موجود تھا۔ اور اس معنی میں ہر دو خاندانوں کی باہمی رقابت جاری تھی۔

بنی اسرائیل پہلے تو موسےٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو اُن کے برابر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام موسیٰ علیہ السلام نے کیا اُن کے نزدیک وہی ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا کا مصداق تھا مگر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اسرائیلی قوموں سے باہر نہیں جا سکی۔

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں —— بالفاظِ دیگر صابئین یا آرین قوموں میں بھی پہونچانے کی کوشش کی۔ مگر اُن کی مرکزیت کو اسرائیلی قوموں نے ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہود عموماً مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے کم مستفید ہوئے۔ اگرچہ آگے چل کر موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم کو دنیا میں سنبھالنے والے یہی لوگ رہے۔ جو مسیح کے حواریین سے مستفید ہوئے۔ آج ہمارے زمانے میں جس قدر تورات کی اشاعت ہے کیا یہ یہودیوں کی محنت کا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ مسیح کی تعلیم کے شایع کرنے سے پہلے عہدِ قدیم کا شایع کرنا ضروری تھا۔ اس لیے مسیحی سلطنتیں اور مسیحی اشاعتی جماعتیں، عہدِ قدیم کی اشاعت کا ذریعہ بنیں۔ ان چیزوں کا اثر قریش کے ادنی الرائے بزرگوں پر پڑتا رہا۔ وہ دیکھتے تھے کہ عیسائیوں نے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پیغام کے حامل اور مبلغ ہیں جیسا کہ حضرت شاہ صاحب الفوز الکبیر میں مقصد بعثت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

خدا تعالےٰ خواست کہ بدست آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
عرب را پاک کند و بدست عرب سائر اقالیم را الخ

خدا تعالےٰ نے چاہا کہ آنحضرت کے ذریعہ سے عرب کو
پاک کرے اور ان کے ذریعہ سے ساری دنیا کو۔

یہاں تک کتابت بھی ہو چکی تھی اس کے بعد "تفہیمات" اور "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی اس بحث کے مطالعہ کا موقع ملا اور وہیں سے پورا مطلب حل ہوا۔ اب میں انشاء اللہ اپنے مقالہ میں اس مقام کی وضاحت کر سکوں گا ۱۲ نعمانی غفرلہ۔

بڑی بڑی سلطنتیں قایم کرلیں۔ مگروہ حنیفی دین کو سنبھال نہیں سکے۔ اس سے قریش مکہ کے مرکز میں یہ توقع قصیٰ کے بعد مسلسل زور سے قایم رہی کہ ہم میں سے کوئی آدمی پیدا ہوگا۔ جو اصلی مرکز پیدا کرے گا۔

جملہ معترضہ [اجتماعیتِ اسلامیہ، اور انفرادیت محترمہ]

ہمارے اہل علم ایک لمبے زمانے سے سلاطین کی انفرادی تحریکوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے کہ ساری نسل انسانی میں خدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ ایک اکمل انسان پیدا کرے وہ فرد فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اس موضوع کی ہر عالم اپنے فن سے توضیح کرتا ہے۔ اسی پر سیرت کی کتابیں کثرت سے لکھی گئیں۔

ہم نے جب سے یورپ کی سیاسیات کا براہِ راست مطالعہ شروع کیا۔ ہمیں انسانی اجتماعی تحریک کے دونوں اسکولوں، (یعنی سرمایہ دار اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقع ملا آج کل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو چلانے کے لیئے مذہب سے عداوت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے۔ وہ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں سرمایہ دار اسکول معنًا اُن کا ہم صفیر ہے مگر اپنی سیاست کو چلانے کے لیئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتا رہتا ہے اس لیئے یہ لوگ علانیہ مذہب سے دشمنی نہیں خریدتے۔

ہم نے اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط محسوس نہیں کیا۔ اس لیئے ہم نے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اب اسلام میں جو ہماری واقفیت تھی وہ دیوبندی اسکول میں تعلیم پانے سے شاہ ولی اللہ کی امامت پر مرتکز تھی شاہ صاحب کی کتابوں میں ہم نے اجتماعیت کا خاص زور دیکھا اگرچہ وہ اُسے نمایاں نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ملک کی عام حالت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی ہمارا زمانہ شاہ پرستی کو چھوڑ کر بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ شاہ صاحب کی طرح میں بھی اجتماعیت اسلامیہ کو نمایاں کرنے میں تامل کروں۔ میرے لیئے زیادہ سے زیادہ یہی نقصان ہوگا کہ میرے دوستوں میں جن لوگوں نے شاہ صاحب کی حکمت غور سے نہیں پڑھی۔ وہ میری مخالفت پر ڈٹ جائیں گے لیکن اب ہماری حالت ایسی کمزور ہو چکی ہے کہ ان کمزور طاقتوں کی رعایت کرنا کوئی ضروری امر نہیں رہا۔ شاہ صاحب کے زمانے میں پھر بھی مسلمانوں کا ایک سرمایہ محفوظ تھا۔ اُس کی حفاظت کے لیئے وہ مصالح وقتیہ کا خیال کرتے رہے۔ دو سو برس کے بعد وہ سب کچھ لٹ چکا ہے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کی حفاظت کیلئے ہم مصلحت وقتیہ کا خیال دل میں لاسکیں

اس لئے شاہ صاحب کی اصلی تعلیم کو، پوست کندہ، تمام اصناف انسانیت میں شایع کرنا، میں نے اپنا مقصد زندگی بنا لیا ہے۔

اس فیصلے کے بعد پہلا اثر میرے افکار پر یہ آیا کہ مجھے قرآن شریف کی تفسیر پر نظر ثانی کرنا پڑی ہمیں سے انفرادیت کو خارج کر کے اصول اسلامیہ کی اجتماعی روح کو قایم رکھنا میں نے اپنے لیے ضروری قرار دیا۔ ورنہ میں دُنیا کی اقوام کے سامنے قرآن پیش نہیں کر سکوں گا۔

اگر قرآن شریف کی تعلیم کا مرکز میرے ذہن میں یہ ہوتا کہ وہ ایک اکمل ترین انسان کے ذریعہ نازل ہوئی۔ اس لیئے دُنیا کو وہ پیغام سُننا چاہیئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے بزرگ و مقتدا کو خصوصاً مسیحی قومیں معارضے میں اکمل ثابت کرنے کی سعی کرینگی۔ اور وہ مقصد ان مبادی کے طے کرتے کرتے قابل توجہ نہیں رہے گا

میں قریش کی ہستی ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں۔ کہ ایک امت ہونی چاہیئے کہ وہ امم کو ہدایت دے (ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک)

پھر اس امت کی ضرورتوں کے لیئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق دُنیا سے بواسطہ قریش ہے اس نکتہ[ے] سے میرے بہت سے عقدے حل ہو گئے۔

میں قریش میں فردیت اور صنفیت کا قائل نہیں رہا۔ اس لیئے ہاشمیت، صدیقیت اور فاروقیت کے الفاظ میرے دماغ سے نکل چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے الائمۃ من قریش،، ایک اور روایت میں آیا ہے کہ بارہ سردار[لے] پیدا ہوں گے۔ کلّھم من قریش۔ مگر اب انفرادیت نے ہمارے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں لا نفرق بین احد من رسلہ" سے میں یہ سمجھا کہ پہلے ہمیں تمام انبیاء اللہ پر ایمان صحیح حاصل کرنا ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک فرد اکمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جماعت انبیاء سے قطع کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنا

[ے] یہاں مولانا نے اپنے اس مُدعا اور اُس نکتہ کو جو اہل علم کے لیئے بھی نامانوس ہے بہت ہی ایجاز و اختصار سے بیان فرمایا ہے جس سے بہت سوں کو طرح طرح کے شبہے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے کاش مولانا ایک مستقل مقالہ میں اس مقصد پر وضاحت سے روشنی ڈالیں ۱۲ نعمانی

[لے] وسیاتی تحقیقہ۔ فانتظرہ ۱۲ محمد نورالحق غفرلہ العلوی

میرے نزدیک صحیح نہیں رہا۔

ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شخصی اوصاف میں اس قدر انہماک کر چکے ہیں کہ انکی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و قیمت ہماری نظروں سے جاتی رہی۔ مگر قرآن شریف کا ایک اشارہ ہمارے اس تخیل کو درست کرنے کے لیئے کافی ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ" کے ساتھ "والذین معہ" ملا کر آپ کی تمام کامیابی کو جماعتی کام بنا دیا گیا ہے۔

(۲) کتب حدیث میں ایک جملہ معروف ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بر سر حق رہے گی اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما انا علیہ واصحابی"

(۳) قرآن عظیم نے جو دعا ہمیں اسلامی عقائد پر مضبوط رہنے کے لیئے سکھائی وہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے۔ وہاں "صراط مستقیم" کی تفسیر "صراط الذین انعمت علیہم سے کی گئی۔ اور الذین انعم اللہ علیہم کی تفسیر خود قرآن شریف میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سے کی گئی ہے اس سے فی البدیہہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا۔ مگر کسی بے اتفاقی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کی دلدل میں پھنس گئے۔

اس کے بعد میرے دماغ پر یہ اثر پیدا ہوا کہ قرآن عظیم دنیا کی تمام اقوام میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام ہے۔ اسے میں نے آیت "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" سے استنباط کر لیا۔ دین ہر قوم کا علحدہ علحدہ رہ چکا ہے۔ اور قومی افکار و اعمال کا مقدس حصّہ اُس قوم کا دین کہلاتا ہے۔ جب اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرنا منظور ہے تو تمام اقوام میں انقلاب پیدا کرنا ضروری ہوگا۔ انقلاب مذکور کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ تمام ادیان پر غلبہ فقط تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ہو۔ اس طرح اگر متحقق ہوتا تو قومیں اپنی خوشی سے اس دین حق کو قبول کرتیں۔ جب اس کے ساتھ ولو کرہ المشرکون، کا جملہ نازل ہو چکا ہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے زور سے اس دین کا غلبہ پیدا کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل انقلاب کا ترجمہ اس سے زیادہ اور کچھ ہم سمجھ نہیں سکے۔

عدم تشدد کا مسلک آج کل ہندوستان میں ایک نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے۔ کہ عدم تشدد کی پابندی سے اقوام پر غلبہ حاصل کر لیا جائے گا۔ اور انقلاب اس نئے طریقے پر ہوگا۔

اب تک جو انقلاب کا مطلب سمجھا گیا ہے یہ اُس سے مختلف چیز ہے۔

جب تک یہ تھیوری عمل میں نہ آجائے قدیم فیصلوں کو منسوخ نہیں کرسکتی میں ذاتی طور پر عدم تشدد کی پالیسی ایک محدود زمانے کے لئے معین کرچکا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ تاریخ میں مقدس ہستیوں نے اس پالیسی کو ایک خاص وقت کے لئے ضرور استعمال کیا ہے۔ مگر انسانی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ محض اسی کی بنیاد پر آخر تک کامیابی کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

خیر یہ [عدم تشدد کا نظریہ] تو جملہ معترضہ میں ایک دوسرا جملہ معترضہ تھا اب ہم پھر اصل مطلب [تکمیل جملہ معترضہ] پر بحث کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر قرآن عظیم کی تعلیم کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام مان لیا جائے تو اس کے لئے تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

(الف) اُس کا آئیڈیا[1]۔ (ب) اس کا پروگرام (ج) اس پروگرام کو چلانے والی سنٹرل کمیٹی۔

کوئی انقلابی تحریک، پارٹی پالیٹکس کے سوا کامیاب نہیں ہوتی۔ اور ہر پارٹی پالیٹکس میں ان تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

(۱) میں نے قرآن عظیم میں غور کرکے اس کا آئیڈیا اس آیت کو مقرر کیا ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ ولوکرہ المشرکون۔

(۲) پروگرام کے لیئے پہلے حزب اللہ کی تعیین وتحدید ضروری ہے۔ حزب اللہ اُس پارٹی

---

[1] آئیڈیا کا ترجمہ ہماری زبان میں عموماً نصب العین۔ مطمح نظر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ ترجمہ پوری اصطلاح کو واضح نہیں کرتا سیاست کے ماہر حکما کے نزدیک یہ کلمہ آج کل خاص اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کو ہم بالاختصار اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ وہ ایک بہت بڑا مقصد ہے جو طریق عمل کی رہنمائی کرتا رہے گا اُس کا اپنی تکمیلی شکل میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے [بلکہ یہاں تک کہنا جائز ہے کہ آئیڈیا مکمل صورت میں کبھی متحقق ہو نہیں سکتا۔ وہ صرف طریق عمل کی رہنمائی کرتا ہے] مثلاً ایک ستارے کو دیکھ کر ہم ایک جہت معین کرلیتے ہیں اور عام الفاظ میں کہدیتے ہیں کہ اس ستارے پر پہونچنا مقصد ہے۔ اسی طرح ایک نہایت ارفع واعلیٰ چیز کو انسانیت کے جمع کرنے کے لیئے کارکن طاقتوں کے سامنے رکھدیا جاتا ہے یہ سب اس طرف اپنا رُخ درست کرلیتے ہیں۔ یہ آئیڈیا کہلاتا ہے۔ ہماری تعلیمات میں اس کی کچھ مثال استقبال قبلہ ہے۔ قالہ مولٰنا الشیخ عم فیضہم۔

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

کا نام ہے۔ جو قرآن عظیم کے انٹرنیشنل انقلاب کو کامیاب بنانا اپنا مقصد حیات قرار دیتی ہے۔

حزب اللہ حزب اللہ کی ضروریات پر قرآن عظیم کی مختلف سورتوں میں کافی ہدایتیں دی گئی ہیں۔ جہاں جہاں "یا ایہا الذین اٰمنوا" وغیرہ سے مومنین کو خطاب کیا گیا کہ وہ کفار اور منافقین کے راستے پر نہ چلیں۔ بلکہ فلاں فلاں حکم کی اس اس طرح پابندی کریں۔ ان تمام مواقع کو حزب اللہ کا پروگرام سمجھنا چاہیئے۔ یا ایہا الذین اٰمنوا کے پہلے مخاطب حزب اللہ کے افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس میں مرد و عورت۔ عرب و عجم سب شامل ہیں، اس کا پہلا نمونہ، السابقون الاولون من المہاجرین والانصار ہیں۔ اور ان کے بعد "والذین اتبعوھم باحسان"، قیامت تک کی جمیع اقوام مسلمہ کو شامل ہے اس طرح یہ پروگرام قیامت تک جاری رہے گا۔

(۳) اب فقط مرکزی کمیٹی کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ میری سمجھ میں آیت السابقون الاولون من المہاجرین والانصار "سنٹرل کمیٹی" کو معین کر دیتی ہے۔

مسئلۂ خلافت و امامت اس تخیل پر تفصیل سے بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر ایک آدھ مسئلہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اہل سنت اور شیعہ اہل بیت ہمارے اصول پر اس اختلاف کا حل نہایت سہل ہو گا۔ ابوبکر صدیق رضؓ کی تقدیم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر کمالات نفسیہ کے مالک تھے کہ پوری جماعت صحابہ میں کوئی آدمی ان کے مقابل نظر نہیں آیا[ع]۔ ہمارے نزدیک مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) نے فیصلہ کیا کہ ابوبکر رضؓ مقدم ہوں[1]۔ اس لیئے وہ واجب الاتباع تھے۔ اگر جماعت، علی رضؓ یا عثمان رضؓ یا عمر رضؓ کو مقدم کر دیتی

ع "الفرقان" واضح رہے کہ مولانا کا منشا یہاں صحابہ کرام کے نفس الامری "فرق مراتب" اور تفاضل باہمی کا انکار کرنا نہیں ہے بلکہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ انتخاب برائے خلافت کی بنیاد ان ذاتی اور شخصی کمالات کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف سابقین اولین کے فیصلے سے ہے۔ اور اس باب میں یہ فیصلہ ہی اصل چیز ہے ۱۲ م

[1] موجودہ دور کی محافل علمیہ اور سیاسیہ میں حصہ لینے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ایک رزولیوشن جب پیش ہوتا ہے تو اس کے اثبات اور تائید و توثیق پر مختلف المذاق اراکین، مختلف نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں۔ آخر میں ہمیں اس رزولیوشن کے حق میں متعدد دلائل نظر آتے ہیں جو سب کے سب مستدل حضرات کے خیال میں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ اس کے بعد وہ تجویز اتفاق، یا کثرت رائے سے منظور ہو کر آئین بن جاتی ہے۔ پھر صرف تجویز کا متن شایع کر دیا جاتا ہے۔ خلافت صدیق اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان کو اسی پر قیاس کیجیے۔ کسی رکن نے ان کی سابقیت اسلام سے استدلال کیا۔ کسی کے پیش نظر مرض وفات کی امامت ہے۔ علی ہذا القیاس مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے صدیق کی تقدیم کا رزولیوشن سنٹرل کمیٹی نے پاس کر دیا۔ ان مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی تفصیل ازالۃ الخفا" اور قرۃ العینین میں کو رہی

تو مسلمانوں پر انھیں کی اطاعت ضروری ہوتی۔ اس منصب کے لیئے جس قدر اہلیت امیدواروں میں ضروری ہے اس میں یہ ہر چہار حضرات کامل اہلیت کے مالک ہیں مسلمانوں کو اُن کے ذاتی اوصاف دیکھ کر مسئلہ خلافت میں ایک کو ترجیح دینے کا فکر پیدا ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا جس سے یہ تحزب الاحزاب پیدا ہوا۔ جو جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو چلانے کے لیئے چھوڑی۔ وہ مہاجرین اور انصار کے پہلے طبقہ میں سے ایسے لوگ تھے جن پر یہ صادق آتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ،، یہ جملہ اس طرف مشیر ہے کہ اُن کا فیصلہ خدا تعالےٰ کے یہاں پسندیدہ اور مرضی ہے۔ اس لیئے کسی کو اُن کی اطاعت سے چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بظاہر یہ مرکزی کمیٹی کی تشخیص میرا اپنا فکر ہے۔ مگر "قرۃ العینین اور ازالۃ الخفا،، کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو شاہ صاحب کا اصلی مطمح نظر یہی نظر آئے گا۔ میرا کام اس میں اُن کی بات کو عام سمجھدار طبقہ تک پہونچانے کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔

یہاں پر مذکورہ بالا جملہ معترضہ ختم ہوگیا ہے۔

فصل دوم۔ عجم

سورہ جمعہ میں امیین کے بعد "واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم،، کا ذکر آیا ہے۔ اسکی تفسیر میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے ایرانی قوم کی طرف اشارہ نکل سکتا ہے۔ ایران اُس زمانہ میں آرین (صابی) قوموں کا مرکز بن چکا تھا اُس سے پہلے زمانے میں ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی، ہماری سمجھ میں "واٰخرین منھم،، کے مصداق میں، ایران اور ہند وما بینھما شامل ہونے چاہئیں ہم اس حصّہ کو قرآن حکیم کی بین الاقوامی تعلیم کا متن سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جیسے امیین کے لیئے ہے ویسے ہی اٰخرین کے لیئے بھی ہے۔ اس اجتماعی تحریک کا پہلا مرکز قریش ہیں۔ ہماری دانست میں اُنکی حکومت پانچسو برس تک رہی۔ اس حکومت کے پہلے حصّے میں وہ بارہ سردا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) [لطیفہ] ایک سندھی ہندو نے اپنے یہاں کے ایک شیعہ سے دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا کہ ہم بجائے شوریٰ کے توریث کے خواہاں ہیں۔ اس پر ہندو نے مسکرا کر کہا کہ ساری دنیا کی مرکزی سیاست کو (جیسے اسلام کا دعویٰ ہے) تم ایک خاندان میں منحصر کرنا چاہتے ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلام صرف قریش کے لیئے نبی تھے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شوریٰ پر اعتماد کرو۔ھ حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲

محمد نور الحق

گزر چکے ہیں، جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو ملا کر رومن امپائر کے رقبہ سے دو چند ممالک پر حکومت کی۔[۱]
اس حکومت کی، اگر سیاسی فلاسفی سے تحلیل کی جائے تو وہ انسانیت کے لیئے ایک نمونہ کی حکومت ہے۔[۲] ولید
بن عبد الملک (متوفی ۹۶ھ) کہتے ہیں کہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت شام میں رہی۔ وہ نبی تھے
اس سے قطع نظر کرلو۔ پھر میری حکومت کا ان کی حکومت سے مقابلہ کرو۔ اور دیکھو۔ کوئی اندھا[۳] نہیں جس کیلئے
میں نے عصاکش مقرر نہ کیا ہو۔ کوئی بھوکا اور بیمار نہیں ہے جس کو کھانا اور دوا نہ پہونچتی ہو"
یہ ایک عرب بادشاہ کی حکومت ہے۔ خلیفہ راشد کی خلافت نہیں۔ خلیفہ راشد کی حکومت تو گویا
ائیڈیل حکومت ہے اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کرسکے۔ مگر قریش کے یہ بادشاہ اور سردار بھی اس قدر

---

[۱] اخرج الشیخان واللفظ لمسلم، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشرۃ خلیفۃ من قریش۔ قلت، هم الخلفاء الاربعۃ الراشدون۔ ثم التحق بهم معاویۃ رض بعد صلح الحسن رض۔ وکذلک عبد الملک بن مروان بعد اتفاق الناس علیہ۔ عقیب مقتل ابن الزبیر رض ثم السابع منهم الولید بن عبد الملک۔ وجاء بعدہ سلیمان بن عبد الملک وهشام بن عبد الملک والاحسن ان لانتغالی فی الاطراء فی حق العبد الصالح عمر بن عبد العزیز بجعلہ مستقلاً بل هو کان مثل النائب والتتمۃ لسلیمان بن عبد الملک) ثم نجعل بعدهم منهم۔ المنصور۔ والمهدی وهارون فان اوائل خلفاء بنی هاشم ماکانوا مستضعفین ولا مداهنین۔ فلا یقاسون باواخرهم والذین ینقمون علیهم بقیام بنی امیۃ فی جزیرۃ الاندلس، فلیس بشئ فانهم ماقدروا علی تنظیم الخلافۃ الابعد زمان اما فی اول الامر فلیس حالهم الا کالامراء الخارجین علی الجماعۃ۔ قال الامام ولی اللہ الدهلوی فی ازالۃ الخفاء در اول دولت عباسیہ امر خلیفہ در اطراف عالم نافذ بود۔ وبعد معتصم حکم ایشان ضعیف شدہ کتاب التمهید موقف ثانی ۱۲

[۲] لم اظفر بالروایۃ لقلۃ الکتب عندی ۱۲

[۳] والولید اعطی المجذمین ومنعهم من سوال الناس۔ واعطی کل مقعد خادماً وکل ضریر قائداً وفتح فی خلافتہ فتوحاً عظاماً۔ منها الاندلس، وکاشغر والهند ھ تاریخ فخری ص۹۲ محمد نور الحق

[۴] "الفرقان" اقول ومن امعن النظر حق الامعان فیما قام بہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز فی خلافتہ من اعزاز الدین وایثار الآخرۃ علی الدنیا فی سائر شعب الامارۃ واصلاح ما افسد بعض من قبلہ من الولاۃ والامراء واحیاء السنن النبویۃ واماتۃ البدعات الشنیعۃ المرضیۃ الی غیر ذالک من الاصلاحات والتجدیدات لن یرضیٰ بجعلہ تتمۃ لسلیمان ولا لاحد مثلہ۔ وکیف یرضیٰ صنیعہ فی خلافتہ وطریق عملہ رضی اللہ عنہ عین صنیع الخلفاء الراشدین سیما جدہ عمر بن الخطاب رض فما لہ ولسلیمان عبد الملک امثالہ وکیف نجعل خلافتہ تتمۃ لملکہ والتفصیل لا یسعہ هذا المقام ۱۲ م

اجتماعیت کے مالک تھے۔ وہ اگرچہ اپنے گھروں میں، اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے قیصر و کسریٰ سے بھی زیادہ شاندار زندگی مہیا کرتے ہوں (اور اس کا ہم انکار نہیں کرسکتے) مگر وہ انسانی اجتماع کو، اور اس کی ضرورتوں کو نظرانداز نہیں ہونے دیتے تھے۔

انفرادی فکر والے ہمارے مورخین نے اُن کے ذاتی اور شخصی نقایص کو بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے۔ اس لئے کہ اُس مورخ کے نزدیک جس خاندان کی حکومت چاہیئے۔ بدقسمتی سے حکمران خاندان اور اُس کی آپس میں جنگ ہے۔

اب ہم تاریخ اس طرح پڑھنا نہیں چاہتے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے عام انسانیت کے لئے کیا کام کیا۔ اگر شاہان اسلام کے اجتماعی کام اچھے ہیں۔ تو اُن کے شخصی نقائص اور تھوڑا سا مالی تفوق ہم برداشت کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں سے باہر بھی بادشاہ گزرے ہیں۔ ہند اور یونان میں کوئی شخص اس طرح انسانیت کا خادم نظر نہیں آتا۔

سلاطین اور علماء کرام ان بادشاہوں میں اعتدال پیدا کرنے والی جماعتیں ہمارے نزدیک فقہا اور صوفیہ تھے۔ فقہا میں سے جب ایک فقیہ کو قاضی القضاۃ بنا دیا جاتا۔ تو بادشاہ اپنی تمام قلمرو کے قضاۃ کے فیصلوں میں (جو قاضی القضاۃ کے نائب ہوتے تھے) کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اس نے اسلامی انصاف کو ایک استقلالی درجہ دے دیا ہے۔

ہمیں ہندوستان کی تاریخ میں ایسی چیزیں معلوم ہیں کہ سلطان عالمگیر کے نالائق جانشینوں نے اپنے سب سے بڑے قاضی کی مجالس خاصہ میں نہایت بے توقیری کی قاضی مذکور کے بعض احباب نے اُسکو شرم اور غیرت دلائی کہ تم کیوں اس درجہ تک اپنی ہتک گوارا کرلیتے ہو۔ قاضی کا جواب یہ تھا کہ یہ شخص میری قضا کے فیصلوں میں میرا قلم نہیں روکتا۔ اس لئے اُس کی سلطنت میں مسلمانوں کے فائدے کے لئے اپنی ہتک گوارا کرلیتا ہوں۔

اب دیکھیئے۔ اجتماعی فکر بدلتے سے میں اس ہتک کرنے والے (سلطان محمد شاہ) کی بھی تعریف کرتا کرتا ہوں۔ اور پہلے میں اس قاضی کی بے عزتی کو اُس کا سب سے بڑا جرم قرار دیتا تھا۔ یہ چیز (قاضی کے فیصلوں میں دخل نہ دینا) ہارون، وہدی و منصور کے زمانے سے ایک حقیقت واضحہ بن چکی ہے۔ اور قریش کے آخری زمانے تک نہایت سختی سے اس کی پابندی کی گئی۔ قاضی کے فیصلے کو وہ گویا خدا تعالےٰ کا حکم سمجھ کر نہایت ادب و احترام سے دیکھتے تھے۔

سلاطین اسلام اور صوفیہ دوسرا عنصر جس نے شاہانہ طغیان سے ان بادشاہوں کو بچایا وہ صوفیہ

کا مجمع تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ) بغداد میں خلفا کے سامنے، اپنی خانقاہ میں، ان کے احکام پر تنقید کرتے رہے۔ اور وہ شیر مادر کی طرح اُسے پی جاتے تھے۔ اور یہ عرب بادشاہوں کے منزل کا آخری دور تھا۔ وہ جس وقت زیادہ صلاحیت کی مالک تھی تو صوفیہ اور زہاد کی صحبت اور نصیحت کو اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے[1]۔

بغداد میں خلفاء عباسیہ نے ایرانیوں کو حکومت کے لیئے تیار کر دیا[2]۔ اور بغداد کے زوال کے بعد بخارا کی حکومتیں برسرکار آگئیں۔ اُس سے غزنی پیدا ہوئی پھر غزنین سے لاہور اور دہلی عجمیوں کے مرکز بنے۔

اگر اسلام کو عربی اقوام کے لیئے معین کر دیا جائے تو یہ تمام مختنیں (بغداد۔ بخارا۔ غزنی، مصر، دہلی وغیرہ کو مرکز بنانا) اسلامی اجتماع پر ایک ذیل ہونگی۔ آج ہم غلط فہم عربوں کو اسی میں مبتلا دیکھتے ہیں مگر جس وقت ہم نے اسلام کی اساسی حکمت بین الاقوامیت کو قرار دیا۔ تو ہمارے نزدیک قرآن کے مقاصد پورا

---

[1] قال عبید اللہ بن عمر القواریری لما لقی ھارون الرشید فضیل بن عیاض قال له الفضیل یا حسن الوجه انت المسئول عن ھذہ الامة (خطیب ۹/۳) قال سفیان بن عینیة دعانا ھارون الرشید فدخلنا علیه ودخل الفضیل آخرنا مقنعاً راسه بردائه۔ فقال لی یا سفیان ایھم امیر المومنین۔ فقلت ھذا او ومات الی الرشید فقال له یا حسن الوجه انت الذی امر ھذہ الامة فی یدک وفی عنقک لقد تقلدت امراً عظیما۔ فبکی الرشید ثم اُتی کل رجل منا ببدرة فکل قبلھا الا الفضیل (وفیات الاعیان) وقال ابن الاھدل قال الرشید لفضیل ما ازھدک۔ قال انت ازھد منی لانی زھدت فی الدنیا الفانیة وانت زھدت فی الآخرة الباقیة (شذرات الذھب) قبل المنصور یوماً راکباً والفرج ابن فضالة جالس عند باب الذھب فقام الناس ولم یقم له الفرج فاستشاط غضبا ودعا به فقال ما منعک من القیام حین رأیتنی۔ قال خفت ان یسألنی اللہ عنه لم فعلت ویسالک لم رضیت فقد کرھه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ فبکی المنصور وقربه وقضی حوائجه (خطیب بغداد ۳۹۴/۱۲) ۱۲

[2] ھم الاسرة السامانیة۔ وھی اُسرة تنتسب الی بھرام جور صاحب کسری۔ فھی اسرة عریقة فی المجد فی الامة الفارسیة وکان فی عھد المامون من تلک الاسرة اولاد اسد بن سامان۔ وکان المامون یرعی حقوق الحرمة لذوی البیوتات۔ فقربھم ورفع من اقدارھم۔ وکانت بلاد ما وراء النھر منقسمة بینھم۔ یلونھا من جھة امیر خراسان (الف) فکان نوح بن اسد فی سمرقند (ب) واحمد بن اسد فی فرغانة (ج) ویحیی بن اسد فی الشاس واشروسنة (د) والیاس بن اسد فی ھراة وکان احمد بن اسد عفیف الطعمة مرضی السیرة، لا یاخذ رشوة ولا احد من اصحابه ولما توفی استخلف ابنه نصراً علی اعماله بسمرقند وماورائھا وکان اسمعیل بن احمد یخدم اخاه نصراً۔ فولاه بخارا ۲۶۱ھ۔ واسمعیل ھذا ھو الذی علی یدہ انتھی عز عمرو بن اللیث وورث ما کان بیدہ

کرنے والے عرب، اور پھر اُن کے بعد عجم ایک ہی درجہ پر آ جائیں گے۔ یہ اسی اجتماعی فکر کا اثر ہے کہ عربوں کی انفرادیت ہماری نظروں سے غائب ہو چکی ہے۔ وہ (عرب) اس اجتماعی تحریک کے امام ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اس اجتماعیت کو دنیا میں کامیاب کر دکھلایا۔ وہ قیامت تک انسانی نسلوں کیلئے قرآن کی اجتماعیت پر عمل کرنے کے لیے نمونہ رہیں گے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی مرکزی قوت کے کمزور ہونے پر اسلام ختم ہو گیا۔

ہم امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی فتوحات، اور قسطنطنیہ پر اُن کے حملہ[1] کو جس قدر

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) من ملک خراسان وصارت له دولة عظيمة او رثها اهل بيته. واستمرت دولتهم (١٢٠) سنة وستة اشهر. ثم انتهت على يدى ال سبكتگين. من جهة. والترک الخاقانية من جهة اخرى. وهذه اسماء تواريخهم وملوکهم.

١- نصير بن احمد بن سامان	٢٦١	٢٧٩
٢- اسمعيل بن احمد	٢٧٩	٢٩٥
٣- احمد بن اسمعيل	٢٩٥	٣٠١
٤- نصر بن احمد	٣٠١	٣٣١
٥- نوح بن نصر	٣٣١	٣٤٣
٦- عبد الملک بن نوح	٣٤٣	٣٥٠
٧- منصور بن نوح	٣٥٠	٣٦٦
٨- نوح بن منصور	٣٦٦	٣٨٧
٩- منصور بن نوح	٣٨٧	٣٨٩
١٠- عبد الملک بن نوح	٣٨٩	٣٨٩

ولقد زالت على يد السامانيين دولة رجلين كبيرين ١- عمرو بن الليث الصفار ٢- ومحمد بن زيد وبذلک صارت القوة للاسرة السامانية. فكان بيدهم بلاد ما وراء النهر وخراسان الى الرى وسجستان ولهم فيها نفوذ وسلطان تام ه محاضرات خضرى ٢/٣١١ و ٢/٣٢١ ١٢

[1] كان الصحابة يغزون مع يزيد بن معاوية فانه غزا القسطنطينية فى حياة ابيه معاوية رضى الله عنه وكان معهم فى الجيش ابو ايوب الانصارى. وذلک الجيش اول جيش غزا القسطنطينية وفى صحيح البخارى عن ابن عمر رض عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم ه (منهاج السنة ٢/٢٤٥). ولى معاوية يزيد على الجيش الى قسطنطنية وكانت تلک الغزاة تحت راية

عزت واحترام سے دیکھتے ہیں، سلطان محمود[۵] غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کی محنتوں کی بھی ہم ویسی ہی قدر کرتے ہیں، ہمارے ذہن سے عربی عجمی فرق کے زائل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔

فصل ۳ تطبیق الفقہ والحدیث

انقلابی تحریکوں میں اساسی قانون غیر متبدل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے چلانے والی قوم کے طبعی خصوصیات کے مطابق دوسرے درجہ کا نظام سنٹرل کمیٹی پیدا کر لیتی ہے جسے بائیلاز کہا جاتا ہے۔ بنی امیہ کے آخری دور تک اسلامی تحریک کی مرکزیت حجاز میں رہی بنو امیہ نے دمشق کو اپنی سیاست کا مرکز بنایا۔ مگر اصل اجتماعیت کا مرکز مدینہ منورہ ہی رہا۔ عباسیوں نے مرکزیت حجاز سے بغداد میں منتقل کر لی۔ اس لیئے خلفاء عباسیہ کے تمام وزراء ایرانی ہوئے۔ اور جب وہ اپنی ایرانیت میں آگے بڑھتے تو خلفا کے لیئے اُن کے قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔ خلیفہ منصور (متوفی ۱۵۸ھ) نے ابو مسلم خراسانی (عبد الرحمان بن مسلم متوفی ۱۳۷ھ) کو قتل کیا۔ خلیفہ محمد مہدی (متوفی ۱۶۹ھ) نے ابو علید اللہ اور ابو عبد اللہ کو[۶] روندا۔ ہارون رشید (متوفی ۱۹۳ھ) نے برامکہ کو موت کے گھاٹ اُتارا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) یزید وھو کان امیرھم یومئذ۔ وذلک فی ۵۵ھ فجعل ابو ایوب یقول ما علیّ ان مرّ علینا شاب۔ فمرض فی غزوۃ تلک ودخل علیہ یزید یعودہ فقال لہ اوصنی۔ قال اذا انا مت فاحملونی فاذا صاففتم العدو فادفنونی تحت اقدامکم (استیعاب واصابہ ص ۴۰۴، ۴۰۵ ج ۱ وص ۵ ج ۲) ۱۲

[۵] در کتب تاریخ یافتہ مے شود کہ زائچہ سلطان محمود غزنوی با زائچہ طالع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشابہت تمام داشت از جہت مواضع کواکب سیارہ ومناظرات آنہا۔ وقران علویین ومسعودیت شمس ومریخ ومانند آں۔ پس فتوح ومجاہدات عظیمہ از سلطان محمود بظہور رسید۔ تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۶

[نکتہ] والذی اعتقدہ انہ ان اتفق غلبۃ الھنود علی اقلیم الھند غلبۃ مستقرۃ عامۃ وجب فی حکمۃ اللہ ان یلہم رؤسائھم الدین بدین الاسلام کما الھم الترک۔ وذلک منشعب عن عموم نبوۃ والغفاد کونہ صاحب ملۃ۔ تفہیمات ص ۳۰۳ ۱۲

[۶] خلیفہ محمد مہدی کے تین وزیر یکے بعد دیگرے ہوئے

(اول) ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار۔ غلام آزاد کردہ اشعریین۔ نزاہت اخلاق اور حسن سیرت میں ممتاز زمانہ تھا اسی نے سب سے پہلے خراج کے موضوع پر نہایت نفیس کتاب لکھی جو بعد کے مصنفین کے لیئے شمع راہ بنی۔ ربیع حاجب کو اس سے رقابت

اس کے بعد خلفا کی یہ طاقت ختم ہو گئی۔ مامون (متوفی ۲۱۵ھ) خود وزراء علی الخصوص فضل بن سہل (پروردہ برامکہ) کا تربیت یافتہ تھا، پھر بھی اُس نے اپنے اس عربی ذی الریاستین فضل بن سہل (متوفی ۲۰۲ھ) کو قتل کرا دیا۔

مگر عباسی خلافت ہی نے ایرانیوں کو حکمرانی سکھلائی۔ بعد کے خلفا ایرانی وزیروں یا ایرانی قائدوں کے اشاروں پر چلتے تھے۔

ایران اور خراسان ہماری سمجھ میں ایران اور خراسان کے درمیان حقیقی تضاد نہیں۔ دونوں قومیں ایک ہی قوم کے شعبے ہیں۔ اس لیے تُرکیت کا جو خیال معتصم کے بعد پیدا کیا جاتا ہے۔ ہم اُسے قبول نہیں کرتے یہ سب ایرانیت تھی۔ ترکوں کے بچے ایرانی تہذیب سے مہذب ہو کر حکومت کرتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کو دیکھ لیجئے۔ وہ نسلاً ترک ہے۔ مگر سوائے ایرانیت کے اُس کے دربار میں کوئی چیز نہیں ہے۔

ہندوستان میں بھی جس قدر سلاطین آئے وہ عموماً ترکی نسل سے تھے۔ مگر ہم سب کو ایرانی مانتے ہیں۔ اُن کی زبان، فکر، فلسفہ تمام تر ایرانی تھا۔ اس تہذیب سے باہر نکل کر کوئی ترک حکومت کے کسی منصب پر نہیں پہونچا۔

یہ سمجھ بھی ہمارے اس اجتماعی تاثر کا نتیجہ ہے۔ جیسے ہم نے قریش کی تقسیم بھلا دی اسی طرح

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پیدا ہوئی اس نے خلیفہ مہدی سے کہا کہ ابو عبید اللہ کا لڑکا (محمد) ملحد ہے۔ مہدی نے اس کو قتل کرا دیا۔ بعد ازاں مہدی ہموارہ ابو عبید اللہ سے خائف رہا کہ مبادا اپنے بیٹے کا انتقام لینے کی سازش کرے۔ چنانچہ ۱۶۷ھ میں اُس کو وزارت سے معزول کر دیا گیا اور وہ معزولی کی حالت میں ۱۷۰ھ کو فوت ہوا۔

(دوم) دوسرا وزیر ابو عبد اللہ یعقوب بن داؤد ہے۔ یہ خاندانِ سلیم کا آزاد کردہ غلام ہے۔ خلیفہ محمد مہدی کو اس سے اسقدر محبت تھی کہ عام شاہی اعلان میں لکھا کہ یعقوب میرا بھائی ہے۔ مہدی کے حاشیہ نشینوں نے از راہِ حسد اس کے خلاف سازش کی کہ یہ انتقال خلافت کا متمنی ہے۔ اس پر مہدی نے اس کو ۱۶۶ھ میں معزول کر دیا۔

(سوم) بعد ازاں محمد مہدی نے فیض بن ابی صالح کو وزیر مقرر کیا۔ یہ شخص عیسائی خاندان سے ہے۔ خلیفہ مہدی کی وفات تک وزیر رہا۔ اور ۱۷۳ھ اوائل سلطنت رشید میں فوت ہوا۔

وفی المحاضرات، واوقع المهدی بابی عبید اللہ معاویۃ بن یسار۔ ویعقوب بن داؤد لوشایۃ کانت بهما۔ مع نزاھۃ الاول وحسن سیرتہ۔ ومع ماکان للمھدی من الولوع بالثانی حتی کتب للجمهور انہ اتخذہ اخا فی اللہ ھ ص ۱۱۹ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ

ایرانیت کے اقسام ہماری نظر سے غائب ہیں۔

ہم واٰخرین منھم، کی اُس تفسیر کو زیادہ صحیح مانتے ہیں۔ جس میں ایرانیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ایرانی اشخاص ہمارے نزدیک زیادہ قدر وقیمت نہیں رکھتے۔ بلکہ ہمارے نزدیک ایرانیت سے مُراد ایرانی تہذیب ہے۔

حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین جب اسلام کی مرکزی طاقت اموں کے عہد سے ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ تو قرآن کی اساسی اجتماعی تحریک کے لیئے عربی بائیلاز کے علاوہ ایرانی بائیلاز کی ضرورت فقہا کو محسوس ہونے لگی۔ ہم اسلامی فقہ کے یہ دو اسکول (حجازی و عراقی) علحدہ علحدہ مانتے ہیں موجودہ اصطلاحات کے رو سے فقہ کا ترجمہ بائیلاز ہے۔ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر متبدل رہے گی۔ خلافت راشدہ میں عربی ذہنیت کے مطابق اُس کے بائیلاز تیار ہوئے۔ اور وہ حجازی فقہ ہے جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا اور امام مالکؒ نے اس کو موطا میں ضبط کر دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں ائمہ فقہا خلیفہ راشد کے مشیر رہا کرتے تھے۔ فاروق اعظم کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عراق فتح کرنے کے بعد اُس میں ایک نیا مرکزی شہر بسایا جائے۔ نیز یہ بھی محسوس ہوا کہ میرے مشیروں میں سے ایک بڑا اُستاذ[1] عراق کے بائیلاز بنانے کی بنیاد رکھدے۔ اس کے لیئے انھوں نے عبداللہ بن مسعود کو اپنی صحبت سے جدا کر کے بطور معلم عراق بھیجا۔ عبداللہ بن مسعود کی صحبت سے عراقی فقہا تیار ہوئے۔ جنھوں نے ایرانی مرکزی حکومت کے لیے بائیلاز (فقہ عراقی) تیار کر دیئے۔

---

[1] قال الحافظ ابن عبد البر فی کتاب الاستیعاب۔ بعث عمر بن الخطابؓ عبد اللہ بن مسعود الی الکوفۃ مع عمار بن یاسرؓ۔ وکتب الیھم انی قد بعثت الیکم بعمار بن یاسرؓ امیراً وعبد اللہ بن مسعود معلماً ووزیراً۔ ھما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بدر۔ فاقتدوا بھما واسمعوا من قولھما۔ وقد اٰثرتکم بعبد اللہ بن مسعود علی نفسی۔ واقبل عبد اللہ بن مسعود وعمر جالس فقال کنیف ملئ فقھا۔ وقال ابن مسعود انی لاعلمھم بکتاب اللہ وما انا بخیرھم۔ استیعاب ص۳۲۱ ج۲ ص۳۲۳ وحلیۃ الاولیاء لابی نعیم ص۱۲۹ ج۱ وازالۃ الخفاء ج۲۔)

۱۲۔ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

جس طرح اہل مدینہ کے فقہا امام مالک کے ذریعہ سے زندہ رہے۔ اسی طرح اہل عراق کے فقہا کا علم امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ محفوظ رہا۔ امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسی جماعت تیار کردی کہ ایرانی حکومتوں کے تبدلات میں وہ نئی نئی ضرورت کو پورا کرسکے گی۔

بغداد کے رہنے والے ایک تمدن رکھتے ہیں۔ جو کہ عربی اور ایرانی تمدن کا مجموعہ ہے بغداد میں جیسے فارسی بولی جاتی تھی۔ اسی طرح عربی بھی استعمال ہوتی تھی زوال بغداد پر عربی بولنے والی قوموں نے قاہرہ کا رُخ کیا۔ اور فارسی بولنے والی قومیں دہلی میں جمع ہوگئیں۔ ایرانیت اور عجمیت میں بغداد اور دہلی یکساں مان لیئے جائیں پھر بھی اُن میں زمین و آسمان کا فرق ہے بغداد سے حکومت دہلی پہونچی اس میں اُس نے بخارا اور غزنی کا رستہ طے کیا ہے۔ بغداد اور بخارا کے تمدن میں بھی اتنا فرق موجود ہے جتنا دو قوموں میں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بخارا اور غزنی کا فرق بھی قومیت سے کم درجے کا نہیں ہے۔ اس کے بعد لاہور اور دہلی کا نمبر آتا ہے یہاں بھی قومیتیں بدلتی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کو ہارون الرشید کے زمانے میں فقہ کی امامت تفویض ہوئی۔ امام ابویوسف قاضی القضاۃ[1] تھے۔ اور امام محمد لا کالج کے پرنسپل۔ ان کی تعلیم اور صحبت میں اس قدر بلند مرتبہ فقہا تیار ہوئے کہ دہلی تک پہونچنے میں جس قدر تبدلات پیش آئے۔ ان کا لحاظ رکھ کر وہ اسلامی بائیلاز تیار کرنے میں کمال رکھتے تھے اُنھیں کے زور پر سلاطین اپنا اعلا الٰہی قانون قوموں کو منواتے رہے۔

دہلی میں قضا کا مستقل مرکز پیدا ہوا جسے دوسرے اسلامی ممالک اس لیئے نہیں جانتے کہ اُس کی تاریخ فقط فارسی زبان میں مدّون ہو

تدوینِ فقہ اور ہندوستان اس مرکز سے دو دفعہ اجتماعی تحریک میں تجدید پیدا ہوئی۔ اُس اسلامی فقہ کو جو بخارا سے یہاں پہونچی تھی ہندوستان کے مطابق کرنے کی سعی کی گئی پہلی دفعہ تغلقوں کے عہد میں فتاوی تاتارخانیہ[2] تیار ہوا۔ دوسری بار سلطان عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے

---

[1] یعقوب بن ابراہیم الانصاری، الامام ابویوسف۔ اخذ عن ابی حنیفۃ۔ وثقہ ابن معین واحمد ولی القضاء لثلاثۃ من الخلفاء۔ المہدی، والہادی والرشید۔ وکان الیہ تولیۃ القضاء فی المشرق والمغرب وھو اول من دعی فی الاسلام بقاضی القضاۃ۔ وکان یقال لہ قاضی قضاۃ الدنیا۔ لانہ کان یستنیب فی سائر الاقالیم التی یحکم فیہا الخلیفۃ۔ مات فی ۱۸۲ھ (تاج التراجم از حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا رح) ۱۲

[2] فتاوی تاتارخانیہ۔ مولانا عالم بن علاء اندرپتی دہلوی متوفی ۷۸۶ھ نے امیر کبیر تاتار خاں دہلوی کے نام نامی پر لکھا۔ امیر مذکور لقیط ہے۔ جو

زمانے میں خود سلطان نے فتاوی عالمگیری تیار کرایا۔ اور تمام قلمرو میں اُس پر عمل واجب قرار دیا۔ سلطان کے بعد بھی نادر شاہ کے حملے تک (یعنی ۵۲-۱۱۵۱ھ تک) یہ قانون ہندوستان میں متبوع رہا ہے۔

یہاں تک ہم نے فقہ حنفی کو سمجھنے کے لیے چند اصول پیش کیے ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور فقہ اب ہم شاہ ولی اللہ پر آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فقہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے پڑھی۔ اور شاہ عبدالرحیم فتاوی عالمگیری کے مصنفین[۱] میں سے ایک عالم ہیں۔ ہمارے زمانے میں ہندوستان

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) سلطان غیاث الدین تغلق کو کسی جنگ میں ملا۔ سلطان نے اُس کی خاص تربیت کی۔ اُس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے اسکو ارکین سلطنت میں شامل کر لیا۔ امیر مذکور بہت بڑا سخی، عادل اور بہادر تھا۔ تفسیر تاتارخانی اسی کی تصنیف ہے۔ نیز اسی کے حکم سے مولانا عالم بن علا نے فتاوی تاتارخانیہ لکھا۔ کتاب مذکور کا اصلی نام زاد السفر ہے ۷۷۷ھ ہجری میں تصنیف ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ ابن رجب نے ہر چند چاہا کہ کتاب مذکور میرے نام سے ہو۔ مگر مؤلف نے اس کو منظور نہ کیا لصلااقتہ کانت بینہ وبین تاتارخان۔ وھو کتاب عظیم فی مجلدات جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی والذخیرۃ والخانیۃ و الظہیریۃ۔ ولخصہ الامام ابراھیم بن محمد المتوفی ۹۵۶ھ فی مجلد۔ وانتخب منہ ما ھو غرایب او کثیر الوقوع ولیس فی الکتب المتداولۃ ھ (نزھۃ الخواطر لمولانا عبدالحی الحسنی) ۱۲

[۱] امام ولی اللہ فرماتے ہیں: حضرت ایشاں مے فرمودند کہ در زمانِ عالمگیر فتاوی عالمگیری بامر وے تدوین کردہ بودند۔ و نظر ثانی مے کردند۔ بعضی از آں کار بہ شیخ حامد کہ در دروس مرزا محمد زاہد شریک ما بود مفوض شد۔ وے بہ خانہ من آمد کہ رفاقت من کنید۔ مبلغ کذا یومیہ بنام شما مقرر خواہد شد۔ قبول نہ کردم۔ والدہ من ایں قصہ استماع کردہ بہ جد شدند و مبالغہ از حد گزرانیدند۔ مضطر شدہ بوظیفہ موظف شدم۔ و بہ آں کار مشغول گشتم۔ حضرت ابوالقاسم اکبرآبادی چوں بہ ایں معنی مطلع شدند فرمودند آں وظیفہ را ترک کنید۔ گفتم والدہ ناخوش می شود فرمودند اذا جاء حق اللہ ذھب عن العباد۔ قول صحیح است۔ گفتم دعا کنید کہ خدا تعالے ایں وظیفہ را بہ غیر سعی من دور کند۔ تا والدہ ناخوش نہ شود۔ دعا کردند۔ در چند روز بادشاہ اسامیِ اہل وظیفہ را طلب کردہ۔ وآں را بہ عزل و نصب تغیر میداد۔ چوں بہ نام من رسید آں وظیفہ را دور کرد۔ و نوشت اگر خواہند ایشاں قدر زمین مدد معاش مرا پر سیدند، قبول نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم۔ میفرمودند۔ روزے در نظر ثانی، بر عبارتے ناموجہ، کہ از اختلال کلا صورت مسئلہ برہم بر خوردہ بود۔ مرا گزر افتاد۔ بہ کتاب ہا کہ ماخذ آں مسئلہ بودند ارجوع کردم معلوم شد کہ ایں مسئلہ در دو کتاب مذکور است و در ہر یک بہ عبارتِ دیگر۔ مولف فتاوی ہر دو عبارت را جمع کردہ۔ از ایں سبب اختلال تمام پذیرفتہ۔ بر حاشیہ نوشتم "من لم یتفقہ فی الدین فقد حرف فیہ۔ ھذا غلط۔ وصوابہ کذا" در آں ایام عالمگیر را بہ جمع و تدوین آں اہتمام عظیم بود۔ ملا نظام ہر روز یک دو صفحہ پیش بادشاہ مے خواند۔ چوں ایں جا رسید اتفاقاً ایں حاشیہ را با متن مخلوط کردہ بہ یک نسق خواند۔ بادشاہ متنبہ گشت و گفت ایں عبارت چیست۔ ملا نظام دراں مجلس تدافع کرد کہ ایں را مطالعہ نہ کردہ ام۔ فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔ چوں بخانہ آمد، ملا حامد را عتاب کرد کہ ایں جلد بہ اعتماد شما گزاشتہ بودم۔ شما پیش بادشاہ مرا خفیف کردید۔ بارے ایں لفظ چہ بود۔ ملا حامد دراں وقت ہیچ نہ گفت بعد ازیں با من اظہار ملال کرد۔ کتاب ہا کہ ماخذ ایں مسئلہ بود حاضر کردم و اختلال عبارت و پریشانی واضح کردم بہ وجہے کہ برہم گناں ثابت شد۔ باز اکثر آں قوم بر من حسد بے بردند۔ و بہ

کے اندر جس قدر علمی تحریکیں مرکزیت رکھتی ہیں وہ سب کی سب ایسے اساتذہ پر ختم ہوتی ہیں جو عالمگیری دَور کے ممتاز فرد تھے۔ شیخ محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی کتابیں اصول اور معقول میں ہمارے یہاں کافی رواج پذیر ہیں۔ اور ہندوستانی طریقہ تحصیل دوسرے اسلامی ممالک میں انھیں کتابوں کی بدولت ممتاز ہوگیا ہے شیخ محب اللہ عالمگیری دور کے نامور فاضل تھے[1] "فاضل خاں" ان کا لقب اور خطاب تھا۔

شاہ ولی اللہ کی اساسی تربیت فکریہ میں ہم شاہ عبد الرحیم کو مرکز مانتے ہیں۔

(الف) قرآن شریف کا ترجمہ تفسیروں سے علحدہ اُنھوں نے (شاہ عبد الرحیم نے) پڑھانا شروع کیا۔

(ب) وحدت وجود کا مسئلہ صحیح طریقہ سے انھوں نے تعلیم دیا ہے۔

(ج) حکمت عملی کو اسلامی علوم میں باوقعت بنانا انھیں کے ارشاد کا نتیجہ ہے۔

یہ چیزیں شاہ ولی اللہ کی تعلیم میں بہت اہم مانی جاتی ہیں۔ لہٰذا ہم شاہ صاحب کے تمام کمالات کو بھی عالمگیری دور کا ایک نتیجہ بنانا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد بارہ[12] سال تک دہلی میں درس دیتے رہے۔ یعنی جو کچھ اُنھوں نے اپنے والد سے سیکھا تھا۔ وہ اُن کے دماغ میں راسخ ہوگیا اس کے بعد وہ حجاز پہونچے اور شیخ ابراہیم کردی کے شاگردوں میں سے شیخ ابوالطاہر مدنی، اور شیخ حسن[2] بن علی عجیمی (متوفی ۱۱۱۳ھ) کے شاگردوں میں سے شیخ تاج الدین قلعی (متوفی سنہ؟) کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ شیخ ابوالطاہر شافعی تھے۔ اور شیخ تاج الدین حنفی۔ شاہ ولی اللہ نے حجاز جاکر حنفیہ اور شافعیہ کو ایک درجہ پر مان لیا۔

پہلے ہم ذکر کرچکے ہیں کہ امام مالک حجازی فقہ کے جامع ہیں اُن کی شاگردی کے بعد امام شافعی نے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) ظاہر سبب این عزل حسد ایشاں بود۔ واللہ اعلم۔ انفاس ص۲۴ اسی کتاب کے ص۶۶ و ۶۹ پر مذکور ہے کہ شہنشاہ عالمگیر کو شاہ عبدالرحیم سے ملاقات کرنے کا اشتیاق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ ہر دو کی ملاقات ہوئی ۱۲

[1] قال الامیر القنوجی۔ لازم السلطان عالمگیر۔ فولاہ قضاء لکھنؤ۔ ثم بعد مدۃ قضاء حیدرآباد ثم عزلہ ثم امرہ بتعلیم ابن ابنہ رفیع القدر بن محمد معظم۔ ولما فوض عالمگیر فی آخر عمرہ حکومۃ کابل الی ابنہ محمد معظم الملقب بشاہ عالم وسافر ھو مع ابنہ رفیع القدر من الدکن الی کابل صحبہ القاضی۔ ولما توفی عالمگیر فی الدکن (۱۱۱۸ھ) وانتہض شاہ عالم من کابل الی الدیار الھندیۃ اعطی القاضی منصباً جلیلاً وولاہ صدارۃ ممالک الھند کلھا۔ ولقبہ بفاضل خاں۔ فی ۱۱۱۹ھ۔ فتوفی فی ھذہ السنۃ ھ ابجد العلوم ومآثر الکرام وتذکرہ علمائے ہند) ۱۲

[2] راجع ترجمۃ الشیخ حسن بن علی وترجمۃ الشیخ تاج الدین الحنفی فی "ابجد العلوم" ص۲۴۶ "وانفاس العارفین" ۱۲ مجدد

حجازی فقہ کو عراقی فقہ کا مقابل بنا دیا۔ امام شافعی کی فقہ کی خصوصیات پر اس موقع پر ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جس قدر صوفیہ اور محدثین حجاز میں دیکھے وہ اکثر شافعی تھے۔

ادھر شاہ صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ سلاطین عثمانیہ سلاطین دہلی کی طرح حنفی ہیں۔ بنا بریں وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے کہ شافعیت اور حنفیت کے اختلافات پر زیادہ توجہ کریں۔ وہ اسلام کی بین الاقوامی سیاست میں جیسے عرب اور عجم کو مستقل مانتے ہیں (یعنی ہر دو نے سیاست اسلامیہ کے فرض کو ادا کیا) اس طرح فقہ شافعیہ کو عرب کی جگہ، اور فقہ حنفیہ کو عجم کی جگہ مانتے ہیں۔ کیونکہ فقہ حنفی عجمیوں نے پیدا کی، اور یہ اُن کے مذاق کے عین مطابق ہے۔

اب شاہ صاحب کی تجدید اور تحقیق یہ ہے کہ دو فقہ کے ہر دو طریقوں کو امام مالک سے استنباط کرتے ہیں۔ یعنی اُنھوں نے دونوں طریقوں میں ایک امر مشترک پیدا کر دیا ہے حجازیوں میں بھی امام شافعی اہل مدینہ کی روایتوں کو مقدم مانتے ہیں۔ اس لیے کہ اُنھوں نے ابتدا میں اہل مکہ سے پڑھا۔ بعد ازاں امام مالک کی کتاب پڑھ کر فقہ میں ترمیم کر لی۔

اسی طرح عراقی علما میں سے امام محمد نے پہلے عراقی فقہا کی روایتیں پڑھیں۔ اس کے بعد امام مالک سے موطا پڑھ کر عراقی تفقہ[1] میں ترمیم کر لی۔

اس طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی تو مقابل بن گئیں۔ مگر موطا امام مالک اُن میں امر مشترک رہا۔ شاہ

---

[1] (فائدۃ نفیسۃ تخلو عنہا الاسفار) امام محمد کی کتب ثلثہ کا موضوع۔

(الف) موطا امام مالک کی کتاب میں فقہ عراقی سے جس قدر موافق روایتیں تھیں اُن کو لے کر امام محمد نے کتاب موطا تالیف کی

(ب) کتاب الحجج میں امام نے عراقی فقہ کی مخالف روایتوں پر تنقید کر دی۔

(ج) کتاب الآثار، اہل مدینہ کے پاس تلامذہ ابن مسعود کی جو روایتیں نہ تھیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مستند ہیں ان کو امام محمد نے کتاب الآثار میں جمع کر دیا

[نکتہ] شیخ الاسلام ابن حجر، جو حنفی علما کے تراجم میں زیادہ انصاف نہیں کر سکے بلسان المیزان میں امام محمد کے حق میں لکھتے ہیں "کذبہ ابو یوسف"، حالانکہ وہ معاملہ از قبیل حدث ونسیٔ ہے۔ امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسف نے چار مسئلے روایت کیے۔ پھر بھول گئے۔ جب امام محمد نے انھیں یاد دلایا کہ آپ نے مجھے یہ روایتیں سنائیں تو ابو یوسف نے انکار کر دیا۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہر دو میں تنافر پیدا ہو چکا تھا [تنافر کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو شرح سیر کبیر از سرخسیؒ۔ نور] الغرض یہ تمام معاملہ حدث ونسیٔ کے ماتحت ہے نہ کہ کذب کے۔ زیادہ سے زیادہ اُن چار روایات کا اعتبار نہ ہو گا لیکن اس سے ثقاہت پر ذرہ برابر اثر نہیں پڑ سکتا کیا شیخ الاسلام ابن حجر اس کو نہیں جانتے؟ حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲

ولی اللہ، یہ امر مشترک واضح طور پر دنیائے اسلام کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حنفی شافعی تخاصم ختم ہوجائیگا نہیں۔
شاہ ولی اللہ نے حجاز پہونچکر اسناد کے سمجھنے میں تفقہ پیدا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی پانچ کتابوں
میں آپ نے موطا مالک کو اصل قرار دیا۔ صحیحین اور سنن موطا کی متابعات و شواہد ذکر کرنے والی کتابیں بنیں۔ اس طریق
تفقہ سے شاہ صاحب کے شاگرد احادیث صحیحہ کو اپنے اجتہاد سے صحیح مان سکتے ہیں۔

جس طرح فقہا نے مجتہد منتسب کا درجہ مجتہد مستقل کے ساتھ مان رکھا ہے۔ اگرچہ مجتہد مستقل پیدا ہونے
ایک زمانہ سے ختم ہوگئے۔ مگر مجتہد منتسب ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور انھیں کے ذریعہ سے فقہ کی تجدید
اور تحقیق قایم ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب نے ائمہ محدثین کو مجتہد مستقل کا درجہ دیا۔ اور مجتہد منتسب تیار کرنیکا راستہ
موطا مالک کو مقدم مان کر تیار کر دیا۔ اب شاہ صاحب کے اتباع میں سے جو محقق عالم پیدا ہوں گے وہ
صحیحین اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں سے صحیح حدیثیں نکالنے پر خود قادر ہوں گے۔ وہ مذکورہ بالا کتب حدیث
کو اسی لیے صحیح نہیں مانتے کہ ان کی مصنف بہت بڑے عالم تھے۔ بلکہ وہ اپنی ذاتی تحقیق اور اجتہاد سے ان ائمہ کی
تصحیح کو قبول کرتے ہیں۔

علم کے اس مرتبہ کی تعیین اور تعلیم کے بعد علم فقہ میں شاہ صاحب کا یہ مسلک قرار پایا کہ صحاح ستہ
میں جو حدیثیں صحیح ہیں۔ ان کے موافق جو فقہی عالم فتوے دیتا ہے اُسی کو ترجیح دی جائے۔ خواہ شافعی ہو خواہ حنفی۔
یہ پہلا درجہ ہے۔ اُن کی فقہی تحقیق کا جو حجاز میں رہ کر اُنھیں سمجھ میں آئی۔ وہ عام علما کی طرح اس بات
کو قبول نہیں کر سکتے تھے کہ فقط فقہ حنفی تمام مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیئے کافی ہے۔ اس لیئے کہ
عربی بولنے والے ممالک عموماً شافعی اور مالکی مذہب رکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے مرکز سے
دور ہیں تو وہ فقہ حنفی بہت کم جانتے ہیں مصر اور مغرب اس کی مثالیں ہیں۔ اب شاہ صاحب کا فیصلہ یہ ہوا کہ
حنفی، شافعی فقہ کو مساوی درجہ پر رکھا جائے۔ اور موطا مالک کو اصل بنا کر کتب حدیث میں جو معروف اور اکثریت
کی زیر عمل روایتیں ہیں (یعنی شواذ اور غرائب کو چھوڑ دیا جائے) اُن کو انتخاب کر لیا جائے۔ اُس کے مطابق
اگر حنفی روایت ہے تو اُس کو ترجیح دو۔ اگر شافعی ہے تو وہ راجح ہے۔ اگر اس فقہ کو اسلامی مرکز میں قایم کر دیا جائے
تو مسلمانوں کا ایک نقطہ پر جمع ہو جانا آسان ہو جائے گا

مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع شاہ صاحب پہلے یہی فکر رکھتے تھے کہ شاید اُن کا عمل تجدید حجاز
میں مستقر ہوگا اور تمام دُنیائے اسلام اُس کو قبول کر لے گی مگر حجاز میں جا کر حالات کا پورا تتبع کرنے کے بعد، ان کی
رائے بدل گئی۔ اس کی طرف تفہیمات الٰہیہ[۱]" میں اشارہ موجود ہے۔

[۱] امام ولی اللہ کو ہندوستان میں الہام ہوتا ہے کہ آپ کو مہدویت (دعا تعبیر عنہا بالمصطفویت) کا درجہ عطا کیا گیا ہے جسکے لیے باستثنا نبوت،

فقہ حنفی اور ہند اس کے بعد وہ دہلی آئے اور اسی کو مرکز بنالیا۔ دہلی کے مرکز میں فقہ شافعی کی مطلقاً ضرورت نہیں تھی۔ ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں حنفی فقہ برسر اقتدار رہی۔ ہم ہندوستان میں اسلیئے فقہ حنفی کے خصوصی واجب ہونے کا فتوے دیتے ہیں کہ شروع اسلام سے یہاں سوائے فقہ حنفی کے اور کوئی

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) کوئی بڑا درجہ محقق نہیں ہے۔ اس الہام کا سب سے بڑا مقصد فوری طور پر موجودہ نظام کی درہمی برہمی تھی (یعنی محمد شاہ کے زمانے کی بوسیدہ سیاست کا قلع قمع کرکے ازسرِ نو حکومت کا استوار کرنا تھا) مگر شاہ صاحب نے الہام کے سمجھنے میں غلطی کی۔ اور آپ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے حجاز چلے گئے (حالانکہ الہام ہند سے متعلق تھا) وہاں جاکر دیکھا تو کچھ بھی نہیں۔ آپ وہاں سے ہندوستان واپس آگئے۔ مگر وقت کے گزر جانے پر الہام ثانیاً یہ مطالب ہوا کہ آپ اپنی جد وجہد جاری رکھیں اور سیرت انبیاء پر چلیں۔ غرض ایک فوری مقصد غلط فہمی کے باعث موخر کردیا گیا اگر فوراً کام شروع کردیا جاتا تو مقصد پورا ہوجاتا ہ (تفہیمات الٰہیہ ص۱۲۲/۲) پھر شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ میں آپ کو مکہ معظمہ میں دوبارہ الہام ہوا۔ فرماتے ہیں۔ میں نے مکہ معظمہ میں دیکھا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے اس زمانہ کا نظام قایم رکھنے میں ایک واسطہ بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا سردار مسلمانوں کے شہروں پر غالب آگیا۔ ان کے اموال لوٹ لیئے۔ انھیں قید کرلیا۔ اور اجمیر جیسے شہر میں کفر کے خصوصی احکام جاری کردیے۔ اور اسلامی قانون ممنوع قرار دیا۔ خدا تعالےٰ کی ناراضگی سے متاثر ہوکر میں غضب سے بھر گیا۔ اور میرے غضب کا اثر اس ہجوم میں بھی پھیل گیا جو میرے ساتھ تھا اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت خدا تعالےٰ کی رضا کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ "فک کل نظام" تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑ دو۔ اس کے بعد وہ ہجوم آپس میں جنگ شروع کردیتا ہے اور میں ایک شہر کے قریب پہونچا تاکہ اس کو برباد کردوں۔ اُدھر وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے چلے آئے اور لگاتار شہروں کو برباد کرتے ہوئے اجمیر پہنچ گئے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کفار کے سردار کو ذبح کرڈالا ہے اور اس کی رگ ہائے گردن سے خون بڑے زور سے بہہ رہا ہے" ہ فیوض الحرمین ص۹۰)

[تعبیر] ہمارے خیال میں یہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوت کی شکست کی طرف اشارہ ہے، اور شاہ صاحب من وجہ اس کے سرانجام دینے کا واسطہ ہیں۔ اجمیر کا ذکر اس لیئے آیا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجمیر تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر تشریف لائے اور یہیں سے اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں دہلی فتح ہوئی۔ اس خواب سے دو سال بعد یعنی ۱۱۴۶ھ میں باجی راؤ شمالی ہند پر حملہ آور ہوا۔ ادھر ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے حملہ سے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہوئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ جس میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اور ان کے نظام سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے سوا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مگر اسی احمد شاہ نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا خاتمہ کردیا۔

ہند میں جن مسلمان امیروں نے احمد شاہ کو اس حملہ کی دعوت دی تھی ان میں نواب نجیب الدولہ پیش پیش ہیں جسے یہ تاریخی حقیقت معلوم ہو کہ نواب نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے خاص مسترشدین میں سے تھے۔ اس کو ہماری یہ تعبیر قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا۔

[ارشاد شد کہ نزد نواب نجیب الدولہ نہ صد عالم بود۔ ادنے پنج روپیہ واعلیٰ پنج صد روپیہ۔ دستہ قاضی، حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی را طلبیدہ بود رفت، بانو فرمود حاجی غلام مصطفےٰ حنبلی باتباع حضرت الاعظم بود۔ چنانچہ میاں حیات خوشنویس ہم حنبلی است۔ ہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص۸۱)

فقہ معلوم ہی نہیں ہوتی۔ ایران کے اثر سے شیعہ کی حکومت یہاں قایم ہوئی۔ مگر وہ اسکول ہی علحدہ ہے اس سے ہماری بحث نہیں۔ مسلمانان ہند کی اکثریت حنفی مذہب کی پابند ہے۔ ہند میں جب اسلام آیا تو یہاں کے ایک بڑے حصے نے اس کو اجنبی چیز سمجھا۔ مگر کافی زمانے کے تامل و تعاون اور بڑی بڑی سلطنتوں اور بڑے حکما اور صوفیہ کی محنتوں سے ہندوستانی قوم نے اسلام کو اپنی چیز بنا لیا۔ یہ اسلام ان کے قلوب و اذہان میں حنفی صورت میں آیا۔ اس لیئے حنفیت ہندوستانی قوم کا قومی مذہب ہے۔ اب یہاں کوئی مصلح و مجدد اس طرح کبھی کام نہیں کریگا کہ جہاں حنفیت کی رعایت ممکن ہو وہاں بھی اس کی پروانہ کرے۔ اس مذہب نے ہندوستان میں

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) اس واقعہ کے قاعدہ "فک کل نظام" کو شاہ ولی اللہ نے اپنے انقلابی نظریہ کا عنوان قرار دیا۔ اور تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف کی تمام کتابوں میں جو پچاس کے قریب ہیں۔ مناسب مواقع پر اجتماع اسلامی (اسلامی سوسائٹی) کے فساد کی تفصیل اور انقلاب کی ضرورت پر زور دیا اور بسط سے بحث کی ہے۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغۃ کے باب "اصلاح الارتفاقات" صفحہ میں فرماتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت اور حرفت اعلیٰ مدارج کمال پر پہونچ جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر حکمران جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی اپنا شعار بنالے تو اس کا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر اتنا بڑھ جائے گا کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ حیوانات جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔

ایسے وقت میں ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ "انقلاب" کے سامان پیدا کردے۔ اور قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بار اُتار دے۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں نے یہی وطیرہ (آرام و آسایش اور رفاہیت بالغہ) اختیار کیا۔ اس مرض کو دور کرنے کے لیئے اَن پڑھ لوگوں میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یہاں ضمنی طور پر مثالوں کی ذیل میں بتلاتے ہیں کہ دہلی کے بادشاہوں اور امیروں کی حالت بھی قیصر و کسریٰ کے لگ بھگ جا پہنچی ہے فرماتے ہیں "وما تراہ من ملوک بلادک یُغنیک عن حکایتھم"

دوسرے موقع پر جہاں ربوا کی بحث ہے (حجۃ اللہ ص۲) کہ اسلام نے ربوا کو قطعی طور پر بند کر دیا ہے۔ وہاں تفصیل سے بتایا کہ رفاہیت بالغہ کے مرض سے سوسائٹی کو محفوظ کر دینا از حد ضروری ہے۔

"فک کل نظام" کے بعد نئی تعمیر ضروری ہے اس کے لیئے تفہیمات الٰہیہ ص۲۱۴ میں ہیئت اجتماعیہ کے ہر ہر صنف کو اس کی غلطیوں پر متنبہ کر کے سیدھا راستہ بتلایا ہے۔

سب سے پہلے علما اور صوفیہ اور اولاد مشائخ اور طلبہ اور واعظوں اور زاہدوں کو تبلیغ کی ہے کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں ملوک و امرا اور فوجی طاقت اور پیشہ ور جماعتوں کے فرایض پر مفصل بحث کی ہے۔ عورت اور مرد کے اجتماع میں جو غلطیاں ہو رہی ہیں ان کو نمایاں کر کے بتلایا ہے۔ شہروں کے انتظامات اور صوبہ داروں کے فرائض نہایت تحقیق سے واضح کیئے ہیں۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ ملاء اعلیٰ کی طرف سے نیابۃً تحریر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجتماع میں صحیح بات کہنے والے کیلیے کس قدر خطرات ہوں گے۔ حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲ محمد نور الحق

اتنا توسع پیدا کرلیا ہے کہ ہر محقق کے لئے حنفیت سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس کو شاہ صاحب نے "فیوض الحرمین" میں ضبط کردیا ہے۔ اور کئی بار لکھا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ لاتخالف عوام بلاد لک[1] اسی بنا پر ہم نے شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگوں کو جو حنفی بننا نہیں چاہتے ہندوستانیت سے خارج کردیا ہے۔ انھیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہندوستانی معاملات میں دخل دیں۔

پھر انہیں بھی دو قسم کے عالم ہیں (۱) جن لوگوں کو شاہ صاحب کے اتباع میں سے حنفی مذہب پر پورا اعتماد نہیں رہا ان میں سے بعض نے شافعی مذہب اور بعض نے حنبلی مذہب اختیار کرلیا۔ اس کی چند نظیریں شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسحاق (متوفی ۱۲۶۲ھ) کے شاگردوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ ہندوستانی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو حنفیت سے مخاصمہ نہیں مرکز اسلام میں یہ چاروں مذہب اسلام کے مساوی شارح سمجھے جاتے ہیں ایک حنفی کسی شافعی یا حنبلی سے عناد نہیں رکھتا۔

(۲) مگر ایسے عالم جن کو حنفیت پر اعتماد نہ ہو۔ اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے پابند ہو کر نہ رہ سکیں۔ ان سے شاہ ولی اللہ نے تبری کی ہے[2]۔ ان کو اپنے سلسلہ میں منتسب ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لئے ہم ایسے انسانوں کو اپنی تحریک کا "قیم" کبھی نہیں مان سکتے۔ یہ اصلی دیوبندیت ہے۔ شاہ صاحب کے علوم سے تباعد کرنا دیوبندیت نہیں ہے۔

ہندوستان کے لئے شاہ صاحب کو ایک نئی چیز الہام ہوئی۔ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ وذلک ان یوخذ من اقوال الثلاثۃ قول اقربھم بھا فی المسئلۃ۔ ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین

---

[1] قال فی موضع من فیوض الحرمین ونفح فی نفحۃ اخری فتبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملاً من الامۃ المرحومۃ بک فایاک وما قیل ان الصدیق لایکون صدیقاً حتی یقول لہ الف صدیق انہ زندیق۔ وایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق۔ ھ ص۶۲ ۱۲

[2] استفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبیعتی تمیل الیہ اشد میل۔ احدھا الوصاۃ بالتقیید بھذہ المذاہب الاربعۃ لا اخرج منھا والتوفیق ما استطعت وجبلتی تأبی التقلید وتانف منہ راساً لکن شیء طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی ھ (فیوض الحرمین ص۶۴) وانا اوصی طالب الحق بامور منھا ان لا یصحب جھال الصوفیۃ ولا جھال المتعبدین ولا المتقشفۃ من الفقہاء ولا الظاھریۃ من المحدثین الخ (ص۱۲۰ قول جمیل) وراجع التفہیمات ص۲۰۲ وعقد الجید باب تاکید الاخذ بھذہ المذاہب الاربعۃ والتشدید فی ترکھا والخروج عنھا ۱۲

الذین کانوا من علماء الحدیث۔ فرب شئ سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وماتعرضوا لنفیہ ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ۔ والکل مذہب حنفی ۵۵ ص۴۸

دوسری جگہ میں لکھتے ہیں۔ ثم کشف لی انموذجا ظہر لی منہ کیفیۃ تطبیق السنۃ بفقہ الحنفیۃ، من الاخذ بقول احد الثلثۃ وتخصیص عموماتہم والوقوف علی مقاصدہم و الاقتصار علی ما یفہم من لفظ السنۃ ولیس فیہ تاویل بعیدا ولا ضرب بعض الاحادیث بعضا ولا رفضا لحدیث صحیح بقول احد من الامۃ۔ وہذہ الطریقۃ ان اتمہا اللہ و اکملہا فہی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم فیوض الحرمین ص۶۲

اس طریقہ سے شاہ صاحب نے حنفی فقہ میں تجدید کر دی۔ اب انکی رائے یہ ہے کہ جس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ اُن کے موافق فقہاء حنفیہ[۵۱] میں سے کسی نہ کسی کا فتویٰ ضرور ملتا ہے اس لیئے فقہ شافعی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک حنفی جبکہ وہ حدیث میں تحقیق کے درجے پر پہونچ جائے اور اپنی تصحیح شدہ حدیثوں کے موافق فقہ حنفی میں سے روایات منتخب کرے۔ تو وہ فقہ واجب الاتباع ہوگی۔ شاہ عبدالعزیز[۵۲] اس فقہ کے امام ہیں۔

---

[۵۱] قال الحافظ عبدالقادر القرشی فی الجواہر المضیئۃ ص۲/۲۴ والحافظ زین العابدین قاسم بن قطلوبغا فی تاج التراجم ص۶۶ نسخہ خطیہ قال ابن العدیم سمعت قاضی العسکر یقول قدم دمشق الکاسانی فحضر الیہ الفقہاء وطلبوا منہ الکلام معہم فی مسئلۃ فعینوا مسائل کثیرۃ فجعل کلما ذکر مسائل یقول ذہب الیہا من اصحابنا فلان وفلان فلم یزل کذلک حتی کانہم لم یجدوا مسئلۃ الا وقد ذہب الیہا واحد من اصحاب ابی حنیفۃ رح فانفض المجلس علی ذلک لم یتکلموا معہ ۱۲

[۵۲] قال الامام عبدالعزیز الدہلوی ان المجتہدین الباحثین عن دلائل احکام الشرعیۃ وماخذہا لما راوا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعارضۃ، وآثار الصحابۃ والتابعین مختلفۃ۔ وہی اہم المآخذ واکثرہا فی الاحکام تحیروا واختلف آرائہم فی التفصی عن ہذا التعارض والاختلاف۔
(الف) فاما الذی اختارہ مالک تحکیم عمل اہل المدینۃ۔ لان المدینۃ بیت الرسول وموطن خلفائہ و مسکن اولاد الصحابۃ واہل البیت ومہبط الوحی۔ واہلہا اعرف بمعانی الوحی فکل حدیث او اثر یخالف عملہم لابد ان یکون منسوخا او مأولا ومخصصا او محذوف القصۃ فلا یعتنی بہا۔
(ب) والذی اختارہ الشافعی تحکیم اہل الحجاز، واشتغل بالدرایۃ مع ذلک وحمل بعض الروایات علی حالۃ و بعضہا علی حالۃ اخری۔ وسلک مسلک التطبیق مہما امکن۔ ثم ارتحل الی مصر والعراق فسمع روایات کثیرۃ عن ثقات تلک البلاد وترجح عندہ بعض الروایات علی عمل اہل الحجاز فحدث فی مذہبہ قولان قدیم وجدید۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں۔ جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام (حجاز) میں تصوّر کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور شافعی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد[1] کے طریقہ پر فقط فقہ حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں اس کے متعلق فیوض الحرمین میں ایک تصریح موجود ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ فرماتے ہیں "نفخ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفخۃً فبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من الامۃ المرحومۃ بک فایاک وما قیل ان الصدیق لایکون صدیقاً حتی یقول لہ الف صدیق انہ زندیق و ایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃٌ لمراد الحق۔ ثم کشف لی انموذجاً الی قولہ

(ج) والذی اختارہ احمد بن حنبل اجراء کل حدیث علی ظاہرہ۔ لکنہ خصص بموردھا مع اتحاد العلۃ فجاء مذہبہ علی خلاف القیاس واختلاف الحکم مع عدم الفارق۔ ولذلک نسب مذہبہ الی الظاہریۃ۔

(د) واما الذی اختارہ ابوحنیفۃ وتابعوہ امر بین جداً و بیان ذلک انا تتبعنا فوجدنا فی الشریعۃ صنفین من الاحکام۔

(صنف) ھی القواعد الکلیۃ المطّردۃ المنعکسۃ کقولنا لاتزر وازرۃ وزر اخری، وقولنا الغنم بالغرم وقولنا الخراج بالضمان، وقولنا العتاق لایحتمل الفسخ۔ وقولنا البیع یتم بالایجاب والقبول و قولنا البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ونحو ذلک مما لایحصی۔

(وصنف) وردت فی حوادث جزئیۃ اسباب مختصۃ کانہا بمنزلۃ الاستثناء من تلک الکلیات۔ فالواجب علی المجتہد ان یحافظ علی تلک الکلیات (التی) لاندری اسبابھا ومخصصاتھا علی الیقین فلا یلتفت الیھا مثال ذلک ان البیع یبطل بالشروط الفاسدۃ، قاعدۃ کلیہ۔ وما ورد فی قصۃ جابرؓ انہ اشترط الحملان الی المدینۃ فی بیع الجمل۔ قصۃ شخصیۃ جزئیۃ فلا تکون معارضۃً لتلک الکلیۃ و کذا حدیث المصراۃ تعارض القاعدۃ الکلیۃ التی ثبتت فی الشرع قطعاً۔ وھی قولنا الغُنم بالغُرم و نحو ذلک من المسائل۔

ولزم من ھذا ترک العمل باحادیث کثیرۃ، وردت علی ھذا النسق الجزئی لکنہم لایبالون بھا۔ بل یعدون الاجتہاد المحافظۃ علی الکلیات۔ و درج الجزئیات فی تلک الکلیات مہما امکن۔ وھذا الکلام الاجمالی لہ تفصیل طویل لایسع الوقتُ لہ۔ واللہ الھادی ھ بحوالہ کتاب التمہید موقف ثالث۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ طبع مجتبائی میرٹھ ص ۱۱۵-۱۱۶ ۱۲

[1] شاہ عبدالرحیم کا حنفی طریقہ معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ ہو انفاس ص ۷ ۱۲

"الاکسیر الاعظم"

امام عبد العزیز دہلوی امام عبد العزیز شاہ ولی اللہ کی وفات پر نو عمر تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں سے انھوں نے اپنی تکمیل کی۔ شاہ عبد العزیز کے خسر شیخ مولوی نور اللہ بڈھانوی شاہ ولی اللہ کے خواص صحابہ سے تھے وہ فقہ حنفی کی تحقیق کا طریقہ شاہ صاحب سے سیکھ چکے تھے۔ شاہ عبد العزیز نے ان سے اپنی تکمیل کر لی۔ اور پھر اس طریقے پر ہندوستان میں شاہ صاحب کے علوم کو کامیاب بنانے والی جماعت تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

شاہ عبد العزیز کے زمانے میں سیاسی تنزلِ انتہا تک پہونچ چکا تھا۔ سلاطین دہلی کے بالمقابل قوت (انگریز) بہت متیقظ اور چابک تھی۔ ان کی کڑی نگاہوں کے زیر اثر شاہ عبد العزیز کو کام کرنا پڑا۔ اس لیے ان کا ثمر کز نمایاں نہیں ہے، اور ان کو تھوڑا سا کام کرنے میں لمبا وقت خرچ کرنا پڑا۔ پھر بھی اول درجے کے کامیاب علماء میں شمار کیے جائیں گے۔ انھوں نے شاہ صاحب کے نظریۂ انقلاب کو کامیاب بنانیوالی مرکزی جماعت پیدا کر دی [قلت هم الاركان الاربعة للنهضة الهندية (۱) الامير الشهيد السيد احمد البريلويؒ الصدر السعيد مولانا عبد الحی الدهلویؒ (۲) والصدر الشهيد مولانا محمد اسمٰعیل الدهلویؒ (۴) والصدر الحميد مولانا محمد اسحاق الدهلویؒ نور الحق] اسے ہم شاہ ولی اللہ کی فقہ کی تجدید مانتے ہیں۔

مشائخ دیوبند ہمارے اساتذہ دیوبند شاہ عبد العزیز کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ہم نے ان کا طریق نہایت تحقیق سے حاصل کیا۔ ہم افغانستان اور ترکی میں رہے ہیں فقہاء حنفیہ میں اپنے مشائخ سے بہتر عالم کہیں نظر نہیں آئے۔ اس کے بعد ہم حجاز میں رہے۔ جہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی موجود ہیں۔ اور حنابلہ کی حکومت ہے۔ اتفاقاً وہاں حنیفہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ مگر ہم نے جب اپنا تعارف شاہ ولی اللہ کے طریقے پر کرایا تو علماء حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی۔ ہمارے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم اپنے مسلک کی عمومی تعلیم کا انتظام کر سکتے۔ مگر خواص علماء نے شاہ صاحب کا طریقہ (تحقیق حدیث اور تحقیق فقہ) ہم سے خصوصی طور پر اخذ کیا۔ اسے ہم شاہ صاحب کے طریقے کی بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ شاہ صاحب کے طریقے کو عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے مگر اس کا سبب ایک سیاسی مقابلہ ہے جس پر ہم یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے۔

وباللہ الثقۃ

باب پنجم (۵) تصوف و فلسفہ

(الف) عام طور پر متصوفین مبادی اخلاق سے اپنا مسئلہ شروع کرتے ہیں انسان کے بدن میں تین عضو ہیں جنھیں علمائے طب اعضائے رئیسہ کہتے ہیں، دماغ، قلب، کبد۔ ان اعضاء رئیسہ کی مرکزی قوتوں کو لطیفۂ عقل، قلب، نفس کہتے ہیں پھر انکی ترکیب و تحلیل سے مختلف حالات اور مقامات پیدا ہوتے ہیں جن سے متصوفین اپنی کتب میں پورے بسط سے بحث کرتے ہیں۔

(الف ۲) شاہ ولی اللہ ان لطائف ثلثہ سے پہلے ایک لطیفۂ جوارح بھی تجویز کرتے ہیں۔ ان کی عبارت "الطاف القدس" میں سے بعینہا نقل کی جاتی ہے

درظاہر شرع کہ مسمی باسلام ست مبحوث عنہ لطیفۂ جوارح است۔ وتحقیق ایں لطیفہ آں ست کہ قلب و عقل و نفس بہ اعتبار تقویم جوارح، و آلہ بودن برائے تکمیل افعال جوارح و فنا در جوارح مسمے بہ لطیفۂ جوارح می گردد۔ و برائے تفہیم ایں لطیفہ بریں فقیر شرے ظاہر ساختند، کہ مشرف برموت بود۔ غیر از رمقے از حیات باو باقی نماندہ و جمیع لطائف ثلثہ بارزہ او ضعیف گشتہ۔ اما او را در قطارے بستہ بودند۔ واو غیر از رفتن قوتے نداشت پس تا آخر انزہاق روح راہ مے رفت۔ بعد ازاں بمرد۔ از رفتن باز ماند نش ہماں و مردنش ہماں۔ دریں حال آگاہانیدند کہ ایں شتر فانی است در لطیفۂ جوارح و مواخذۂ اعمال شرائع برہمیں لطیفہ ست ھ ص ۲۹، ۳۰

(ب ۱) متصوفین کو کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم شریعت ایک خاص نصاب رکھتی ہے۔ اور تصوف و طریقت اس کے ماورا دوسری چیز ہے۔ اور پھر یہ بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصوف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہ تھا اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ حضور کی صحبت میں اتنا نور اور برکت تھی کہ اس علم کی طرف احتیاج ثابت نہیں ہو سکی۔

(۱) ہمیں اس قسم کی فکر میں ایک بیّن نقص نظر آتا ہے۔ گویا تعلیم فقہ علٰحدہ چیز ہے۔ اور تصوف اس سے ایک جداگانہ غیر ضروری امر ہے۔ یعنی جس کا جی چاہے۔ اُسے (تصوف کو) اخذ کرے اور جس کی مرضی نہ ہو اس سے سروکار نہ رکھے۔

(۲) پھر آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ ایمان بالدار الآخرۃ ان متصوفین کی صحبت ہی میں مکمل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ قرآن عظیم ایمان باللہ کو جس کے ساتھ ایمان بالیوم الآخر نہ ہو قابل اعتماد نہیں مانتا۔ اس سے ہماری طبعیت میں تشویش پیدا ہوئی کہ جو چیز ایمان بالیوم الآخر پر یقین دلاتی ہے اُس کو کمزور کیوں کر دیا گیا۔

(ب ۲) شاہ صاحب کی اس حکمت کو پڑھ لینے کے بعد ہمارا اطمینان ہوا۔ ہم انسانی زندگی کو وحدت غیر منقسمہ مانتے ہیں۔ دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی دو متباین چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی سیر کے مختلف منازل ہیں۔

شاہ صاحب کے لطیفہ جوارح کا مطلب یہ ہے کہ لطائف ثلاثہ بارزہ دو رخ رکھتے ہیں، ایک جوارح کی طرف

اس کی تکمیل کا نام شریعت ہے۔ دوسرا رُخ اپنے منبع کی طرف اس کی تکمیل تصوف، طریقت، فلسفہ کہلائے گی۔ ہر انسان ایک ہی جبلت لے کر نہیں آتا۔ بعض چیزیں ایک شخص کو شروع زندگی میں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ مگر دوسرے کو کافی زمانہ گزرنے پر ان کا علم حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان اپنی انانیت کا مصداق بدن کو سمجھے اور اس کا فہم لطیفہ جوارح سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جیسے عامۃ الناس کی حالت ہے۔ اور دوسرا انسان جو ذکی ہے وہ اپنے افعال جوارح کو عقل، اخلاق، اور طبیعت کے اقتضا میں تقسیم کر لیتا ہے۔ وہ انسانیت کے لئے ایک مرکزیت پیدا کر سکتا ہے۔

اس طرح پر شریعت اور طریقت دو چیزیں نہیں ہونگی۔ بلکہ ایک چیز کے دو رنگ یا ایک درخت کے دو ثمر ہیں۔ ایک پہلا، ایک دوسرا، اس طریق پر حیات کی وحدت بھی قائم رہے گی۔ اور انسانیت میں اختلاف مدارج بھی معقول رہے گا۔

"الطاف القدس" میں پہلا باب لطیفہ جوارح پر بحث کرنے کے لئے معین ہے۔ دوسرے باب میں لطائف ثلثہ کے دوسرے پہلو پر بحث ہے تیسرے باب میں عقل اور قلب کے پہلے بطن پر بحث ہے چوتھے میں عقل اور قلب کے بطن البطن پر بحث ہے آخری درجہ پر پہونچ کر انسان کو اس تجلی سے ربط پیدا ہوتا ہے۔ جو کائنات کی مرکزی قوت کے آئینہ میں ظاہر ہوئی۔

یہ مباحث مستقل توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس وقت ان پر تفصیل سے بحث کرنا مقصود نہیں۔ تجلی الٰہی کی تشریح سمجھنے کے لئے کتاب السطعات کا پڑھنا لازم ہے۔ اور ادراک انسانی کے تنوّع کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے "الطاف القدس" کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اور اسلام میں تصوف کا فلسفہ تاریخ سمجھنے کیلئے ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور متصوفین کے طریق کی تفصیل "انتباہ[1] فی سلاسل اولیاء اللہ" میں دیکھنی چاہیئے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے جس طرح "طریقہ" حاصل کیا۔ اس کی تفصیل "قول جمیل" میں ملے گی۔ شاہ صاحب کے والد اور چچا کے سوانح حیات جن کو شاہ صاحب کے فلسفہ اور تصوف کی روح کہنا چاہیئے۔ "انفاس العارفین" میں مذکور ہیں۔ اس کتاب کے بعد اگر "اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق دہلوی اور "نفحات الانس" از مولانا جامی کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام میں تصوف کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔

فصل (۲)

جیسے ہم نے امام ابو حنیفہ کی فقہ کو ایرانی تہذیب کے مفتوح ہونے کے بعد، اسلام کا ایک ضروری جزو

---

[1] کتاب الانتباہ کے دو حصے ہیں۔ یہاں مراد حصہ اول ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ حدیث اور فقہ سے متعلق ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوا حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ہم نے اس کا ایک صحیح نسخہ دیکھا جو بے شمار لطائف پر مشتمل ہے کاتب حقیر کو توقع ہے کہ اسکی نقل مجھے مل سکے گی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز ۱۲ محمد نور الحق

قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایرانی مسلم کی طبیعت نے جب اپنا پرانا فلسفہ اسلامی رنگ میں لیا تو اس کا نام تصوف ہوا۔

آرین قوموں میں تہذیب کے دو عنصر ہیں (۱) ایک کسی مجتہد کا قانون فقہ۔ جیسے منوجی کا دھرم شاستر۔ (۲) اور دوسرا اشراقی فلسفہ۔ یہ چیز ہند میں بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایران اور یونان میں موجود تھی۔ آرین تہذیب کے یہ تینوں مرکز ایک ہی طرح کا فکر رکھتے ہیں۔ ایران جب مسلمان ہوا تو ان کے مشائی فلاسفروں نے علم کلام پیدا کیا۔ اور ان کے اشراقی حکمانے تصوف مدون کیا یہ چیزیں (مشائیت اور اشراقیت) ان اقوام کی ذہنیت کے لوازم میں سے ہیں۔

جب ان میں شہنشاہی پیدا ہوئی۔ تب کہیں انھیں قانون ضابطہ کی ضرورت کا احساس ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ قانون (لاء۔ فقہ) ہے جو یونان، ایران، ہند سب میں مکتوب اور غیر مکتوب شکل میں پایا جاتا ہے جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اسلام کی تعلیم کا وہ حصہ جو جوارح کی تہذیب سے متعلق تھا۔ انھوں نے قانونی شکل میں مرتب کر لیا۔ اسی کا نام امام الائمہ ابو حنیفہ کی فقہ ہے (۲) اس کے بعد تہذیب کا جو حصہ لطیفہ عقل کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اس کا نام فلسفہ مشائیت یا علم کلام ہے (۳) اور جو حصہ عقل کے بطن سے متعلق ہے اس کا نام حکمت یا فلسفۂ اشراقیت ہے۔

اسلام نے بغداد کے مرکز میں جب ایرانیت پر پورا قبضہ کیا۔ اور اس کو ابھار کر اسلام کی خدمت کے لئے تیار کیا۔ تو اسی مرکز سے تصوف پیدا ہوا۔ اور اسی طرح فقہ حنفی بھی عراق ہی سے نکلی۔

ہند میں اسلام ایران کے رستے سے آیا لہٰذا یہاں فقہ حنفی آئی اور تصوف بھی آیا۔ بنا بریں ہند میں اسلام کی عظمت قایم کرنے والا کوئی محقق نہ فقہ حنفی سے قطع نظر کر سکتا ہے اور نہ تصوف سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ترکی تحریک ایرانیت سے علٰحدہ چیز نہیں ہے۔ ترک ایرانی تہذیب کے حامل ہو کر حاکم ہوتے رہے۔ اس لئے دہلی اور استنبول میں وہی تصوف رائج ہوا۔ جو بغداد میں پیدا ہوا تھا۔ ہمیشہ مختلف استعدادات کے اثر سے اس تصوف کی ظاہری شکل بدلتی رہے گی۔ مگر معنوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

آرین قوموں کو حقیقی طریقے پر نبوت کا قائل بنانا اس پر موقوف ہے کہ اُن کے تصوف کی آخر تک اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ وہ نبوت کے سمجھنے کا آلہ بن سکے۔

فصل (۳)

(ج) فلاسفر الٰہیات میں واجب الوجود کو بالاتفاق مانتے ہیں۔ مگر انسانی حواس کا اُس سے تعلق پیدا ہونا ناممکن سمجھتے ہیں۔ بخیال اُن کے وہ جسمانیت سے اتنا مجرد ہے کہ انسانی حواس اُس کو کسی طرح ادراک نہیں کر سکتے۔

اب دوسری طرف انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کو لیجئے وہ واجب الوجود کا جونسا نام سکھائیں جیسے اللہ، لاہوت، لاہ[1] یا ان کے ہم معنی کوئی اور لفظ اُس ذات سے دیکھنے اور سننے کا تعلق ضرور پیدا کرتے ہیں۔ نبوت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اُس کے حامل نے خدا کی کوئی بات سُنی اور وہ اپنے اتباع کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر اُن کے طریقے پر کوئی شخص تکمیل کرے تو وہ اللہ تعالےٰ کو دیکھے گا۔ جس وقت تک اُس مسئلہ کا حل اور اس اختلاف کی تطبیق آرین قوموں کو نہ سمجھائی جائے وہ اپنی طبیعت سے اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوسکتے۔

(ج) شاہ صاحب کے تصوف میں یہی کمال ہے وہ تجلی الٰہی کا مسئلہ اس طرح سمجھاتے ہیں۔ جس کی ایک طرف تو واجب الوجود سے من وجہ عینیت کی نسبت رکھتی ہے۔ یعنی اس تجلی سے تعلق رکھنے پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہم اللہ تک پہونچ گئے۔

اور دوسری طرف تجلی اپنے مظہر کے رنگ میں اس طرح رنگین ہوجاتی ہے کہ انسانی عقل اور حواس باطنہ کا بطن اُس سے تعلق پیدا کرسکتا ہے اور اُس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ میں نے خدا تعالےٰ کو دیکھا یا اس کی بات سُنی!

اس طرح کی تطبیق کے بعد آرین فلاسفی (حکمت) اور سامی نبوت میں اختلاف رفع ہوجائے گا۔

ہم نے جب سے عقلمندوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا مقصد حیات بنایا۔ وہ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم تو ہمیں اس تحقیق کی از حد ضرورت ہوئی۔ ہم نے نوجوان تعلیم یافتہ کو اس ضرورت پر متنبہ کرنے کے بعد شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں پڑھائیں۔ تو وہ اس علم کی ویسے ہی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ جیسے ایک عامی مسلمان جب نماز کی پابندی کا ارادہ کرے تو کسی فقہ کے سیکھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔

فصل (۴)

یہاں ہم شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت نقل کرکے اُن کے مسلک کو واضح کردیتے ہیں کہ وہ اس تصوف کی کتنی اہمیت مانتے ہیں تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں۔

"لیس منا من لم یتدبر کتاب اللہ ولم یتفہم حدیث نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ لیس منا من ترک ملازمۃ العلماء اعنی الصوفیۃ الذین لھم حظ من الکتاب والسنۃ، او الراسخین فی العلم

---

[1] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم کی تحقیق یہ ہے کہ تبت کا مرکزی مذہبی شہر لاسہ دراصل لاہ سہ ہے۔ یعنی بیت اللہ یہ شہر آرین اقوام کی مذہبی تہذیب کا قدیمی مرکز ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے جب یہ خیال مولانا حمید الدین سے ظاہر کیا تو فرمانے لگے کہ خدا تعالےٰ کے نام کا یہ مادہ دنیائی مذہب کا قدیم ترین لفظ معلوم ہوتا ہے۔ جو تمام مذاہب میں معمولی اختلاف سے مستعمل ہوتا رہا۔ ۱۲

محمد نور الحق عفرلہ

الذین لھم حظ من الصوفیۃ[۱] والمحدثین[۳] الذین لھم حظ من الفقہ[۱] والفقہاء[۳] الذین لھم حظ من الحدیث امّا الجھّال من الصوفیہ والجاھدون للتصوف فاولائک قطّاع الطریق ولصوص الدّین فایاک وایاھم۔ جعلنا اللہ سبحانہ ممن یطیعہ ویتبّع رضوانہ ولا یشرک بہ شیئًا فانما نحن بہ ولہ والسلام (ص۲۰۲)

دوسرے ملکوں کے علماء جو پچھلی صدی میں تجدید کا فکر رکھتے تھے۔ ان میں سے جن کو شاہ صاحب کے علوم قرآنیہ اور حدیثیہ اور فقہیہ پہونچے۔ وہ ان کی پوری قدر کرتے رہے۔ مگر شاہ صاحب کے تصوف کو ماننا ان کے لیئے بہت گراں تھا۔ اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایرانیت اور ہندیت کے قریب چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سامیوں اور آرین قوموں میں ایک تضاد ثابت کرنا اپنے ترفع کے لیئے ضروری مانتے ہیں۔ حجاز میں رہتے ہوئے اس طرح کے لوگوں سے ہمیں کافی واسطہ پڑا۔ مگر جب ہم نے انھیں ان مقاصد عالیہ پر توجہ کیا جو آرین قوموں کو سامی نبوت سمجھانے سے پیدا ہوتے ہیں اور اُن سے انسانیت جس قدر بلندی پر پہونچتی ہے اس کے لیئے شاہ صاحب کے تصوف نے راستہ صاف کر دیا ہے۔ تو وہ اس کی قدر کرنے لگے۔ مگر اس پر احاطہ کرنے کے لیئے وقت صرف کریں۔ یہ وسعت قلب ہم نے اُن میں نہیں دیکھی۔ ان لوگوں کی طرف سے جو ہندوستانی مسلمانوں میں پروپگنڈا ہوا اُس میں تصوف قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ اس طرح وہ ہندوستانی جو پروپگنڈا کا شکار ہوئے۔ اپنے ائمہ کے کلام سے زیادہ مستفید نہیں ہو سکے۔

فصل (۵)

ہم نے محسوس کیا کہ ایک عرب جیسا اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اسی طرح اپنی عربیت پر فخر کرتا ہے۔ یہی حال ایرانی اور ترک کا ہے۔ مگر ایک ہندوستانی کو دوسری ممالک میں جا کر اپنی ہندوستانیت سے ایک قسم کی نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیم کے ائمہ ہندوستان سے باہر ہی مانتا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ فکر مسلمانوں کے لیئے نہایت مضر ہے۔ مسلمانوں کی اتنی آبادی کسی ملک میں نہیں جتنی ہندوستان میں ہے۔ اُن کی ترقی کا سامان جس قدر ہندوستان میں میسر ہے کسی مسلمان کو اپنے ملک میں حاصل نہیں۔ اس طرح اتنی بڑی قوم ترقی کے راستے سے بھٹک رہی ہے۔

اس کا علاج ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں بھی پہلے ہندوستانی آئمہ پر اعتماد کرنا سیکھیں۔ اس کے بعد ان ائمہ کے شرف کے ساتھ ہندوستانیت محترم ہو جائے گی اور ہندوستانی کو اپنے ملک میں ترقی کرنے کا خیال پہلے درجہ پر ہوگا اور دوسری قوموں سے مل کر ترقی کرنے کا فکر دوسرے درجہ پر آئیگا ہماری سمجھ میں یہی انکے لیئے راہ نجات ہے۔[ع۵]

ع۵ الفرقان: اس فصل میں مولانا کا بیان تھا یہ اختصار و ایجاز کی وجہ سے) نہایت غیر واضح ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ اس سے مولانا کا منشا کیا ہے حالانکہ یہ مسئلہ خود مولانا

اسی لئے ہم شاہ ولی اللہ کے علوم کا ہندوستانیوں میں تعارف کرانا ضروری جانتے ہیں ہماری ہندوستانیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسلام شاہ ولی اللہ سے سیکھا جو ہندوستانی تھے، دہلوی تھے۔ یہیں پیدا ہوئے۔ یہیں دفن ہوئے،

فصل (۶)

شاہ صاحب کے مکمل فلسفے کو سامنے رکھ لینے کے بعد حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائیگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جیسے انسان کو رویت الٰہی کے لئے تیار کر دیا۔ ویسے ہی تہذیب جوارح کا فرض بھی ادا کیا۔ انسان کی پوری زندگی کی تہذیب اور اصلاح نبوت کا اولین مقصد ہے۔

اس تبیین کے بعد ابن خلدون کا یہ نظریہ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ "انسان کو ضرورتِ نبوت فقط امورِ آخرت معلوم کرنے کے لئے ہے۔ دنیاوی معیشت کا نظام محتاج نبوت نہیں"۔ وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ غیر مسلم قوموں میں دنیاوی ترقی موجود ہے۔ یعنی اور ان میں نبوت کی روشنی نہیں۔ اس طرح ابن خلدون نے عربی ذہنیت پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ عرب اس سے بڑھکر کوئی حکیم اپنے یہاں نہیں دیکھتے۔ اور وہ انھیں دنیاوی ترقی میں انبیاء کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے جس سے وہ بآسانی حکماء یورپ کے پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں شاہ صاحب

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) کے نزدیک نہایت اہم ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس کو تفصیل اور وضاحت سے پیش کیا جاتا ہم ذہنی حد تک غور بھی کیا لیکن پوری طرح سمجھ میں نہ آسکا کہ مولانا ان سطور کے ذریعہ کونسا "فکر" مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مقصد صرف یہ ہے کہ "ہندوستانی مسلمان" اپنے اُن ہندوستانی ائمہ دین" مثلاً حضرت مجدد الف ثانی و حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہما من المتقدمین والمتاخرین قدست اسرارہم) کے بلند مقام کو پہنچانیں اور انکی دینی و ملی کارناموں کو جانیں (جنکی نظیریں "دوسرے اسلامی ممالک" نے بھی اس دور میں کم پیدا کیں یا نہیں پیدا کیں) اور اس طرح ہندوستانیت کی حقارت کا وہ غلط فکر زائل ہو جو "ہندوستان اور اسلام" کے گہرے تاریخی تعلقات اور ہندوستانی ائمہ دین کی خاص خدمات کا علم نہ ہونے ہی کی وجہ سے خود ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے اور جس کا خمیازہ قومی اور سیاسی مصائب و نقصانات کی شکل میں بھی ہم کو بھگتنا پڑا ہے اور پڑ رہا ہے تو ہم کو مولانا کی اس کوشش سے پورا اتفاق ہے۔ فی الحقیقت ایک ہندوستانی مسلمان کے لئے اس حیثیت سے احساس کمتری کا کوئی موقع نہیں ہے وہ اپنے پاس ہندوستانی ائمہ دین اور انکے اعلیٰ دینی کارناموں کی ایک روشن اور قابل فخر تاریخ رکھتا ہے اور اس طرح مسلمان ہونے کے ساتھ وہ ہندوستانی ہونے پر بھی فخر کر سکتا ہے ——— لیکن اگر ان سطور سے مولانا کا منشا ہندوستانی مسلمانوں کو اس نیشنلزم کی اختیار کرنے کا مشورہ دینا ہو جو یورپ کی پیداوار ہے اور ترکی و ایران جسکو اختیار کر چکے ہیں تو پھر ہم کو اس سے شدید اختلاف ہے یہ "نیشنلزم" ہمارے نزدیک مقاصد اسلام کے خلاف ہی ہے لیکن اب تو عام انسانیت کے لئے بھی اس کا لعنت ہونا آشکارا ہو چکا ہے اسی "بدعت" نے اس وقت یورپ کو آگ اور خون کے جہنم میں جھونک رکھا ہے۔ پھر خصوصاً حضرت امام ولی اللہ قدس سرہ کا جو رجحان بلکہ معین نظریہ اس باب میں ہے وہ آپ کی اس وصیت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان بارہا بغربت افتادہ اند و عربیت نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ماست کہ ما را بسید الاولین و الآخرین و افضل انبیاء و مرسلین و فخر موجودات علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات نزدیک می گرداند شکر این نعمت عظمیٰ آنست کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اول کہ منشاء آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم اندرست نہ دہیم و رسوم عجم و عادات ہنود را درمیان خود نہ گزاریم"

(المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ ص ۲۰ قلمی نقل نسخہ مطبوعہ مطبع مطبع الرحمٰن شاہجہان آباد در ۱۲۶۸ھ) "م" س۔ا

کی حکمت پڑھنے والا اس مصیبت سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

فصل (۷)

شاہ صاحب نے لطیفہ جوارح کو اساس قرار دے کر ہمیں ایک دوسری مشکل سے بھی نجات دلائی ہے۔
عام طور پر تصوف اور فلسفہ، اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے۔ اقتصادی ضروریات جسمانی زندگی کے لیئے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں لیکن ان کو انسانیت سے سیدھا تعلق نہیں تسلیم کیا جاتا اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ با اخلاق سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا کمال سمجھتے ہیں۔
مگر شاہ صاحب اس اصول کو حجۃ اللہ میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں انسانیت کے اجتماعی اخلاق اُس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے اُنکو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اُس وقت وہ گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کے لیئے کام کرینگے جب انسانیت پر ایسی مصیبت آئیگی تو خدا انسانیت کو اُس سے نجات دلانے کا کوئی رستہ ضرور الہام کریگا۔ فرعون کی ہلاکت، قیصر اور کسریٰ کی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت میں شمار ہوتی ہے۔ اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلیٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا۔ انسانی اجتماعی زندگی کے لیئے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو انکی ضروریات کو پورا کر دے۔ اور اس کے بعد اُن کے پاس کچھ وقت بچ جائے تاکہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل پر غور کر سکیں۔
مذکورہ بالا الہام کبھی تو انبیا کے ذریعہ سے صورت پذیر ہوتا ہے اور کبھی صدیق اور حکیم کے واسطہ سے۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہوں گے۔ اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات دلائے گی۔ پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی۔ اور تیسرے درجے پر جاکر اُس کو رویت رب العلمین کے لیئے تیار کر دے گی۔
اس فلسفے میں کہیں طفرہ نہیں آتا۔ اگر اسے نبوت کا مقصد قرار دیا جائے۔ اور جہاں نبوت نہ ہو۔ وہاں انبیا کے اتباع صدیق اور حکیم ان کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لیئے ایک فطری چیز بن جائے گی اور یہی شاہ ولی اللہ کی فلاسفی کی روح ہے جس کا ہم نے یہاں تعارف کرانا چاہا ہے۔
شاہ صاحب نے ایک موقع پر "تحدیث نعمۃ" کے طور پر شاہ محمد عاشق کو (جن کا نام علی ہے) خطاب کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے ؎

علی! من مے شناسم ایں گہر ز داں حکمت را
فلاطون آہ گر مے دید یونانے کہ من دارم

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

مجددِ وقت!

(از حضرت ماہر القادری حیدرآباد دکن)

تو مُبلّغ تھا حدیث فخرِ موجودات کا
تیرے آتے ہی جنازہ اُٹھ گیا بدعات کا
تو مفسّر بھی، محدّث بھی، فقیہ و شیخ بھی
کون اندازہ لگائے تیرے محسوسات کا
تیری فطرت بے نیازِ درگہِ شاہ و وزیر
تجھ کو دنیا میں بھروسہ تھا خدا کی ذات کا
میں سمجھتا ہوں، مشیت کا وہی مفہوم تھا
تو نے جو مطلب لیا قرآن کی آیات کا
عقل و مذہب کو سمویا تو نے اس انداز سے
صبح میں جیسے نمایاں ہو دُھندلکا رات کا
تیرے ارشادات میں سامانِ تسکینِ ضمیر
روحِ ایماں نقطہ نقطہ تیرے ملفوظات کا
سادگی اسلام کی پھر سے نمایاں ہوگئی
نور جب پھیلا جہاں میں تیری "تفہیمات" کا
تیرے وارث ہیں ترے نورِ ہدایت کی شبیہ
اب بھی چرچا ہے جہاں میں تیری تعلیمات کا

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کا سبب

شاہ صاحب کی نظر میں

(از حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہر پہلو پر جس تفصیل سے لکھنے کو جی چاہتا ہے اس کی فرصت نہیں، اور اس فرصت میں جو لکھا جا سکتا ہے وہ پسند نہیں، اس لیے میں نے اس نمبر میں لکھنے سے معذرت چاہی تھی، مگر ارشاد ہے کہ شاہ صاحب کے متعلق جتنا بھی اور جس قدر مختصر سے مختصر بھی لکھا جا سکے وہ فائدہ کے لحاظ سے مختصر نہیں، اسی حوصلہ افزائی کے سبب یہ چند سطریں لکھنے کی ہمت کر رہا ہوں،

ایسے کم مصنف گزرے ہیں جن کی تصانیف میں اُن کے زمانہ کی روح نہ ہو، یا اُن میں زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی ناقدرشناسی اور اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالکل پاک اور گلہ و شکایت اور حرف حکایت سے سراپا بے نیاز ہیں، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کتابیں اُس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب امن و اطمینان اِس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بدامنی اور ہر طرح کے شور و شر میں مبتلا تھا، دلّی کی سیاسی مرکزیت مِٹ چکی تھی، ہر شمشیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف، اور روہیلے چوتھی طرف ملک میں ہر طرف اودھم مچا رہے تھے، اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پرجوش سپہ سالار خیبر کے دروازے کے پاس کھڑے جب چاہتے تھے آندھی کی طرح آجاتے اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے، اور اس درمیان میں دلّی خدا جانے کتنی دفعہ لُٹی اور کتنی دفعہ بنی، مگر اللہ رے دلّی کے تاجدارِ علم کا امن و اطمینان کہ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا، مگر نہ دل کو اضطراب، نہ خیال میں انتشار نہ قلم میں اضطرار، نہ زبان پر زمانہ کا گلہ، نہ قلم سے بے اطمینانی کا اظہار، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے جس آسمان یا صبر و رضا کے جس لامکان میں تھے وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہونچتیں اور زمان و مکان کی گردشیں وہاں اپنا کام نہیں کرتیں، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سچے اہل علم کی شان کتنی بلند، اور اصحاب تسلیم و رضا کا منصب

کتنا اونچا ہے،

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ　　ہاں! اللہ کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں
(قرآن)

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اللہ کی دوسری شکل ہے، اس لئے اگر وہ بھی قلب میں اطمینان اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجیب نہیں،

شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارھویں صدی ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ علم وفضل کا ایک دریا ہی جو کسی شور وغل کے بغیر سکون وآرام کے ساتھ بہہ رہا ہی، جو زمان ومکان کے خس وخاشاک کی گندگی سے پاک وصاف ہی۔

لیکن پھر بھی وہ اسی زمانہ میں تھے، جب ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا، ہر طرف بے ترتیبی اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف بے قیدی اور بے حکمی آشکارا تھی، امراء رنگ رلیوں میں تھے صوفیہ خانقاہ کی جاگیروں اور سرنگیوں اور تالیوں میں تھے، اور علماء جاہ طلبیوں اور سلاطین کی درباریوں میں تھی، بادشاہ دین ودنیا کے ہر خیال سے آزاد ہوکر بزرگوں کی دولت، رقص وسرود کے تماشوں اور حسن وجمال کے بازاروں میں لُٹا رہے تھے، رعایا بدحال اور ستمگروں کے مظالم سے پامال ہو رہی تھی، اس سے خزانے خالی ہو رہے تھے، اور فتنے گرم بازاری دکھا رہے تھے، یہ وہ منظر تھا جس پر ہزار ضبط وسکون کے بعد بھی شاہ صاحب کی آنکھوں سے بالآخر آنسو کے چند قطرے گر ہی گئے، حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

وغالب سبب خراب البلدان فی هذا الزمان شيآن۔ احدهما تضييقهم على بيت المال ان يعتادوا التكسب بالاخذ منه على انهم من الغزاة او من العلماء الذين لهم حق فيه۔ او من الذين جرت عادة الملوك بصلتهم كالزهاد والشعراء او بوجه من وجوه التكدى ويكون العمدة عندهم هو التكسب دون القيام بالمصلحة فيدخل قوم على قوم فينغصون عليهم و يصيرون كلاً على المدينة

"اُس زمانہ میں ملک کی خرابی و ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں، ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانہ پر تنگی وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہی کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں جن کا حق اُس خزانہ کی آمدنی میں ہی، یا اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام واکرام دیا کرتے ہیں، جیسے زہد پیشہ صوفی، اور شاعر اور دوسرے گروہوں میں سے جو ملک وسلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقے سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہی، یہ لوگ اُن کے اور دوسروں کی ذریعہ آمدنی

کو کم کر دیتے ہیں اور ملک پر بوجھ ہیں۔

والثانی ضرب الضرائب الثقیلة على الزرّاع والتجار والمحترفة والتشدید علیهم حتّی یفضی الی اجحاف المطاوعین واستئصالهم والی تمنع اولی باس شدید وبغیهم وانما تصلح المدینة بالجبایة الیسیرة واقامة الحفظة بقدر الضرورة فلیتنبه اهل الزمان لهذه النکتة

(باب سیاسة المدینة)

دوسرا سبب کاشتکاروں، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر اس بارہ میں سختی کرنا ہے، یہاں تک کہ جو بیچارے حکومت کے مطیع اور اسکے حکم کو مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں، اور جو سرکش اور نادہند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول نہیں ادا کرتے، حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہی، چاہیئے کہ اس زمانہ کے لوگ ہشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں،

شاہ صاحب نے ان چند سطروں میں جو کچھ فرمایا ہے وہ آج صفحوں اور دفتروں میں پھیلا کر لکھا جا سکتا ہے اُن کی دوربیں نگاہ سیاسیات و اقتصادیات کے جن باریک گوشوں تک پہونچ گئی تھی، ابنائے عصر اُن کے سمجھنے سے بھی قاصر تھے،

جاگیرداری سسٹم نے سارے ملک کو امراء پر بانٹ دیا تھا، مرکزی کمزوری نے اُن سب کی باگیں ڈھیلی کر دی تھیں، پشتینی امراء اس دعوے پر کہ اُن کے بزرگوں نے بھی اس سلطنت کا کوئی کارنامہ کبھی انجام دیا تھا بے دردی، اور بغیر کسی محنت کے سلطنت کی دولت اور زمین پر قابض تھے، اور اب گو وہ اس قابل بھی نہیں رہے تھے کہ سلطنت کا کوئی کام انجام دے سکیں، پھر بھی اُسی ظاہری طمطراق، تزک و احتشام عیش و آرام، اور نمائش کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور سلطنت کے مالیات کا نظام اُن کی اس فضول عیاشی اور اسراف سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔

زمیندار اپنے حلقے بنا کر سلطنت کی زمینوں پر قابض تھے، اور اگر اُن کو کچھ طاقت حاصل تھی تو ہر قسم کے سرکاری مطالبات کو ٹھکرا کر داد عیش دے رہے اور لوٹ رہے اور لُٹا رہے تھے، اور ان سرکش زمینداروں سے ہر سال مالیانہ کی وصولیابی کسی فوجی مہم کے بغیر ناممکن تھی۔ چکلہ داروں اور عاملوں کا یہی کام ہوتا تھا کہ ہر سال لڑ بھڑ کر زمینداروں کی گڑھیاں فتح کریں اور مالیانہ وصول کریں۔

اسی طرح اگر کسی خاندان میں ظاہری یا باطنی کمالات کی حامل کوئی ہستی ہوا ور اُس کے اطمینان کے لیے بادشاہ وقت کو کوئی روزینہ مقرر کرنا ہے تو اُس کو نسلاً بعد نسلٍ لاخراج زمینیں دی جا رہی تھیں

کہ وہ "دعائے ازدیادِ جاہ وجلال وعمر واقبال" میں مصروف رہیں، اُن کے اخلاف اِن ظاہری وباطنی کمالات سے محروم ہونے کے باوجود سلطنت کے مالیہ پر بے وجہ بوجھ تھے، اور بے محنت کی روزی پاکر ملک وملّت کیلئے اُن کا وجود ننگ وعار بن رہا تھا۔

یہی حال سلاطین اور امرار کی اُن زرپاشیوں کا تھا جو وہ مدح گو شاعروں قصّہ خوانوں، گویوں نقّالوں، اور فنونِ لطیفہ کے بہترین اداکاروں پر صرف کر رہے تھے، اور سلطنت کی بنیادیں جن محکموں پر قائم تھیں وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوکر زیر وزبر ہو رہے تھے،

اس غیر عادلانہ نظام کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہوں کو چونکہ بہرحال اپنے کاروبار کو چلانا تھا اس لئے سرکشوں اور زبردستوں کو جن سے وہ کچھ لے نہیں سکتے تھے چھوڑ کر غریب کسانوں پر اور اُن پر جو اُن کی فرمائشوں کی تعمیل سے سرتابی نہیں کر سکتے تھے کل سلطنت کے مصارف کا بار تھا، اور سارے محصول اکیلے اُنھیں سے وصول کیئے جارہے تھے، جس سے ملک کی بے چینی اور بدحالی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، ان غیر متوازی اقتصادی حالات کا انجام تباہی کے سوا کیا تھا؟

اس ایک اقتباس سے اندازہ لگایئے کہ شاہصاحب کی اقتصادی وسیاسی نگاہ کتنی دور تک پہنچی تھی۔

شاہ ولی اللہ (قدس سرہ العزیز)

(از حضرت روشؔ صدیقی جوالا پوری)

[میں چونکہ خود شاعر نہیں ہوں اور ذوق شعری سے بھی فطرۃً محروم ہوں اس لیئے جانتا تو نہیں مگر جاننے والوں سے سنتا ہوں کہ روشؔ صاحب اس زمانہ کے چوٹی کے شاعروں میں ہیں۔ لیکن اگر وہ صرف شاعر ہی ہوتے تو شاید مجھے اُن سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ مگر وہ شاعر ہونے کے ساتھ عقائد میں کٹر مسلمان اور بحمد اللہ علاً پکے نمازی بھی ہیں —— میری اُن کی جان پہچان کی ابتدا بھی مسجد ہی سے ہوئی ہے وہ جب بریلی آتے ہیں دفتر "الفرقان" کے قریب ہی اپنے (اور میرے بھی) دوست پروفیسر خلیق احمد صاحب کے یہاں قیام پذیر ہوتے ہیں اور پانچوں وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ مسجد ہی میں پڑھتے ہیں — مسجد کی اس مشترک حاضری نے پہلے ہمارے جسموں کو اور پھر دلوں کو قریب کیا، اور اب وہ میرے بہت ہی مخلص دوستوں میں ہیں اور اُن کے اسی اخلاص کا نتیجہ اُن کی یہ نظم ہے جو میری ہی درخواست یا "فرمائش" پر ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھی گئی ہے۔ "مدیر"]

رُخِ حجاز کی تنویر تھا جمال ترا — جبینِ ہند کی تقدیر تھا جلال ترا

بنا یا نازشِ بغداد تو نے دہلی کو — ہوا بلند وہ آوازۂ کمال ترا

مقامِ قلبِ مسلماں عیاں ہوا تجھ سے — ترے جواب کا تھا منتظر سوال ترا

فروغِ دید کا عنوان ہر نظر تیری — جمالِ یار کا آئینہ ہر خیال ترا

تجھے حبیب تھا فرمودۂ خدا و نبیؐ — شہیدِ جذبِ محبت تھا حال قال ترا
جہانِ فکر و نظر تیرا غاشیہ بردار — طلسمِ ظلمتِ اوہام پائمال ترا
گدازِ علم، جہادِ عمل، سرورِ یقیں — نفس نفس تھا محبت میں لازوال ترا
تھی ارضِ ہند پہ طاری فنا کی تاریکی — حیات بن کے اُٹھا کوکبِ جلال ترا

وہ اے محدثِ اعظم عجب زمانہ تھا
کہ عام جب ترا درسِ مجاہدانہ تھا

دلوں کو باخبرِ رسم و راہ تو نے کیا — بلند شعلۂ عشقِ الٰہ تو نے کیا
فقیہِ وقت کو دے کر جہاد کی شمشیر — کچھ اور مرتبۂ خانقاہ تو نے کیا
ہر اک نفس کو بنا کر منادیٔ توحید — جہاں میں تذکرۂ لا الٰہ تو نے کیا
زہے کمالِ محبت کہ ہر محبت کو — نثارِ عشقِ رسالت پناہ تو نے کیا
ترے ضمیر کو تنویرِ راشدین ملی — اسی چراغ کو پھر خضرِ راہ تو نے کیا
ترے عمل سے کھلا عقدۂ سیاست و دیں — لباسِ فقر کو گردوں پناہ تو نے کیا
سنا کے سلطنتِ کبریا کا مژدۂ نو — گدا کو ہم نفسِ بادشاہ تو نے کیا
بتا کے دولتِ گیتی کو دولتِ جمہور — نظامِ جبر و تظلم تباہ تو نے کیا

جہاں کو پھر ترے پیغام کی ضرورت ہے
نویدِ رحمتِ اسلام کی ضرورت ہے

ندوۃ المصنفین دہلی کی قابل مطالعہ کتابیں

اسلام میں غلامی کی حقیقت

غلامی (انسانوں کی خرید و فروخت) کے مسئلہ پر پہلی محققانہ کتاب جس میں غلامی کی حقیقت، اس کے اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کی بعد غلامی کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس میں اسلام کی اصلاحات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہی اسی کے ساتھ یورپ کی تباہ کن اجتماعی غلامی پر بھی زبردست تبصرہ کیا گیا ہی قیمت مجلد سنہری ہے/ غیر مجلد عا

غلامان اسلام

اُن بزرگان اسلام کے سوانح حیات جنھوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہوتے ہوئے علم و ادب مذہب و ملت اور تاریخ و سیاست کی عظیم الشان خدمات انجام دیں اور جو اپنے شاندار و بے نظیر کارناموں کے باعث نہ صرف اسلامی سوسائٹی میں بلکہ تمام تاریخ عالم میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک تسلیم کیے جاتے ہیں اس کتاب میں ایسے ہی بڑے بڑے محدثین، فقہا، ادبا، صوفیا، شعراء اور ساد و بادشاہوں کے مستند حالات، دلچسپ اور نصیحت آموز پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں قیمت للعہ

اخلاق و فلسفۂ اخلاق

تالیف مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب۔ علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہی اور اس کے لئے ایک مخصوص اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہی، اسی کے ساتھ اسلام کے نظام اخلاق کی تفصیلات کو ایسے دلپذیر انداز سے بیان کیا گیا ہی جس سے اسلامی اخلاقیات کی برتری دنیا کے تمام اخلاقی نظاموں کے مقابلہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہی۔

ہماری زبان میں اب تک کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جس میں ایک طرف علمی اعتبار سے اخلاق کے تمام گوشوں پر مکمل بحث ہو اور دوسری طرف اسلام کے ابواب اخلاق کی تشریح علمی نقطۂ نظر سے اس طرح کی گئی ہو کہ اسلام کے ضابطۂ اخلاق کی فضیلت تمام ملتوں کے ضابطہائے اخلاق پر ثابت ہو جائے۔ اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہی اور اس موضوع پر ایک بلند پایہ کتاب سامنے آگئی ہی ضخامت ۵۵۶ صفحات قیمت للعہ

اسلام کا اقتصادی نظام

اس زمانہ میں اقتصادی مسئلہ تمام دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہی اور اب تک بہت سے نظام اقتصاد بھی مرتب کیے جا چکے ہیں مگر وہ سب ناکام و ناممکل ہی ہیں، اس کتاب میں اسلامی نظام اقتصاد کو پیش کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ صرف یہی نظام تمام موجودہ اقتصادی مشکلات کا واحد حل ہی اور اسلام نے محنت و سرمایہ کے صحیح توازن کے ساتھ جو راہ اعتدال پیدا کی ہی اسی کے ذریعہ دنیا کی اقتصادی فلاح ممکن ہی قیمت عہ

سوشلزم کی بنیادی حقیقت

اشتراکیت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر جرمن پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ عالمانہ تقریروں کا ترجمہ مع مقدمہ از مترجم جو سوشلزم کے موجودہ اثرات حالات اور رفتار ترقی پر مشتمل ہی صفحات ۳۰۲ قیمت عا

تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام

اس کتاب میں مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک کے مقابلہ میں اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام پیش کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہی کہ عیسائی قوموں نے جو کچھ ترقی کی وہ اسلامی تعلیمات کی ہی مرہون منت ہی۔ قیمت مجلد عا غیر مجلد عا

فہم قرآن

اس کتاب میں قرآن مجید کے آسان ہونے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہی کہ وحی الٰہی کا منشار معلوم کرنے کے لیے شارع کے اقوال و افعال کا علم کیوں ضروری ہی اس سلسلہ میں ان تمام اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہی جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف سے احادیث اور ان کے متعلقات پر کیے جاتے ہیں۔ اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہی قیمت عہ

نبی عربی صلعم

کم استعداد لوگوں اور بالخصوص آٹھویں نویں جماعت کے طلبار کے لیے سرورکائنات صلعم کی سیرت پر بہترین کتاب ہے جس میں آسان اور شگفتہ زبان میں تمام مستند اور اہم واقعات کو خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہی۔ قیمت ۱۲/

ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ!

اس بلند پایہ مقالہ میں قانون شریعت کے نفاذ کی مکمل عملی تشکیل پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت ۳/

مفتاح العربیہ یا کلام عربی

اگر آپ بہت تھوڑی مدت میں عربی سیکھنا بلکہ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب سے کام لیجئے اس کی خصوصیت یہ ہی کہ بلا استاد کی مدد کے آپ اس سے کافی عربی سیکھ سکتے ہیں۔ یہ کتاب جدید تعلیمی تجربات کی روشنی میں بالکل نئے انداز پر تالیف کی گئی ہے اس میں روزانہ ضروریات زندگی کے متعلق چلتے مکالمے، قرآن و حدیث کے اقتباسات جدید طرز کے خطوط و رقعات عربی اخبارات و رسائل کے انتخابات اسباق کی صورت میں بہترین ترتیب کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں، اس کتاب کے دو حصے ہیں قیمت ہر حصہ ۱۰/ رعایتی ۸/

۸۶

انقلابی یا مجدّد؟

(از جناب مولٰنا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔اے مدیر "برہان" دہلی)

آج کل تجدّد نواز علما اور ارباب قلم کا یہ فیشن ہو گیا ہے کہ "اسلام کو عالمگیر مذہب" ثابت کرنے کے لیے ہر اُس نظریہ اور اصطلاح کو اسلام پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو ایک زبردست پروپیگنڈہ نے قبول عام کی بازار میں شہرت و وقعت دیدی ہو۔ آپ کو یاد ہوگا اب سے چند سال پہلے "جمہوریت" کا غوغا ہوا۔ اس کی مدح وثنا میں ارباب فکر و انشا نے دادِ سخن گستری دینی شروع کی تو ہمارے ان علمائے کرام نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ اسلام کا نظام حکومت بھی تو جمہوری ہی ہے۔ پھر اب موجودہ ڈیماکریسی ناکام ہوتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے بالمقابل ڈکٹیٹر شپ کی طرف لوگ زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں تو انھیں حضرات نے اب جمہوریت کی مذمت بیان کرنی شروع کر دی ہے، اور کچھ تکلم زیرلب کے انداز پر، اور بعض کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ درصل اسلام بھی تو ڈکٹیٹر شپ ہی کا قائل ہے۔ حالانکہ اگر واقعی طور پر غور کیا جائے تو اسلام کے نظام حکومت کو موجودہ اصطلاح کے ماتحت نہ جمہوریت سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ڈکٹیٹرشپ سے بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان کی ایک معتدل راہ ہے جس میں خلیفہ نہ ڈکٹیٹر کی طرح بالکل مطلق العنان ہوتا ہے، اور نہ کسی صدر جمہوریہ کی طرح مجلس نمائندگان کا بالکل پابند۔

اسی طرح سودیٹ روس کی طرف سے سوشیلزم کا پروپیگنڈہ ہوا تو ہم میں کتنے ہی تھے جو اس کی آن بان سے مرعوب ہو کر برملا اسلام کے اقتصادی نظام کو بھی سوشیلزم پر منطبق کرنے لگے۔ اور انھوں نے دعوے کیا کہ اسلام میں اور سوشیلزم میں بنیادی طور پر (یہ بھی محض برسبیل احتیاط) کوئی فرق نہیں ہے، میں ان دوستوں کی نیت پر کوئی حملہ نہیں کرتا، ممکن ہے کہ یہ سب باتیں نیک نیتی کے ساتھ ہوں۔ اور اس غرض سے ہوں کہ وہ اسلام کو ایک عالمگیر، اور دُنیا کے ترقی یافتہ نظریوں کا ساتھ دینے والا مذہب ثابت کرنا چاہتے ہوں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اُن کا یہ طرزِ عمل اسلام کے لیے حد درجہ نقصان رساں ہے، اس کے تو معنی یہ ہوئے کہ اسلام بجائے خود کوئی حقیقت ثابتہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسی ربڑ ہے جس کو کھینچ تان کر وہ ہر قد و قامت پر راست کر سکتے ہیں۔ اور وہ ایک ایسا مبہم و مجہول دستور ہے جس کی تشریح ہر زمانہ میں اُس کے جدید رجحانات کے مطابق ہو سکتی ہے۔

اسی نوع کی ذہنی مرعوبیت کی ایک بدترین مثال یہ ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کی تعریف کرتے ہیں تو اُن کے لئے وہی عنوانات تجویز کرتے ہیں جو موجودہ دورِ سیاست میں کسی بڑے سے بڑے لیڈر کے لئے سرمایہ نازش و افتخار سمجھے جاتے ہیں۔ اس قسم کے لفظوں میں غالباً سب سے بڑا شاندار اور پُرعظمت لفظ "انقلابی" ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں اسلامی سیاست پر جن حضرات نے مقالے لکھے ہیں اُن کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے ارباب قلم کس بُری طرح جدید عنوان ستائش سے مرعوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب انھیں اپنے ہر بزرگ کی ذات "انقلابی" اور اُس کا ہر کارنامہ "انقلاب" نظر آتا ہے۔ ان بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات غالباً سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو ہندوستان کے دورِ آخر کا سب سے بڑا داعیٔ انقلاب رہنما اور انقلابی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر انقلابی کے صحیح معنی کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب کو انقلابی کہنا اُن کی تعریف و توصیف نہیں بلکہ ایک گونہ تنقیص ہے۔ مندرجہ ذیل سطروں میں اس حقیقت پر کچھ روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے

انقلابی کے خصائص

سب سے پہلے انقلابی اور مصلح کا فرق سمجھ لیجئے۔ جو حضرات کسی قوم میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مصلح، اور دوسرا انقلابی۔ ان دونوں میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ مصلح کا راستہ نہایت معتدل اور افراط و تفریط سے بچا ہوا ہوتا ہے، وہ روحانی اور اخلاقی کیرکٹر کے لحاظ سے بہت بلند پایہ انسان ہوتا ہے۔ اس کی تمام کوششیں خیرخواہی اور خیراندیشی کے جذبہ پر قائم ہوتی ہیں۔ اس میں منتقمانہ جوش بالکل نہیں ہوتا۔ اس کو ذاتی ترفع اور وجاہت پسندی سے بُعد ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اور کہتا ہے، سچائی اور ایمانداری سے کرتا اور کہتا ہے، لیکن اس کے برخلاف ایک انقلابی لیڈر یا رہنما کا یہ حال نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے ایک نظام ہوتا ہے اُس کے خیال میں نہایت ہی مکروہ اور مذموم، وہ ہر ممکن طریقہ سے اُس کو تبدیل کرنا چاہتا ہے، اُس کے لئے عفو و درگزر بے معنی چیزیں ہیں۔ یہ نظام چونکہ اُس کی نگاہ میں انتہا درجہ قبیح اور لائق مذمت ہوتا ہے۔ اور اس کے احساسات اُس کی نفرت و حقارت سے پُر ہوتے ہیں۔ اس لئے ردّ عمل کے اصول کے مطابق وہ اس کا انتہائی توڑ تلاش کرتا ہے اور اُس پر جم جاتا ہے۔ اس راہ میں اُس کو اعتدال اور میانہ روی کا مطلقاً دھیان نہیں رہتا۔ مثلاً ایک انقلابی نظامِ زرداری کو دیکھتا ہے تو وہ اُس کے مقابلہ میں سوشلزم سے کم کسی چیز پر راضی ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ انفرادی ملکیت کا ہی سرے سے منکر ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ دشوار ہے کہ وہ ملکیت کی تحدید، یا اُس پر کچھ پابندیاں عائد کرنے پر رضامند ہوسکے

پھر جب وہ اپنی ایک شاہراہِ مقصود متعین کر لیتا ہے تو وہ اُس پر آنکھ بند کر کے بڑی تیزی سے چلتا ہے اب اُس کو گرد و پیش کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور نہ اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ "زیر قدمش ہزار جانست" والا معاملہ ہے

ایسا نہ ہو کہ سینکڑوں بے گناہ انسان اُس کی تیز گامی کی نذر ہو جائیں، اس لحاظ سے انقلابی کے لیئے ضروری نہیں کہ وہ فضائل اخلاق کا پابند ہو۔ اور روحانی مرتبہ کے لحاظ سے وہ کسی غیر معمولی حیثیت کا انسان ہو۔ غرض یہ ہے کہ ایک انقلابی کے ذاتی خصائص وشمائل کا تجزیہ کیا جائے تو اُس میں تین چیزیں نمایاں نظر آئیں گی۔

(۱) تشدد اور جبر

(۲) افراط وبے اعتدالی۔

(۳) خود غرضی اور جذبہ انتقام

انقلاب فرانس کے نام سے آج کون پڑھا لکھا واقف ہے جنھوں نے اس کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ فکری اور ذہنی تبدیلی پیدا کرنے میں فرانس کے چار مصنفوں کو بہت دخل ہے مانٹیکیو، والٹیر، ویدرو، اور روسو، یہ چار وہ لوگ ہیں جن کی تصنیفات کو اساسِ انقلاب کہا جاتا ہے، ان میں غالباً سب سے زیادہ اعتدال پسند روسو ہے۔ لیکن اُس کا حال بھی یہ ہے کہ وہ امن، علم، تہذیب اور مذہب واخلاق ان سب چیزوں کا برملا مذاق اُڑاتا ہے، اور اُن پر پھبتیاں کستا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے:۔

تہذیب کیا ہے؟ تعیش پسندی!

امن کیا ہے؟ ظلم وجور!

علم کیا ہے؟ انسانی غلطیاں

چونکہ اس طرح کی انتہا پسندانہ باتیں شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اندرونی جذبۂ انتقام پر مبنی ہوتی ہیں۔ اسی لیئے خود روسو کے بعض عقیدتمندوں کو اُس کی طرف سے کبھی کبھی شبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور وہ درپردہ یہ سوال کرتے تھے "کیا روسو سوسائٹی کا اس لیئے دشمن ہے کہ اُس میں وہ اپنے لیئے کوئی جگہ پیدا نہیں کر سکا؟ کیا وہ دولت سے اس لیئے متنفر ہے کہ وہ اسے حاصل نہ کر سکا،،"[1]

پھر کتاب انقلاب کے مسلمہ ابواب وفصول میں غدر اور انقلاب میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ انقلابیوں کا ایک عام مقولہ ہے کہ "کامیاب بغاوت کا نام انقلاب ہے، اور ناکام انقلاب کا نام بغاوت" افسوس ہے کہ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے، ورنہ یہ بات بہت آسانی سے ثابت کی جا سکتی ہے کہ آج کل کے مصطلحہ انقلاب میں جن لوگوں نے شاندار انقلابی کارنامے کیئے ہیں، اُن میں اکثر وبیشتر ایسے ہی لوگ تھے جو ذاتی طور پر سوسائٹی کے مروجہ نظام کا شکار ہوئے اور اُس کی وجہ سے انھوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مثال کے طور پر میں کارل مارکس کی ابتدائی پر مصائب زندگی کو پیش کر سکتا ہوں، اس بنا پر اُس کے افعال واعمال کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ

[1] انقلاب فرانس از جناب باری صفحہ ۲۴

وہ کسی ذاتی غرض یا کسی جذبۂ انتقام سے بالکل مبرّا و منزہ تھے۔

میں اس موقع پر یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی انقلابی لیڈر کی عظمت و بزرگی کا منکر نہیں ہوں لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ میرے نزدیک ایک مصلح۔ مجدد اور مجاہدِ امّت کا مرتبہ انقلابی سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ اور میں ایک لمحہ کے لئے یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ آپ اپنے کسی مجدّدِ ملّت یا مجاہدِ امت کو انقلابی کے لفظ سے یاد کریں۔

حضرت شاہ صاحب کے خصائص

انقلابی کی ان خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر اب حضرت شاہ صاحبؒ کی اوصاف و کمالات کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب اسلام کے بہترین مفکر، حکیم، اور زبردست عالم ربانی اور اسلامی فلاسفر تھے۔ اُن کی تصنیفات نے اُس زمانہ کی بیمار ذہنیتوں کی اصلاح کر کے انھیں پاک وصاف بنا یا غیر اسلامی اوہام وتخیلات کی جگہ مسلمانوں میں خالص اسلامی تخیل پیدا کیا۔ حضرت شاہ صاحب شریعت اور طریقت فلسفہ اور تصوف۔ عقلیات اور نقلیات کے ایسے مجموعہ دلکش و دل آویز تھے کہ اُن کی ذات جس طرح ایک مسلمان کے لئے رشد وہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ نامسلموں مگر انصاف پسندوں کے لئے بھی وہ بہترین معلم ثابت ہو سکتی ہے حضرت شاہ صاحب کی پُرزور تحریر کا اثر مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کے دل و دماغ کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے بہترین راز دار حکم ومصالح ہیں۔ اور پھر اپنے ہمہ گیر دلائل وبراہین کی روشنی میں اُسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سُننے والے کو مجال انکار باقی نہیں رہتا۔ اسلام دین فطرت ہے۔ پس جس کسی کو اس دین کے محرم اسرار ہونے کا شرف حاصل ہوگا، ضروری ہے کہ تمام نوامیس فطرت۔ اسرار ورموز عالم سے بھی پوری طرح باخبر ہو اس مقام بلند پر پہونچکر مجاز اور قیاس وتخمین کے تمام حجابات یک قلم اُٹھ جاتے ہیں اور دیکھنے والا جلوۂ جمال حقیقت سے بلا واسطہ شاد کام و فائز المرام ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچکر ارباب سلوک ومعرفت کی اصطلاح میں انسان اپنے تئیں مجدد سمجھنے لگتا ہے۔ اب اگر کسی مرشد کامل یا علم شریعت میں مہارت کے ذریعہ حضرت حق جل وعلا کی توفیق اُس کے شامل حال نہیں ہوتی تو وہ گمراہ ہو کر طرح طرح کے دعاوی باطلہ کرتا ہے۔ ورنہ وہ سنبھل جاتا ہے۔ اور اس مقام سے گزر کر اُس کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفہیمات۔ الخیر الکثیر۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کے شروع میں جو کچھ اپنی نسبت لکھا ہے ایک طرف آپ اُس کو دیکھیئے اور دوسری جانب آپ نے اپنی تصنیفات میں شریعت وطریقت کی تطبیق کی جو کوشش کی ہے اُس کو ملاحظہ فرمایئے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ بے شبہ اُس مقام رفیع پر سرفراز تھے جو مجددیت کا مرتبہ کہلاتا ہے۔ لیکن چونکہ علوم ظاہریہ و رسمیہ میں بھی آپ کو بڑا کمال تھا، اس لئے مجددیت کی شان کے ساتھ آپکے قبا عظمت میں فلسفیت کے ایک تکمۂ زرّیں کا اور اضافہ ہوگیا ہے اور ان دونوں کی آمیزش نے حکماء اسلام کی صف میں آپ کو ایک نمایاں تر مقام پر لا بٹھایا ہے۔

مقام مجددیت حضرت شاہ صاحبؒ خود اپنے اس مقام کا اظہار تفہیمات میں اس طرح کرتے ہیں:۔

"مجھ کو میرے رب نے یہ سمجھایا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنا دیا اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے، اور وہ تمہاری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے، جو شخص تمہارا دشمن ہے، اس کے لیے آسمان آسمان نہیں اور زمین زمین نہیں پس تمام اہل مشرق و مغرب تمہاری رعیت ہیں اور تم اُن کے بادشاہ، اس سے غرض نہیں کہ یہ لوگ جانتے ہیں یا نہیں۔ اگر جانتے ہیں تو کامیاب ہوں گے ورنہ نقصان اُٹھائیں گے"

ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو بتایا گیا ہے کہ میں اس حقیقت کا اعلان کر دوں کہ آج وقت میرا ہی وقت ہے۔ اور زمانہ میرا ہی زمانہ ہے، اس شخص پر حیف جو میرے جھنڈے کے نیچے نہیں ہے"۔

ایک دو نہیں تفہیمات کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا جائے تو اُس میں اس بات سے متعلق اشارات و تصریحات بکثرت ملیں گی۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ جو کچھ فرمایا، مدعیان باطل کے دعاوی کی طرح محض زبانی تعلی اور خودستائی نہ تھا بلکہ اُن کی تصنیفات، اُن کے شاندار علمی اور عملی کارنامے اس دعوی کا ناقابل تردید ثبوت ہیں اس حقیقت ثابتہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جن مضبوط بنیادوں پر اپنے دست تجدید سے اسلام کی تعمیر قائم کر گئے ہیں اُس کی اُستواری کا یہ عالم ہے کہ حوادث و نوازل کے لاکھ سیلاب آئیں اُس کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ آج اسلامی فلسفہ اور حقائق و معارف اسلام کی جو کچھ روشنی نظر آتی ہے غور کیجئے تو وہ سب اسی آفتاب علم کا پرتو ہے۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں مروز
گرم دارد ز تو ہنگامۂ رسوائی را

علم اسرار یہ ظاہر ہے شان مجددیت اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک کہ شریعت کے غوامض و حکم سے پوری طرح واقفیت نہ ہو اس کے بغیر ایمان بمحض ایمان بالغیب اور عمل صرف تعمیل حکم" کے درجہ تک محدود رہتا ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو مجددیت کے مقام بلند پر سرفراز ہونا تھا اس لئے انھیں اسرار و رموز شریعت کا محرم بنایا گیا اور جو حقیقتیں دوسروں کو محض ظن و گمان سے معلوم تھیں۔ آپ نے اُن کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

میرے نزدیک تمام جدید فنون میں سب سے زیادہ دقیق مرتبہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ بلند اور علوم شرعیہ میں سب سے زیادہ روشن اور مبرہن دین کے اسرار کا علم ہے جس میں احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں

اور خاص خاص اعمال کے بھیدوں اور اُن کے نکات سے بحث ہوتی ہے۔ پس خدا کی قسم ابھی علم سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اس میں اپنے نفیس ترین اوقات صرف کرے اور فرض طاعتوں کے بعد اس کو اپنے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ کیونکہ اسی علم کے ذریعہ انسان کو شرعی احکام و مسائل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اخبار شرع کے ساتھ اُس کی نسبت ایسی ہی ہوجاتی ہے جیسی عروض جاننے والے کی اشعار کے دواوین کے ساتھ یا ایک عالم منطق کی براہین حکما کے ساتھ.........اور وہ اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے سے محفوظ ہوجاتا ہے"۔

علوم رسمیہ وظاہریہ میں مہارت

پھر ہر مجدد کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ماحول کا بالکل صحیح اندازہ رکھتا ہو اپنے زمانہ کے عواطف و امیال سے پوری طرح باخبر ہو۔ اور جدید طریقۂ استدلال پر اس کو کامل عبور ہو۔ اگر یہ چیز نہیں ہے تو اسے مجددیت میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ ابناء زمانہ کو اُن کے مروجہ علوم کی روشنی میں حقائق اسلامی کو سمجھا نہیں سکیگا اور لوگ خود اُسی کے طرز استدلال سے نامانوس ہوکر اُس کے دلائل زیادہ توجہ کے ساتھ سن نہیں سکینگے۔

زور تحریر و تقریر

ان کمالات کے ساتھ زور تحریر و تقریر کی نعمت سے بھی بہرہ اندوز ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر مخاطب پر متکلم کے دلائل و براہین کا اثر کم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذاتِ گرامی ان تمام اوصاف و شمائل کی بھی جامع تھی آپ کے عہد میں علوم عقلیہ یعنی منطق اور فلسفہ کا زور تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ دینی و نقلی علوم میں مرتبۂ امامت رکھنے کے ساتھ ان علوم میں بھی مہارت تام رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ لکھ کر انھوں نے شرعیات مسائل کے باب میں ابوالحسن اشعری وغیرہ کے علم کلام سے الگ ایک بالکل نئے علم کلام کی بنیاد رکھدی ہے جو بحث و استدلال کے لحاظ سے پہلے علم کلام سے کہیں زیادہ معقول اور نتائج کے افادہ کے اعتبار سے اُس سے کہیں زیادہ قطعی الثبوت ہے رہا زور تحریر! تو اس کے لیئے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں جس شخص نے آپ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اُس کو معلوم ہوگا کہ آپ کے کلام میں حافظ ابن تیمیہ کی سی صولت کلام اور بات کا پھیلاؤ اگرچہ بالکل نہیں ہے لیکن وہ جو کچھ فرماتے ہیں ایسے بیچے تلے، اور موزوں و متناسب الفاظ میں فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے پر اُس کا اثر ہوتا ہے اور جتنا جتنا وہ آگے بڑھتا ہے عقیدت و ارادت کا نقش اُسی قدر زیادہ جلی اور پختہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا عمل تجدید

اِن کمالات و خصائص سے آراستہ ہوکر آپ نے جب تجدید کے میدان میں قدم رکھا تو کوئی شبہ نہیں آپ نے وہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو صحیح معنی میں ایک نائب رسول ہی کرسکتا ہے، آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی وہ اخلاقی اور روحانی پستی کے لحاظ سے نہایت شرمناک دور تھا۔ مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹمانا شروع ہوگیا تھا۔ دربار پر شیعوں کا قبضہ تھا۔ تمام ملک میں طوائف الملوکی کا

دورِ دورہ تھا۔ مسلمانوں کی تعلیمی حالت یہ تھی کہ درسگاہوں میں صدرا، شمس بازغہ اور شرح مطالع کے شروح و حواشی اس کثرت سے رائج تھے کہ گویا اُس زمانہ میں مسلمانوں کا نصاب تعلیم ان کتابوں کے سوا کچھ اور تھا ہی نہیں دینیات میں تھوڑا بہت اگرچہ چا تھا بھی تو فقہ کی چند کتابوں کا تفسیر و حدیث کا رواج بہت کم تھا۔ بس

ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

کا مصداق تھا۔ اخلاق اور اعمال کا یہ عالم تھا کہ بدعات۔ مشرکانہ اعمال و رسوم جو زیادہ تر ہندوؤں کے ساتھ اختلاط کا نتیجہ تھے۔ گھر گھر رواج پذیر تھے۔ امرا اور ارباب ثروت عیش و عشرت میں مصروف ہو کر دینِ حق سے غافل ہو چکے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام احوال گرد و پیش کا جائزہ لے کر اپنا عمل تجدید جاری کیا تو اس طرح کہ ایک طرف آپ نے شیعیت کی تردید میں ازالۃ الخلفا تصنیف فرمائی۔ "مدرسہ رحیمیہ دہلی" (جو حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد کے نام پر تھا) میں قرآن و حدیث کا درس دیا۔ جس میں دور دور کے طلبا شریک ہو کر کسب سعادت کرتے تھے۔ آپ نے بارہ سال کے قریب مدت تک اس مدرسہ میں درس جاری رکھا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تاکہ اُس کا افادہ عام ہو سکے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ اقدام بھی آپ کا غیر معمولی عمل تجدید تھا جس نے عام علماء میں اُن کی خود غرضی کی بنا پر بےچینی پیدا کر دی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے حجۃ اللہ البالغہ اور تقلید و اجتہاد پر زرین تصنیفات کر کے اس بات کی سعی بلیغ کی کہ اُن میں جو ذہنی تسفلی، اور دماغی جمود و خمود پیدا ہو گیا ہے۔ اور جو فی الحقیقت اُن کے اجتماعی، سیاسی اور مذہبی انحطاط کا باعث ہے۔ یہ دور ہو اور اس کے بجائے اجتہاد فکر کی روشنی۔ آزاد غور و خوض کی عادت۔ اور صحیح اسلامی طریقہ پر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا عمل تجدید بیکار و بے اثر رہا۔ خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحبؒ کو جانشین بھی ایسے میسر آئے جنھوں نے آپ کے علوم و فنون کی حفاظت اور دیانت داری کے ساتھ اُن کی نشر و اشاعت میں حضرت شاہ صاحبؒ کی جانشینی کا پورا حق ادا کیا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اس خاندان کی نسبت کیا خوب لکھا ہے:۔

"ہر یکے ازیشاں بے نظیر وقت و فرید دہر و وحید عصر در علم و عمل و عقل و فہم و قوت تقریر و فصاحت تحریر و تقویٰ و دیانت و امانت۔ و مراتبِ ولایت بود، و ہم چنیں اولاد اولاد ایں سلسلہ از طلائے ناب ہست"

(اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین)

لیکن خاندان ولی اللہی نے جس شاہراہ کو اختیار کیا اُس کی بنیاد حضرت شاہ صاحب نے ہی ڈالی تھی۔ اس بنا پر مجددیت کا شرف اس تمام سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ہی مخصوص ہے۔ آج ہندوستان میں

علم دین کا چرچا، مذہبی بیداری، اور شرک وبدعت سے اجتناب، اور علماء کا وقار جو کچھ نظر آتا ہے، یہ سب حضرت شاہ صاحب کے ہی مجددانہ کارناموں کا اثر مابعد ہے، ورنہ مصر۔ ایران اور شام و فلسطین اور ترکی وافغانستان میں مسلمانوں کی جو حالت ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اگر اس خاندان والاشان کی خدمات بابرکات نہ ہوتیں تو ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی حالت ان ممالک سے بھی بدتر نہ ہوتی!

پس اس علمی وعملی جلالتِ شان کے باعث آپ خود سوچئے کہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ ایک بلند پایہ مجدد تھے، یا انقلابی؟ کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمانہ کے اعتبار سے متاخر تھے لیکن اپنے علمی وعملی اور ظاہری باطنی کمالات وخصوصیات کے لحاظ سے زمانہ سلف کے اکابر علماء ومجتہدین سے کسی طرح کم نہیں تھے، بلکہ ایک بڑی حد تک ابو العلاء المعری کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

وَاِنِّی وَاِنْ کُنْتُ الْاَخِیْرَ زَمَانُہٗ
لَاٰتٍ بِمَا لَمْ تَسْتَطِعْہُ الْاَوَائِلُ

لیکن آپ کو "انقلابی" کہنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کسی نئے فلسفہ کے علمبردار تھے، آپ کی تعریف نہیں، بلکہ تنقیص ہے۔ اور اسلام کے صحیح طریقِ فکر اور اس کے درست طریقِ اصلاح وارشاد سے بے خبری کی دلیل ہے!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مصنف

(از جناب مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ)

یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اسلام کے ان جلیل القدر عالموں میں سے ہیں جن کی شہرت و عظمت زمان و مکان کے حدود سے آگے بڑھ چکی ہے، اور جن کا بیش قیمت علمی ترکہ ایک قوم اور اقلیم کی میراث نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کا سرمایۂ فخر ہے، لیکن اس علمی حقیقت تک، ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحب کے خارق عادت علمی و ذہنی کمالات کا مشاہدہ (بعد زمانی یا بعد مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہوسکا آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، اس لیئے آپ کی تصنیفی خصوصیات کی وضاحت اور مصنف کی حیثیت سے اسلام کی علمی و دینی تاریخ میں آپ کے مقام کی تشریح، آپ کی صحیح معرفت کے لیئے ضروری اور نہایت اہم علمی موضوع ہے جس کے بغیر نہ صرف آپ کا تذکرہ، نہ صرف ہندوستان کی علمی تاریخ، بلکہ اسلام کی علمی تاریخ بھی نامکمل رہیگی۔

شاہ صاحبؒ کا مرتبہ مصنف کی حیثیت سے

شاہ صاحب رحؒ اسلام کے ان چند مصنفین میں سے ہیں جن کی تعداد مصنفین اسلام کی بے نظیر کثرت کے باوجود بہت کم ہے، حاشا وکلا یہ اسلام کے مشہور تاریخی فخر اور امتیاز کا انکار اور مصنفین اسلام کی تنقیص نہیں ہے، دنیا کے کسی مذہب کی علمی تاریخ اتنے اہل قلم، اتنے صاحب تصنیف اور تاریخ کی اتنی مختصر مدت میں اتنا وسیع، معمور اور قیمتی کتب خانہ نہیں پیش کر سکتی جتنا اسلام نے پیش کیا، لیکن اس موقع پر ہمارے سامنے عظمت کا معیار تصانیف کی کثرت، موضوع کا تنوع، کتابوں کی ضخامت، تصانیف کی مقبولیت اور رواج، مضامین کا اشکال اور پیچیدگی، خیالات میں تعمق اور فہم یا تشریح مطالب میں موشگافی، متن کا اختصار اور مطالب کی تلخیص یا شارحانہ اور محشیانہ گرہ کشائی اور نکتہ رسی میں سے کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کمالات اپنی جگہ پر مسلم اور یہ تمام علمی خدمات اپنے اپنے زمانہ میں لائق احترام و شکر، لیکن تجدید و امامت کا مقام اس سے بلند ہے ہر مصنف امام وقت اور مجدد فن نہیں ہوتا، اس مقام کے لیئے شرط ہے کہ مصنف نے کسی موضوع پر کوئی ایسی چیز پیش کی ہو جس سے اس وقت تک کا کتب خانہ خالی ہو، نئے علمی نظریات اور (علم و دین کے حدود کے اندر رہ کر) تازہ خیالات اور جدید تحقیقات پیش کی ہوں، اس کے یہاں جدت فکر ہو، ذہن کا اجتہاد ہو اور مضامین د

مطالب میں اصلیت اور اولیت[1] ہو، اگر تنہا یہی شرط ہے تو علامہ ابن خلدون ایسے مصنف کی بہترین مثال ہیں لیکن اگر "فکر ارجمند" کے ساتھ "دل درمند" اور عقل کے ساتھ عشق جمع ہو جائے اور مصنف کا قلم نغمہ زن کی انگلی کی طرح رباب دل کے تاروں کے ساتھ کھیلنے لگے، تو وہ صرف مصنف نہیں رہتا، بلکہ ایک اخلاقی اور دینی مصلح بھی بنجاتا ہے۔ امام غزالی کی بعض تصنیفات میں یہ رنگ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر علم و استدلال کے ساتھ کوئی صحیح دینی تحریک و دعوت کوئی اصلاحی جوش اور کسی صالح انقلاب کی خواہش شامل ہو جائے، اور اس کی تحریروں اور تصنیفات سے کسی نئے دور کا آغاز اور کسی نئی جماعت کی پیدائش کا سامان ہو تو وہ مجدد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، امام ابن تیمیہ اور حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اسکی مثال ہیں ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے اکثر کمالات کے جامع ہیں اسلام کے باکمال مصنفین کی خواہ کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے، آپ کے نام کے بغیر وہ نامکمل رہے گی اور ترتیب و مراتب کے لحاظ سے آپ کا نام اتنا پیچھے نہیں رہیگا جتنا کہ تاریخ کے لحاظ سے آپ کا زمانہ پیچھے ہے،

وانی وان کنت الاخیر زمانہ لآتٍ بما لم تستطعہ الاوائل

لیکن اس کے قبل کہ ہم شاہ صاحب کی تصنیفی خصوصیات کی طرف اشارہ کریں ہم اسلام کی ہزار سالہ تصنیفی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں، تاکہ شاہ صاحب سے پہلے جتنا علمی کام ہو چکا تھا نیز تصنیف کا ارتقاء و انحطاط ہمارے سامنے رہے۔

اسلام کی تصنیفی تاریخ پر ایک نظر

مسلمانوں کی تصنیفی تاریخ حدیث اور متعلقات قرآن سے شروع ہوتی ہے اس لیے طبعی طور پر ان کی تصنیفی کاوشوں کا موضوع اور ان کی دماغی جولانیوں کا میدان نقل و روایات جمع و ترتیب کا میدان تھا، اور اس میں انھوں نے اس تحقیق و تفتیش اس دیانت و احتیاط کا ثبوت دیا جس کی زیادہ سے زیادہ کسی انسان سے توقع کی جا سکتی ہے، چوتھی صدی ہجری تک کی بہترین اسلامی تصنیفات اسی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

دینی و مدنی ضرورتوں سے فقہ کا علم پیدا ہوا اور علماء نے دوسری ہی صدی سے اس میں مجتہدانہ تصنیفات کیں جن میں سے قدیم کتابوں میں سے امام شافعی کی بے نظیر کتاب کتاب الاُم اور اس کے بعد ابن قدامہ حنبلی کی جلیل القدر تصنیف المغنی اور پچھلی صدیوں میں احناف کی مایۂ ناز کتاب ہدایہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مسائل کے استنباط اور قیاس و اجتہاد کے سلسلہ میں ضروری طور پر اصول فقہ کی طرف توجہ ہوئی اور بہت جلد

---

[1] اصلیت اور اولیت سے مراد یہ ہے کہ یہ خیالات اُسی کے ہوں کسی کی تقلید سے نہ پیدا ہوئے ہوں اور اس سے پہلے اس طرح کسی نے ان خیالات کا اظہار نہ کیا ہو۔

مسلمانوں نے اس کو اتنی ترقی دی کہ غالباً کسی مذہب و قوم کے اصول تشریع و قانون سازی نے اتنی ترقی حاصل کی ہوگی، اس فن میں مسلمانوں کی بہترین دماغی جودت صرف ہوئی، اور وہ ان کی ذہانت کا بہترین نمونہ ہی امام غزالیؒ کی مستصفیٰ اور علماء احناف اور شافعیہ کی طویل و متوسط کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔

علوم منقولہ میں سے فن تفسیر کی طرف بھی پوری توجہ ہوئی، مگر عرصہ تک مصنفین کا نقطۂ نظر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) یہ رہا کہ آیات سے متعلق زیادہ سے زیادہ ممکن مواد جمع کردیں، اور یہ کام بعد کے آنے والوں کے لیے جن کے سامنے وہ ماخذ نہیں ہیں بہت مفید اور ضروری ہے، لیکن ان میں ذاتی تفکر، زندگی اور ماحول پر انکی تطبیق، اور بیشتر کتابوں میں تنقیح کی کمی، اور بعض میں اپنے زمانہ کے فانی اور وقتی خیالات و نظریات سے تاثر کی زیادتی اور اپنے زمانہ کا عکس ہے اُس دور میں اصول تفسیر کی عدم تدوین اور اس پر کسی معتد بہ کتاب کا نہ ہونا بھی ایک محسوس کمی ہے،

دوسری صدی کی ابتدا ہی میں، ابتداءً مختلف قوموں کے اختلاط اور مختلف مذاہب کے اجتماع سے اور بعد میں یونانی فلسفہ اور خیالات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک نہایت خام قسم کی عقلیت پیدا ہوئی جسمیں کسی قسم کی گہرائی اور پختگی نہیں تھی اور جو فرد یا قوم کی نوعمری یا ذہنی مرعوبیت کی حالت میں کبھی کبھی پیدا ہو جایا کرتی ہے اس لیئے اس موضوع پر ہمیں معتزلہ سے لے کر فلاسفہ تک (بشمول ابن سینا اور ابن رشد) کسی کی تصنیف میں کوئی جرأت فکر، اجتہاد، اور ارسطو کے فلسفہ میں کوئی اضافہ یا ترمیم یا کسی انقلابی کوشش کا نشان نہیں ملتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں یونانی فلسفہ اور اسلام کے تقابل میں وہ حریت فکر بھی نہیں جس کے یہ سب سے بڑے مدعی ہیں۔

اس فلسفہ کے مقابلہ میں علم کلام پیدا ہوا، اور اصول فقہ کے بعد یہ دوسرا فن ہے جس میں مسلمانوں کی ذکاوت صرف ہوئی امام ابوالحسن اشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) اور امام ابومنصور ماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) کی تصنیفات اور امام غزالی (۵۰۵ھ) کی جارحانہ اور امام رازی (۶۰۶ھ) کی مدافعانہ کوششیں اس سلسلہ میں ناقابل فراموش ہیں،

فلسفہ اور علم کلام کے تقابل سے جو خاص قسم کی ذہنی پیچیدگیاں، غلط مذہبی نظریات و تصورات، اور دوسری طرف اسلام کے ضعف اور بُعد زمانہ سے بدعات اور مشرکانہ خیالات پیدا ہو گئے تھے ان کا اقتضا تھا کہ ایسے اشخاص پیدا ہوں جو سُنت کا احیاء کریں، عقل و نقل کے اس معرکہ میں اسلامی عقائد و مسائل کی حکیمانہ تشریح کریں اور خالص اور قدیم اسلام کی طرف دعوت دیں یہ خدمت آٹھویں صدی میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے اپنی عالمانہ تصنیفات کے ذریعہ انجام دی رحمہما اللہ۔

اس کے بعد سے خلاف وجدلیات اور مذہبی مباحث اور علمی مناظروں کا دور شروع ہوا، اور بہترین قوتیں اس میں صرف ہونے لگیں، اسی دور میں حدیث کے متعلقات پر بعض نہایت بیش قیمت اور جلیل القدر تصنیفات ہوئیں جن میں سے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے؛

اس کے بعد سے تمام عالم اسلامی میں ایک عام علمی انحطاط اور تصنیفی زوال شروع ہوا، جو بارھویں صدی تک قایم رہا، اجتہاد وتفکر کی قوت جاتی رہی علم میں تقلید شعار بن گیا، فنون کی شرح وتخلیص مال کار رہ گیا اور علما پر "درسیت" طاری ہوگئی، مدرسانہ تصنیفات، اور متعلق درسی کتابیں سرمایہ فخر رہ گئیں، ہمتیں پست ہوگئیں، شرح وتلخیص اور اس کے بعد صرف تحشیہ پر قناعت کی جانے لگی، بحث ونظر کا میدان تنگ سے تنگ اور فکر کا دائرہ محدود سے محدود ہوتا گیا۔ علوم معقول بھی منقول بن گئے، نقلیات میں تفکر، عقلیات میں اجتہاد، قدیم علمی اندوختہ میں نئے اضافے اور طریق بحث واستدلال میں تغیر کی رسم موقوف ہوگئی گیارھویں اور بارھویں صدی کے عرب اور ہندوستانی علماء ومصنفین کے تذکرے ملاحظہ ہوں، کوئی مجتہدانہ تصنیف اور کوئی نایاب علمی تحقیق نہیں ملے گی۔

علم وتصنیف کے اس دور انحطاط میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، لیکن وہ اپنے زمانہ کی پیداوار نہیں ہیں۔ ان کی ذہنی سطح، ان کے مدارک، ان کے علوم ومعارف اپنے زمانہ کے عام علما کی سطح سے بہت بلند تھے اور وہ ان اشخاص میں تھے جو کئی کئی سو برس کے بعد اپنے زمانہ سے بالکل برخلاف، اہل زمانہ سے بالکل مختلف پیدا ہوتے ہیں اور ان کو عبقرین اور نوابغ کہا جاتا ہے، شاہ صاحب خود اپنے الفاظ میں اسی "تخریج بہ تخریج اور تفریع بر تفریع" کے دور میں پیدا ہوئے (ازالۃ الخفا صفحہ ۱۵۶) لیکن آپ کی تصنیفات اپنے زمانہ کی عام روش سے بالکل علٰحدہ، آپ کا طرز فکر وبحث جدا، اور آپ کے مضامین ان لوگوں کے لئے جن کے معلومات عام درسی کتابوں تک محدود ہیں بالکل نئے ہیں، چنانچہ خود آپ کو اس کا احساس تھا اور جابجا آپنے اس کا اظہار فرمایا ہے ازالۃ الخفا میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"چون این مقدمہ بایں آب وتاب درکتب کلامیہ نخواندہ بخیل کہ وحشتے بخاطر تو راہ یابد"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ولا بد چوں ایں ہمہ نکتہ گفتہ شد باید دانست کہ مفہوم خلافت خاصہ بر نہجی کہ بیان کردیم علمی است شریف کہ نور توفیق آنرا در خاطر بندۂ ضعیف ریختہ یستحظہ من یعرفہ وینکرہ من لا یعرفہ وذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون"

اس موقع پر یہاں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت عمر کی حیثیت مجتہدین امت کے مقابلہ میں ایسی ہی جیسی

مجتہد مستقل کی منتسب مجتہدین کے مقابلہ میں ہوتی ہے لکھتے ہیں:۔

لیکن فہم ایں معنی بغایت دقیق است جمعے کہ سرمایۂ علم ایشاں شرح وقایہ وہدایہ باشد کجا ادراک ایں سر دقیق توانند کرد" (ازالۃ الخفا صفحہ ۸۴/۲)

اب ہم اپنی حیثیت کے مطابق شاہ صاحبؒ کی خصوصیات تصنیف بیان کرتے ہیں:۔

خصوصیات تصنیف

(۱) سبقت واولیت :۔ اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ وتشریح، اور تطبیق عقل ونقل اگرچہ بارھویں صدی کے عالم کے لئے بالکل نیا موضوع نہیں تھا، خود شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے مقدمہ میں امام غزالی خطابی، اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا نام لیا ہے جنھوں نے احکام شرعی کے حکم ومصالح بیان کئے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا اس کی حیثیت اشارات ونکات سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلام کے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحب سے پہلے نہیں ملتی، اس اہتمام، وسعت اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر ہمارے علم میں حجۃ اللہ البالغہ پہلی تصنیف ہے۔ اور پھر اس کے اکثر ابواب ومضامین بالکل نئے ہیں، اور فلسفہ، علم کلام، قرآن وحدیث، تصوف اور ذاتی غور ومشاہدہ اور قوت استدلال کی آمیزش شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی، صرف چند اصول وقواعد تفاسیر کے مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں، شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات وکلیات ہے۔ درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا عملی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے،

اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حرف بحرف صحیح ہے کہ

"میگوید فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم عاملہما اللہ تعالےٰ بلطفہ العظیم چوں بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ کشادند خواست کہ بعضے نکات نافعہ کہ در تدبر کلام اللہ یاراں را بکار آید در رسالہ مختصری مضبوط نماید امیدواری از عنایت حضرت باری آن ست کہ طالب علماں را بمجرد فہم ایں قواعد راہے واسع در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر یا گزرانیدن آنہا بر مفسراں علی نحو ما اقل قلیل فی ھٰذا الزمان بسر برند آں ضبط وربط بدست نیارند"

قرآن کے مضامین ومقاصد، اس کے طرز واسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی

کتب درسیہ سے اس کے اختلاف اور شان نزول کے متعلق چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم ہو لیکن بارھویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں۔

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات وعقائد اور کمزوریوں کا بیان، ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق، فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملیگی۔

نسخ میں متقدمین ومتاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور منسوخ وناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ وتابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحب کی عمدہ تحقیقات میں سے ہے۔

نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجیہ شاہ صاحب نے کی ہے (ص۲۲ مجتبائی) اس کی قدر وہ لوگ کرسکتے ہیں جو نحو کی تدوین کی تاریخ سے واقف اور بصرہ اور کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں،

بہرحال اس کتاب کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا خدا کی ایک نعمت اور اس کا ہمارے نصاب درس میں عام طور پر داخل نہ ہونا اس نعمت کی ناقدری، اور ناواقفیت یا بدمذاقی ہے۔

خلیفہ کے شرائط اور اس کے احکام پر اگرچہ جستہ جستہ چیزیں فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں ملتی ہیں مگر اسلام کے نظام حکومت کی تشریح اور خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کی تقسیم اور ان کے جداگانہ اوصاف کا بیان ازالۃ الخفا کے سوا کہیں نہیں، نیز قرآن سے خلافت راشدہ کے اثبات میں شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے تفردات میں سے ہے۔

رسالہ انصاف اور حجۃ اللہ کے محدثانہ ابواب میں شاہ صاحب نے مذاہب کے اختلاف کے اسباب اور اس کی تاریخ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سلامت فہم، اصابت رائے اور دقت نظر نیز وسعت قلب کی بہترین دلیل ہے، اور اس طرز پر اس سے پہلے کسی عالم کی تحریر دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس سبقت واولیت کے علاوہ اگر ہم شاہ صاحبؒ کی دوسری تصنیفی خصوصیات کو مختصر الفاظ میں بیان کریں تو وہ یہ ہونگی (۱) دقت نظر۔ (۲) وسعت نظر، (۳) سلامت فہم (۴) سلاست بیان (۵) قوت انشا وتعبیر۔

ان میں سے ہر ایک کی علحدہ علحدہ تشریح کرنے کے بجائے ہم شاہ صاحبؒ کی دو معرکۃ الآرا کتابوں:۔ (حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا) پر تبصرہ کرتے ہیں، شاہ صاحبؒ کے مقام کو سمجھنے کے لیئے ان دو کتابوں کا پڑھنا کافی ہے،

حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی، بارھویں صدی کے کچھ بعد ہندوستان اور تمام اسلامی ممالک میں "عقلیت" کا جو دور شروع ہونے والا تھا اور احکام و شرائع کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا، اس کا یہی اقتضا تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارھویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوادی جائے، چنانچہ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے دیباچہ میں ان غیبی اشارات اور بشارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس خیال کی محرک ہوئیں، اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں کس قدر غیبی تحریک و تائید شامل تھی،

ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اس کی حکیمانہ توجیہ اور کسی مذہبی نظام کی فلسفیانہ تشریح میں کسی زمانہ میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، یا اگر لکھی گئی تو دنیا کے سامنے نہیں، اسلام کے معاشی و سیاسی نظام پر بھی جابجا جو اشارات اور متفرق نکات ہیں ان کو اگر ازالۃ الخفا اور دوسری تصنیفات کے اشارات و نکات کے ساتھ جمع کر لیا جائے، تو وہ بڑے کام کی چیز ہوسکتی ہے اور تشریح و تفصیل کیلئے ایک اچھا متن بن سکتا ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں اس کتاب پر تبصرہ کرنا اور اس کے محاسن کو نمایاں کرنا بہت مشکل ہے پھر ہر شخص کا ذوق، نقطۂ نظر، اس کی مشکلات اور اُن کے حل کی راہ جدا ہے اس لیئے اپنے ذوق کے مطابق اس کتاب کے بعض ابواب پر ہم ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں،

مبحث اول کے تمام ابواب تقریبًا شاہ صاحبؒ کے تفردات میں سے ہیں، تکلیف و مجازات پر اعلیٰ متکلمانہ اور حکیمانہ بحث ہے جس سے بہت سے عقدے کھل جاتے ہیں، انسانوں کی صلاحیت و استعداد کے مدارج اور فطری تفاوت اور ملکیت و بہیمیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے شاہ صاحب کی کمال نکتہ دانی اور نفسیات و طبائع انسانی کا وسیع اور عمیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

مبحث خامس میں دوسری مفید بحثوں کے علاوہ معاصی و "آثام" پر سیر حاصل بحث ہے۔

مبحث سادس اول سے لے کر آخر تک بے نظیر ہے اس مبحث کو پڑھ کر شاہ صاحبؒ کی دقیقہ رسی کے ساتھ غایت درجہ کا سلامت فہم بھی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مذاہب کی تاریخ، اور "طبائع و نفسیات ادیان" نیز تشریع اور قانون سازی کی باریکیوں پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں، یہ پورا باب مجتہدانہ اور حجۃ اللہ کے محاسن میں سے ہے۔

مبحث سابع میں جو مضامین و نکات آگئے ہیں، وہ عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں نہیں ملسکتے

اور اس میں بعض حقائق ایسے آگئے ہیں، جو اصول وکلیات کا حکم رکھتے ہیں اور جن کے نہ جاننے کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

تتمہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں شاہ صاحبؒ کی وسعت نظر اور وسعت قلب کی بہترین دلیل ہو اور اس سے شاہ صاحبؒ کا ذوق حدیث، کتب حدیث کی محبت اور مسلک اجتہاد معلوم ہوتا ہے جو ان کا اصل ذوق اور مسلک ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عربیت اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم شاہ صاحب کے ایک اور امتیاز کی طرف بھی اشارہ کردیں جس میں شاہ صاحبؒ نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ میں منفرد ہیں، وہ شاہ صاحب کی عربیت اور عربی میں قدرت تحریر ہے۔

اہل نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں، کہ ہمارے ملک میں اسلام کے دوسرے مفتوحہ ممالک کی طرح کبھی بھی عربی کا صحیح اور اعلیٰ ذوق نہیں رہا، یہ نظری ذوق اگر کبھی رہا بھی ہو، تو اس میں شبہ نہیں کہ تحریری عربیت اور قدرت یہاں بہت نایاب رہی، اگر تاریخی جستجو کی جائے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی اور بعض ایسے ہندوستانی مصنفین کو چھوڑ کر جن کی زندگی کا بڑا حصہ عربی ممالک اور عرب فضلا کی صحبت میں گزرا ایسے مصنفین کا ملنا مشکل ہے۔ جن کی عربی تحریر ادبی اسقام سے پاک، عربی ذوق کے مطابق اور سلیس و رواں ہو، نصاب درس کی مخصوص ساخت اور ہندوستان میں عربی نظم (متنبی وسبع معلقہ وحماسہ) کے نمونوں کی زیادتی اور خوبی کی وجہ سے ہندوستانی علماء کی نظم ان کی عربی نثر سے کہیں بہتر ہی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پہلے ہندوستانی مصنف ہیں، جن کی عربی تصانیف (بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ) میں اہل زبان کی سی روانی وقدرت اور ادبار عرب کی سی عربیت ہے اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں۔

ہم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور یہ کہنے کی جرات کرتے ہیں کہ علمی اور سنجیدہ مضامین پر مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ عربی نثر وتحریر کا پہلا کامیاب نمونہ ہے، بلکہ بعض اہل ذوق کا خیال ہے کہ مقدمہ ابن خلدون میں ادبیت اور حجۃ اللہ میں سلاست زیادہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بارھویں صدی تک (بلکہ بعض مقامات پر اس وقت بھی) حریری کی مقامات عربی نثر کا واحد نمونہ تھا، مضامین وخیالات کے مقابلہ میں الفاظ اور محاسن لفظی کی ترجیح، قافیہ کی شدید پابندی، دائرہ خیال کی تنگی، مشکل ونامانوس اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال اس طرز تحریر کی خصوصیات ہیں، اس طرز تحریر کی پیروی کے ساتھ سنجیدہ وسیع علمی مضامین اور حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت مشکل ہے، تمام دنیا میں حریری ہی کا سکہ چلتا رہا، اور "مقامات" دماغوں پر چھائے رہی۔ قاضی فاضل نے اپنی

قابلیت اور منصب وزارت کی وجہ سے اس طرز کو اور مقبول بنا دیا، ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے اس لفظی طلسم کو توڑا اور ان پابندیوں سے آزاد ہو کر علمی و تاریخی اور فلسفیانہ مضامین کو جیتی جاگتی زبان میں ادا کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابن خلدون کے مقدمہ کے بعد پھر ہمیں اگر کوئی دوسری تصنیف اس طرز کی ملتی ہے تو اس طویل مدت میں صرف اسی ہندوستانی عالم کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے۔

حدیث و فقہ کے مضامین کو سلیس عربی میں ادا کر دینا ایک عالم کے لیے بے شک کمال نہیں لیکن حجۃ اللہ کا مبحث ثالث جس میں ارتفاقات کے ابواب ہیں ملاحظہ ہو، اسی طرح وہ دوسرے مضامین جس کے لئے شاہ صاحب کے سامنے کوئی دوسرا قدیم نمونہ نہیں تھا، شاہ صاحب کے "تبوغ" اور عبقریت کی دلیل ہیں،

ازالۃ الخفا فی خلافۃ الخلفاء یہ شاہ صاحبؒ کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر غالباً پہلی اور یقیناً اس وقت تک آخری کتاب ہے، تمام کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، جس کا پورا اندازہ پوری کتاب پڑھنے سے ہوتا ہے، کوئی شخص بھی جو اس کتاب کے مقصد اور مصنف کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہے اگر انصاف کے ساتھ اس کتاب کے اکثر حصہ کے مطالعہ کی زحمت گوارا کرے تو اس کو خلفاء کی عظمت کا قائل ہو جانا پڑے گا۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلام میں صحابہ کرام کا مقام، ان کے فضائل ان کے حقوق، اور اس کے متعلق مباحث پر بے نظیر گفتگو اور افادات۔

(۲) خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت قرآن مجید سے اس کتاب کی بہترین بحثوں میں سے ہے جو نکات و حقائق سے لبریز ہے خصوصاً آیت تمکین، آیت استخلاف، آیت اذن قتال، آیت اعراب (قل للمخلفین من الاعراب) آیات (محمد رسول اللہ والذین معہ) آیت (یریدون لیطفئوا نور اللہ) آیت شوریٰ (سورہ شوریٰ) (ازالہ ص۲۳) آیت (او من کان میتاً فاحییناہ) (سورہ انعام) (ازالہ ص۱۷۵-۱۷۹) کی جیسی تفسیر کی ہے اور اس کے ضمن میں قلم سے جو نکات و معارف نکل گئے ہیں، وہ کسی بڑی سی بڑی تفسیر میں نہیں مل سکتے، خلفاء کے فضائل اور بشارات میں جو روایات ہیں، البتہ وہ کہیں کہیں تحقیق و تنقیح کے قابل ہیں۔

(۳) نبی، خلیفہ، محدث اور صدیق کی تعریف اُن کے اوصاف اور خلافت خاصہ کی تشریح شاہ صاحب کا خاص موضوع اور اس کتاب کا خاص مضمون ہے

(۴) اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اسلام کی دینی تاریخ اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا اُبھرا ہوا خاکہ ہے، اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی، کتابوں میں منتشر مواد ملتا ہے، اس کتاب میں بھی اس موضوع کے متعلق بہت سا مواد جمع کر دیا ہے، مثلاً اگر آپ جاننا چاہیں کہ دینی انحطاط تدریج کے ساتھ کس طرح ہوا اور اس کے مظاہر کیا تھے، کن کن چیزوں میں اصل معیار سے انحراف ہوا تو آپ "خیر القرون سے متصل اور اس کے بعد کے فتنے (از ص۱۲۵) "خیر القرون اور شر القرون کے احکام کا اختلاف" (از ص۱۳۶) اور "تغیرات کابہ" کی بحثوں میں دیکھ سکتے ہیں اور اس سے ایک تاریخ مرتب کر سکتے ہیں،

(۵) عام حقائق و معارف جو ساری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کی فصل ہفتم میں. جو پہلے حصہ کے صفحہ ۵۵ سے پہلے حصہ کے خاتمہ تک ہے۔

(۶) خلفاء راشدین۔ خصوصاً شیخین اور بالاخص حضرت فاروق اعظم کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز تاریخی حالات اور سیرت جس میں بڑے استقصا سے کام لیا گیا ہے اور بڑی اچھی ترتیب اور موثر انداز میں اُن کو پیش کیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ اس مختصر سے تعارف اور تبصرہ سے شاہ صاحب کا وہ مقام و مرتبہ واضح ہو جائے گا جو آپ کو اسلام کی علمی اور تصنیفی تاریخ میں حاصل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ صاحب کا ایک علمی ماخذ

از
جناب مولٰنا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

حضرت شاہ صاحب نے اپنے متعلق تفہیمات میں ارشاد فرمایا تھا:۔

بہ سرم در دادند کہ این حقیقت بمردم برساں کہ امروز وقت وقت تست و زماں زماں تو! وائے برکسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد!	میرے ذہن میں ڈالا گیا ہے کہ میں آدمیوں تک اس حقیقت کو پہونچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ اور یہ وقت تیرا وقت ہے افسوس اس پر جو تیری عَلَم کے نیچے نہ ہو،

یہ حقیقت جس طرح دنیا پر ظاہر ہو کر رہی وہ واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں!

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بہت ہی سچ کہا تھا کہ

اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد!	اگر شاہ صاحب صدر اول میں ہوتے تو امام الائمہ اور مجتہدوں کے سردار شمار ہوتے۔

حیرت ہوتی ہی کہ اُس عہد میں ایسی جلیل القدر اور یگانہ روزگار ہستی ہندوستان میں پیدا کیسے ہوئی جبکہ حضرت الاستاذ مولٰنا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے الفاظ میں حال یہ تھا کہ

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پُرشور تھا، فقہ و فتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کی احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے، (معارف نمبر ۵ جلد ۲۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ صاحبؒ کا خاندان ہمیشہ سے علم و عمل کا مرکز رہا لیکن اصلاح و تجدید امت

اور فقہ دین کی جو دولت شاہ صاحب کے حصہ میں آئی اس کی کوئی نظیر نہیں ؛

شاہ صاحب کے ہندی اساتذہ میں آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا محمد افضل صاحب معروف بہ حاجی سیالکوٹی کے اسمار گرامی ملتے ہیں لیکن ان بزرگوں کے احوال میں بھی ہم کو کوئی ایسی نمایاں چیز نہیں ملتی ہے جس سے اندازہ ہوسکے کہ شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں میں ان کے اثرات کو کہاں تک دخل ہے ؟

اصل یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک اصلاح و تجدید بڑی حد تک مرہون منت ہے اُن علوم و معارف کی جو خدا نے فضل و کرم سے اُن پر منکشف ہوئے جن کا بار بار وہ اپنی مصنفات میں ذکر فرماتے ہیں شریعت کے اسرار و حقائق کے اس انکشاف نے شاہ صاحبؒ کی دُنیا بدل دی اور معاصرین تو درکنار وہ اپنے سلف و خلف دونوں سے بدرجہا بلند ہو گئے ؛

دوسری چیز جس نے شاہ صاحب میں بلند نظری اور عالی ہمتی پیدا کی، ہمارے نزدیک وہ اکابر علمائے اسلام کے خیالات اور اُن کی زندگیوں کا غیر متعصبانہ مطالعہ ہے !

یوں تو شاہ صاحب کے پیش نظر متعدد علمار کی تصانیف معلوم ہوتی ہیں مثلاً علامہ عزالدین ابن عبدالسلام امام غزالی اور شیخ ابو طالب مکی وغیرہ ! لیکن ان علمار میں ایک ایسی عالی مقام ہستی کی زندگی اور اس کے خیالات بھی شاہ صاحب کے سامنے رہے جو تاریخ اسلام میں اپنی خصوصیات کے باعث بہت ہی ممتاز اور اہم درجہ رکھتی ہے، جس کی ذات خود ایک عظیم الشان دعوت اصلاح و تجدید کا سبب بن چکی تھی اس سے ہماری مراد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ذات بابرکات ہے !

۱۱۴۳ھ میں شاہ صاحبؒ ہندوستان سے حجاز تشریف لے جاتے ہیں اور مشائخ حرمین سے استفادہ کرتے ہیں شاہ صاحب کے مشائخ حرمین میں شیخ ابراہیم کردی ایک بزرگ کا ذکر آتا ہے یہ وہی بزرگ ہیں جو شاہ صاحب کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور معنی کی سند میں اُن سے لیتا ہوں۔

شیخ ابراہیم کردی ایک بلند نظر اور وسیع المشرب عالم تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قدر دان بلکہ زبردست حامی تھے !

ابن آلوسی بغدادی جلار العینین صفحہ ۲۶ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں :-

وکان سلفی العقیدۃ ذابًا عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ

سلفی العقیدہ اور ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کے فیض صحبت نے شاہ صاحب کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیمؒ

رحمہما اللہ کی کتابوں کی طرف متوجہ کیا! اور اس طرح انقلاب وتجدید کے ایک امام کا دوسرے امام سے روحانی ربطہ پیدا ہوا۔

شاہ صاحبؒ نے ان دونوں حضرات سے پورا نفع اُٹھایا، بلکہ ان کی طرف سے پوری طرح دفاع بھی فرمایا۔
صاحب جلاء العینین تفہیمات کے حوالہ سے شاہ صاحب سے نقل کرتے ہیں:۔

وعلی ھذا الاصل اعتقدنا فی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فانا قد تحققنا من حالہ انہ عالم بکتاب اللہ ومعانیہ اللغویۃ والشرعیۃ وحافظ لسنۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وآثار السلف عارف لمعانیھما اللغویۃ والشرعیۃ استاذ فی النحو واللغۃ محرز لمذھب الحنابلۃ فروعہ واصولہ فائق فی الذکاء ولسان وبلاغۃ فی الذب عن عقیدۃ اھل السنۃ لم یؤثر عنہ فسق ولا بدعۃ اللھم الا ھذہ الامور التی ضیق علیہ لاجلھا ولیس شئ منھا الا ومعہ دلیلہ من الکتاب والسنۃ وآثار السلف فمثل ھذا الشیخ عزیز الوجود فی العالم ومن یطیق ان یلحق شأوہ فی تحریرہ وتقریرہ والذین ضیقوا علیہ ما بلغوا معشار ما آتاہ اللہ تعالیٰ وان کان تضییقہ ذالک ناشئاً من اجتہاد، ومشاجرۃ العلماء فی ذالک ما ھی الا کمشاجرۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم فیما بینھم والواجب فی ذالک کف اللسان الا بخیر!

اسی اصل پر ہم نے ابن تیمیہ کے بارہ میں اعتقاد کیا، ہم نے اُن کے حال کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وسنت کے عالم اس کے معانی سے واقف اور سنت رسول اللہ کے حافظ ہیں، نحو اور لغت کے امام ہیں حنابلہ کے اصول وفروع کے مبلغ ہیں اہل سنت کی طرف سے دفاع کرتے ہیں، اُن سے کسی قسم کا فسق یا بدعت ہم نے سرزد ہوتے نہیں دیکھا البتہ وہ امور جن کے متعلق اُن پر اعتراض کیا گیا ہے تو اُن میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اُن کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم زمانہ میں مشکل سے پیدا ہوتا ہے اکون ہے جو اُن کی تحریر وتقریر کا مقابلہ کر سکے؟ جن لوگوں نے اُن پر اعتراض کیا ہے اُن کو ان کے علم کا دسواں حصّہ بھی نہیں ملا ہے! ہاں اِن کے بارہ میں علماء کا مشاجرہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہ کرام کا آپس میں، ضروری ہے کہ ان کے متعلق خیر کے سوا اپنی زبان بند رکھی جائے!

ان الفاظ پر غور کرو شاہ صاحبؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جلالت علم، فقہ دین اور حمایت اسلام کے جوش وولولے سے کیسے متاثر نظر آتے ہیں!

شاہ صاحب کی مصنفات میں جا بجا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خیالات ملتے ہیں بعض جگہ تو پوری کی پوری عبارت نقل فرمادی ہے لیکن نام نہیں لیا ہے، اس کی وجہ غالبًا اہل زمانہ کا تعصب ہے!

مثال کے طور پر حجۃ اللہ البالغہ مطبع صدیقی بریلی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو (جلد اصفحہ ۱۶۴)

وقد کان فی الصحابۃ ومن بعدھم من یقرء البسملۃ. ومنھم من لا یقرؤھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا وکان منھم من یقنت فی الفجر ومنھم من یتوضأ من الحجامۃ والرعاف والقئ ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ من مس الذکر ومس النساء بشھوۃ ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ مما مستہ النار ومنھم من لا یتوضأ من ذالک منھم من یتوضأ من اکل لحم الابل ومنھم من لا یتوضأ من ذالک مع ھذا انکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ماکان ابوحنیفہ واصحابہ والشافعی وغیرھم رضی اللہ عنھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ وغیرھم وان کانوا لا یقرؤن البسملۃ لا سرًا ولا جھرًا، وصلی الرشید امامًا وقد احتجم فصلی الامام ابو یوسف خلفہ ولم یعد وکان افتاہ الامام مالک بانہ لا وضوء علیہ وکان الامام احمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامۃ فقیل لہ فان کان الامام قد خرج منہ الدم ولم یتوضأ ھل تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک وسعید بن المسیب

صحابہ اور اُن کے بعد ایسے لوگ تھے کہ بعض بسم اللہ پڑھتے تھے بعض اس کو جہر سے پڑھتے تھے بعض نہیں، اُن میں سے بعض فجر میں قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں، بعض قی، اور رعاف سے وضو کرتے تھے بعض نہیں، بعض مس ذکر اور عورتوں کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو کرتے تھے، بعض نہیں مامستہ النار اور اونٹ کے گوشت سے وضو کرتے تھے بعض نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتا تھا مثلاً ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ ائمہ مدینہ مالکیہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اگرچہ وہ لوگ سرًا یا جہرًا بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، رشید نے نماز پڑھائی در انحالیکہ اسنے پچھنا لگایا تھا امام ابو یوسف نے اس کے پیچھے نماز پڑھی، لوٹائی نہیں، امام مالک نے فتوی دیا تھا کہ اُن پر وضو نہیں ہے اور امام احمد پچھنے اور رعاف کے باعث وضو کو کہتے تھے اُن سے کہا گیا کہ اگر امام کے خون نکلے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے فرمایا میں امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز کیسے نہ پڑھونگا؟

بعینہ یہی عبارت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاوی جلد دوم صفحہ ۳۸ میں پائی جاتی ہے! ملاحظہ ہو:-

وقد کانت الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم منھم[1] من یقرء البسملۃ ومنھم من لا یقرؤھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا وکان منھم من یقنت فی الفجر ومنھم من لا یقنت ومنھم من یتوضأ من الحجامۃ والرعاف والقئ ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ من مس الذکر ومس النساء بشھوۃ ومنھم لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ من القہقہۃ فی صلوٰتہ ومنھم من لا یتوضأ من ذالک، ومنھم من یتوضأ من اکل لحم الابل ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومع ھذا فکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ماکان ابوحنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرھم یصلون خلف ائمۃ اھل المدینۃ من المالکیۃ وان کانوا لا یقرؤن البسملۃ لا سرًا ولا جھرًا وصلی ابو یوسف خلف الرشید وقد احتجم وافتاہ مالک بانہ لا یتوضأ فصلی خلفہ ابو یوسف ولم یُعد، وکان احمد بن حنبل یری الوضوء من الحجامۃ والرعاف فقیل لہ فان کان الامام قد خرج منہ الدم ولم یتوضأ تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف سعید بن المسیب ومالک؛

اسی طرح دیکھو شاہ صاحب فوز الکبیر میں سبب نزول کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

آنچہ از استقراء کلام صحابہ وتابعین معلوم می شود آن است کہ "نزلت فی کذا" محض برائے قصہ کہ در زمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بودہ وسبب نزول آیت گشتہ استعمال کنند، بلکہ گاہے یکے از ما "صدق علیہ" آیہ را کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است یا بعد از آں حضرت ذکر کنند وگویند نزلت فی کذا۔	صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ "نزلت فی کذا" محض اس واقعہ کیلئے نہیں ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا اور نزولِ آیت کا سبب بن گیا، بلکہ اس پر بھی بولتے ہیں جس پر یہ آیت صادق آرہی ہو خواہ وہ واقعہ عہد نبوی میں ہو یا بعد کو۔

بالکل اسی مفہوم کو حافظ جلال الدین سیوطی اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں،

قال ابن تیمیہ قولھم نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا یراد بہ تارۃ سبب النزول ویراد بہ تارۃ ان ذالک داخل فی ھذہ الآیۃ وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھذہ الآیۃ کذا (النوع التاسع)	ابن تیمیہ نے کہا کہ ان لوگوں کا قول نزلت ہذہ الآیۃ فی کذا۔ کبھی اس سے سبب نزول مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ یہ بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہے اگرچہ وہ سبب نہ ہو۔

ان تصریحات کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پہنچیں کہ شاہ صاحب کے علمی انقلاب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خیالات کو کسی حد تک ضرور دخل ہے تو شاید بیجا نہ ہو!

[1] فی نسخۃ وقد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرء البسملۃ

خطاب بروحِ پرفتوح حقائق و معارف آگاہ امامنا و مولٰنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرّہٗ

(از جناب میر اسحٰق صاحب کاظمی امروہوی)

اَی اعلمِ عالمانِ نامی — وَی افضلِ فاضلانِ سامی
اَی شاہ ولی، ولیِ اللہ — وَی شیخ و محدثِ گرامی
اَی عارفِ عارفانِ ہندی — وَی اشرفِ کاملانِ شامی
تو بحرِ حقائق و معارف — تو شہرِ تصوّف و کلامی
در نامورانِ دہر نامت — در تاجورانِ سرِ انامی
در چشمِ اکارم و اعاظم — چون مردمِ دیدۂ گرامی
در حلقۂ اہلِ علم و عرفان — مہتاب ستی بذاتِ سامی
در جلوہ گہِ حقیقت — چون کبکِ رِوی بخوش خرامی
در حکمت و وحدت و تصوّف — خوش تقریری و خوش کلامی
در رسمِ شریعت و طریقت — گہ خامۂ تو نہ کرد خامی
در میدانِ الٰہیاتی — از فکرِ بلیغ و حسامی
در تفسیرِ کلامِ باری — با نطقِ کلیم در کلامی
در اسرارِ سیاست و دین — تو ماہر و واقفِ تمامی
در منزلِ جمع و نظمِ اُمت — تو قائدِ اعظم و امامی
در سلسلات چہ انتظام است — با حبلِ متین خوش انتظامی
بر تست عیاں نہاں ز اسرار — با ہاتفِ غیب ہمکلامی
کشّافِ رموزِ علم و عرفاں — لاریب بہ فطنتِ تمامی
تفہیماتِ الٰہیہ را — در دہر مُفہّم گرامی
ہاں سینۂ تست مشرقِ نور — شد پیکِ ازل بتو پیامی
ہاں وارثِ علمِ احمد ستی — از فیضِ رسول شادکامی
صورت کشِ معنیِ حقیقی — از موئے قلم بہ ارتسامی

تو ماحیِ بدعت و ضلالت   تو شرع و طریقِ راست حامی
بہرِ گم گشتگانِ حیرت   مہدیؑ و مجدّد و امامی
بر دوشِ تو پرچمِ ہدایت   بر فرقِ تو تاجِ نیکنامی
تصنیفاتِ تو بحرِ تحقیق   ہستی چہ محققِ گرامی
زیں نظمِ تو جامِ علم دادی   ہمچو دشدہ جامی و نظامی
پُر نور ز تو "جہان آباد"   در دورِ جہاں مہِ تمامی
ہستی شہِ دیں بملکِ دنیا   شاہی بہ تو نسبتِ غلامی
نام نیک تو در انام است   وابستۂ شہرتِ دوامی
تو لائقِ صد ہزار تکریم   تو مستحقِ کلِّ احترامی
کردی چو بعشق زندہ دِل را   در عالم زندۂ دوامی
کے فلسفی رتبہ ات شناسد   یعنی کہ بلند تر مقامی
دانند کہ عارفان خاصند   بینند بہ کمالِ تو چہ عامی
پُرسند چو کسے ز من بگویم   ای خواجہ تو کیستی کدامی
لاریب مثال برزخ استی ق   بے شبہ در آنچناں مقامی
کاں سو بخدائے خویش ہمراز   ویں سوئے بخلق ہمکلامی
در حالِ تو قالِ من نگنجد   تو کامل و ناقصم تمامی
نشناسد جز ولی، ولی را   تو زیرِ قبائے ربِّ سامی
ای آنکہ تو نائب رسولی   ای آنکہ تو ہادی و امامی
از فیضِ تو بہرہ ور جہانے   از فضلِ تو ملکِ ما گرامی
از مجلسِ ما برفت ساقی   مردیم بسوزِ تشنہ کامی
روحِ پاکت بما در آید   ہرچند کہ تو بلند بامی
شد چہرۂ ہند تیرہ و تار   از ظلمتِ بدعت و غلامی
کن محو زِ مہرِ حجتِ خویش   ایں سایۂ داغِ ناتمامی

گاہے بہ اُفقِ تو جہے کن!
یا روحِ ولی بتو سلامی!

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور اُن کی بعض علمی خصوصیات

(از جناب مولانا سید ابوالنظر صاحب رضوی امروہوی)

قدرت کے بہترین شاہکار اور مجدد علم و حکمت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی علمی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف مذہبی حقائق ہی کی مکمل تفسیر کی جائیگی بلکہ حیات و مرگ کا ہر عقدہ، علم و سیاست کا ہر گوشہ اور تمدن و معاشرت کی ہر پیچیدگی بھی حل کی جائے گی۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے ایک مختصر سا مضمون کافی نہیں ہوسکتا اور بسیط تحقیقی مضمون[1] عام دلچسپیوں کو جذب نہ کرسکے گا اس لیئے مجبور ہوکر صرف چند سیاسی نکات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید کہ اسے دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے گا۔

آج کل آپ پاکستان کا ذکر بہت کچھ سُن رہے ہوں گے کیونکہ سیاسی مطلع پر آج یہی آفتاب چمک رہا ہے اور یہی سیاہ بادل فضا پر اُمنڈتا ہوا چلا آرہا ہے ـــ ہندوستان کے سیاسی ماحول کے اعتبار سے یہ چیز کہاں تک بہتر ہے اور کہاں تک نہیں میرے موضوع کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ اس لیئے میں صرف شاہ صاحبؒ کا نقطۂ نظر ہی آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور تھوڑی بہت تفصیلات پیش کرتے ہوئے تاکہ آپ صحیح پوزیشن تک بآسانی پہونچ سکیں۔

شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ ۲۰۴ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

واعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعت فیہ خصلتان احدٰ اھما النبوۃ والثانیۃ	جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں دو قسم کے اخلاقی ملکات تھے ایک نبوت دوسرے قبیلہ قریش کی عظمت و

[1] میں نے اس ہی نقطۂ نظر سے ایک مضمون لکھا تھا اور شایع کرنے کیلئے روانہ بھی کرچکا تھا مگر یہ سمجھتے ہوئے واپس منگا لیا کہ غالباً اس درجہ دقیق علمی تحقیقات اور نازک ترین مجتہدات سے عام دلچسپی کو وابستہ نہ کیا جاسکے گا اگرچہ میرا طبعی انداز تحقیق اس ہی میں جھلکتا تھا مگر اس میں بھی شک نہیں کہ میری وہ محنت عام لوگوں کے لیئے دلچسپی کا باعث نہ ہوسکتی تھی اس لیئے اس سادگی پر اترنا پڑا جو پرکاری در آغوش نہ تھی وہ بھی میرا ہی گناہ تھا اور یہ بھی میرا ہی گناہ ہے اس لیئے معذرت طلبی شاید نتیجہ خیز نہ ہوسکے گی ـــ ابوالنظر رضوی

سعادة قریش بسببه فالنبوة عمت کل الاصناف الاحمر والاسود مستویان فیما یرجع الی الفیض الذی هو من باب النبوة ولذلك عما اقتضت المصلحة الکلیة عموم سلطنة الترک الهم التدین بدین الاسلام واما سعادة قریش فسببها کانت خلافتهم الی زمان طویل

برتری. نبوت ہر رنگ ونسل کے لیے یکساں تھی، اپنے عمومی فائدہ کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکمت الٰہی نے بعض مصالح کے پیش نظر ترک قوم کو شہنشاہیت سپرد کرنا چاہی تو اُن کے دل میں مذہب اسلام اختیار کرنے کی تڑپ پیدا کر دی۔ لیکن قریش کی بزرگی کا سبب اُن کے درمیان بہت دنوں تک حکومت کا رہنا ہے۔

والذی اعتقده انه ان اتفق غلبة الهنود مثلاً علی اقلیم هندوستان غلبة مستقرة عامة وجب فی حکمة الله ان یلهم رؤسائهم التدین بدین الاسلام کما الهم الترك وذلك منشعب علی علوم نبوته والنقلا کونه صاحب ملته۔

وہ چیز جس پر میرا وجدان گواہی دیتا ہے یہ ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہو کہ ہندو ہندوستان یا اس کے ملحقات پر بھی حکومت کریں اور حکومت بھی مستقل اور ہمہ گیر قسم کی ہو تو یقیناً خدا کے قانون کا فیصلہ یہی ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کریں گے جیسے کہ ترکوں نے قبول کر لیا تھا کیونکہ عموم نبوت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ملت ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ایسا نتیجہ پیدا ہو

اس کے معنی جیسا کہ آپ سمجھ رہے ہوں گے اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ اگر سیاسی انقلاب کوئی ایسی کروٹ لیتا ہے جس میں ہندوستانی ہی ہندوستان پر حکومت کر سکتے ہوں تو مسلمانوں کو اکثریت واقلیت کی ذہنی کشمکش قبول کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ ہندوستان یا تو کسی نہ کسی شہنشاہیت کا غلام رہے گا ورنہ جمہوری حکومت قائم ہونے کی صورت میں ہندوستان کی فضاؤں میں اسلامی پرچم ہی لہرا سکتا ہے بالشوزم، نازی ازم یا ہندوازم کا پرچم نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ایک اشتراکی اپنے نصب العین کی صداقت پر اعتماد رکھتا اور اس ہی نظریہ کو معاشی زندگی کا آخری حل یقین کرتا ہے لیکن بدنصیب مسلمان ہی کو اس چیز پر ذرہ برابر ایمان نہیں کہ اسلام نے جو بہترین نظریہ حیات کائنات انسانی کے لئے اختراع کیا تھا اور جس کے سوا کوئی دوسرا نظریہ فطرت انسانی کی تشنگی نہیں بجھا سکتا وہی عملی زندگی کی ہر گتھی کو سلجھا سکتا ہے سیاست ومعاشرت کا کوئی پہلو اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کے ناخن تدبیر سے عقدہ کشائی کا مطالبہ نہ کیا جائے گا اگر ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ اسلام کے قانون حیات کو پوری روشنی میں لے آیا جائے آج ہر نظریہ اپنے قانونی دفعات کی تشریح کر رہا ہے مگر ایک اسلامی قانون ہی ایسا ہے جس کا معاشی، سیاسی اور تمدنی قانون موجودہ شعوری رجحانات کے سایہ میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا ورنہ اس کے کوئی معنے نہ تھے کہ ہر نامکمل

قانون اپنی تکمیل کا دعویٰ کر رہا ہو لیکن قدرت کا مکمل قانون ہی اپنی تشنگی کیلئے ہر سراب نظر کا محتاج ہو۔

آج آپ اکثریت کے زعم باطل سے کانپ رہے ہیں لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کو آزادی نصیب ہوتے ہی حسب ذیل حقائق سے اسلامی ہند کا دوچار ہونا قوانین فطرت کے ناقابل تبدیل فیصلوں میں سے ایک ہو۔

(۱) مسلمان کی وہ دولت اور وہ برتری جس کا نام تجارتی ذہنیت تھا دوبارہ دامن میں آجائے گی اور آپ تاریخ کی مطالعہ سے معلوم کرسکتے ہیں کہ یہ ہی وہ راز تھا جس نے ایک طرف مسلمان کو دنیا کے ہر گوشہ تک پہونچنے پر آمادہ کیا تھا اور دوسری طرف علم انسانی کی فطرت سے واقف کرتے ہوئے اخلاقی ملکات کے عملی فوائد سے بھی آشنا — اور اس ہی بنا پر ہر مسلمان اپنی جگہ پر وسعت نظر کے ساتھ ایک بہترین مبلغ کے فرائض انجام دے سکتا تھا آج یہ دولت ہم سے غصب کر لی گئی ہے مگر جب ہماری وراثت ہمیں واپس مل جائے گی تو ہم اس ہی اسٹیج سے دنیا کو پیغام زندگی دے رہے ہوں گے جہاں سے ہم ہمیشہ جرأت، رواداری، سچائی اور نیک عملیوں کا پیغام دیتے رہے تھے۔ آپ اس نکتہ کو معمولی نہ سمجھئے تنہا یہ ہی چیز مسلمانوں کو زمین سے آسمان تک اٹھانے کے قابل ہے۔ مسلمان اور اخلاقی شعور دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، مگر اقتصادی مجبوریوں نے اس کے ذہن و وجدان کو ماؤف کردیا اور وہ اس قابل نہ رہا کہ خود اپنی ہستی ہی کو سنبھال سکے کجا یہ کہ دوسری قوموں کو دعوت عمل دے۔ لیکن جب یہ کانٹا جو اس کی زندگی کے ہر پہلو میں کھٹک رہا ہی نکل جائے گا تو دنیا میں کونسی قوم ہو جو اس کی پاکیزہ اور بلند ترین ذہنیت کا مقابلہ کرسکے گی۔ کاش اسلامی فطرت کے نازک ترین محاسن اور مسلمانوں کی ماحولی کمزوریوں کا احساس ہمارے نوجوانوں کو ہوتا تو وہ کبھی کسی دوسرے نظریہ کے قدموں پر سجدہ کرنا گوارہ نہ کرسکتے تھے۔ مگر مجھے اس کا بھی کچھ خوف نہیں کیونکہ وقت کی وہ آواز جو ابھی دور سے آرہی ہو عنقریب خواب کے نشہ میں چور نوجوانوں کو تھپکیاں لے کر جگا دے گی اور پھر انھیں کوئی طاقت خواب گراں کی آلودگیوں سے دوبارہ تردامن نہ کرسکے گی اور وہ ہی ہماری عید کا ہلال اور ہماری تاریک شام کی تابناک صبح ہو گی۔

(۲) ہم غلامی کی بنیاد پر آج کوئی بین الاسلامی محاذ قائم نہیں کرسکتے مگر جب ہم اس قابل ہو جائیں گے تو ہماری طاقت ناقابل شکست اور ہمارا اقتدار ناقابل انکار حد تک پہونچ جائے گا۔ آپ شاید اس چیز سے پوری طرح واقف نہ ہوں گے کہ ہمارے برادران وطن انفعالی ذہنیت رکھتے ہیں، ہر درخت، ہر دریا اور ہر مار و کژدم کے سامنے سجدہ کرنے والی قوم کیا آپ کے نزدیک مسلمانوں کی اخلاقی طاقت سے اثر پذیر ہوئے بغیر رہ سکتی ہے؟ پھر بین الاسلامی اتحاد سے ہماری برادران وطن کو بین الاقوامیت کا صحیح مفہوم بھی سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی اور ہندوؤں میں بین الاقوامی ذہنیت کا پیدا ہو جانا ہی ہندوستان میں اسلام کی پہلی اور آخری فتح ہو گی۔ چھوت چھات، مذاہب پر محققانہ نگاہ سے گریز، صدہا خدا بنا لینے کی بنا پر لامرکزی ذہنیت کا عذاب اور اس کی تاریک ترین پستی ان کو محسوس ہونے لگے گی اور وہ ہر لمحہ گزرنے پر اسلامی تعلیم، اسلام کی انقلابی تحریک اور اسلام کے ہر ذہنی ارتقاء سے وابستہ ہوتے ہوئے آخر اس دعوت حق

پیغام الٰہی اور پائندہ درس حیات سے سبق لینے لگیں گے جسے ہماری اصطلاح میں اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) آج غلامی نے مسلمانوں کو علمی تحقیقات، اجتہادی نظریات اور انقلابی تحریکات سے جہاں تک بے بہرہ بنا دیا ہے اس کا اندازہ آپ کو اسلامی قلعوں (مذہبی مدارس) اسلامی سوسائٹی بلکہ اسلامی ہند کے ہر گوشہ کی افیون خوردگی سے ہو سکتا ہے۔ نہ جدید علوم حاصل کرنے کا ذوق ہے، نہ جدید ذہنیت کے سانچہ میں قدیم نظریات کو ڈھال سکنے کی تمنا، نہ مقلدانہ ذہنیت اجتہادی نظریات کو گوارا کرتی ہے۔ نہ اسلام کے وسیع ترین نظام حیات کے ہر پہلو پر بسیج کرنے کا کوئی تصور زندگی کی لہر دوڑاتا ہے لیکن اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو یقین رکھیے کہ یہ ساری فضا یکسر تبدیل ہو جائے گی ترقی کی اُمنگ، تبلیغ کا ولولہ اور "خیر امت" ہونے کا یقین۔ اُن تمام کمزوریوں کو دور کر دے گا جن کے لیے آج کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی اور مسلمانوں کا یہی شعوری ارتقاء نہ صرف مسلمانوں کو زندہ تر بنانے میں کامیاب ہوگا بلکہ ہماری ہمسایہ قوم کو بھی مطالعہ اور تنقید کی دعوت دے گا۔ جس کی بنیاد پر وہ ایسی زندگی کی تعمیر کر سکیں گے جسے انقلاب و تغیر کا کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکیگا

اس ہی نوع کے چند در چند اسباب و علل ہیں جو ہندوستان پر اسلامی حکومت کے پرچم کو لہرانے کے ذمہ دار کہلائے جا سکتے ہیں لیکن اس ہی کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ یہ سب کچھ مکمل آزادی اور استقلال حکومت کے نتائج ہیں جن کو غلامی کے زمانے میں دہرانے سے کوئی خاص فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا دوسرے آپ کو تاریخ کے مطالعہ نے شاید یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ ترک پہلے وقفہ ہی میں ایمان نہیں لے آئے تھے انھوں نے بھی مسلمانوں سے زبردست جنگ کی تھی، تاریخی تباہی سے آشنا کیا تھا، علم، دولت اور حکومت غصب کر سکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اگر مسلمان ان کا ہر سیاسی اور علمی محاذ پر مقابلہ کر سکنے کے ناقابل ہوتے اور اپنی مستقل زندگی کو قایم نہ رکھ سکتے تو ہرگز ترک قوم ردِّ عمل کے قانون کا کوئی اثر قبول نہ کر سکتی ــ ہمارا یہ فرض ناقابل فراموش ہے کہ ہم تنازع للبقاء کی جنگ میں کامیاب ہو سکنے کی طاقت اور زندہ رہ سکنے کی صلاحیت کا ثبوت دیتے رہیں ورنہ یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ترکستان میں ہوا وہ ہی ہندوستان میں بھی ہو۔ قدرت کا ہر کرشمہ، گوناگوں استعدادات سے وابستہ ہے جب تک ہم زندہ رہ سکنے کی صلاحیت سیاسی طاقت کی تقسیم باہمی تقسیم سے نہ پیدا کرتے رہیں گے نتائج ہمارے قابو میں نہیں آ سکتے۔ پاکستان کا جہاں تک آئینی نظریات سے تعلق ہے اس کو ایک بہترین لائحہ عمل کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا رہا پاکستانی اسکیم کا علمی نظریہ ہونا نہ ہونا یہ ہر شعوری نظریہ کی طرح ایثار و قربانی کے جذبات اور قوم کے احساس خودداری پر موقوف رہے گا اگر مسلمان مرکزی حکومت میں ناقابل انکار سیاسی اقتدار نہ قایم کر سکیں تو یہ قدرت کا ظلم یا اسکیم کا نقص نہیں بلکہ تغیر انفس کی دعوت قرآنی قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہوگا۔

شاید یہ ایک سوال پیدا ہو کہ اگر ہر قوم کا مستقل حکومت تک پہونچکر مسلمان ہوجانا ضروری ہے تو مغربی اقوام عیسائیت سے اسلام کی طرف کیوں آج تک رجوع نہ ہوسکیں۔ اس لیئے میں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف اتنا بتادینا چاہتا ہوں کہ قرآن نے ہمیں بتادیا ہے کہ چونکہ یہودیوں نے حضرت عیسےٰ اور اُن کے متبعین پر مظالم کیئے تھے اس لیئے خدا نے اس کا ردعمل عیسائیوں ہی کے ہاتھوں سے ضروری قرار دیتے ہوئے یہ وعدہ کیا کہ عیسائیوں کی حکومت ہمیشہ رہے گی تاکہ اس ظالم قوم کو سکون و اطمینان کی زندگی سے آشنا ہونے دیا جاسکے اور چونکہ بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جیسا کہ اُنھوں نے تفہیماتِ الٰہیہ میں تصریح کی ہے کہ موجودہ عیسائیوں کے پاس حکومت صرف اس لیئے ہے کہ خدا نے عیسائیوں سے حکومت کا وعدہ کیا تھا اور آج باوجود ہزار کمزوریوں کے اگر کسی گروہ کو عیسائی کہا جاسکتا ہے تو وہ یہی ہیں بنابریں اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیئے اس ہی قوم کا انتخاب کرنا پڑا دوسرے مسلمان چونکہ عدل پرست فطرت پر پیدا کیئے گئے تھے اس لیئے وہ اس غرض کو پورا کرنے کے واسطے کسی طرح موزوں بھی نہ ہوسکتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کا دوسرا سیاسی نظریہ آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کے بارے میں ہے۔ اگرچہ آج تک قرآن کی آیات کو مغربی جمہوریت پر ہی چسپاں کیا جاتا رہا مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی آمریت مغربی آمریت سے ترقی فتہ تھی یا یوں کہنا چاہیئے کہ آمریت اور جمہوریت دونوں کے درمیان ایک بہترین سیاسی محاکمہ تھا۔ شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف البدور البازغہ میں ڈکٹیٹر کو "امام حق" سے تعبیر کرتے اور اجتماعی زندگی کا تنہا اس کو ہی ضامن قرار دیتے ہیں۔

تیسرے شاہ صاحبؒ تمام اسلامی طبقات کی اصلاح و تنظیم اور اُن کی صنعتی ترقیات کو بھی نہایت اہم چیزوں میں سے شمار کرتے ہیں بلکہ ان کے مکاشفات کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس انقلابی دور کے لیئے صنعت و مزدو پیشگی ہی کو "ملاء اعلیٰ" کی مرضیات بتاتے ہیں یعنی ہمارے زمانے میں خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے محنت پیشہ طبقات کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس زمانہ کیلئے خدا اور اس کے مرکزی قانون کا منشاء یہ ہی ہے۔ افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی کی بنا پر مذکورہ علمی نکات پر بھی سیر حاصل بحث نہیں کرسکتا کجا یہ کہ شاہ صاحب کی علمی خصوصیات پر کوئی مقالہ علم و تحقیق کے سایہ میں ترتیب دیئے جانے کی کوشش کی جائے۔

باسمہ سبحانہ

عقیدت کے پھول

بدرگاہ شاہ ولی اللہ دہلوی

(از مولانا قاری عبد العزیز صاحب شوقی اسعدی انبالوی فاضل دیوبند)

اے شہ عالمانِ دین شیخ جہانِ علم و فن — فخر گروہ اولیا راسِ ائمۂ زمن

شاہ و گدا سبھی کو تھا تیرا وجود رہنما — دہر میں ہر طرف ترا بحر کرم تھا موجزن

تیری زبانِ فیض سے غلغلہ ہائے "معرفت" — تا بجبل پہونچ گئے گونج اُٹھا ہر ایک بن

ہند میں کس کو یاد تھا شغل حدیث مصطفےٰ — درس نے تیرے کر دیا تازہ یہ جذبۂ کہن

آپ نے عام کر دیا فلسفہ دین پاک کا — آپ ہیں صدر بزم علم آپ ہیں میر انجمن

سارے علوم آپ کے گوشۂ چشم کے مطیع — زورِ عمل بھی آپ میں ہمرہ قوتِ سخن

"فوز کبیر" آپ کے "خیر کثیر" کی دلیل — دہر میں آپکا وجود "حجت" رب ذو المنن

آپ کے گھر سے زندہ پھر ہوگئی سنتِ جہاد — نصرتِ حق میں آپکا وقف تھا مال و جان و تن

برسرِ عام و برملا حکم خدا سُنا دیا — دار کا خوف کچھ کیا نے غم بندشِ رسن

جذبۂ حریت کو بھی آپ نے زندہ کر دیا — اور سکھا دیئے ہمیں عزتِ نفس کے چلن

بات وہ دلنشیں کہی غیر بھی جس پہ مر مٹا — تیرے کمال کی مقر ہیں سبھی شیخ و برہمن

جس کے جواب کے لیے دنگ ہے امتِ فرنگ — تو نے دیا ہے وہ ہمیں درس "سیاستِ مُدن"

آپ جہاں سے کیا اُٹھے رنگ جہاں بدل گیا — یعنی کہ "بزمِ خاص" کی بجھ گئی شمع ضو فگن

جو تیرے در پہ آگیا تشنہ لبی سے چھٹ گیا — چشمۂ فیض بن گیا اس کا ہر ایک موئے تن

پیدا ہوا نہ آجتک ہند میں ثانی آپ کا — یوں ہی گزر گئے تمام دہر کے روز و ماہ و سن

تیری صفت میں ہر زماں خامۂ شوق ہے رواں — تیری ثنا میں تر زباں جلہ و راوی و چمن

در گہِ شہ میں چند پھول لایا ہے شوقیِ ملول

پائیں جو رتبۂ "قبول" دِل اُسی وقت ہو مگن

امامِ شاہ ولی اللہ اور حنفیّت

(از جناب مولٰنا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری استاذ جامعہ اسلامیہ رفیق مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بہت سے قرون اور ممالک اسلامیہ میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی۔

حضرت موصوف، بقول حضرت حجۃ الاسلام مولٰنا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند ان افراد امت میں سے ہیں کہ سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیئے یہ فخر کافی تھا۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی اور علمی و عملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے مثلاً حضرت ممدوح کی جامعیت اور تبحر، دقتِ نظر، ظاہری و باطنی علوم کا حیرت انگیز اجتماع، مکاشفات و کرامات، تصنیف و تالیف، ترجمہ قرآن کی بنیاد، نصابِ حدیث کی تاسیس، درس کی اصلاح۔ اسرار شریعت کی دلنشین اور موثر تشریح، کلام تصوف فلسفہ اخلاق اور نظامِ حکومت میں ان کے خاص خاص قابل قدر نظریات اصول تفسیر و اصول حدیث میں خاص خاص تحقیقات جہاد کا جوش، حکومت اسلامیہ کی خلافتِ راشدہ کے اصولوں پر تشکیل و تاسیس وغیرہ وغیرہ اتنے کمالات و خصائص ہیں جو اہل نظر و فکر کے لیئے اور اہل دل و اہل ذوق ارباب قلم کیلیئے کافی جولانگاہ تحقیق و تدقیق ہیں، — حضرت موصوف کیا تھے؟ خدائے تعالےٰ کی ایک حجت قاطعہ تھی جو بارھویں صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہوئی، میری بساط ہی کیا ہے کہ میں ارباب نظر کیلیئے شاہ صاحب کے کمالات کے کسی شعبہ پر ایسا لکھ سکوں کہ حق ادا ہو سکے تاہم حصول سعادت کیلیئے ایک موضوع پر کچھ اظہار رائے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عصر حاضر کے ذوق کے پیش نظر مجھے کوئی دلچسپ موضوع اختیار کرنا چاہیئے تھا مگر مندرجہ ذیل امور نے مجھے عنوان مندرجہ بالا پر کچھ اظہار کرنے کیلیئے مجبور کیا۔

(۱) حنفیت حقیقت میں ایک شرعی نظام قانون ہے جس کو اصحاب درایت اور ائمۂ مذہب نے نظامِ عالم کیلیئے اصلح ترین قانون سمجھا اور آخرت کیلیئے ایک نافع ترین ذریعہ نجات و وسیلہ سعادت خیال کیا۔

(۲) ہند اور بیرون ہند کے مخالف تقلید حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو بھی امام ابن حزم ظاہری علامہ ابن القیم اور خاص شوکانی کی طرح عدم تقلید کیلیئے ایک رکن رکین سمجھا بلکہ تقلید اور بالخصوص حنفیت کا دشمن ظاہر کیا ہے

(۳) حضرت موصوف کی بعض تالیفات میں بعض ایسی عبارات بھی موجود ہیں جس نے ایک سطحی النظر شخص دیانت داری کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ رائے قایم کر سکتا ہے۔

اس موقع پر مناسب ہوتا کہ کچھ تفصیلی نظر اجتہاد و تقلید پر ڈال سکتا تاکہ کسی قدر واضح ہو جاتا کہ حضرت شاہ صاحب مجتہد تھے یا مقلد لیکن مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لیے اس کے متعلق چند اشارات ہی پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ اشارات بھی نہایت مجمل ہوں گے، لیکن انشاء اللہ اہل علم کے لیے وہ کافی بھی ہوں گے۔

۱. اگر قدما میں سے قاضی بکار اور امام طحاوی اور ابوبکر خصاف اور ابوبکر جصاص، قاضی ابوزید دبوسی شمس الائمہ سرخسی وغیرہ وغیرہ اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلوبغا وغیرہ مقلد ابوحنیفہ ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ حضرات بھی اپنے خصوصی مختارات رکھتے ہیں تو پھر حضرتؒ شاہ صاحب کا انہی کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے۔

نیز جبکہ قاضی اسمٰعیل، حافظ ابن عبدالبر، قاضی ابوبکر بن عربی، حافظ اصیلی، ابن رشد کبیر، مالکی ہو سکتے ہیں۔ اور دارقطنی، بیہقی، خطابی۔ ابوالمعالی، امام الحرمین، غزالی، ابن عبدالسلام، ابن دقیق العید وغیرہ شافعی ہو سکتے ہیں، اور علیٰ ہذا جبکہ ابن جوزی، ابن قدامۃ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہو سکتے ہیں، تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحب کو مقلد مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔

۲. حصولاً کسی امام صاحب مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قایم کرے تو علمائے امت میں اس کو اتباع و تقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا قریباً سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں) بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں۔

۳. پس اگر آپ نے تقلید کے وسیع حدود کو ان اشارات اور امثلہ سے کچھ سمجھ لیا ہے تو پھر حضرت شاہ صاحب کی عبارات و ملفوظات سے یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا کہ حضرت ممدوح حنفی تھے یا غیر حنفی،

۴. اجتہاد و تقلید کے سمجھنے کے لیے ایک حد تک حضرت شاہ صاحب کی تالیف "عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید" عربی میں، اور اردو میں حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" اور شیخ الہند حضرت مولٰنا محمود حسن قدس سرہ کی کتاب ایضاح الادلہ کی دفعہ پنجم کافی و شافی ہیں۔

۵. ہر محدث کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فقیہ بھی ہو جیسا کہ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری نہیں نیز تفقہ کا علم تحدیث سے کہیں زیادہ مشکل ہے اس کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل دو واقعے پیش کرتا ہوں:

۱. حافظ حدیث ابوعمر ابن عبدالبر مالکی اندلسی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب جامع بیان العلم، میں فرماتے ہیں کہ امام حدیث اعمش (سلیمان بن مہران) کی مجلس میں ایک شخص آیا اور اعمش سے کوئی مسئلہ دریافت کیا

آپ کوئی جواب نہ دے سکے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ تشریف رکھتے ہیں فرمایا کہ کہئیے نعمان! کیا ہی جواب؟ امام ابوحنیفہ نے فوراً جواب دیا، امام اعمش نے پوچھا کہ ابوحنیفہ! تم نے کہاں سے یہ جواب دیا ابوحنیفہ نے فرمایا کہ آپ ہی نے تو مجھسے فلاں حدیث اپنی سند سے بیان کی تھی اسی سے یہ مسئلہ اس طرح نکلتا ہے الخ امام اعمش یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمانے لگے:-

نحن الصیادلة وأنتم الأطباء (۱)	ہم تو عطار ہیں طبیب تو آپ لوگ ہیں

نیز امام ابن عبدالبر اسی کتاب میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اعمش نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا ابو یوسف نے جواب دیا آپ نے فرمایا یعقوب! (امام ابو یوسف کا نام ہے) تم نے یہاں سے کہا؟ فرمایا اس فلاں حدیث سے جو آپ نے ہی مجھسے بیان فرمائی ہے۔ اعمش فرمانے لگے:-

یا یعقوب انی لاحفظ هذا الحدیث من قبل ان یجتمع ابواك ما عرفت تاویله الی الآن (۲)	یعقوب! یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ آپ کے والدین جمع بھی نہ ہوئے ہونگے لیکن آجتک مجھے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اور یہ اعمش وہ جلیل القدر امام ہیں جن کے متعلق امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی فرماتے ہیں:-

حفظ العلم علی ائمة محمد صلی اللہ علیه وسلم ستة عمرو بن دینار بمکة والزهری بالمدینة وابواسحاق السبیعی والاعمش بالکوفة وقتادة ویحیی بن ابی کثیر بالبصرة (۳)	امت محمدیہ کیلئے چھ محدثوں نے علم محفوظ کیا عمرو بن دینار نے مکہ میں زہری نے مدینہ میں اور ابواسحاق و اعمش نے کوفہ میں اور قتادہ و یحییٰ بن ابی کثیر نے بصرہ میں

۴- امام حدیث ابو محمد الرامہرمزی اپنی کتاب "المحدث الفاضل" میں فرماتے ہیں:-

عن انس بن سیرین اتیت الکوفة فرأیت فیها اربعة آلاف یطلبون الحدیث واربعمائة قد فقهوا اھ (۴)	انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں کوفہ آیا تو مشتغلین بالحدیث چار ہزار پائے اور فقہ صرف چار سو کو آیا تھا

اب تو شاید ہر منصف کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ فقہ کتنی مشکل چیز ہے اور صرف محدث بننے سے فقیہ نہیں بن سکتا اس قسم کے سیکڑوں نہیں ہزاروں واقعات سے اسلام کا علمی ذخیرہ بھرا پڑا ہے اس تمہید کے بعد میں اصلی مقصد کی طرف آرہا ہوں۔

(۱) مختصر جامع بیان العلم ص ۱۸۲

(۲) مختصر جامع بیان العلم ص ۱۸۵

(۳) تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۲۲۳ ج ۴

(۴) مقدمہ نصب الرایۃ ص ۳۹ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت

حضرت شاہ کا مسلک انکی تالیفات کی روشنی میں

(۱) تفہیمات الٰہیہ ص۱۲۵ و ص۱۲۹ ج ا میں فرماتے ہیں۔

انّ تشعب الدین طرقاً و مذاهب وکون الامة فیها احزابا متحزبة ..... امر عظیم هال خاصتهم و عامتهم۔ فمن اهل الله من کشف له عن استنباط کل قول نطق به فقیه من فقهاء الاسلام بالشریعة المحمدیة علی صاحبها الصلوات والتسلیمات ولم یکشف له عن الجادة القدیمة التی اقامها الله تعالی لعباده ورضی لهم......... فسکت عن ترجیح بعض الاقوال علی بعض وحمل اختلافها علی العزیمة والرخصة

ومن اهل الله من تراءی له الجادة القویمة التی تودی الی ظاهر الشریعة والتی توارثها جماهیر المسلمین عن جهابذة التابعین عن کبار الصحابة والتابعین عن النبی صلی الله علیه وسلم کالتناول بالید او لم یتوار توا عاین ذلک ولکنه اشبه شئ بما توارثوه ..... فراح المتکلم فی ترجیح الراجح نصراً للدین وذبا عنه کاکثر الفقهاء والمحدثین فانهم قد بالغوا فیه. ومن اهل الله من کشف له عن الامرین فسلمهما کلیهما علی معنی انهما من دائرة الشرع وان المتعبد بهما فی فسحة من دینه متدین لله تعالی معذور عند غیره وان الفضل للجادة القویمة وهی المرضیة عند الله تعالی کل الرضا.

ومن اعظم نعم الله تعالی علیّ ان جعلنی من الحزب الثالث وکشف لی عن اصل الشریعة وعن تبیانها الحاصل علی لسان النبی صلی الله علیه وسلم ثم عن تبیان تبیانها الحاصل علی السنة الصحابة والتابعین ثم عن ایضاحها وتدوین اصولها وفروعها الحاصل علی ایدی المجتهدین المتقدمین ثم عن شرح مذاهبهم واقاویلهم والتخریج علی قواعدهم الحاصل علی ایدی المتاخرین من الفقهاء فی کل مذهب، فکشف لی عن کل ذلک بترتیبه الواقع فی نفس الامر ... فرأیت کل قول قیل فی الدین مرتبطاً باصل الشریعة بواسطة او بغیر واسطة۔

سلہ "الفرقان" چونکہ مضمون خالص علمی ہے اور صرف اہل علم ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور وہی اس کے مخاطب بھی ہیں اس لیے شاہ صاحب کی عبارات کے تراجم درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور جتنا حصہ اس کا عام فہم ہو سکتا ہے وہ مولانا خیر محمد صاحب کے اوس مضمون میں آگیا ہے جو اس مضمون کے بعد متصلاً درج ہے ۱۲ نعمانی غفرلہ

پھر ص۱۵۲ (ج اوّل) میں فرماتے ہیں

(۲) فكان من اعظم نعم الله تعالى ان كشف لى عن حقيقة حال المذاهب وحال المتقيد ببعضها وحال من اراد الانتقال الى مذهب بعد ما كان متقيداً بمذهب آخر، وحال من اخذ فى بعض المسائل بمذهب وفى البعض الآخر بمذهب آخر، وهل خيّر الشارع اوالزم كل واحد ان يلتزم مذهبا واحداً۔

پھر ص۱۵۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں:۔

(۳) وكشف لى ان الاختلاف على اربعة منازل: اختلاف مردود وليس لقائله ولمقلده من بعده عذر وهذا قليل الوجود فى المذاهب الاربعة المدونة، واختلاف القائله عذر ما لم يبلغه حديث صحيح دال على خلافه فاذا بلغه فلا عذر له، واختلاف مقبول قد خير الشارع المكلفين فى طرفيه تخييراً ظاهراً مطلقا كالاحرف السبعة من القرآن واختلاف ادركنا كون طرفيه مقبولين اجتهاداً واستنباطاً من بعض كلام الشارع صلوات الله وسلامه عليه والانسان مكلف به لا مطلقا بل يشترط الاجتهاد وتاكد الظن وتقليد من حصل له ذلك۔

اور فیوض الحرمین ص۶۲ میں فرماتے ہیں:۔

(۴) سألته صلى الله عليه وسلم سوالاً روحانيا فنفخ الىّ نفخة ...... ونفخ نفخة اخرى فتبين ان مراد الحق فيك ان يجمع شملا من شمل الامة المرحومة بك، فاياك ان تخالف القوم فى الفروع فانه مناقضة لمراد الحق ثم كشف انموذجاً ظهر لى منه كيفية تطبيق السنة بفقه الحنفية من الاخذ بقول احد الثلاثة وتخصيص عموماتهم والوقوف على مقاصدهم والاقتصار على ما يفهم من لفظ السنة وليس فيه تاويل بعيد ولا ضرب لبعض الاحاديث ببعض ولا رفض الحديث صحيح بقول احد من الامة وهذه الطريقة ان اتمها الله وكملها فهى الكبريت الاحمر والاكسير الاعظم۔

پھر ص۴۸ میں فرماتے ہیں:۔

(۵) عرفنى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى المذهب الحنفى طريقة انيقة هى اوفق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت ونقحت فى زمان البخارى واصحابه وذلك ان يؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فى المسألة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث (۱) فرب شئ سكت عنه الثلاثة

(۱) فیوض الحرمین کے ایک قلمی نسخہ میں جو کہ مظہر میں عبدالستار صاحب کے کتب خانہ میں ہے یہاں پر اتنی زیادت موجود ہے؛ کالحافظ ابی جعفر الطحاوی ۱۲ منہ غفرلہ

فی الاصول وما تعرضوا لنفیه ودلت الاحادیث علیه فلیس بد من اثباته والکل مذهب حنفی اھ

پھر ص۶۴/۶۵ میں فرماتے ہیں :۔

(۶) واستفدت منه صلی اللہ علیه وسلم ثلاثة امور خلاف ما کان عندی ....

وثانیها الوصاة بالتقید بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها، والتوفیق ما استطعت وجبلتی تأبی التقلید وتأنف منه رأسا لکن شئ طلب منی التعبد به بخلاف نفسی اھ

پھر اسی کے ص۱۰۳ میں فرماتے ہیں :۔

(۷) اعلم ان الملل والمذاهب توصف بالحقیقة بالمعنیین احدهما جبلی والآخر دقیق یری من بعد .... وکذلک معنی حقیة المذهب ان یکون احکامه مطابقة لما قاله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی نفس الامر ولما کان القرون المشهود لها بالخیر، وان کانت المسألة لا نص فیها ولا روایة فحقیقتها ان تکون محفوفة بقرائن تورث غالب الظن بان النبی صلی اللہ علیه وسلم لو تکلم فی المسألة لما نطق بغیر هذا ...... وکذلک المذهب ربما یکون العنایة المتوجهة الی حفظ ملة حقة متوجهة الی حفظ مذهب خاص بأن یکون حفظة المذهب یومئذ هم القائمون بالذب عن الملة وهذا المعنی الدقیق لا یوقف علیه الا بالنور النبوی .... فنقول ترای لی ان فی المذهب الحنفی سرا غامضا ثم لم ازل اتحدق فی هذا السر الغامض حتی شاهدت ان لهذا المذهب یومنا هذا رجحانا علی سائر المذاهب بحسب هذا المعنی الدقیق اھ

اور حجة اللہ ص۱۵۴ ج۱ میں فرماتے ہیں ،۔

(۸) ومما یناسب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الافهام وزلت الاقدام وطغت الاقلام ، منها ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة او من یعتد به منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هذا وفی ذلک کله من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جدا واشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رأی برأیه فما ذهب الیه ابن حزم حیث قال التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بلا برهان .... انما یتم فیمن له ضرب من الاجتهاد ولو فی مسألة واحدة وفیمن ظهر علیه ظهورا بینا ان النبی صلی اللہ علیه وسلم امر بکذا ونهی عن کذا وانه لیس بمنسوخ الخ

عقد الجید میں ص۳۱ سے لے کر ۵۰ تک اسی مضمون کو نہایت وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے

اور حجۃ اللہ ص۱۵۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں

(۹) ومنها ان التخریج علی کلام الفقهاء وتتبع لفظ الحدیث لکل منهما اصل اصیل فی الدین ولم یزل المحققون من العلماء فی کل عصر یأخذون بهما فمنهم من یقل من ذا ویکثر من ذاک . . . فلا ینبغی ان یهمل امر واحد منهما . . . وانما الحق البحت ان یطابق احدهما بالاخر . . . . . . اھ

اور تفہیمات الہیہ ص۲۰۲ ج ثانی میں فرماتے ہیں :-

(۱۰) ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق علیه العلماء لاسیما هاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیة والشافعیة وخصوصاً فی الطهارة والصلاة فان لم یتیسر الاتفاق واختلفوا فنأخذ بما یشهد له ظاهر الحدیث ومعروفه ونحن لا نزدری احداً من العلماء فالکل طالبو الحق ولا نعتقد العصمة فی احد غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ

اور تفہیمات الہیہ ص۲۰۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں :-

(۱۱) لیس منا من لم یتدبر کتاب اللہ ولم یتفهم حدیث نبیه صلی اللہ علیه وسلم، لیس منا من ترک ملازمة العلماء اعنی الصوفیة الذین لهم حظ من الکتاب والسنة او الراسخین فی العلما الذین لهم حظ من التصوف، او المحدثین الذین لهم حظ من الحدیث او الفقهاء الذین لهم حظ من الفقه اھ

نیز تفہیمات ص۲۴۳ ج ۲ میں ایک وصیت کے ذیل میں فرماتے ہیں :-

(۱۲) در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث و دائما تفریعات فقہیہ برکتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن الخ

نیز اسی تفہیمات ص۲۱۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں :-

(۱۳) فاذا رفع الیه قضیة فله ان یجتهد فیها برأیه ویتحری الصواب فان کان قد سبق فیها حکم لجماعة فعلیه ان لایجاوزه وهی القیاس والاجماع الخ

(فائدہ) اس عبارت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک جو اہل اجتہاد بھی ہو اگر اس کے سامنے بھی کوئی ایسا نیا قضیہ پیش کیا جائے کہ علماء سابقین کا اس کے متعلق کوئی حکم موجود ہو تو اس سے تجاوز نہ کرے۔

نیز اسی صفحہ میں فرماتے ہیں ــــــ واذا تحمل رجل امراً ووافق ظنک فلا تجاوز عنه وهو الاجماع دلیلاً ظنیاً

ولا قیاس ولا اجماع فی ماسوی ذلک"۔

اور اسی تفہیمات کے ص۲۱۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں:۔

(۱۵) "وان قصرت افہامکم فاستعینوا برأی من مضی من العلماء ما ترون احق واصرح واوفق بالسنۃ"

اور حجۃ اللہ البالغہ ص۱/۱۰ میں حضرت شاہ صاحب اپنے مسلک کی وضاحت مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

(۱۶) وھا انا بریئ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشہود لہا بالخیر او ما اختارہ جمہور المجتہدین و معظم سواد المسلمین فان وقع شئ فانہ خطاء رحم اللہ من ایقظنا من سِنَتِنا او نبہنا من غفلتنا اما ھؤلاء الباحثون بالتخریج والاستنباط من کلام الاوائل المنتحلون مذھب المناظرۃ والمجادلۃ فلا یجب علینا ان نوافقھم فی کل ما یتفوھون بہ ونحن رجال وھم رجال والامر بیننا و بینھم سجال اھ

ان تمام مذکورہ اقتباسات سے بآسانی ہم عمومی طور پر حسب ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:۔

۱۔ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا چاہیئے بالخصوص شر و فساد کے اس دور اور اتباع ہوی کے اس زمانہ میں اس شخص کے لیئے جو براہ راست کتاب و سنت سے استنباط نہ کر سکتا ہو ان مذاہب کی تقلید میں بہت سے مصالح ہیں۔

۲۔ کسی فقہی قیاسی مسٔلہ میں اگر سلف کا کوئی قول موجود ہو اور اس کے علم میں کسی صحیح حدیث سے مخالف نہ ہو تو اسے ماننا ضروری ہوگا۔

۳۔ اگر ائمہ کے اقوال یا کسی ایک امام کے اقوال میں اختلاف ہو تو جو مسلک کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہو اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔

۴۔ مذاہب اربعہ میں بہت کم ایسا کوئی مسٔلہ ملے گا جس کی کوئی دلیل موجود نہ ہو یا اس کے قائل یا اس کے مقلد کو معذور نہ سمجھ سکیں۔

۵۔ غور سے یہی معلوم ہوا کہ حنفی مذہب آج کل باقی مذاہب سے زیادہ بہتر ہے۔

۶۔ حنفی مذہب کی تقلید میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ ابو یوسف محمد بن الحسن تینوں ائمہ کے اقوال میں سے اُس کو لیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو اور یہ مذہب حنفی کی تقلید کے مخالف نہیں۔

۷۔ صرف حدیث ہی پر قناعت کر کے فقہ سے بے بہرہ رہنا یا صرف فقہ پر کفایت کر کے حدیث سے محروم رہنا یہ غلو ہے افراط و تفریط ہے جو درست نہیں دونوں کو ملانا اور ان میں تطبیق دینا ضروری ہے اور یہی بہترین طریقہ ہے۔

۸۔ کسی دلیل قوی کی وجہ سے اگر کوئی مقلد اپنے امام کا مسلک چند مسائل میں ترک کر دے تو یہ تقلید کے

منافی نہیں۔

۹۔ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایۃ میں موجود نہ ہو اور حدیث میں مذکور ہو تو اس کو ضرور لینا ہوگا اور یہ مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہ ہوگا۔

ایک مثال سے اسکی وضاحت چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ ص۱۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں :۔

"ومن قال مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ترک الاشارۃ بالمسبحۃ فقد اخطأ ولا یعضدہ روایۃ ولا درایۃ قالہ ابن الھمام نعم لم یذکرہ محمد فی الاصل وذکرہ فی الموطأ وجدت بعضھم لا یمیز بین قولنا: لیست الاشارۃ فی ظاھر المذھب، وقولنا ظاھر المذھب انھا لیست"

یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ نہ کرنا چاہیئے اس نے غلطی کی کیونکہ یہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے جیسا کہ ابن الھمام نے فرمایا: ہاں امام محمد نے اس مسئلہ کو مبسوط میں ذکر نہیں کیا (جو ظاہر الروایۃ کی کتابوں میں سے ہے) لیکن موطا میں اس کو ذکر فرمایا، اور دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہا کی ان دو تعبیروں میں فرق نہیں کر سکتے۔

(۱) اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں (۲) ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا مسلک یہ تو شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارات کے عمومی نتائج یا آپ کے اصولی نظریات تھے ان کے علاوہ انہی اقتباسات سے ہم حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے بارے میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل نتائج پر بھی پہونچتے ہیں:۔

۱۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات کے بارہ میں آپ کی پوری تشفی ہو گئی ہے اور ان کا صحیح منشا بھی سمجھ گئے ہیں۔

۲۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی ہے کہ مذاہب اربعہ کے دائرے سے باہر نہ نکلیں اور جہاں تک ممکن ہو ان میں تطبیق دیں۔

۳۔ آپ کو اپنے طبعی رجحان یا میلان کے خلاف ان مذاہب کی تقلید پر مامور کیا گیا

۴۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ فروعی مسائل میں بھی "حنفیہ" کے خلاف نہ کریں جب تک صراحۃً کسی حدیث کی مخالفت نہ ہو

۵۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اتنے علم و فہم سے نوازا جس کے ذریعہ ہندوستان میں رائج حنفیت کی اصلاح کر سکیں عام حنفی علماء کے غلو سے جو اس کے حقیقی خد و خال چھپ گئے ہیں اس کو واضح کر سکیں۔

۶۔ حنفیہ اور شافعیہ جس پر متفق ہوں اس پر آپ ضرور عمل کرتے ہیں اگر ان میں اختلاف ہو تو اس جانب کو اختیار کرتے ہیں جس کی تائید حدیث سے ہوتی ہو۔

۷۔ آپ مجتہدین امت کی اتباع ضرور کرتے ہیں متاخرین کی تخریجات جو وہ قدماء کے کلام سے کرتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ

اسے بھی آپ قبول کریں۔

ان نتائج میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں اور ان فقہاء محدثین کے زمرے میں ہیں جو قوی وضعیف، صحیح وغلط اور راجح و مرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں یہ ظاہر کہ ہندوستان میں اس درجہ کا کوئی حنفی محدث اور فقیہ النفس محقق دوسرا پیدا نہیں ہوا۔

حتی الوسع آپ حنفی مذہب ہی میں اس قول کو اختیار کرتے جو حدیث اور دوسرے مذاہب سے متفق ہو۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر اور آپ کے دو محقق شاگرد حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور محقق ابن امیر الحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحر حدیث، اطلاع رجال فن جرح و تعدیل اور اصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا بھی شمار ہونا چاہیئے بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جیسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اور اس کے باوجود ان کو فقہا حنفیہ ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مسائل و احکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کا عام مذہب حنفی تھا اور فتوحات اسلامیہ سے لیکر سلطان محمد شاہ کے آخری وقت تک یہی قانونی مذہب رہا سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمہ اللہ نے فتاوی عالمگیریہ تدوین کرایا ان مدونین میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے اور آخری اسلامی دور کا یہی ہندوستان میں قانون رہا۔ ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی صاحب "المواہب اللطیفۃ علی مسند ابی حنیفۃ" "وطوالع الانوار شرح الدر المختار" وغیرہ و شیخ محمد ہاشم سندھی، شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قائم سندھی، شیخ ابوالحسن سندھی اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے جانشین شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور السید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تبحر حدیث وغیرہ میں کچھ کم نہیں سب حنفی المذہب ہی ہیں حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز حنفی محدث آپ کے جانشین ہے اور شاہ عبدالعزیز کی جانشینی شاہ محمد اسحاق آپ کے نواسے نے کی اور شاہ اسحاق کے مسندنشین شیخ عبدالغنی مجددی ہوئے یہ سب بھی حنفی المسلک محدث تھے۔

شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے سمجھنے کیلئے آپ کی علمی تاریخ کا پیش نظر ہونا بھی ضروری ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ممدوح نے شروع میں حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم وغیرہ علماء سے علوم حاصل کیے اور فقہ حنفی پڑھا اور جب تک ہندوستان میں تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کو نہیں گئے تھے آپ پر فقہ حنفی کا اثر تھا، ۱۱۴۳ھ میں جب مدینہ منورہ پہونچے اور شیخ ابوطاہر کردی شافعی سے تلمذ ہوا تو اس کے بعد فقہ شافعی کا اثر بھی ساتھ آ گیا اور کتاب الام جو امام شافعی کی کتاب ہے اس کے مطالعہ سے فقہ شافعی کا اثر اور بڑھتا گیا۔ آخر میں امام مالک

کی کتاب موطا کی طرف بہت توجہ ہوئی اور اس کی عربی و فارسی میں دو شرحیں مختصر لکھیں اور اس کی وجہ سے مذہب مالکی کا اثر بھی آپ پر چڑھا — لیکن آپ اکثر امام مالک کا مذہب موطا کی روایتوں ہی کو ٹھہراتے ہیں حالانکہ مالکیہ میں بہت سے موطا کے اقوال مہجور ہیں اور مذہب میں داخل نہیں۔

امام احمد کا مذہب حقیقت میں امام شافعی کے مذہب کی فرع ہے بلکہ ظاہریت و اجتہاد میں ایک شاخ ہے مشکل سے امام احمد کا کوئی ایسا قول ملے گا جو مذہب شافعی میں کوئی روایت اس کے مطابق نہ ہو غرض اس طرح سے آپ کی طبیعت پر مذاہب اربعہ کی فقہ اثر انداز ہوتی گئی اور اس کی خواہش ہوئی کہ ایک ایسا جامع مسلک اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ مذاہب میں تطبیق و توفیق ہو جائے، سارے احکام کے ذخیرہ میں بیس مسائلے ایسے نہیں ملیں گے جس میں امام ابو حنیفہ متفرد ہوں، یا ابو حنیفہ کا کوئی قول یا ابو یوسف و محمد کا کوئی قول امام شافعی کے موافق موجود نہ ہو اس لیئے آپ نے جامعیت مذاہب کا یہ مسلک اختیار کیا لیکن اس طرح پر کہ اس جامعیت کو اختیار کر کے بھی آپ حنفی رہ سکیں کیونکہ "وایاك ان تخالف القوم فی الفروع" (خبردار اپنی قوم یعنی اہل ملک کی فروعی مسائل میں مخالفت نہ کرنا) آپ کو سرکار مدینہ کا حکم مل چکا تھا جیسا کہ فیوض الحرمین کے مذکورہ بالا اقتباسات میں گزر چکا۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شاہ صاحب کا ایک مکتوب "کلمات طیبات" کے ص۱۶۱ پر دیکھا جو کچھ میں لکھ چکا ہوں اس مکتوب سے اور اس کی تائید نکلتی ہے ممکن ہے کسی کو کچھ غلط فہمی ہو جائے اس لیئے نقل کر کے چند جملے عرض کروں گا

سوال آنکہ عمل تو در مسائل فقہیہ بر کدام مذہب ست؟

"گفتم بقدر امکان جمع می کنم در مذاہب مشہورہ مثلاً صوم و صلاۃ و وضوء و غسل و حج بوضعے واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر الجمع باقوی مذاہب از روے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل می نمایم۔ و خدائے تعالٰے ایں قدر علم دادہ است کہ فرق میان ضعیف و قوی کردہ شود و در فتوی بحال مستفتی کار میکنم مقلد ہر مذہبی کہ باشد او را از ہماں مذہب جواب می گویم خدائے تعالٰے بہر مذہبے از مذاہب مشہورہ معرفتے دادہ است الحمد للہ تعالٰے" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ ان محدثین و فقہاء امت میں سے تھے جو مذاہب کے احکام و ادلہ سامنے رکھ کر قوی و ضعیف کا فیصلہ بخوبی کر سکتے ہیں ورنہ جو شخص درجہ اجتہاد مطلق کو پہنچ جائے اس پر تقلید دوسرے کی حرام ہو جاتی ہے وہاں تو اس کی گنجائش نہیں نکلتی کہ بناء بر احتیاط مذاہب میں تطبیق و توفیق دیتے رہیں۔ پس یہ جامعیت کا مسلک ہی خود ہمیں بتلا رہا ہے کہ آپ مجتہد نہ تھے ورنہ جواب میں صاف فرما دیتے کہ میں اپنے عصر کا خود مجتہد ہوں کسی خاص مذہب کا پابند نہیں بلکہ غور سے کچھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بجائے کسی ایک مذہب کے اتباع کے مذاہب اربعہ اور بالخصوص حنفیہ و شافعیہ سب کا اتباع ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ عوام

امت کیلئے اپنے اپنے مذاہب کی تقلید ہی ضروری جانتے ہیں اس لئے استفتاء میں مستفتی کا خیال کرتے ہیں اور اس کو اسی کے مذہب کے مطابق فتوے دیتے ہیں اگر آپ مجتہد ہوتے تو اپنی رائے کے مطابق جس کو صحیح خیال فرماتے وہی جواب دیتے۔ بہرحال مدارک اجتہاد کا سمجھنا بھی ہم جیسوں کا کام نہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ مختلف فضائل وکمالات کے ساتھ مدارک اجتہاد اور ائمہ کی منشاء اختلاف کو وہ سمجھتے ہیں اور ترجیح وتمیز پر بصیرت کے ساتھ قادر ہیں خلاصہ یہ ہے کہ آپ مفتی فقیہ، اور فقیہ محدث کے درجہ میں ایک جلیل القدر دقیق النظر فقیہ واسع الاطلاع محدث ہیں، اس موضوع کے اطراف وجوانب ابھی بہت کچھ تشنہ تحقیق ہیں، نیز حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق آپ کی تصنیفات میں بہت کچھ ذخیرہ اس کے علاوہ بھی موجود ہے۔ لیکن اس وقت اس فرصت میں اسی مختصر مضمون پر کفایت کرتا ہوں توقع ہے کہ اہل علم وطلبہ کیلئے بصیرت سے خالی نہ ہوگا واللہ ولی التوفیق والہدایۃ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تقلید

(از جناب مولانا خیر محمد صاحب پرنسپل مدرسہ خیر المدارس جالندھر)

[یہ مضمون مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری کے مندرجہ صدر مقالہ کو دیکھنے کے بعد اسکی تذئیل کے طور پر لکھا گیا ہے]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقعی سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز کے علو مرتبت اور دقتِ مسلک پر نظر کرتے ہوئے بجز اسکے کچھ نہیں کہا جا سکتا ؎

راہ ہے دُشوار منزل دور تر	پا شکستہ کیا کرے کیونکر چلے ؟

مگر اللہ تعالٰے جزائے خیر دے حضرت الحاج مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ادام اللہ فیوضہم کو جنہوں نے تقلید وحنفیت کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کے مسلک کو انہی کی عبارات سے ایک حد تک واضح کرنے میں پوری کوشش فرمائی ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ مولانا موصوف کے مضمون کی تشریح میں بطور تذئیل بلا تکرار حوالجات چند سطور لکھ کر ہدیہ ناظرین کروں۔

میرے خیال میں کسی بزرگ کے مسلک کو واضح کرنے کے لئے خود ان کے اقوال اور ان کے عمل کے متعلق معتبر شہادات سے بڑھکر قوی دلیل نہیں ہو سکتی۔ میں نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اصل مدعا کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کی حقیقت کے متعلق مختصراً کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ ناظرین کرام بصیرت کے ساتھ میرے معروضات پر غور کر سکیں واللہ الموفق،

تقلید کی تعریف | قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ بعض شروح حسامی سے نقل فرماتے ہیں

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول اوفعل معتقداً للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل الخ (کشاف اصطلاحات الفنون ص۱۱۷۸)

یعنی تقلید (اصطلاح میں کہتے ہیں) کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کی محض حسن عقیدت سے اتباع کرنا (ایسی اتباع) جو ابتداءً دلیل میں غور کرنے پر مبنی نہیں،

تقلید کا اچھا یا بُرا ہونا "معتقد فیہ" کے احوال پر موقوف ہے، اگر معتقد فیہ غیر مطیع (فاسق وفاجر یا مشرک و کافر) ہو تو تقلید حرام و قبیح ہے۔ قرآن وحدیث میں اسی کی ممانعت جا بجا وارد ہے۔ اور اگر معتقد فیہ مطیع اور لائق اتباع

(امام و مجتہد) ہو تو تقلید حسن اور بعض حالات میں واجب ہے۔ قرآن و حدیث اسی کی تاکید سے مملو ہیں۔ اور یہی امت مرحومہ میں رائج و مشہور رہی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی تقلید کے معتقد و مادح بلکہ قائل و عامل ہیں چنانچہ آئندہ عبارات سے یہ چیز روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگی۔

تشریح مفہوم تقلید از قول شاہ صاحبؒ

ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء علی من قبلھم الخ (عقد الجید ص۳۶)

یعنی معرفت شریعت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف پر اعتماد (و اعتبار) کیا ہے۔ چنانچہ تابعینؒ نے صحابہ پر اعتماد کیا۔ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلے علماء پر اعتماد و اعتبار کرتے چلے آئے ہیں۔

تقلید شخصی و غیر شخصی

مطلق تقلید دو قسم پر ہے شخصی و غیر شخصی۔ جو مذہب کسی خاص مجتہد کی طرف منسوب ہو اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا اور راجحہ کو قبول کر کے اپنے عمل کے لیئے کافی سمجھنا تقلید شخصی ہے۔ اور ایک سے زائد مذاہب کے مسائل کو معمول بہا ٹھیرا لینا تقلید غیر شخصی ہے۔

تقلید غیر شخصی کا رواج

ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کی تدوین و تشہیر سے قبل دوسری صدی کے آخر تک تقلید غیر شخصی کا رواج قایم رہا حتی کہ صحابہ رضؓ و تابعینؒ میں بھی اس کا دستور تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے عہد میں تقلید غیر شخصی

(۱) ان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ الی ان ظھرت المذاھب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان ذلک باطلاً لانکروہ (عقد الجید ص۳۳)

کیونکہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لیکر چار مذہبوں کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور (رواج) رہا ہے کہ جو عالم (مجتہد) مل جاتا اسی کی تقلید کر لیتے اور کسی معتبر آدمی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے۔

(۲) ورد بان اعتقاد افضلیۃ الامام علی سائر الائمۃ مطلقاً غیر لازم فی صحۃ التقلید اجماعاً لان الصحابۃ والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر ھذہ الامۃ ابوبکر ثم عمر وکانوا یقلدون

یعنی اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے اس لیئے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمرؓ

فی کثیر من المسائل بخلاف قولھما ولم ینکر علی ذلک احد فکان اجماعاً علی ما قلناہ

(عقد الجید ص۲۷)

باوجود اس کے بہت سے مسائل (اختلافیہ) میں ان دونوں کی رائے کے خلاف دوسرے صاحبوں کی تقلید کر لیا کرتے تھے۔ اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا

(۳) فعند ذلک صار لکل عالم من علماء التابعین مذھب علی حیالہ فانتصب فی کل بلد امام

(انصاف ص۱۷)

پس اس وقت تابعین علماء میں سے ہر عالم (مجتہد) کے لیے مستقل مذہب ہوا۔ اور اس طرح گویا ہر شہر میں ایک امام پیدا ہو گیا۔

تقلید شخصی کا رواج پھر جب ائمہ مجتہدین کی فقہ بطون اوراق میں مدون ہونا شروع ہو گئی تو جن غیر مجتہد لوگوں کو مذاہب مدونہ میسر آگئے انھوں نے تقلید شخصی کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھا لہٰذا دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا رواج شروع ہو گیا۔ اور جہاں مذاہب مدونہ میسر نہ آئے وہاں پہلو بہ پہلو تقلید غیر شخصی بھی چلتی رہی۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

(۱) وبعد المائتین ظھر فیھم التمذھب للمجتہدین باعیانھم۔ وقل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ وکان ھذا ھو الواجب فی ذالک الزمان۔

(انصاف ص۵۹)

اور دو صدیوں کے بعد لوگوں میں خاص خاص مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے آدمی بہت کم تھے جو مجتہدین کے مذہب (کی تقلید شخصی) پر اعتماد نہ رکھتے ہوں۔ اور اس وقت یہی واجب ہو گیا تھا۔

(۲) اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲ ج۱)

یعنی چوتھی صدی سے پہلے سب لوگ صرف تقلید شخصی ہی پر جمع نہ ہوئے تھے بلکہ بعض لوگوں میں اس وقت تقلید غیر شخصی کا بھی وجود تھا جیسا کہ "انصاف" کی مذکورہ صدر عبارت سے معلوم ہو چکا ہے۔)

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ) کے مذاہب کی فقہ جب مدون ہو کر مشہور ہو گئی تو چوتھی صدی کے اندر انہی چار مذاہب میں تقلید شخصی منحصر ہو گئی اور کسی کو اس میں خلاف نہ رہا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجاً عن السواد الاعظم (عقد الجید ص۳۸)

یعنی جب بجز مذاہب اربعہ دوسرے مذاہب حقہ معدوم ہو گئے تو انھیں چاروں کا اتباع "سواد اعظم" کا اتباع ٹھیرا۔ اور اُن سے نکلنا "سواد اعظم" سے نکلنا ہوا

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار بالہام الٰہی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید شخصی بلحاظ حفاظت دین

اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور الہامی راز ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون اولا يشعرون۔

(انصاف ص۶۳)

خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء (کے قلوب میں) الہام فرمایا اور ان کو اس پر جمع فرمایا خواہ (اس تقلید شخصی کی خوبیاں) وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں،

مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی کے جواز پر امت کا اجماع

حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں:۔

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج۱)

تمام اُمت نے یا امت کے قابل اعتبار افراد نے اِن مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے۔

غیر مجتہد کیلئے "تقلید مجتہد" کا وجوب

حضرت شاہ صاحبؒ امام بغوی محدث رح سے نقل فرماتے ہیں:۔

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث (عقد الجید ص۸)

یعنی جو شخص شرائط اجتہاد کا جامع نہیں۔ اس پر وجب ہے کہ پیش آنیوالے حوادث میں مجتہد کی تقلید کرے۔

تقلید شخصی میں دینی فوائد

حضرت شاہ صاحبؒ کثرت فوائد دینیہ کی طرف ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفي ذلك (التقليد) من المصالح ما لا يخفى لاسيما في هذه الايام التى قصرت الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي راى برائه

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج۱)

یعنی اس تقلید شخصی میں بہت سے فوائد ہیں جو مخفی نہیں، بالخصوص اس موجودہ دور میں جس میں کم ہمتی بے اندازہ ہے اور نفوس خواہش پرستی میں مستغرق ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر مغرور ہو رہا ہے۔

تفقہ سے بے بہرہ "اہل حدیثوں" کی مذمت

فاما هذه الطبقة الذين هم "اهل حديث والاثر" فان الاكثرين منهم انما كدهم روايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعاني ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن

لیکن یہ طبقہ جو "اہل الحدیث والاثر" (بعرف حال "اہلحدیث" یا غیر مقلد) کہا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کی پوری کوشش اور انتہائی جدوجہد ہوتی ہے بس روایات کا بیان کرنا اور سندوں کا جمع کرنا اور غریب و شاذ حدیث کا تلاش کرنا جو اکثر موضوع یا مقلوب ہوتی ہے یہ لوگ نہ تو الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی سمجھتے ہیں اور نہ اُن کے راز کو استنباط کر سکتے ہیں اور نہ ان کے اسرار و فقہ کو نکال سکتے ہیں

وادعوا علیهم مخالفة السنن ولایعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوہ من العلم قاصرون وبسوء القول فیهم آثمون۔ (انصاف ص۵۳)

اور بعض اوقات فقہائے کرام پر عیب لگاتے ہیں ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور ان پر مخالفتِ سنت (و حدیث) کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ فقہا کو جس قدر علم دیا گیا ہے وہ خود اس سے قاصر ہیں اور فقہاء کی بدگوئی سے سخت گنہگار ہوتے ہیں۔

وصیتِ نبویہ متعلق تقلید مذاہب اربعہ

شاہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

واستفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثة امور خلاف ما کان عندی۔۔۔ وثانیهما الوصاة بالتقید بهذہ المذاهب الاربعة لا اخرج منها الخ (فیوض الحرمین ص۶۴)

مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں کہ میرا خیال پہلے اُن کے خلاف تھا۔۔۔۔۔۔ (انہیں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپنے وصیت فرمائی کہ اِن مذاہب اربعہ ہی کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ جاؤں۔

بارگاہِ نبوت سے مذہب حنفی کو ترجیح

اسی فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

عرفنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ الخ (فیوض الحرمین ص۴۸)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جسکی تدوین اور تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی

ہندوستان میں عوام کیلئے مذہب حنفی کی تقلید کا ترک کرنا حرام ہے

فرماتے ہیں:۔

فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند وبلاد ماوراء النهر ولیس هناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذہ المذاهب وجب علیه ان یقلد بمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حینئذٍ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدًا مهملاً۔ (انصاف ص۷۱)

جب ایک عامی انسان علاقہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو۔ جہاں کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی اور ان کی کتب مذہب میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کی تقلید کرے اور ان کے مذہب سے علٰحدہ ہونا اس کے لیئے حرام ہے کیونکہ وہ اس وقت شریعت کی رسّی ہی اپنی گردن سے اُتار کر مہمل بیکار رہ جائے گا۔[۱]

---

[۱] شاہ صاحب کے اس ارشاد کی تصدیق ایک منصف مزاج اور خدا ترس اہل حدیث بزرگ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی اس تصریح سے ہوتی ہے فرماتے ہیں:۔ "پچیس برس کے تجربہ سے ہمکو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بنجاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بیدین ہو جانے کے لیئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے" (رسالہ اشاعت السنہ نمبر۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

یہاں تک مختلف عنوانات کے ماتحت حضرت شاہ صاحبؒ کی کتب سے جو ۱۵ عبارات ذکر کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک نتائج ذیل مسلم ہیں۔

(۱) معرفت شریعت کا سلف کے اتباع (تقلید) اور ان کے اعتماد پر موقوف ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۲) صحابہؓ و تابعینؒ کے عہد میں نفس تقلید کا رواج بلا نکیر تھا۔

(۳) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید بالاجماع ثابت ہے جبکہ وہ اس کا مستحق ہو۔

(۴) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا جاری ہونا اور اس کا اس وقت واجب ہونا۔

(۵) چوتھی صدی کے قبل تک تقلید شخصی کے ساتھ ساتھ تقلید غیر شخصی کا بھی کچھ کچھ پائے جاتے رہنا۔

(۶) مذاہب اربعہ حنفی شافعی مالکی حنبلی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔

(۷) مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی من عنداللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۸) مذاہب اربعہ کی جواز تقلید پر اجماع امت ہے۔

(۹) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۱۰) تقلید شخصی میں دینی فوائد بکثرت ہیں۔

(۱۱) ترک تقلید، اور فقہا پر طعن و اعتراض کرنا معصیت اور قصورِ علم کا نشان ہے۔

(۱۲) مذاہب اربعہ کی تقلید پر پابند رہنے کی وصیت خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی

(۱۳) مذاہب اربعہ کی تقلید کا ترک کرنا منشائے نبوی کے خلاف ہے۔

(۱۴) مذہب حنفی کے "طریقہ انیقہ" موافق سنت ہونے کی شہادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

(۱۵) ہندوستان کی عوام کے لئے مذہب حنفی ہی کی تقلید واجب ہے اور اس کا ترک حرام، بلکہ نتیجۃً ترک اسلام کو مرادف ہے (والعیاذ باللہ)

سابقہ نقول اور اُن کے ان بدیہی نتائج سے حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک بخوبی واضح ہوگیا۔ کہ آپ مذاہب اربعہ کو حق اور ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے تھے اور خود حنفی المذہب مقلد تھے ..... مگر مزید اطمینان کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے حنفی المذہب ہونے کے ثبوت میں ذیل کی دو اہم شہادتوں کو نقل کر کے مضمون ہذا کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلی شہادت | نواب صدیق حسن خاں صاحب مشہور اہل حدیث مصنف لکھتے ہیں:۔

ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی قد بنی طریقتہ علی عرض المجتہدات علی السنۃ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن و حدیث پر پیش کرتے ہیں

والکتاب وتطبیق الفقهیات بهما فی کل باب (الی قوله) وطریقته هذا کله مذهب حنفی الخ

(المحطہ ص)

اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن وحدیث پر تطبیق دیتے ہیں.... اور ان کا یہ تمام طریقہ مذہب حنفی ہی ہے۔

دوسری شہادت مولانا محسن تیمی حضرات دہلویہ کی سند کے متعلق لکھتے ہیں :۔

قلت ومن لطائف هذا الاسناد انه اجتمع فی اوله اربعة آخرهم ابو عبد العزیز شهکوا فی اربع خصال وذلک انهم دهلویون سکنی وعمریون صلبیة وانهم صوفیة اصحاب الزهد والورع وانهم حنفیون علی مذهب النعمان ابی حنیفة وصاحبیه رضی الله عنهم الخ

(رسالہ الیانع الجنی ص)

میں کہتا ہوں منجملہ اس سند کی خوبیوں کے یہ امر ہے کہ اس کے شروع میں چار بزرگ جن کے آخر ابو عبد العزیز (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) ہیں ایسے ہیں جو چار امور میں شریک ہیں :۔

(۱) وہ چاروں سکونت کے اعتبار سے دہلوی ہیں

(۲) نسبی خاندان کے اعتبار سے عمری (فاروقی) ہیں

(۳) چاروں زاہد پرہیزگار صوفی ہیں

(۴) چاروں امام ابو حنیفہ نعمانؒ (بن ثابت) اور ان کے صاحبینؒ کے مذہب کے موافق "حنفی المذہب" ہیں۔

اُمید ہے کہ ہمارے زمانہ کے جو حضرات کسی غلط فہمی کی وجہ سے یا شاہ صاحب کی کتابوں پر پوری نظر نہ ہونے کے سبب سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو عدم تقلید کا حامی اور خصوصاً "مذہب حنفی" کا مخالف سمجھے ہوئے ہیں بلکہ ہندوستان میں انہی کو اس مسلک "عدم تقلید" کا بانی اور موسس سمجھتے ہیں وہ خود شاہ صاحب کی ان تصریحات اور نواب صدیق حسن خاں اور مولانا محسن تیمی جیسے "شاہدین عادلین" کی شہادت کے بعد اپنے خیال کی اصلاح فرما سکیں گے۔

چونکہ مجھے یہاں مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری کے مقالہ پر صرف تذییل لکھنی تھی اور ادارہ الفرقان کی طرف سے جگہ بھی محدود دی گئی تھی اس لئے انہی چند سطروں پر اکتفا کرنا ناگزیر ہی، جو صاحب اس موضوع (مسئلہ تقلید) پر مفصل بحث دیکھنا چاہیں وہ راقم الحروف کا رسالہ "خیر التنقید" ملاحظہ فرمائیں جس میں اس مسئلہ کے ہر گوشہ پر کتاب وسنت اور ارشادات سلف کی روشنی میں مفصل اور منقح بحث کر کے اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے[1]

---

[1] "خیر التنقید" ملنے کا پتہ :۔ "ناظم مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر شہر (پنجاب) قیمت ۴ر محصول ڈاک ۱ر"

در مناقب مجددؒ عصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(از حضرت اثر زبیری لکھنوی)

عارفِ حق نما ولی اللہؒ — صوفیِ با صفا ولی اللہؒ
صاف گو صاف قلب صاف نگر — سر بسر آئینہ ولی اللہؒ
کاشفِ رمز و رازِ اُمّ کتاب — خاتم اولیا رحؒ ولی اللہؒ
نقشبندِ نشانِ عشقِ نبیؐ — ارجمندِ وفا ولی اللہؒ
مصطفےٰؐ ظلِ ذاتِ باری ہیں — ظلِ ظلِ خدا ولی اللہؒ
کشورِ غوثیت میں ہی لاریب — اک شہِ لافتا ولی اللہؒ
یوسف مصر یوسف ہمدانیؒ — ہمہ داں با خدا ولی اللہؒ
جس سے باقی کی یاد باقی ہے — وہ نشانِ بقا ولی اللہؒ
ہند تھا نا شناس علم حدیث — تو نے احساں کیا ولی اللہؒ
ذکر معنی ذکر فرمودی — سیدی انت یا ولی اللہؒ
ہر خطا کا ازالہ فرمایا — کیا کہوں کیا کیا ولی اللہؒ
جی اٹھی تجھ سے دہلی مرحوم — تجھ پہ رحمت سدا ولی اللہؒ
کیوں نہ باطل ہو لرزہ براندام — حق کی شمشیر تھا ولی اللہؒ
ظلمتِ شرک ہو گئی کافور! — مہر چمکا تھا یا ولی اللہؒ
سوزِ عشقِ نبی سے جل بھن کر — کیمیا بن گیا ولی اللہؒ
مرحبا نازِ حق نیازِ عبادؒ — شانِ زین العباؒ ولی اللہؒ
تیرے قبضہ میں درۂ فاروقؓ — اے دلیل خدا ولی اللہؒ
دیکھ اے شاہِ مسلکِ رومیؒ — رمِ اہل دغا ولی اللہؒ
انقلابات کا خطر کیسا! — تو ہے کوہِ صفا ولی اللہؒ
عشق کیا ہے مجھے نہیں معلوم — میں ہوں تجھ پہ فدا ولی اللہؒ
خدمتِ علم تیری خدمت ہے — پیکرِ علم تھا، ولی اللہؒ
ایک شاعر کا خاتمہ ہو بخیر — کیجیے یہ دعا ولی اللہؒ
اے اثرؔ موجِ شاعری میں نہ بہہ — عبدِ معبود تھا ولی اللہؒ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ

اور ان کے کام کا مختصر تعارف!

[اس نمبر کیلئے میں نے جو مقالہ قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کا شاہ صاحب کی سوانح حیات اور آپ کے مساعی تجدید و اصلاح کی تفصیلات پر تیار کیا تھا، اس کا تذکرہ اور شایع نہ ہوسکنے کی وجہ بھی ابتدائی صفحات میں عرض کی جاچکی ہے اور آئندہ اس کی اشاعت کے متعلق اب جو خیال ہے وہ بھی وہیں ظاہر کیا جاچکا ہے ـــ اس وقت تو صرف انگلی کٹا کے "شہیدوں" کی فہرست میں نام لکھوانے کی نیت سے ۲۴ صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کے مضمون لکھنے کے لیئے قلم ہاتھ میں لیا ہے ـــ اتنی ہی جگہ میں بھی حضرت شاہ صاحب کے کام کے کسی ایک مخصوص اور محدود شعبہ پر کچھ لکھا جاسکتا تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کسی اور مقالہ میں بھی آپ کے "سوانح حیات" مرتب اور مستقل طور پر نہیں لکھے گئے، لہٰذا اس کمی کے پورا کرنے کے لیئے ضروری معلوم ہوا کہ ان صفحات میں حسب گنجایش اختصار و اجمال کے ساتھ ہی سہی مگر آپ کے "سوانح" ہی لکھے جائیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی جو "سوانح حیات" ۲۴ صفحے میں لکھی جائے گی وہ "سوانح" نہیں ہوگی بلکہ اس کو "سوانح" کے خلاصہ کا خلاصہ بھی مشکل ہی سے کہا جاسکے گا، لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ البتہ بعض دوسرے مقالات میں (بالخصوص مولٰنا گیلانی اور مولٰنا سندھی کے مقالوں میں) متفرق طور پر خود شاہ صاحب کے اور آپ کے والد ماجد نیز اساتذہ و مشائخ اور اولاد و احفاد و تلامذہ و مستفیضین کے جو تذکرے اور ان حضرات کے کاموں کی جو تفصیل گزرچکی ہے اُس سب کے ساتھ مل کر یہ خلاصہ بھی انشاء اللہ زیادہ ناقص نہ رہے گا۔

اس مختصر تعارف میں جو چیزیں شاہ صاحب کے حالات سے متعلق ہیں وہ آپ ہی کی تصانیف سے ماخوذ ہیں، اور یہ التزام بھی عدم گنجایش ہی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ "مدیر"]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی جانب سے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے ـــ آپ نے امدادفی

مآثر الاجداد" میں اپنا سلسلہ نسب خود اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

فقیر ولی اللہ ابن الشیخ عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن محمد بن قوام الدین عرف قاضی قازن، بن قاضی قاسم، بن قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ بن عبدالملک، بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی، بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار، بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں، بن قریش، بن سلیمان بن عفان، بن عبداللہ، بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین[1]"

ٹھیک طور سے تو معلوم نہیں ہو سکا کہ شاہ صاحب کے اجداد نے سرزمین عرب کب اور کیوں چھوڑی لیکن اوپر کے نسب نامے میں ہمایوں، جرجیس، محمد شہریار جیسے ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم سے پانچ چھ پشتوں کے بعد ہی یہ خاندان غالباً عجم کو اپنا وطن بنا چکا تھا، واللہ اعلم

اگرچہ شاہ صاحب کے ان اجداد میں متعدد ہستیاں خاص شہرت کی مالک اور اپنی مستقل تاریخ رکھنے والی ہیں مگر یہاں ہم عدم گنجائش کی وجہ سے صرف آپ کے دادا شاہ وجیہ الدین شہید سے سلسلہ کلام شروع کرتے ہیں:۔

شاہ وجیہ الدین شہید سلطان غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی فوج میں ایک نامور مجاہد تھے اور اپنے مجاہدانہ وشجاعانہ کارناموں ہی کی وجہ سے خاص شرف و امتیاز رکھتے تھے" جنگ برادران" میں سلطان غازی کی طرف سے وہ بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ اور مرہٹوں سے جہاد ہی کے لیئے وہ دکن جا رہے تھے (یا بقول بعض وہاں سے واپس آ رہے تھے) کہ راستہ ہی میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے مقابلہ ہوگیا اور اسی میں شہید ہوگئے ــــ "حیات ولی" کے مصنف مولوی رحیم بخش صاحب نے آپ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے یہاں ہم عدم گنجائش کی وجہ سے اُن کے تعارف میں صرف شاہ صاحب ہی کے ایک مختصر مگر بلیغ فقرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ مآثر اجداد میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"شاہ وجیہ الدین بکمال تقوی و شجاعت موصوف بودند"

شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے کسی قدر بلکہ ایک حد تک کافی حالات مولانا گیلانی اور مولانا سندھی کے مقالات میں گزر چکے ہیں، اب یہاں اس پر کسی خاص اضافہ کی ضرورت نہیں۔ لہذا خود شاہ صاحب ہی کا تذکرہ سنیئے:۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مختصر حالات خود ان کی زبانی

خود شاہ صاحب نے اپنے حالات وسوانح میں ایک مختصر رسالہ بنام "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف"

[1] "اس نسب نامہ" کے بعض ناموں میں کچھ اختلاف بھی ہے لیکن یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے اس سے بالقصد کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ۱۲ م

فارسی زبان میں لکھا ہے ذیل میں پہلے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے —— فرماتے ہیں :۔

بتاریخ ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ چہارشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت یہ فقیر پیدا ہوا تاریخی نام عظیم الدین[1] نکالا گیا ولادت سے پہلے خود والدین ماجدین اور چند اوصلحار نے میرے بارہ میں بہت سے بشارتی خواب دیکھے جن کو بعض دوستوں نے مستقل رسالہ "القول الجلی" میں بھی جمع کر دیا ہے —— عمر کے پانچویں سال مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ ساتویں سال والد ماجد نے نماز روزہ شروع کرایا اور اس سال "رسم سنت" عمل میں آئی۔ اور جیسا کہ یاد رہ گیا ہے اسی ساتویں سال میں قرآن پاک ختم ہوا اور فارسی تعلیم شروع ہوئی، یہاں تک کہ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھ لی اور مطالعہ کتب کی استعداد پیدا ہوگئی —— چودھویں ہی برس میں شادی کی صورت پیدا ہوگئی اور والد ماجد نے اس معاملہ میں انتہائی عجلت سے کام لیا اور جب سسرال والوں نے والد ماجد کے تقاضوں کے جواب میں سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ میری یہ "جلد بازی" بے وجہ نہیں ہے بلکہ اس میں کوئی راز ہے لہذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہی ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ والد بزرگوار کے اصرار سے اسی سال یعنی عمر کے چودھویں ہی برس میں شادی ہوگئی اور وہ راز بعد میں اس طرح ظاہر ہوا کہ نکاح سے تھوڑے ہی دن بعد میری خوش دامن کا انتقال ہوگیا اُس سے چند ہی روز بعد میری اہلیہ کے نانا نے وفات پائی، پھر چند ہی دنوں میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ فخر عالم نے رحلت فرمائی اور یہ صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ نے (گویا آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کی پہلی بیوی نے) داغ مفارقت دیا ان صدمات کے ساتھ ہی والد ماجد پر ضعف اور مختلف قسم کے امراض کا غلبہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے آپ کی وفات کا سانحہ عظیم بھی پیش آگیا —— ان حوادث کے پیہم گزر جانے پر معلوم ہوا کہ شادی کے متعلق والد ماجد کی عجلت فرمائی میں کیا راز تھا۔ درحقیقت اگر اس وقت یہ کام اس طرح عجلت سے انجام نہ پاتا تو ان حوادث کی وجہ سے پھر مدتوں بھی اس کا موقع نہ آسکتا تھا۔"

شادی سے ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشغال میں لگ گیا۔ اور توجہ و تلقین اور آداب طریقت

---

[1] نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مناجی بشارت کی بناء پر آپکا نام "قطب الدین" بھی رکھا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ کو اپنے "ولی" کے نام سے ہی مشہور کرے چنانچہ آج آپکے ان ناموں (عظیم الدین اور قطب الدین) کا پتہ صرف کتابوں سے چلتا ہے ورنہ عام اسلامی دُنیا آپ کو "شاہ ولی اللہ" ہی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ نے تحفۂ اثنا عشریہ میں چونکہ ایک خاص مصلحت سے اپنا بھی غیر معروف نام "غلام عبدالحلیم" لکھا ہے اس لیئے ولدیت میں بھی شاہ ولی اللہ رحمہ کا غیر معروف ہی نام "قطب الدین" ذکر کیا ہے ۱۲

کی تعلیم و خرقہ پوشی کی جہت سے میں نے اپنی نسبت کو درست کیا۔ اسی سال بیضاوی کا ایک حصّہ پڑھ کر گویا ان دیار کے مروّجہ نصاب تعلیم سے فراغت حاصل کی والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیمانہ پر خواص و عوام کی دعوت کی اور مجھے درس کی اجازت دی۔ جن علوم و فنون کا درس اس ملک میں مروج ہوا اُن میں ذیل کی کتابیں میں نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ حدیث میں پوری مشکوٰۃ شریف، سوائے کتاب البیوع سے کتاب الاداب تک کے تھوڑے سے حصّہ کے، اور صحیح بخاری، کتاب الطہارۃ تک، اور شمائل ترمذی کامل، — اور تفسیر میں، تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کا ایک حصّہ، اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مجھ پر یہ ہوئی کہ کامل غور و فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک،

اور علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ پوری پڑھیں، اور اصول فقہ میں، حسامی اور توضیح تلویح کا کافی حصّہ اور منطق میں شرح شمسیہ پوری اور شرح مطالعہ کا کچھ حصّہ اور کلام میں شرح عقائد مع حاشیہ خیالی اور شرح مواقف کا بھی ایک حصّہ، — اور سلوک و تصوّف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ اور علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص، اور فن خواص اسماء و آیات میں والد ماجد کا خاص مجموعہ اور طب میں موجز، اور فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ اور نحو میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی اور علم معانی میں مطول اور مختصر المعانی اُس قدر جتنے پہ ملا زادہ کا حاشیہ ہے، اور ہیئت و حساب میں بھی بعض مختصر رسالے پڑھے — اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل کے زمانہ میں ہر فن سے خاص مناسبت پیدا ہوگئی اور اس کے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آگئے،

میری عمر کے سترھویں سال والد ماجد مریض ہوئے اور اسی مرض میں داصل بر حمت حق ہو گئے اور اس مرض وفات ہی میں مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس اجازت میں کلمہ مبارکہ "یدہ کیدی" (اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے) مکرر ارشاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک رہے اس فقیر سے بیحد راضی رہے اور اسی رضا مندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت والد کو جیسی توجہ میری حال پر رہی ایسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی، میں نے کوئی باپ، کوئی استاذ اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مریہ کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو

جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی ــــ اللهم اغفرلی ولوالدیّ وارحمهما كما ربّیانی صغیرًا وجازهما بکل شفقةٍ ورحمةٍ و نعمة منهما علیّ مائة الف اضعافها انک قریب مجیب۔

پھر حضرت کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا۔

اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور انکی اصول فقہ کی کتابوں اور اُن احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جنسے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں نور غیبی کی مدد سے "فقہاء محدثین" کا طریقہ دلنشین ہوا۔ غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گزرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابو طاہر قدس سرہ و دیگر مشایخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی ــــ مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں بارش ہوئی ــــ نیز اس سفر مبارک میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا۔ حضرت شیخ ابو طاہر مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا ــــ پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہو کر اوائل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالےٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا ــــ بہ تعمیل ارشاد "واَمّا بنعمة ربّک فحدّث"، بعض خاص الخاص انعاماتِ الٰہیہ کا بھی تذکرہ کرتا ہوں۔

حق تعالےٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو "خلعت فاتحیة" بخشا گیا ہے اور اس آخری دَور کا افتتاح اُس سے کرایا گیا ہے، اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو "مرضی" ہے اُس کو جمع کیا گیا اور فقہ حدیث کی از سر نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام و ترغیبات بلکہ تمامی تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تھا ــــ نیز سلوک کا وہ طریقہ جس میں حق تعالےٰ کی مرضی ہے اور جو اس دورہ میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا اور میں نے اُس طریق کو اپنے دو رسالوں "ہمعات"، اور "الطاف القدس" میں قلمبند کر دیا ہے۔

ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین اہل سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا اور "معقولیوں" کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا اور اُن کی تقریر بحمد اللہ ایسی کی جسکو بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی، علاوہ ازیں کمالات اربعۃ ابداع، خلق، تدبیر اور تدلّی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا ــــ

اور حکمت علی (کہ اس دورہ کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ بلکہ اسی میں منحصر ہی) مجھے بھرپور دی گئی اور کتاب و سنت و آثار صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی ـــــ اس سب کے سوا مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا جس کے ذریعہ سے میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم جو فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہو وہ کیا ہو اور وہ کون کون باتیں ہیں جو بعد میں اُس میں ٹھونسی گئی ہیں، یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں؛

اپنے یہ حالات اور حق تعالے کے یہ انعامات بیان فرمانے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا لما استوفیت واجب حمدہ والحمد للہ رب العالمین ٥	اگر میری ہر بال کی جگہ زبان ہو جو ہر وقت صرف حمد الٰہی ہے تو بھی حق تعالیٰ کی حمد کا جو حق مجھ پر ہے وہ ادا نہیں ہو سکتا والحمد للہ رب العلمین ٥

شاہ صاحب نے اوپر کی سطور میں اپنے جن خاص کاموں کی طرف اشارہ فرمایا ہو اس کی تفصیلی حقیقت آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتی ہی۔ اور فی الحقیقت آپ کے کام اور "مقام" کو سمجھنے کے لیئے بلکہ "روح اسلام" اور "منشاء الٰہی" اور انفرادی و اجتماعی "اسلامی دستور العمل" معلوم کرنے کے لیئے آپ کی مصنفات ہی بہترین ذریعہ ہیں، مگر ہماری بدقسمتی کہ ان میں سے اکثر قطعاً نایاب ہیں بلکہ بہت سی کتابوں کے تو نام تک معلوم نہیں اکافی تعداد میں آپ کی کتابیں ایسی بھی ہیں جو اگرچہ بالکل معدوم نہیں ہوئی ہیں لیکن اب تک اُن کی طبع کی نوبت نہیں آئی اور صرف خاص خاص کتب خانوں میں اُن کے قلمی نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم جو چھپ چکی ہیں اور متداول ہیں وہ بھی کافی ہیں اور میرا خیال ہے کہ جس کے پاس شاہ صاحب کی صرف یہ مطبوعہ کتابیں ہی ہوں اور وہ اُن سے صحیح طور پر استفادہ کر سکے تو پھر بڑے بڑے "کتب خانوں" سے وہ مستغنی اور بے نیاز ہو سکتا ہو۔

ذیل میں آپ کی صرف اُن تصنیفات کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہی جو ہمارے علم میں ہیں، کہ فی الحقیقت ہمارے سامنے ہمارے ہاتھوں میں اور ہمارے لیئے آپ کا سب سے بڑا اہم یہی ہو۔

(۱) **فتح الرحمٰن**، یہ فارسی زبان میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ ہی جو سب سے پہلے ہندوستان میں ہوا ـــ نہایت مختصر مگر بہت جامع اور معنی خیز "فوائد" بھی آپ نے اس کے ساتھ میں لکھے ہیں۔ اِن "فوائد" کی اہمیت کے متعلق مولانا سندھی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مضامین میں کچھ اشارات گزر چکے ہیں۔

(۲) "**الفوز الکبیر**" فارسی زبان ہی میں اصول تفسیر پر نہایت مفید اور بصیرت افروز رسالہ ہی۔

(۳) "فتح الخبیر"، عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر مگر بہت جامع نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے صحیح طریقہ پر باب تفسیر میں جو کچھ منقول ہوا ہے قریباً وہ سب ہی اس میں لے لیا گیا ہے۔

(۴) "مصفّیٰ" موطا امام مالک کی فارسی شرح ہے

(۵) "مسوّیٰ" بھی موطا ہی کی شرح ہے، لیکن عربی زبان میں۔ شاہ صاحب درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے یہ دونوں کتابیں گویا اس کا ایک نمونہ ہیں۔ اگر ان کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی کے بعض ابواب کو بھی ملا لیا جائے تو شرح حدیث میں شاہ صاحب کا حکیمانہ اور محققانہ طریقہ مکمل طور پر سامنے آسکتا ہے۔

(۶) "حجۃ اللہ البالغہ"، اس کتاب کو پورے "اسلام" کی شرح کہا جا سکتا ہے۔ میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہونچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء نظام حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے، دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمد للہ میں اُن پر تحقیقاً اور علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں —

(یہاں اپنی یہ سرگزشت میں نے صرف اس لئے لکھدی ہے کہ شاید اسی کو دیکھ کر کسی اور کو بھی اس کتاب سے استفادہ کا شوق پیدا ہو جائے)

(۷) "البدور البازغہ"، اس کو "حجۃ اللہ البالغہ" کے خاص خاص ابواب کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے بعض مباحث نئے بھی ہیں۔ اب تک نایاب تھی ہندوستان بھر میں صرف دو تین جگہ اس کے قلمی نسخے معلوم تھے کچھ ہی دنوں پہلے "مجلسِ علمی" ڈابھیل نے چھاپ کر شایع کر دی ہے۔

(۸) "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اصل موضوع تو خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات ہے لیکن اسلام کے "اصول عمران" "نظریہ سیاست" کی پوری تشریح بھی اس میں آگئی ہے، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے وسیع النظر اور بحر العلوم کی شہادت ہے کہ "اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں"۔ اصل زبان فارسی ہے ۱۲۸۶ھ میں پہلی بار مطبع صدیقی بریلی میں چھپی تھی اب عرصہ دراز سے نایاب ہو چکی ہے۔ ابتدائی چہارم حصّہ کے قریب حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اپنے ترجمہ کے ساتھ شایع فرمائی تھی وہ ملتی ہے۔ پوری کتاب کا صرف ترجمہ لاہور میں بھی چھپا ہے اور غالباً ملتا ہے لیکن علاوہ کتابت کے ترجمہ میں بھی بڑی فاحش غلطیاں ہیں کاش مولانا لکھنوی ظلہ اپنے ترجمہ کی تکمیل فرما دیں اور اس طرح مع متن کے شایع ہو جائے معلوم ہوا ہے کہ مجلس علمی "ڈابھیل" اب اس کو عربی میں بھی منتقل کرا رہی ہے اور مصر میں اس کے چھپوانے کا ارادہ ہے۔ اگر یہ کام ہوگیا تو "مجلس علمی" کی نیکیوں میں بہت بڑی نیکی کا اضافہ ہوگا۔

(۹) "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" تفضیل شیخین کے موضوع پر بہترین علمی کتاب ہے۔

(۱۰) "انصاف" صحابہ وتابعین اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین میں دینی مسائل کے بارہ میں جو اختلاف پیدا ہوا اُس کا راز اور اس کی تاریخ اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے۔ اُردو ترجمہ کے ساتھ کئی بار چھپ چکا ہے۔

(۱۱) "عقد الجید"، اجتہاد اور تقلید سے متعلق مباحث پر محققانہ تصنیف ہے، یہ بھی اُردو ترجمے کے ساتھ چھپی ہے

(۱۲) "تحفۃ الموحدین" دعوتِ توحیدِ خالص اور ردِّ شرک میں حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی زبان میں مختصر مگر بہت جامع رسالہ ہے۔ مضامین کے لحاظ سے اس کو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کا متن اور اس کی اساس و بنیاد کہا جاسکتا ہے۔ اب سے قریباً پچاس ساٹھ سال پہلے حکیم اجمل خاں مرحوم کے بڑے بھائی حکیم حافظ عبدالمجید خاں مرحوم (بانی طبیہ کالج دہلی) کے پریس "اکمل المطابع دہلی" میں اُردو ترجمہ کے ساتھ چھپکر شایع ہوا تھا اب عرصہ دراز سے بالکل نایاب ہے۔ مجھے اس کا مطبوعہ نسخہ الہ آباد کے ایک دوست سے حاصل ہوا ہے اور میں اس کی دستیابی کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ عنقریب اس کو چھپوانے کا بھی ارادہ ہے۔

(۱۳) **شرح تراجم ابواب صحیح بخاری**، صحیح بخاری کے تراجم الابواب کی تشریح میں یہ عربی رسالہ ہے۔ پہلے ۱۳۲۳ھ میں "دائرۃ المعارف حیدر آباد" سے شایع ہوا تھا، اب اسی سال "اصح المطابع دہلی" نے صحیح بخاری کا جو نسخہ چھاپا ہے تو اس کے شروع میں یہ پورا رسالہ بھی بطور مقدمہ لگا دیا ہے۔

(۱۴-۱۷) "مجموعہ رسائل اربعہ" یہ بہت چھوٹے چھوٹے چار رسالے ہیں جن کا تعلق فن حدیث سے ہی ہے (۱) "ارشاد الی مہمات الاسناد" (۲) رسالہ اوائل (۳) تراجم البخاری (یہ مذکورۂ بالا رسالہ "شرح تراجم ابواب بخاری" کے علاوہ ہے اور صرف ایک ورق پر ہے) (۴) مایجب حفظہ للناظر،

(۱۸) "تفہیمات الٰہیہ"۔ یہ گویا ولی اللّٰہی کشکول ہے، سلوک وتصوف اور علوم شریعت سے متعلق اس میں آپ کے متفرق افادات ہیں۔ پہلے اس کی صرف ایک جلد چھپی تھی اور عرصہ سے وہ بھی نایاب تھی۔ اب دونوں جلدیں گویا مکمل کتاب "مجلس علمی ڈابھیل" نے شایع کر دی ہے، بعض باتیں اس کتاب میں "عالم بالا" کی بھی ہیں جن کی حیثیت ہم عیبیوں کے حق میں متشابہات کی ہے۔ بعض تفہیمات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں،

(۱۹) "خیر کثیر"، تصوف اور "علم اسرار وحقائق" میں آپ کی بلند پایہ کتاب ہے، اس کی اشاعت کا شرف بھی پہلی مرتبہ "مجلس علمی" ہی نے حاصل کیا ہے ورنہ اب تک ہندوستان بھر میں ایک دو ہی جگہ اس کے قلمی نسخے معلوم ہوئے تھے۔

(۲۰) "فیوض الحرمین"، بزمانہ قیام حرمین شریفین حق تعالیٰ کی طرف سے جو الہامات یا روح پر فتوح سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو افاضات آپ کو ہوئے اور جو خاص تعلیم وتلقین کی گئی آپ نے اُن سب کو اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے قریباً سو اسو صفحے پر اب سے بہت پہلے اُردو ترجمہ کے ساتھ شایع ہو چکا ہے۔

(۲۱) "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین"۔ آپ کو اور آپ کے بعض نسبی یا روحانی بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "جو مبشرات" ملے اس میں اُن کا بیان ہے۔

(۲۲) "انفاس العارفین"، اس میں شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں کے احوال قلمبند فرمائے ہیں۔ آپ کے اکثر سوانح نگاروں کا اس باب میں یہی کتاب ماخذ ہے، چھپ چکی ہے عام طور سے ملتی ہے۔

(۲۳) "انسان العین"، اس میں شاہ صاحب نے اپنے "مشائخ حرمین"، کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۲۴) القول الجمیل (۲۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۲۶) الطاف القدس (۲۷) سطعات (۲۸) ہمعات (۲۹) "لمعات"، — یہ سب رسائل تصوف سے متعلق ہیں اور موخر الذکر چاروں رسالے عام افہام سے بالاتر بھی ہیں — بلکہ اکثر "اہل علم"، بھی ان سے کچھ استفادہ نہیں کر سکتے سب چھپکر شایع ہو چکے ہیں۔

(۳۰) مکتوبات مع مناقب امام بخاری و ابن تیمیہ، اس چھوٹے سے مجموعہ میں آپ کے نہایت اہم چند مکاتیب جمع کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں "نذیریہ لائبریری دہلی" کے مہتمم مولوی سید عبدالرؤف صاحب نے بھی ان مکاتیب کو مع ترجمہ کے شایع کیا ہے۔

(۳۱) مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلثہ، یہ آپ کے بعض خاص مکاتیب کا ایک اور چھوٹا سا مجموعہ ہے۔

(۳۲) "سرور المحزون"، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی "سیرت مقدسہ" کے بیان میں ابن سید الناس کے مختصر سے رسالہ "نور العیون"، کا فارسی ترجمہ ہے جو بعض خاص احباب کی درخواست پر خود شاہ صاحب نے کیا تھا۔

(۳۳) "الجزء اللطیف"، حضرت شاہ صاحب کی خود نوشت مختصر سوانح عمری جس کا پورا خلاصہ صفحات ماسبق میں درج ہو چکا ہے

(۳۴) المقالۃ الوضیۃ فی الوصیۃ والنصیحۃ" یہ شاہ صاحب کا وصیت نامہ ہے چھپ بھی چکا ہے مگر میرے پاس اس کا قلمی نسخہ ہے۔ یہاں تک جن ۳۴ کتابوں کا ذکر کیا گیا یہ سب چھپکر شایع ہو چکی ہیں اور "ازالۃ الخفا"، اور تصوف کے چند رسائل کے علاوہ باقی اور سب اب بھی ملتی ہیں اور صرف چار پانچ چھوٹے رسائل (۹، ۲۱، ۲۳، ۲۸، ۲۹) کو مستثنے کر کے باقی سب کے جزوی یا کلی مطالعہ کا شرف اس عاجز کو بھی حاصل ہوا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں کتب ذیل کا اور ذکر کیا جاتا ہے لیکن میں ان کے مطالعہ بلکہ زیارت سے بھی ابھی تک محروم ہوں اگرچہ ان میں سے بھی بعض چھپ چکی ہیں۔

شفاء القلوب[۳۵]، زہراوین[۳۶]، تاویل الاحادیث[۳۷]۔ ہوامع[۳۸] شرح حزب البحر، العقیدۃ الحسنۃ[۳۹]، المقدمۃ السنیۃ[۴۰]، چہل حدیث[۴۱]، شرح رباعیتین[۴۲]، مآثر الاجداد[۴۳]۔ العطیۃ الصمدیۃ[۴۴]، فتح الودود[۴۵] فی معرفۃ الجنود، مسلسلات[۴۶]۔

ان کے علاوہ آپ کی اور بھی بہت سی تصانیف تھیں جن کے آج نام بھی ہم کو معلوم نہیں، آپ کے علمی سلسلہ کے

بعض ثقات آپ کی تصانیف سیکڑوں کے حساب سے بتلاتے ہیں، لیکن جو کتابیں آپ کی معلوم اور متداول ہیں صرف انہی کے مطالعہ سے علوم و مسائل میں آپ کی مجتہدانہ، اور خدمت دین و اصلاح وارشاد میں آپ کی مجددانہ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر علی وجہ البصیرت آپ کے اس دعوے اور "تحدیث نعمت" کی کہ ــــ "فلاطون آہ گرمو دید یونانے کہ من دارم" ــــ تصدیق کی جاسکتی ہے۔ نیز آپ نے اپنے بارہ میں جو کہیں کہیں اس قسم کی باتیں کہی ہیں کہ

(۱) رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذالک ان اللہ اذا اراد شیئًا من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ لاتمام مرادہ الخ (فیوض الحرمین)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "قائم الزمان" ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے وہ مجھے اوزار یا آلہ کار کی طرح بنالیتا ہے۔

(۲) نعمت عظمےٰ بریں فقیر آنست کہ او را خلعت فاتحیۃ دادہ اند و فتح دورہ بازپسیں بردست وے کردند (جزء لطیف)

(۳) بہ سرم دادند کہ ایں حقیقت بمردم بہ رساں کہ امروز وقت وقت تست و زمان زمان تو وائے برکسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد، الخ (تفہیمات)

(۴) ومن نعم اللہ علیّ ولا فخر، ان جعلنی ناطق هذہ الدورۃ وحکیمہا وقائد هذہ الطبقۃ وزعیمہا الخ (تفہیمات)

اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس دور آخر کا "ناطق"، اور "حکیم" اور "قائد و زعیم" بنایا (اور یہ میں فخراً نہیں کہتا ہوں)

غرض اس قسم کے دعاوی جو شاہ صاحب کی تصانیف بالخصوص "تفہیمات الٰہیہ" میں بکثرت ملتے ہیں اور جو بڑے بلکہ یقیناً بہت "بڑے دعوے" ہیں، ان کی حقیقت کا ادراک اور حقیت کا یقین بھی آپ کی ان تصنیفات ہی کے مطالعہ سے انشاء اللہ بڑی حد تک حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی جو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور جن کو شاہ عبدالعزیز کی استاذی کا بھی فخر حاصل ہے، اور جن کا ذکر خود شاہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" کے دیباچہ میں نہایت بلند الفاظ میں فرمایا ہے بلکہ اس جلیل القدر کتاب کی تصنیف کا باعث اور محرک انہی کے "بے پناہ اصرار" کو بتلایا ہے ــــ اور ایک موقع پر خود انہی کو مخاطب کر کے اُن کے ساتھ اپنی خصوصیت کا اظہار ان بلند کلمات میں فرمایا ہے۔

هذا امرٌ منکم بدء والیکم یعود، وتلک کلمۃٌ کنتم احق بہا واہلہا وحق الرب المعبود، (مقدمہ خیر کثیر ص ۱۶)

(میرے علمی افادات کے) اس سلسلہ کا آغاز بھی تم ہی سے ہوا اور تم ہی پر اس کا انجام بھی ہوگا اور رب معبود کی قسم کہ تم ہی ان "معارف" کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل ہو،

اور یہ مولانا شاہ محمد عاشق خود بھی ایک جگہ بڑے جوش کی حالت میں حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف کی ساتھ

اپنی خصوصی نسبت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

حتیٰ لو اجلف علی ان کل ما ظہر من علومہ واسرارہ دامت برکاتہم لاسیما من باب التصوّف فما ظہر الا لاجلی و نی مخاطبتی انشاء اللہ ما احنث،

(مقدمہ خیر کثیر ص۱۵)

اگر میں قسم کھا کے یہ دعویٰ کردوں کہ حضرت دامت برکاتہم کو جو حقائق و معارف ظاہر ہوئے خصوصًا باب تصوف میں تو اُن سب کا ظہور میری ہی وجہ سے ہوا اور میں ہی اُن کا مخاطب اوّل تھا تو انشاء اللہ میں اپنی اس قسم میں حانث نہ ہونگا۔

ظاہر ہی کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے علمی و عرفانی مقام کا پہچاننے والا اور آپ کی تصانیف جن علوم و معارف پر حاوی ہیں ان کی کنہ اور حقیقت کا جاننے والا ان شاہ محمد عاشق سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے انھوں نے شاہ صاحب کو جس روشنی میں دیکھا، اور آپ کے علوم کو جو کچھ سمجھا وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے شاہ صاحب کی کتاب "خیر کثیر" پر جو مقدمہ انھوں نے فارسی میں لکھا ہے (اور مجلس علمی نے اس کو بھی خیر کثیر کے ساتھ شایع کردیا ہی) اُس میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"بر سالکان طریقت و طالبان حقیقت پوشیدہ نہ ماند کہ چوں حق سبحانہ و تعالےٰ فردے کامل را برائے مظہریت علوم و اسرار کامنہ خویش اصطفاے فرماید و آنرا بمنزلہ جارحہ خود ساختہ بزبان وے تکلم می نماید، پس ظہور آں علوم و اسرار از وے نہ بر قاعدہ علوم رسمیہ کسبیہ می باشد کہ عقل آنرا اولا در تحت قاعدہ ضبط نمودہ بعبارات مربوط و مضبوط بر روئے کار آرد، بلکہ آں اسرار کہ در نفس مقدسہ وے ودیعت نہادہ اند و ظہور آں ارادہ فرمود علی حسب الواردات والتقریبات بروز میفرمایند.....

(الی ان قال) و دریں زماں بایں مقام آنی ذات مجمع آیات، مطلع فیض و انوار منبع علوم و اسرار و مخزن کنوز کمالات وراثت محمدیہ، معدن نقود رموز و صایت احمدیہ، مجدد قواعد شریعت، محقق قوانین طریقت، مبین غوامض معرفت، محقق دقائق حقیقت اعظم المحدثین ولی العصر، لسان اللہ، قطب الدین احمد ابو الفیاض شیخ ولی اللہ است مد اللہ ظلال ارشادہ علی العٰلمین الی یوم الدین کما ہو ثابت عند اہل المعرفۃ والیقین، و مصداق ایں معنی آں ست کہ جناب ختمیۃ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات در بعضے مبشرات ذات کرامت آیات ایشانرا باذات نفحات سمات خویش نسبت وجود ذہنی با وجود خارجی فرمودند و دراں مشہد بخطاب ذکی و حکیم ہذہ الامۃ کرامت بخشیدند۔ یعنی آنچہ از کمالات الٰہیہ در عین ثابتہ آنجناب بفعلیۃ خارجیۃ ظہور نمودہ و آنرا در تحقق آثار خارجہ خود ساختہ، ہماں معانی بتمامہا در عین صافی ایشاں در صورت علوم و معارف جلوہ گر گشتہ، پس علوم و اسرار ایشاں در حقیقت علوم و اسرار آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اند و محافظت آنہا مورث شمول بشارت "نضر اللہ امرءً سمع

مقالتی فرعاھا کما سمعھا، است،، (مقدمہ خیر کثیر صفحہ ۱۴-۱۵)

درحقیقت شاہ صاحب کی تصانیف کی اہمیت کا پورا اندازہ اور آپ کے علمی و عرفانی مقام کا کچھ ادراک شاہ محمد عاشقؒ جیسے ثقہ اور ربانی عالم ہی کے اس بیان کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو خود بھی اس سمندر کے تیراک ہیں، اور اسی واسطے ہم نے یہاں اُن کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

افسوس ابھی شاہ صاحب کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا جاسکا اور مقررہ صفحات کا بیشتر حصہ پُر ہوچکا اس لیے اب شاہ صاحب کی جامعیت اور ہمہ جہتی حیثیت کے متعلق چند اشارات اور کرکے مجبوراً اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ میری نزدیک شاہ صاحب کا سب سے بڑا امتیازی کمال اُن کی یہی جامعیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے جدِ اعلیٰ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اُن کو میراث میں ملی ہے۔

ہمارے محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو سیرت اپنے مخصوص والہانہ انداز میں لکھی ہے اور جس کی اشاعت کا شرف گزشتہ سال ہی کا ربردار ان "الفرقان" کو حاصل ہوا ہے اُس میں دربار نبوی کی ہمہ جہتی حیثیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:-

عجب دربار!

سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، عَلَم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔ مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا، ــــ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی، کہ دعا تھی جھاڑ تھا پھونک تھا، درود تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھاری کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے جس کو جو کچھ کہدیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے ــــ مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا اس لیے کہ وہ سب کیلئے تھا، آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔ (النبی الخاتم صفحہ ۱۶۶)

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جامعیت کا نقشہ خود حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ازالۃ الخفا میں بایں الفاظ کھینچا ہے:-

سینۂ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یکدر مثلاً سکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن جنود اعداء

ودر دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و دادگستری اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروق سورا دبست ودر دیگر ابوحنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بعلم فتاوی و احکام ودر دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر یا خواجہ بہاء الدین قدس سرہما ودر دیگر محدثے بروزن ابوہریرہؓ وابن عمرؓ ودر دیگر قاریئے ہمسنگ نافع یا عاصم ودر دیگر حکیمے مانند مولٰنا جلال الدین رومی یا شیخ فریدالدین عطار۔ (ازالۃ الخفا جلد دویم صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

اگر غور کیا جائے تو یہی عبارت خود حضرت شاہ صاحب پر معمولی تغیر کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔

اسلام کے جس فن کے بھی اعاظم رجال کی تاریخ لکھی جائے حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ اس میں خاص امتیاز کے ساتھ کرنا مصنف کا فرض ہوگا جس میں کوتاہی اُس کی ناقابلیت یا تصنیفی بددیانتی سمجھی جائے گی۔

مثلاً اگر مفسرین قرآن کی تاریخ لکھی جائے تو اس باب کے شاہ صاحب کے بے نظیر افادات، الفوز الکبیر، فتح الخبیر، فوائد فتح الرحمان، تاویل الاحادیث، اور ازالۃ الخفا و حجۃ اللہ البالغہ کے خاص تفسیری مباحث کا تقاضا ہوگا کہ ان کی نام نامی کو انہیں نمایاں جگہ دی جائے۔

علیٰ ہذا اگر محدثین اور شارحین حدیث نبوی پر کوئی کتاب تیار کی جائے تو اس فن کے ان کے منتشر اور متنوع افادات مصفّٰے مسوّیٰ اور حجۃ اللہ جلد اول کے بعض خاص ابواب اور پوری جلد دوم کا تقاضا ہوگا کہ اس کتاب میں بھی اُن کا ذکر نمایاں طور پر کیا جائے۔

اور اگر فقہاء اسلام کی کوئی تاریخ مرتب ہو تو تفقہ میں حضرت شاہ صاحب کو جو یدطولیٰ حاصل ہے جس کا پتہ حجۃ، بدور، انصاف، اور عقد الجید سے چلتا ہے اس کی بنا پر زمانہ کے تاخر کے باوجود اُن فقہاء و مجتہدین کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا ہوگا جو اُن سے کم از کم پانچ چھ سو برس پہلے گزر چکے ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر صرف حجۃ کے مبحث سادس و سابع" (از صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۱۱۵) ہی کو بامعان نظر دیکھ لیا جائے تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فقہ دین میں شاہ صاحب کا پایہ متقدمین میں بھی کس قدر بلند ہے۔ کاش ہمارے زمانہ کے اہل علم ان بیش بہا اور نادر الوجود علمی جواہر پاروں کی قدر و قیمت سمجھتے۔

اور اگر علم کلام کی تاریخ مدون ہو اور اس فن کے ماہرین کے کارناموں کو کسی کتاب میں جمع کیا جائے تو علامہ سعد تفتازانی قاضی عضد اور سید سند جیسے مصنفین فن کے زمرہ میں نہیں بلکہ امام ابوالحسن اشعری اور امام غزالی و امام ابن تیمیہ حرانی جیسے ممتاز ائمہ کے ساتھ اُن کا ذکر کرنا مورخ کا فرض ہوگا۔۔۔ صرف حجۃ اور بدور ہی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے علم کلام کا ایک مستقل ذیلی ہکول ترتیب دیا ہے اور اس فن میں وہ ایک گونہ استقلالی اور انفرادی شان رکھتے ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم نے "علم الکلام" میں شاہ صاحب کی

اس حیثیت پر کچھ روشنی ڈالی ہو۔ لیکن چونکہ اس کی حیثیت صرف ایک ضمنی تذکرہ کی ہے اس لئے وہ اصلیت اور ضرورت دونوں سے بہت کم ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر مستقلاً کچھ لکھا جائے اور پورے بسط و تفصیل سے لکھا جائے ایسی چیز کے تیار ہونے سے پہلے جو حضرات شاہ صاحب کی اس حیثیت کا اندازہ کرنا چاہیں وہ علامہ شبلی کی "علم الکلام" (۱۰۹-۱۱۹) دیکھنے کے بعد اور کچھ نہیں تو صرف "حجۃ اللہ" کی جلد اول ورنہ کم از کم اس کے یہ چند ابواب "ایمان بصفات اللہ"، "ایمان بالقدر"، "باب الحاجۃ الی ہداۃ السبل"، "باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا"، "اسباب التکلیف والمجازاۃ"، "باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان"، ہی ملاحظہ فرمالیں، صرف اتنی سی محنت سے بھی شاہ صاحب کے علم کلام کے خاص اصول ذہن میں آسکتے ہیں، اور پھر ان سے اس فن کا پورا کام لیا جاسکتا ہے۔

اور اگر صوفیہ صافیہ وائمہ سلوک ومعرفت کی کوئی جامع تاریخ لکھی جائے تو اس باب کی شاہ صاحب کی مستقل تالیفات "خیر کثیر"، "القول الجمیل"، "الطاف القدس"، وغیرہا اور حجۃ وبدور کے "ابواب احسان" کی بنا پر امام غزالی وسیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (قدست اسرارہم) کے ساتھ انکا بھی ذکر کرنا مورخ کا فرض ہوگا۔

ایسے ہی اگر امت محمدیہ میں "حقائق" و "اسرار الہٰی" پر کلام کرنے والوں کی کوئی فہرست تیار کی جائے تو حضرت شیخ شبلی اور شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کے ساتھ شاہ صاحب کے اس فن کے رسائل سطعات، لمعات وغیرہ اور تفہیمات الٰہیہ، کی بعض تفہیموں کی بنا پر آپکا نام نامی بھی اس فہرست میں نمایاں جگہ پر ہوگا۔

اور اگر اساتذہ اخلاق ومعلمین حکمت عملی پر کوئی کتاب لکھی جائے تو حضرت شاہ صاحب کے اس فن کے افادات مندرجہ مکاتیب متفرقہ وانفاس اور بعض ابواب حجۃ اللہ کی بنا پر امام ابو حامد غزالی، شیخ سعدی شیرازی اور محقق جلال دوانی کے ساتھ آپ کا تذکرہ کرنا بھی مولف کتاب کا منصبی فرض ہوگا۔

اور علی ہذا اگر ماہرین اقتصادیات ومعاشیات کی کوئی تاریخ لکھی جائے تو اس میں بھی شاہ صاحب کا تذکرہ نہایت نمایاں طور پر ہوگا۔ صرف "حجۃ اللہ البالغہ"، اور "بدور بازغہ"، میں ابواب "ارتفاقات" کے ذیل میں انھوں نے اقتصادی اور معاشی مسائل پر جو کلام کیا ہے اور جو اصول اس سلسلہ میں مرتب کئے ہیں اگر کوئی حکومت نیک دلی اور دیانت داری کے ساتھ ان کو اپنے "دستور اساسی" قرار دے لے تو یقیناً انشاء اللہ اس کی قلمرو میں وہ ہمہ گیر بےچینی اور طبقاتی کشمکش پیدا نہ ہوگی جو اقتصادی اور معاشی الجھنوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور فی زمانہ جس نے قریباً ہر ہی ملک کے باشندوں سے چین واطمینان اور زندگی کا سکون چھین لیا ہے، اور بنی آدم کی غالب اکثریت کے حق میں جیتے جی ہی اس دنیا کو دوزخ بنا دیا ہے۔ ہمارے محترم دوست مولانا سید ابو الاعلےٰ مودودی نے اس باب کے شاہ صاحب کے خاص افادات کا خلاصہ اپنے ایک مستقل مقالہ میں بڑے سلیقہ سے مرتب

کردیا ہے، یہ مقالہ اب سے قریباً ایک سال پہلے اُن کے رسالہ "ترجمان القرآن" میں شایع بھی ہوچکا ہے۔ میں نے اپنے اصل مقالہ میں (جو اس نمبر ہی کیلئے مرتب کیا گیا تھا لیکن عدم گنجایش کی وجہ سے اس میں درج نہیں ہوسکا) مولانا مودودی کے اُس پورے مقالہ کو لے لیا تھا اور اس پر شاہ صاحب ہی کی تالیفات سے کچھ اور بھی اضافہ کیا تھا۔ انشاء اللہ ناظرین کرام کبھی "الفرقان" ہی کے صفحات پر اس کو ملاحظہ فرمائینگے اور اُسی سے اس خاص باب میں شاہ صاحب کی باریک بینی اور عمیقت رسی کا اندازہ کرسکیں گے۔

علی ہذا سیاسی حذاقت اور حکومت کے تمام شعبوں کی صحیح تشکیل پر ان کی قدرت کا اندازہ بھی حجۃ وبدور کے انہی "ابواب ارتفاقات" سے کیا جاسکتا ہے ــــ شاہ صاحب نے انہی ابواب میں حکومت کے مالیات، نظام عدل، فوج، پولیس، حتیٰ کہ محبوب سلطنی اور "شہر یار" یہ تک کی تنظیم کا صحیح طریقہ اور مکمل نقشہ پیش کردیا ہے۔ اور ازالۃ الخفا میں تو "حدیث دیگراں" کے اندر ہی اندر "حکومت الٰہیہ" کا پورا خاکہ ہی دیدیا ہے ــــ کاش دیکھنے والے ان چیزوں کو اس نظر سے بھی دیکھیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر شاہ صاحب نے ان ہی خطوط پر "حکومت الٰہیہ" قایم کرنے کیلئے کوئی انقلابی جدوجہد کیوں نہیں کی؟ تو اگرچہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ "مجددین" اور "ارباب ارشاد" کے کاموں میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی زندگی میں اس قسم کے کسی اقدام کے نہ ملنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ "اُن کے کام میں یہ کمی رہ گئی" ــــ اپنے "اصل مقالہ" میں اس پہلو پر میں نے مفصل بحث کی ہے اور انشاء اللہ ناظرین کرام اُسی کو دیکھنے کے بعد اس بارہ میں صحیح راہ قایم کرسکیں گے یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے اس کی طرف صرف اتنا ہی اشارہ کیا جاسکتا ہے ــــ کہ ہر کام کے عمل میں آجانے کیلئے صرف کام کرنے والے کی صلاحیت ہی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ وقت کی سازگاری اور ماحول کی صلاحیت بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی قدم اُٹھا دینا ناعاقبت اندیشی اور خام کاری پر محمول ہوتا ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے کام اس عالم اسباب میں افراد سے نہیں ہوتے بلکہ جماعتوں سے انجام پاتے ہیں، اور شاہ صاحب کے زمانہ میں "ملت ہندیہ اسلامیہ" کی حالت اس قدر گر چکی تھی کہ اُس میں سے اس "کار عظیم" کو انجام دینے والے افراد چھانٹے بھی نہیں جاسکتے تھے۔ تو شاہ صاحب کے لیئے پہلا کام اُس "جماعت" یا "پارٹی" کا تیار کرنا تھا جو اس مقصد کی قدر وقیمت جان کر وقت آنے پر اس کے لیئے اُٹھ سکتی اور اس کام کو صحیح طریقہ پر چلا سکتی۔ ان کی تصانیف سے صاف ظاہر ہے کہ وہ پوری طرح اس کوشش میں ہیں کہ کم از کم قوم کے خواص کے طبقہ میں جو عام قوم کا دل دماغ ہوتا ہے ایسا ذہنی انقلاب پیدا کردیں جو ان کو اس نصب العین سے قریب کردے اور اس مقصد اعلیٰ کی سرانجامی کے لائق بنا دے اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس قسم کے کاموں کی بنیاد ڈالنے والے صرف بنیاد ڈال کر ہی چلے جاتے ہیں

اُن کے بعد اس عمارت کی تکمیل بعد والوں کا فرض رہ جاتا ہے۔ تو میرے نزدیک شاہ صاحب کو اس باب میں صرف اتنے ہی کام کا وقت ملا کہ اُس حزب اللہ کے پیدا کرنے کیلئے صالح لٹریچر تیار کیا اور اُس کام کے لئے پورا لائحہ عمل بھی مرتب فرما دیا ــــ اب کام کو اس سے آگے بڑھانا اور مناسب وقت آنے پر آپ کے معین کردہ خطوط پر کوئی انقلابی تحریک اُٹھانا اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا، یہ کام بعد والوں کا تھا، اور بعد والوں نے کیا بھی، چنانچہ آپ ہی کے صلبی پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور دوسرے ایک روحانی پوتے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ نے مناسب وقت آجانے پر جو تحریک اُٹھائی میرے نزدیک وہ شاہ صاحب ہی کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا مگر بخت کی نامساعدت اور کام میں کچھ خامیوں کی وجہ سے جن کا کچھ ذکر بعض پہلے مقالات میں آ بھی چکا ہے کامیابی پر اس تحریک کا انجام ہوا۔

تنازع للبقاء کی اس دُنیا کی تاریخ میں حق پرستوں کی کسی جدوجہد کا اس طرح ناکامیاب ہو جانا کوئی نئی بات نہ تھی، مگر وائے بدبختی بجائے اس کے کہ ہم اس معرکہ میں "اسبابِ شکست" کا کھوج لگاتے اور ان کی تلافی کی کوشش کرتے اُس راستہ ہی سے مایوس ہو کر ہم پلٹ پڑے بلکہ اُس مقدس نصب العین ہی کو پس پشت ڈال دیا.......

خیر بات دور چلی گئی اور دور چلی جا رہی ہے، ورنہ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی زندگی میں "حکومت الہیہ" کے قیام کے لیئے کوئی "انقلابی جدوجہد" نہ دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اُن کے کام میں "یہ کمی رہی"، اصل یہ ہے کہ وہ وقت اس کام کا تھا ہی نہیں ورنہ اگر زمین اس کے لیئے تیار ہوتی اور وقت کا یہی تقاضا ہوتا تو شاہ صاحب کے وہ مقالات جن میں آپ نے نظام حکومت کی تشکیل اور عسکری قوت کی تنظیم و تقسیم سے بحث کی ہے اُن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ اس قسم کی مہموں کو بھی خوب انجام دے سکتے تھے۔ خود بھی ایک جگہ صاف لفظوں میں لکھ گئے ہیں :۔

فلو فرض ان یکون ھذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون اصلاح الناس باقامة الحروب ونفث فی قلبه اصلاحهم لقام ھذا الرجل بامر الحرب اتم قیام وکان اما ما فی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرھما طفیلیون علیه مستمدون منه مقتدون به ــ (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۰۱)

اگر بالفرض یہ شخص ایسے زمانہ میں ہوتا کہ اسباب کا اقتضا یہی ہو تا کہ لوگوں کو جنگ اور قتال سے درست کیا جائے اور اس کے دل میں ڈالا جاتا کہ تلوار ہی سے دنیا کے نظام کو درست کرے تو یہ شخص پھر یہی کرتا اور الحمد للہ بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیتا اور دُنیا دیکھ لیتی کہ رستم و اسفندیار بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں بلکہ وہ اس کے طفیلی اور شاگرد بننے کے لائق ہیں

رہا یہ کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں "اصلاح کیلئے جنگ وقت کا تقاضا" کیوں نہ تھا، افسوس ہے کہ یہاں اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جاسکتا ناظرین کرام اس کے لیئے میرے "اصل مقالہ" کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اس میں یہ بحث پورے بسط اور تفصیل سے کی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رح کی ایک اور امتیازی خصوصیت جس کے بیان پر ہم کو یہ سلسلہ ختم کردینا ہے وہ فلسفہ تشریع" کی تدوین بلکہ اس کی ایجاد ہے۔ اُمت محمدیہ میں آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کل نظام شریعت کا فلسفہ مدون فرمایا اور شریعت اسلامیہ کے تمام جزوی وکلی احکام کو باہدگر اس فلسفہ کے ذریعہ اس طرح مرتبط اور منظم کردیا کہ دیکھنے والا اب آپ کی رہنمائی میں اسلام کی پوری شریعت کو ٹھیک اس طرح دیکھ سکتا ہے کہ گویا وہ ایک مشین ہے اور ہر ہر حکم اس کا ایک پُرزہ ہے اور ان پُرزوں کے ساتھ اس مشین کا تعلق ایسا جچا تلا ہے کہ نہ تو وہ کسی ایک پُرزہ کی علٰحدگی ہی کو قبول کرسکتا ہے اور نہ کسی اجنبی پرزہ کے اضافہ ہی کی اسمیں گنجایش ہے ———

نئی روشنی کے اس دور میں جبکہ ہر چیز کی حکمت اور لم پوچھی جاتی ہے، اور "فلاسفی" دریافت کیئے بغیر روٹی کا لقمہ بھی نہیں توڑا جاتا، شاہ صاحب کی کتابوں حجۃ اللہ اور بدور بازغہ کے ذریعہ مذہبی دُنیا کے میدان مسابقت میں صرف مسلمان ہی بازی لے جاسکتے ہیں ــــ شاہ صاحب کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اسلام کے علمی خادموں میں ان کو بلاشرکت غیرے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ حجۃ کے دیباچہ میں خود بھی فرماتے ہیں:۔

وان من اعظم نعم اللہ علیّ ان اٰتانی منہ حظاً وجعل لی منہ نصیباً (ص۳)	اور اللہ تعالےٰ کی تمام نعمتوں میں عظیم ترین نعمت مجھ پر یہ ہے کہ اُس نے اس علم (اسرار دین یا فلسفہ شریعت) سے مجھے وافر حصہ عطا فرمایا۔

اور "الجزء اللطیف" میں جس کا پورا خلاصہ ہم پہلے درج کرچکے ہیں اسی فن کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:۔

واسرار حدیث و مصالح احکام و ترغیبات و سائر آنچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از خدائے تعالےٰ آوردہ اند و تعلیم فرمودہ اند و آں فنے است کہ پیش از فقیر مضبوط تر از سخن ایں فقیر کسے آنرا ادا نہ کردہ است با وجود جلالت آں فن (ص۲)

حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ، اسی فن کی مستقل کتابیں ہیں اور اوّلاً و بالذات اِن دونوں کتابوں میں اسی سے بحث کی گئی ہے "عقائد و ایمانیات" سے لیکر کتاب الطہارۃ، پھر عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست منزلی اور سیاست مدنی و ملکی اور اصول جہانبانی و جہانداری، غرض تمام ابواب شریعت اور احکام اسلام کے مصالح اور ان کا فلسفہ حجۃ اللہ میں بالاستیعاب، اور بدور بازغہ میں بھی اس کا کافی حصہ آپ نے درج فرمادیا ہے۔

یہاں تک ہم نے شاہ صاحب کے جن کمالات عشرہ کا ذکر کیا اُن کا تعلق آپ کی افادی اور ارشادی حیثیت سے ہی۔ گویا یہ جو کچھ بھی آپ نے کیا امت کے خواص یا عوام کے لیئے تھا، رہا یہ کہ خود آپ کے "اندر" کا کیا حال تھا؟ سو اس کا صحیح اندازہ "تفہیمات الٰہیہ" کی بعض خاص تفہیموں سے ہوتا ہے جہاں کسی خاص حال سے مغلوب ہو کر شاہ صاحب اس بارہ میں کچھ کہہ گزرے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں اُن تفہیموں کے مختصر سے مختصر اقتباسات کے لیئے بھی گنجایش نہیں، نیز یہ بھی خطرہ ہی کہ بلا تشریح سادہ طور پر ان کا نقل کر دینا ممکن ہی بہت سوں کے لیئے موجب فتنہ بن جائے اس لیئے یہاں اُن کے صرف بعض فارسی اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہی اُن سے بھی آپ کے اندرونی سوز و گداز کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہی۔ یہ تو ظاہر ہی کہ شاعری شاہ صاحبؒ کا پیشہ بلکہ کام بھی نہ تھا البتہ کبھی کبھی "آتش دل" کے شعلے "غیر شاعروں" کی زبان پر بھی شعری شکل اختیار کر لیتے ہیں، میرے نزدیک شاہ صاحب کی "شاعری" کی حقیقت بھی بس یہی ہی۔ اور یہی وجہ ہی کہ باوجود تلاش کے مجھے شاہ صاحب کے یہاں صرف اسی قسم کے شعر ملے جن کو کسی باطنی حال اور اندرونی التہاب ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا ہی انہی میں کے چند شعر اُن کے صرف ایک مکتوب سے جو کہ یہاں درج کیئے جاتے ہیں۔

"مکتوب المعارف" جس کا تذکرہ بذیل "تصنیفات" کیا جا چکا ہی اُس کے آخر میں بطور ضمیمہ ایک مکتوب حضرت کا لگا ہوا ہی جس میں آپ نے اپنے کسی خاص متوسل کے لیئے اپنے بعض اشعار اور رباعیات کی خود ہی مختصر شرح کی ہی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ "مافیہا" کی طرف کچھ اشارات کیئے ہیں، صرف اسی مکتوب سے دو چار شعر یہاں پیش کیئے جاتے ہیں۔

ایک غزل کا مطلع ہی ؎

دلے دارم ز خود خالی جبلش میتواں گفتن | در و کیفیتے جوش شرابش میتواں گفتن

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را | خروشے در دل شبہانے کردم چہ میکردم
کسے بادل ہمے سازد کسے باگل ہمی بازد | اگر من یاد آں لبہائے کردم چہ میکردم

ایک اور غزل کا ایک شعر ہی ؎

جان من در ہجر یار خود بسوخت | من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر!

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں جن میں "عالم تجرد" اور "رفیق اعلےٰ" کی طرف اپنے والہانہ شوق و اضطراب کا اظہار فرمایا ہے۔

تا بکے محنت و مہجوری دوری بکشم | ناز نین وطنم سوئے وطن باز روم

تا کے بستۂ زنجیر تعلق باشم   آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم

دو رباعیاں بھی آپ کی ملاحظہ ہوں

(۱)

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشتم   وز ہرچہ بجز یاد تو ازاں بگذشتم

مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست   اندر طلبت از دل و جاں بگذشتم

(۲)

دائم دل من پیش تو حاضر باشد   چشمم برخ خوب تو ناظر باشد

در مذہب ما شرک جلی ہست وصریح   گر روئے دگر خطرۂ خاطر باشد

انہی چند اشعار سے آپ کے اندرونی حال کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے جن کمالات کی طرف ہم نے یہاں تک کچھ اشارات کیئے ہیں قارئین کرام غالبًا انہی سے شاہ صاحب کی جامعیت اور ہمہ جہتی حیثیت کا کم از کم اجمالی اندازہ ضرور کرسکے ہوں گے تفصیل کیلئے میرے "اصل مقالہ" کی اشاعت کا انتظار فرمایا جائے۔ اس میں مستقل عنوانات کے ماتحت اِن تمام کمالات پر مفصل کلام کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر باب کے آپ کے افادات کے اقتباسات بھی اس میں پوری تفصیل سے درج کیئے گئے ہیں ــــ اگر کہہ دیا جائے کہ وہ مقالہ شاہ صاحب کے ہمہ جہتی علوم و معارف کا پورا خلاصہ ہے تو انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا ــــ اور اب نظر ثانی میں اس پر بہت کچھ اضافہ کا بھی ارادہ ہے اس لیئے توقع ہے کہ اس کے بعد وہ ڈھائی تین سو صفحہ کی مستقل کتاب ہوجائے گی۔ اور انشاء اللہ الفرقان کے ایک مستقل نمبر ہی کی حیثیت سے شایع ہو کر ناظرین کرام کی خدمت میں پہونچ جائے گی ــــ اس مختصر مقالہ کو جو اس وقت آپ کے زیر نظر ہے اور ۲۴ صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اُس اصل مقالہ کا خلاصہ کہنا تو صحیح نہیں ہوگا البتہ یہ اُس کے اکثر مضامین کی ایک فہرست ضرور ہے۔

اُس "مقالہ" کے آخر میں حضرت کا پورا وصیت نامہ بھی درج کیا گیا تھا بلکہ وہی اس کا خاتمہ قرار دیا گیا تھا۔ اب یہاں اس کی تو گنجایش نہیں البتہ تبرکاً وصیت نامہ کی سب سے پہلی اور سب سے آخری وصیت یہاں بھی نقل کرکے اس سلسلہ کا خاتمہ بالخیر کیا جاتا ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اوّلاً اپنی اولاد کو اور ثانیاً احباب کو مخاطب کرکے پہلی وصیت یہ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ بطور خلاصہ)

اوّل وصیت:- ایں فقیر چنگ زدن ہست بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن و	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت (قرآن و حدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑا جائے

ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن۔ و در عقائد مذہب قدمائے اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردہ اند اعراض نمودن و بہ تشکیکات خام معقولیان التفات نکردن، و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن، و دائماً تفریعات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا "کالائے بد بریش خاوند" دادن، امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست، و سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن، و بدیشاں التفات نہ کردن، و قربت خدا جستن بدوری ایشاں۔

اور برابر اُن میں تدبر جاری رکھا جائے اور اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے خود نہ پڑھ سکتا ہو تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے ___ اور عقائد میں قدماء اہل سنت کا مسلک اختیار کیا جائے اور سلف نے جس چیز کی کھود کرید نہیں کی اس کے پیچھے نہ پڑا جائے اور "معقولیان خام" جو شبہات پیدا کرتے ہیں اُن کی طرف مطلق توجہ نہ کی جائے اور فروع فقہ میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب و سنت پر ضرور پیش کیا جائے پھر جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کیا جائے ورنہ کالائے بد بریش خاوند والا معاملہ کیا جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ اُمت کسی وقت "مجتہدات فقہا" کو کتاب و سنت سے جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتی، اور ایسے متقشف فقیہ جو کسی عالم کی بات کو دستاویز بنا کر سنت کے تتبع سے بے پروا ہو گئے ہیں ان کی بات تک نہ سنی جائے اور ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جائے بلکہ اُن سے دور رہ کر خدا کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پہلی وصیت ہے اور فی الحقیقت ایک صاحب بصیرت اور خدا ترس عالم ربانی کا یہی دستور العمل ہونا چاہیے۔ اسی وصیت سے شاہ صاحب کا "فقہی مسلک" بھی معلوم ہو جاتا ہے اس نمبر کے کئی مقالوں میں یہ بحث براہ راست اور ضمناً آئی ہے اور مختلف نقطہائے نگاہ رکھنے والے مضامین نگار حضرات نے اس بارہ میں اپنا اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ شاہ صاحب کا فقہی مسلک کیا تھا ___ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جن کتابوں تک میری رسائی ہو سکی اُن سب کو دیکھنے کے بعد اس باب میں جس نتیجہ پر میں پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی شخصیت اس سے بالاتر ہے کہ تقلید و عدم تقلید کی اس بحث میں ان کو گھسیٹا جائے۔

ملت کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ شاہ صاحب کی وہ ذات جس کا صحیح اور عادلانہ فیصلہ "حاملان تقلید" اور مخالفان تقلید دونوں گروہوں کو ایک معتدل مسلک پر جمع کر سکتا تھا یا کم از کم دونوں فریقوں میں اعتدال پیدا کر کے اور انکی باہمی منافرت و بیجا عصبیت کو مٹا کے ایک دوسرے سے قریب کر سکتا تھا انہی کو بحیثیت فریق اس بحث میں

دھر لیا گیا ـــــ ایک طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ اُن کو "تقلید" اور "حنفیت" کا پکا دشمن باصطلاح حال "ٹھیٹ غیر مقلد" ثابت کیا جائے[۵۱] ـــــ اور دوسری طرف سے اس کے جواب میں آپ کو عرفی قسم کا "پکا حنفی"، اور موجودہ دور کی مروج تقلید کا حامی ثابت کرنے کیلئے زور لگایا گیا نتیجہ ان دونوں کوششوں کا یہ ہوا کہ شاہ صاحب کا جو مقصد تھا وہ کلی طور پر فوت ہو گیا۔ کاش اگر بجائے اس روش اختیار کر لینے کے حضرت شاہ صاحب رحمہ سے نسبت رکھنے والے احناف اُس قسم کے حنفی بننے اور حنفیت کے اُس "طریقہ انیقہ" کو عملاً رائج کرنے کی کوشش کرتے جو شاہ صاحب کا طریقہ تھا اور جس کو آپ نے "فیوض الحرمین" میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تلقین کے حوالہ سے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:۔

وذلک ان یوخذ من اقوال الثلثۃ قول اقربھم بھا فی المسئلۃ ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقھاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فرب شیئ سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وما تعرضوا لنفیہ ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل مذھب حنفی.

ص ۴۹

وہ طریقہ انیقہ جو تمام طریقوں میں سنت معروفہ سے قریب تر ہے یہ ہے کہ ائمہ ثلثہ (ابو حنیفہ، ابو یوسف محمد رحمہم) میں سے جس کا قول بھی سنت معروفہ (احادیث نبوی) سے قریب تر ہو وہ لیا جائے پھر اُن فقہائے حنفیہ کی ترجیحات کی پیروی کی جائے جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ائمہ ثلثہ نے اصول میں اُن کی متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی اور احادیث ان کو بتلا رہی ہیں تو لازمی طور پر اس کو تسلیم کیا جائے گا اور یہ سب حنفی مذہب ہی ہے۔

بہر حال اگر "ولی اللہی حنفی"، حضرات شاہ صاحب کے اس طریقہ کو عملاً قبول کر لیتے اور اسی کو رواج دینے کی کوشش

---

[۵۱] اس نمبر کی ترتیب کے دوران ہی میں دہلی سے ایک صاحب کا خط میرے نام آیا جس میں انھوں نے اپنا پتہ بلکہ نام تک نہیں لکھا ہے کہ میں ان کو خط ہی سے جواب دے سکتا۔ اس خط میں مجھ سے بہ اصرار شدید یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ "ولی اللہ نمبر" میں "صرف خدا سے ڈرتے ہوئے بے لاگ طور پر" میں اس "حقیقت" کا اعلان کر دوں کہ ہندوستان میں موجودہ جماعت "اہلحدیث" کے بانی و مؤسس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں اور آپکا مسلک وہی تھا جو موجودہ جماعت اہلحدیث کا ہے اور اسکے ثبوت کیلئے جماعت اہلحدیث کے ایک مشہور بزرگ کے ایک مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے جو بہت عرصہ ہوا دہلی ہی کے ایک رسالہ میں باقساط شایع ہوا تھا۔ آخر خط میں یہ تہدید بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر تم اس حقیقت کا اعلان نہیں کر سکے تو سمجھا جائے گا کہ اپنی جماعت کے خوف سے ایسا نہیں کر سکے اور یہ بات صرف خدا پرستی کے دعوے کے خلاف ہے"۔ـــــ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "تحزب" نے لوگوں کے عقل و دماغ کو کس حد تک ماؤف کر دیا ہے ۱۲ منہ

کرتے ــــ اور اسی طرح شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے "عاملین بالحدیث" تقلید اور حنفیت کو اُس درجہ میں تسلیم کرلیتے جو شاہ صاحب نے صراحۃً ان کو دیا ہے اور شاہ صاحب کی طرح اپنے اختلاف اور اپنی تنقید کا نشانہ صرف "غیر شرعی تقلید" اور "مسخ شدہ حنفیت" ہی کو بناتے۔ اور صحیح قسم کی تقلید اور اصلی حنفیت، یا کم از کم حنفیت میں شاہ صاحب کے پسندیدہ طریقہ ہی کو قبول کرلیتے یا برداشت ہی کرسکتے تو شاہ صاحب کا منشا پورا ہوجاتا

انہی سطور سے شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے متعلق میرا خیال بھی ناظرین کرام کو معلوم ہوگیا ہوگا۔

لیکن جو حضرات یہ معلوم کرنے کے لئے میری رائے کے منتظر ہوں کہ آج کل کی عام عرفی اصطلاح کی رو سے شاہ صاحب "حنفی" تھے یا "غیر مقلد" تو افسوس ہے کہ ان دونوں لفظوں نے اب جو خاص معنی اختیار کر لیئے ہیں اُن کے پیش نظر اس سوال کا جواب میرے نزدیک صرف "منفی" ہی ہوسکتا ہے ــــ اگر حنفیت کے دائرہ کو اتنا وسیع مان لیا جائے جتنی وسعت کہ اس کو ہمارے محترم دوست مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری نے اپنے مقالہ میں دی ہے اور "فیوض الحرمین" کی مذکورہ صدر عبارت میں شاہ صاحب کے لفظ "والکل مذهب حنفی" کا مقتضا بھی وہی ہے تو بے شک شاہ صاحب کو "حنفی" کہا جاسکتا ہے اور خود شاہ صاحب بھی اسی معنی کر اپنے کو "حنفی" کہتے ہیں ــــ لیکن آج ہمارے حنفی حلقوں میں "حنفیت" کے جو معنی عموماً سمجھے جاتے ہیں اُن کے اعتبار سے شاہ صاحب کو حنفی کہنا یقیناً زبردستی ہے۔ ہماری حنفی دنیا میں آج اُس شخص کو کہاں حنفی تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کا اصول "دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن" ہو، ــــ اور جو "کتاب وسنت سے فقہ کی تنقید" کے اس اصول کو قیامت تک کیلئے امت کا فرض قرار دیتا ہو، اور جس کا تحقیقی مسلک وہ ہو جو حجۃ اللہ میں ایک مستقل فصل قائم کرکے "ممایناسب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الاوهام الخ" کے زیر عنوان صفحہ ۱۲۳ سے ۱۲۹ تک شاہ صاحب نے ارقام فرمایا ہے بلکہ اسی حجۃ اللہ میں، اور بدور میں بھی آپ نے دیگر ائمہ کے بعض اقوال کو از روئے ادلہ زیادہ قوی سمجھ کر اختیار بھی فرمایا ہے، اور یہ ذکر نادر قسم کے مسائل ہی کا نہیں ہے بلکہ جن مسائل کو آج کل حنفیوں اور غیر حنفیوں میں مابہ الامتیاز سمجھا جاتا ہے بعض ایسے مسائل میں بھی شاہ صاحب نے کسی دوسرے امام کے قول کو قوت دلائل کی وجہ سے اختیار کیا ہے مثلاً "مسئلہ قلتین" "رفع یدین، الترجیع فی الاذان والایتار فی الاقامہ" "اقامۃ الجمعۃ فی القری التی فیها اربعون رجلاً حراً" وغیرہ وغیرہ۔

ــــ میرا خیال ہے کہ اگر آج کوئی فاضل دیانت داری سے اس روش پر چلے اور شاہ صاحب ہی کی طرح اس کو "حنفیت" کے مناقض نہ سمجھتا ہو بلکہ اس کو بھی حنفیت ہی کا ایک طریقہ سمجھتا ہو اور اسی بنا پر اپنا رشتہ حنفیت سے بھی رکھنا چاہتا ہو تو ہمارے زمانہ کے ٹکسالی قسم کے حنفی حضرات کبھی بھی اس کو حنفی تسلیم نہیں کرینگے ــــ اور یہ صرف مفروضہ ہی نہیں ہے بلکہ میرے علم میں بعض وہ اہل علم ہیں جنکا طریقہ یہی ہے وہ شاہ صاحب کی ہدایت و وصیت کے مطابق "عرض مجتہدات بر کتاب وسنت" کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں وہ کہیں کہیں فقہ حنفی کی بعض تفریعات کو اپنے نزدیک کتاب وسنت کے مطابق نہ پاکر چھوڑ بھی دیتے ہیں، لیکن کتاب وسنت

کے بعد اُن کا دینی مرجع فقہ حنفی ہی ہے اور اسی لیئے وہ خود اپنے کو فقہاً حنفی ہی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے حنفی بارگاہیں ان کو حنفی تسلیم نہیں کرتیں ــــ اور پھر بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی صاحبِ علم، فقہ حنفی ہی کے اندر اتباع حدیث کے صادق جذبہ کے ماتحت ائمہ ثلثہ اور مشائخ حنفیہ کے انہی اقوال کو اختیار کرے جو اس کے نزدیک "اوفق بالحدیث" ہوں اور اس سلسلہ میں اُسے بعض اُن اقوال کو چھوڑنا پڑے جن کی نسبت فقہ کی کتابوں میں "ظاہر الروایت" کی طرف کی گئی ہے یا جن کو "مفتی بہ" بتلایا گیا ہے تو "کھرے اور پکے حنفیوں" کے نزدیک اتنے ہی سے اس کی حنفیت مخدوش ہو جاتی ہے۔ اس لیئے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاہ صاحبؒ آج کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے "حنفی" نہیں تھے تو غلط نہیں کہتا اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حنفی ہی تھے۔

ایسے ہی میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں کہ موجودہ جماعت اہل حدیث" جس نے زمانہ کے امتداد کے ساتھ اب ایک مستقل پانچویں فقہی مسلک کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اور جس کے افراد کی اکثریت میں کم از کم میں نے تقلید اور حنفیت سے عناد کا جبلی داعیہ "عمل بظاہر الحدیث" کے ایجابی رجحان سے زیادہ پایا، اس جماعت کو ہرگز حق نہیں ہے کہ وہ شاہ صاحب کو اپنا مقتدا اور ہندوستان میں اس مسلک کا داعی اول مشہور کرے ــــ میں نے "اہل حدیث" دوستوں اور بزرگوں میں کسی کو ایسا نہیں پایا جو حضرت شاہ صاحب کی ان تحقیقات کا اقرار اور کھلے دل سے ان سے اتفاق ہی کرتے ہوں کہ

(۱) ان ھٰذہ المذاھب الاربعۃ المدوّنۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ او من یعتدبہ منہا علی جواز تقلیدھا الیٰ یومنا ھذا وفی ذالک من المصالح مالا یخفی لاسیما فی ھٰذہ الایام (حجۃ ص۱۲۳)

اس وقت تک تمام اُمت نے یا کم از کم امت کے اُس طبقہ نے جس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے ان مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی حنبلی) کی تقلید کے جواز پر اجماع و اتفاق کیا ہے اور اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خصوصاً آج کل کے اس زمانہ میں۔ الخ

(۲) اور پھر اگلے صفحہ پر ابن حزم ظاہری کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت فرمانے کے بعد کہ "کم علم والوں کا زیادہ علم والوں سے مسائل میں فتویٰ لینا اور اُن کا فتویٰ دینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی سے برابر مسلمانوں کا عام دستور رہا ہے، تقلید شخصی (خالص تقلید شخصی) کی توجیہ اور اُس کا جواز اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

ولا فرق بین ان یستفتی ھٰذا دائماً او یستفتی ھذا حیناً وذالک حیناً الخ

ہمارے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی عالم (مجتہد) سے فتویٰ لیا کرے (یعنی تقلید شخصی کرے) یا کبھی اتفق کبھی کسی عالم سے اور کبھی کسی عالم سے۔

(۳) "انصاف" کی یہ عبارت کہ "وبالجملۃ فالتمذھب للمجتہدین سرٌّ الھمہ اللہ تعالیٰ" جو مع ترجمہ کے اسی نمبر کے

صفحہ (۳۷۵) پر ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے

(۴) اور خاص "حنفی مذہب" کے متعلق آپ نے اپنے جو بلند خیالات "فیوض الحرمین" میں ظاہر فرمائے مثلاً یہ کہ مجھے دکھایا گیا کہ حنفی مذہب میں بڑا غامض سر ہے ..... یہاں تک کہ میں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ فی زمانناؔ "حنفی مذہب" کو تمام دوسرے مذاہب پر فوقیت اور برتری حاصل ہے" (فیوض ص۱۰۳)

(۵) اور اسی فیوض الحرمین" میں آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ "مذاہب اربعہ" کی تقلید کے بارہ میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وصیت ہی (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا صفحہ (۳۶۵)

(۶) اور دوسری جگہ فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی کہ تم فروع (یعنی فقہ) میں اپنی قوم (یعنی ہندی مسلمانوں کی جو عموماً حنفی المذہب ہی تھے) مخالفت نہ کرو" پھر آپ فرماتے ہیں کہ سرکار رسالت ہی سے مجھے "سنت" کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کا طریقہ بھی بتلایا گیا الخ (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا صفحہ (۳۶۴)

اور پھر ان تمام "حقائق" کے اظہار کے ساتھ اپنے دستخط کے ساتھ بھی "الحنفی عملاً" لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا ص۲۳۲

بہرحال میں نے "اہلحدیث" کہلانے والے دوستوں اور بزرگوں میں جن کو کچھ معتدل اور غیر متعصب بھی پایا ان کو بھی حضرت شاہ صاحب کے اس مسلک سے بہت دور پایا اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ حضرات کس بنیاد پر حضرت شاہ صاحب رح کو اپنا "پیش رو" کہتے یا کہہ سکتے ہیں ـــــ الحاصل ؎

وکلٌ یدّعی وصلاً بلیلیٰ ولیلیٰ لاتقرّ لھم بذاک

حضرت شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے متعلق یہ بحث تو استطراداً آگئی ورنہ دراصل آپ کے "وصیت نامہ" کی اوّل و آخر "دو وصیتوں پر ہم اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے تھے پہلی وصیت تو گزر چکی آخری وصیت آپ کی یہ ہے

در حدیث آمدہ است "من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقرء منّی السلام" ایں فقیر آرزوے تمام دارد اگر ایام حضرت روح اللہ سادریابد اول کسیکہ تبلیغ سلام کند من باشم و اگر من آں زمانہ دریافتم ہر کسیکہ از اولاد و یا اتباع ایں فقیر زماں بہجت نشان آنحضرت دریابد حرص تمام کند در تبلیغ سلام تاکتیبہ آخرہ از کتائب محمدیہ ما باشیم ـ والسلام علی من اتبع الھدی (وصیت نامہ ص۲۴)

حدیث میں وارد ہوا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں سے عیسیٰ بن مریم کو پائے تو انکو میرا سلام پہونچا دے ـ اس فقیر کی بڑی تمنا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ مسیح بن مریم کا زمانہ مجھے میسر ہو تو سب سے پہلا وہ شخص جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچائے وہ میں ہوں ــــ اور اگر وہ زمانہ میں نے نہ پایا تو پھر میری اولاد اور میرے پیرووں میں جو بھی حضرت مسیح کی آمد ثانی کو پائے اسکو میری وصیت ہے کہ حضرت کی اس سلامی پیغام کو ان تک سب سے پہلے پہنچانے کی وہ پوری

کوشش کرے تاکہ محمدی سفیروں میں آخری سفیر ہونے کا شرف ہم کو حاصل ہو۔ والسلام

حضرت شاہ صاحب کی اس وصیت کو ان کے تمام حلقہ بگوشوں تک پہونچاتے ہوئے یہ عاجز بھی اپنے عزیزوں اور دوستوں سے خاص طور پر درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سعادت کے حاصل کرنے کی پرجوش تمنا اور حریصانہ نیت رکھیں اور یہ حقیر سراپا تقصیر بھی الحمدللہ انتہائی درجہ میں اس کا آرزومند ہے۔ دیکھئے یہ دولت کس قسمت والے کے ہاتھ آتی ہے واللہ یختص برحمتہ من یشاء

حضرت شاہ صاحب کی اس آخری وصیت ہی پر اس سلسلہ کو بھی ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت کی وفات اور باقیات صالحات کا ذکر مولنا گیلانی کے مقالہ میں آچکا ہے۔ والحمدللہ اولاً و آخراً

محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ

ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

اُمتِ مسلمہ سے روحِ ولی اللّٰہی کا خطاب

(از جناب سید محمد عبد الرب صاحب صوفی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ)

یہ دیکھ کیوں ہیں تعیش کے میکدے آباد
نہ پوچھ مسجد غرناطہ کیوں ہوئی برباد

یہ دیکھ کس نے بھرا روپ آج غیروں کا
نہ پوچھ ذوق میں اسلامیوں کے کیا ہی فساد

یہ دیکھ رسم و رہِ خسروانِ دیں کیا تھی
نہ پوچھ ٹوٹ گئی کیوں خلافتِ بغداد

یہ دیکھ سخت ہی کس درجہ بندِ لادینی
نہ پوچھ ہای مسلمان ہونگے کب آزاد!

یہ دیکھ کس نے محمدؐ سے بے وفائی کی
نہ پوچھ قوم مسلماں ہی آج کیوں ناشاد

یہ دیکھ خوار سے مسلم ہی خوار تر کہ نہیں
نہ پوچھ تیز ہی کیوں لہجہ لَبِالْمِرصَاد

یہ دیکھ کون ہی مصداق حرف یَلْبِسَکُمْ
نہ پوچھ قہر خدا نے کسے کیا برباد

جو مٹ رہے ہیں ہیں اُنکی خوابگاہیں دیکھ
نہ پوچھ حشر طلسمات جنتِ شداد

نہ دل میں شوق اطاعت نہ ذوق ایمانی
ترے ہوس کی عمارت ہی سخت بے بنیاد

کدھر چلا ہے کدھر راہ ہی کہاں منزل
یہ تیرا وقت! یہ مشکل! یہ سعی لاحاصل!

تری حقیقت ہستی ہی دانۂ اسپند
اگر ہو ضبط خلیلی تو شعلہ دے نہ گزند

ہمالیہ سے گزر جائے حد رفعت میں
وہ ذرہ جس کے تب و تاب میں ہو عزم بلند

کمال جادۂ لا تزکنوا کی منزل ہی
سوال کر نہیں سکتا فقیر غیرت مند

زمیں سے اپنی اُبھر کر بلند ہو جانا
بس اتنی بات کو کہتے ہیں رفعت الوند

حسینؓ بن کے ہزاروں حسین پیدا کر!
اگر یزید کی بیعت تجھے نہیں ہی پسند

منی میں آج بھی لگتی ہی چوٹ سی دل پر
کہ یاد آتے ہیں کس طرح وہ اب دو فرزند

یہ بات ہوتی ہی پختہ یقین سے پیدا
کہ ناز دیکھ کے دل ہو نیاز کا پابند

تو انگری پہ صوابِ عمل نہیں موقوف — خدا سے روٹھ کے تقدیر کا گلہ تاچند
عجیب چیز ہے افلاس مردِ مومن کا — یہ ہو تو سہل ہے فقرِ رسولؐ سے پیوند

گلہ زمانہ کا اے جانِ پاک زہر ہے زہر
سمجھ تو فلسفۂ نہی لاتسبّوا الدھر

ہوائے صحنِ چمن لاکھ ہو نشاط انگیز — نہیں وہ ضبطِ مسلماں جو توڑ دے پرہیز
ہوئی جو بارشِ مے جام اُلٹ دیا میں نے — مرا پیالہ کبھی ہو نہیں سکا لب ریز
متاعِ لذتِ آہ سحر گہی مت کھو — بہت کم ارز ہے اقلیمِ خسرو و پرویز
تجھے یہ سیرِ گل و غنچہ سازگار نہیں — اگر ہے ذوق دکھا سوزِ رومی و تبریز
اگر پسند نہیں تجھ کو گردشِ ایام — تو کیوں نہ اُٹھ کہ ہویدا ہو کوئی رستاخیز
عجیب عقدہ کیا وا حکیمِ مشرق نے — "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز"
کسی سے پوچھ طریقِ صلاحِ کار مگر — عیارِ شرع نہیں کار نادر و چنگیز
نہ شہسوار نہ منزل سے آشنا ہے تو — عبث ہیں تیرے لیے تازیانہ و مہمیز
تمام قوتِ خیبر شکن ہے چنگیزی — نہ ہو ملاکتِ حرب جو مصلحت آمیز

مزاج چاہیئے تیرا کہ خانقاہی ہو!
جو دل مقامِ الٰہی بدن سپاہی ہو!

تجھے قرار نہیں ہے ابھی کسی پہلو — خود اپنے دل پہ ابھی تک تجھے نہیں قابو
تری نگاہ کا دامن ابھی ہے آلودہ — بھٹک رہی ہے ابھی تک تری نظر ہر سو
بھری ہیں سر میں ہوائیں ہوا پرستی کی — شرابِ عشق سے خالی ہے نہ کیوں یہ کدو
نظامِ ملتِ بیضا ابھی درست نہیں — کہ ہے زباں پہ ابھی تک فسانۂ من و تو
عدو نے مل کے گلے خوب کاٹے ہیں — زبانِ تیغ سے اب تک ٹپک رہا ہے لہو
اثر کہاں سے ہو پیدا تری خطابت میں — کہ آرہی ہے تری نطق سے نفاق کی بو
ذرا ٹٹول تو پہلو میں قلبِ مومن کو — کہے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوْ
عمل بہت ہے مگر کیوں کوئی نتیجہ نہیں — عبث ہے سوزنِ بے رشتہ سے امیدِ رفو
اثر کہاں سے ہو اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی کا — ابھی تو آبِ نجس سے کیا ہے تو نے وضو

بغیر پیروی حق اُبھر نہیں سکتا

بدن میں روح یقیں ہو تو مر نہیں سکتا

نظر اُٹھا تو یہی اوا سیر نعمت وجاہ
فقیر مست کی پیروں تلے ہے تاج و کلاہ

"گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی ہیں"
فرازِ چرخ کنم حکم بر ستارہ و ماہ

نہ خانقاہ وہ میری نہ مدرسہ کہ جہاں
"نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ"

یہ وہ دیار ہے جس کی فضا میں بستی ہے
وہ زندہ قوم کہ جسکے لیئے ہے موت گناہ

سنو ممات کے بندو کہ معتبر ہے فقط
حیات ان کی جو مرتے ہیں فی سبیل اللہ

تُجَاهِدُونَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ
یہی ہے عشق یہی معرفت یہی ہے نگاہ

یہ معرفت ہے نہ اسٹیج پر نہ کالج میں
مری بیاں یہ زمانہ کی چپقلش ہے گواہ

وہ خانقاہ ہے میری کہ جسکی راتوں میں
بلند غلغلہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ

وہ مدرسہ ہے مرا جس کی درسگاہوں میں
معلم و متعلم ہیں سب "ولی اللہ"

مرا مزاج لڑکپن سے خانقاہی ہے

مرا ضمیر سپاہی دماغ شاہی ہے

نہ کج کلاہ ہے صوفی نہ صاحب اکلیل
گلیم و خرقہ نہ تن پر نہ دوش پر زنبیل

غنی ہوں صورتِ عثمانؓ فقیر مثل علیؓ
نہیں متاع کو میری غم کثیر و قلیل

مری نظر میں یم قلزم و زمیں سویز؟
وہ رشک دشت و بیاباں یہ شاخ دجلہ و نیل

تمام سادہ و رنگیں ہے زندگی میری
نہ ہے طریقہ عبد العزیزؒ و اسماعیلؒ

کہیں بلند تو ہو سید احمدی پرچم
کہ قافلہ ہے مرا گوش بر صدائے رحیل

ادب سے "یا ابتِ افعل" کہے گلو میرا
کہیں سنائے تو "ما ذا تری" زبان خلیل

اُٹھے جو مدرسہ و خانقاہ کا لشکر
بہم ہو قوتِ جبریل و صور اسرافیل

بہت قریب ہے نصرت اگر ہو عزم غزا
کہ فتح بدر ہے فِئَةٍ قَلِيلَةٍ کی دلیل

ہمیشہ تیغ پہ کچھ منحصر نہیں ہے جہاد
دلوں میں ہو تو یہی پختہ جذبہ تعمیل

یہی ہے مختصراً حکمت ولی اللہ

جھے تو مدرسہ و خانقہ اُٹھے تو سپاہ

"تواریخ جانفزا"

"ہدیۂ محقر از محمد حسن بدر سنبھلی فاضل دیوبند" ۱۳۵۹ ہجری

۱۹۴۰ عیسوی

"تحفۂ الفرقان ولی اللہ نمبر" ۱۳۵۹ ہجری

گنج جواہر بیّنات من الہدیٰ والفرقان ۱۳۵۹ ہجری

"الفرقان بریلی کا گلشن عرفان ولی اللہ نمبر" ۱۹۴۰ عیسوی

"الفرقان کا جلیل المراتب شاہ ولی اللہ نمبر" ۱۹۴۰ عیسوی

"کاشف اسرار و بیّنات من الہدیٰ والفرقان" ۱۹۴۰ عیسوی

شاہِ اقلیمِ علومِ دیں ولی اللہؒ کو — حق نے بخشی تھی عجب فکرِ رسا طبعِ سلیم

آپ وہ مردِ مجاہد فی سبیل اللہ تھے — جس کی ہیبت سے مزاجِ کفر رہتا تھا سقیم

شرک و فسق و بدعت و الحاد نے کھائی شکست — سیفِ مسلولِ ولی اللہؒ سے ہو کر دو نیم

آپ کی شمعِ ہدایت کی بدولت ہند میں — پائی سب گم کردہ راہوں نے صراطِ مستقیم

آپ ہی کے عہد میں اُس دین نے پایا فروغ — آپ سے پہلے ہوا تھا جو یہاں آ کر مقیم

بہرہ اندوزِ سعادت ہند ہی تنہا نہ تھا — تھا عرب میں اور عجم میں آپکا فیضِ عمیم

خیر و برکت کا سبب ہے ذکرِ اقدس آپکا — ہاں مگر درکار ہے اس ذکر کو قلبِ صمیم

ہم کو "الفرقان" کا ممنون ہونا چاہیے — جس کے ہیں اوراق ذکرِ پاک سے باغِ نعیم

عطر آگیں ہے "ولی اللہ نمبر" کس قدر — روح افزا ہے دماغوں کیلئے اسکی شمیم

اہل ایماں میں یہ نمبر اس طرح شایع ہوا — باغِ عرفانِ الٰہی میں چلی گویا نسیم

ہے "ولی اللہ نمبر" بدرؔ "الفرقان" کا

سالِ تاریخِ طباعت کیوں نہ ہو "ذکرِ عظیم"

۱۹۴۰

(اس سے پہلی تمام فہرستیں منسوخ سمجھی جائیں)

مختصر فہرست ”مکتبہ الفرقان“ بریلی

اس مکتبہ کی واحد غرض اور اس کا مقصد وحید ”الفرقان“ کا قیام و بقا ہے

ہمارے احباب میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں ذوق صحیح کی کمی اور عام دینی کساد بازاری کی وجہ سے رسالہ ”الفرقان“ کے خریداروں کی تعداد کسی وقت بھی اتنی نہیں ہو سکی کہ وہ اپنے تمام مصارف خود برداشت کر سکتا۔ ڈھائی تین سال کے تلخ تجربہ کے بعد بعض تجربہ کار بزرگوں کے مشورہ سے الفرقان کے خسارہ کو پورا کرنے ہی کے لئے ۱۳۵۵ھ میں ”الفرقان“ کا تجارتی کتب خانہ قائم کیا گیا تھا، اور یہ واقعہ ہے کہ ”الفرقان“ کو اس سے کافی سہارا ملا اور اگر یہ ”مکتبہ“ نہ ہوتا تو ہم کسی طرح بھی ”الفرقان“ کو زندہ نہیں رکھ سکتے تھے — خاصکر اس وقت تو جبکہ جنگ یورپ کی وجہ سے کاغذ وغیرہ بیحد گراں ہے ”الفرقان“ کی حیات و بقا کا بڑا سہارا مکتبہ ہی کا کاروبار ہے۔

لہٰذا جو حضرات اپنی کتابی ضرورتوں کے وقت ”مکتبہ الفرقان“ کو یاد فرماتے اور اُس سے کتابیں طلب فرماتے ہیں وہ سب درحقیقت ادارہ ”الفرقان“ کے معاون ہیں اور ہمارے شکریہ کے مستحق۔

ہم اپنے تمام ناظرین سے اُمیدوار ہیں کہ جب کبھی اُن کو کسی مذہبی، علمی، ادبی، درسی یا غیر درسی کتاب کی ضرورت ہوگی تو ضرور وہ اپنے اس مکتبہ کو یاد فرمائیں گے۔ اس مختصر فہرست میں جو کتابیں ہیں وہ عموماً مکتبہ میں موجود ہی رہتی ہیں ان کے علاوہ بھی عام ضرورت کی مفید دینی و علمی کتابوں کا اب بحمد اللہ کافی اسٹاک آپ کے مکتبہ میں ہے۔
اور جو کتابیں موجود نہیں رہتیں وہ بھی فرمایش آنے پر مہیا کر کے بھیجی جاتی ہیں کاغذ و طباعت وغیرہ کی عمدگی اور قیمتوں کی ارزانی کا تا بحد امکان لحاظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔

ضروری قواعد ”مکتبہ الفرقان“ بریلی

(۱) پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ کی فرمایش کے ساتھ کم از کم ایک روپیہ پیشگی آنا چاہیے۔

(۲) جن مجلد کتابوں کا اس فہرست میں اشتہار ہے ان کی جلدیں دہلی وغیرہ کی تیار شدہ ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی اور کتاب مجلد منگوائی جائے گی تو بریلی میں ہی تیار کرا کے بھیجی جائے گی لیکن یہاں کی جلدیں دہلی یا کلکتہ جیسی خوشنما نہیں ہوتیں البتہ مضبوط اور پائدار اُن سے زیادہ ہوتی ہیں۔

(۳) اگر فرمایش کی کوئی کتاب بروقت موجود نہ ہو گی تو حتی الوسع باہر سے منگوا کر آپ کی فرمایش پوری روانہ کی جائیگی بصورت مجبوری ہم معذور ہوں گے۔

(۴) اگر پارسل میں کوئی کتاب ناقص پہنچ جائے یا مطلوبہ کتاب کے بجائے غلطی سے کوئی دوسری کتاب چلی جائے تو پندرہ دن کے اندر اطلاع آنے پر اس کی تلافی کر دی جائیگی۔

(۵) محصول ڈاک اور صرفہ پیکنگ ہر حال میں بذمہ خریدار ہوگا الا بصورت استثنا۔

(۶) فرمایش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھیے اور اگر کتابیں ریلوے سے منگوانی ہوں تو جس ریلوے اسٹیشن کا نام بھی صاف اور خوشخط لکھیے جس سے پارسل وصول کرنے میں آپ کو سہولت ہو۔

(۷) جس قدر زیادہ کتابیں آپ منگوائیں گے اسی قدر محصول وغیرہ کی آپ کو کفایت ہوگی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
ناظم مکتبہ ”الفرقان“ بریلی یوپی

کیا آپ کو قرآن پاک کی ضرورت ہے؟

اگر آپ معریٰ یا مترجم قرآن مجید منگوانا چاہیں تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ ہم کو اُس کے اوصاف لکھ بھیجئے اور انتخاب ہم پر چھوڑ دیجئے ہم کوشش کرینگے کہ آپ کی فرمائش کی مطابق بہتر سے بہتر اور ارزاں سے ارزاں ہدیہ کا قرآن پاک بھیجیں آپ اس معاملہ میں ہمارے انتخاب اور ہماری تجویز پر اعتماد کیجئے چند قرآن پاک جنکو ہم اپنی دانست میں ہر حیثیت سے اچھا سمجھتے ہیں صرف اجمالاً یہاں اُن کا ذکر کیا جاتا ہے انمیں سے آپ جس کو پسند کریں تحریر فرمائیں فوراً بھیجا جائیگا۔

پچپن (۵۵) خوبیوں والا بے مثل معجز نما قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ مع تفسیر اُردو

اس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ کا ہے اور دوسرا حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کا حاشیہ پر کامل تفسیر ہے جس کو تمام تفاسیر در منثور، ابن کثیر، خازن، معالم، تفسیر کبیر، ابو السعود وغیرہ سے لیا گیا ہے شروع میں ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں تمام مشہور پیغمبروں کی سوانح حیات ہے خاص خاص مجرب عملیات بھی اس میں درج کیے گئے ہیں روشن قلم اور صحت میں لاثانی ہے۔ قیمت مجلد سنہری آٹھ روپیہ (عہ) رعایتی صرف چھ روپیہ (عہ)

معجز نما حمائل شریف مترجم حقانی

زیر متن ترجمہ حضرت حکیم الامت مدظلہ اور حاشیہ پر اُردو کی تفسیر ہے شروع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانح حیات کاغذ سفید چکنا ہدیہ غیر مجلد تین روپیہ رعایتی صرف دو روپیہ چار آنہ (عہ) مجلد چرمی مثل کلکتہ پونے چار روپیہ (عہ) رعایتی صرف (عہ) و ہدیہ کاغذ رف غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ (عہ) رعایتی صرف (عہ) ورف مجلد پشتہ چرمی دو روپیہ (عہ) رعایتی صرف (عہ) ڈیڑھ روپیہ۔

معجز نما متوسط قرآن شریف بدو ترجمہ حقانی

تراجم اور تفسیری مضامین اس قرآن مجید کے وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے صرف فرق یہ ہے کہ اوپر والے قرآن مجید کا قلم بہت جلی ہے اور اس کا متوسط درجہ کا ہدیہ کاغذ سفید چکنا مجلد سنہری چھ روپیہ (عہ) رعایتی صرف ساڑھے چار روپیہ (للعہ) کاغذ رف مجلد پشتہ چرمی ساڑھے تین روپیہ (عہ) رعایتی دو روپیہ دس آنے (عہ)

نورانی قرآن مجید معریٰ

کم داموں کا اس سے خوشخط اور اچھا قرآن مجید معریٰ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ کاغذ سفید چکنا۔ جواب کم یاب ہو چکا ہے ہدیہ غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ، رعایتی صرف ایک روپیہ دو آنہ۔ (عہ)

قرآن مجید ہفت مہری معریٰ

یہ بچوں کے پڑھنے کے لئے بہترین قرآن مجید ہے ہر کلمہ الگ الگ اعراب واضح، طباعت صاف، صحت قابل اطمینان رعایتی ہدیہ مجلد چرمی کاغذ چکنا سوا دو روپیہ (عہ) و مجلد پارچہ پونے دو روپیہ (عہ) کاغذ رف مجلد پارچہ صرف سوا روپیہ (عہ)

غریبوں کا ہدایت نما قرآن مجید بدو ترجمہ جدید الطبع

تراجم اور تفسیری مضامین کے لحاظ سے یہ بھی معجز نما کے مثل ہے شروع میں ویسا ہی مقدمہ ہے صرف تقطیع کا فرق ہے یہ خاص طور پر غربا کا لحاظ کر کے تیار کیا گیا ہے ہدیہ کاغذ سفید چکنا یا فیروزی حاشیہ شدہ مجلد چرمی کلکتہ چار روپیہ (للعہ) رعایتی صرف سوا تین روپے (عہ) ہدیہ کاغذ رف مجلد پشتہ چرمی ڈھائی روپیہ (عہ) رعایتی دو روپیہ دو آنے (عہ) مجلد رف پارچہ دو روپے (عہ) رعایتی ایک روپیہ دس آنے (عہ)

مناجات مقبول حقانی مکمل

حضرت مولانا تھانوی کی یہ متبرک تالیف ہے جس میں حضرت نے حدیث و قرآن میں وارد شدہ تمام دعاؤں کو جمع فرما دیا ہے پھر نثر و نظم میں ان دعاؤں کا ترجمہ بھی ہے مع حزب البحر و اسمار بدرین وغیرہ ہدیہ کارڈ سائز مجلد دس آنے (۱۰/) وہدیہ ڈبل سائز غیر مجلد بارہ آنے (۱۲/) رعایتی قیمت صرف ۱۰/

اعمال قرآنی ہر سہ حصہ

حضرت تھانوی مدظلہ کی مشہور معروف کتاب ہے جسمیں حضرت نے اپنے اور اپنے مشائخ کی مجرب عملیات جمع فرمائے ہیں قیمت ۵/ رعایتی چار آنے (عہ)

اگر کوئی کتاب ناقص یا آرڈر کے خلاف چلی جائیگی تو نو دن تک اطلاع آنے پر اسکی تلافی کی جائیگی بعد میں ذمہ داری نہیں۔ آرڈر کے ساتھ اپنا مکمل پتہ اور قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام بھی صاف اور خوشخط لکھیئے۔ ناظم مکتبۃ الفرقان بریلی

تجوید اور قرأت کی درسی کتابیں اور عام رسائل مکتبۃ الفرقان میں ہمیشہ رہتے ہیں اور رعایتی قیمتوں سے بھیجے جاتے ہیں

تفسیر بیان القرآن مکمل جدید بارہ جلد

(از حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ)

حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد یہ تفسیر دوبارہ شایع ہوئی ہے، اپنی شہرت اور بے نظیر مقبولیت کی وجہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں پھر حضرت حکیم الامت کا نام نامی بجائے خود کافی ضمانت ہے اس اڈیشن میں حضرت مدظلہ کی بیش قیمت و جلیل القدر کتاب "مسائل السلوک من کلام الملوک" جو علحدہ بہت کو ملتی ہے مکمل اس تفسیر کے حاشیہ پر چڑھادی گئی ہے نیز حضرت کی دوسری کتاب جو ملحقاتی بھی چڑھائی گئی ہے پہلے جبکہ یہ اتنی مکمل بھی نہ تھی اور نہ کوئی اور کتاب اس کے حاشیہ پر تھی اسکی قیمت بیس عہ روپیہ تھی اس مکمل اڈیشن کی قیمت ہے اور ہمارے یہاں سے اسوقت آپ ساڑھے چودہ (للعہ) روپیہ میں منگوا سکتے ہیں۔

تفسیر حقانی اردو جدید اڈیشن

یہ تفسیر پچاس سال سے مقبولیت حاصل کرچکی ہے، اب چھٹی دفعہ چھپ کر تیار ہوئی ہے اس کی کل آٹھ جلدیں ہیں اس جدید اڈیشن میں ہر جلد کے ساتھ مضامین تفسیر کی نہایت مفصل فہرست مرتب کر کے بھی لگادی گئی ہے جس کی وجہ سے مطالب و مضامین قرآن کے نکالنے میں اب بڑی سہولت ہو گئی۔ پہلے یہ تفسیر پچیس روپیہ سے کم میں کسی حالت میں نہیں ملتی تھی لیکن غرباء کے لحاظ سے اس جدید اڈیشن کی قیمت صرف بارہ روپیہ رکھی گئی ہے۔ عہ

البیان فی علوم القرآن

مولف تفسیر حقانی کی معرکۃ الآراء کتاب جسمیں اسلام اور قرآن سے متعلق تمام اہم مباحث پر محققانہ بحث کی گئی ہے کاغذ کتابت، طباعت نہایت اعلی ساڑھے چھ سو صفحات قیمت للعہ رعایتی للعہ (اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے جس کی قیمت دس روپیہ ہے)

قرآن شریف

با ترجمہ

حضرت شیخ الہندؒ

یہ قرآن شریف جس کو "مدینہ پریس" بجنور نے شایع کیا ہے جس کا ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہوا ہے، اور جس کے تفسیری فوائد عمدۃ المفسرین علامہ دوراں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے لکھے ہیں اتنی مقبولیت اور شہرت حاصل کرچکا ہے کہ اب کسی اور تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے تین اڈیشن اس وقت ہیں۔

(۱) قرآن پاک قسم اعلی قیمت مجلد سنہری دس روپیہ رعایتی نو روپے صرف (للعہ)

(۲) قسم دوم ارزاں اڈیشن مجلد چرمی قیمت چھ روپیہ رعایتی ساڑھے پانچ روپیہ (صہ)

(۳) حمائل شریف مجلد قسم اعلے قیمت ساڑھے پانچ روپیہ رعایتی پانچ روپیہ (صہ)

پانچ ترجموں والا قرآن مجید

مع تفسیر احسن التفاسیر کامل

یہ قرآن مجید تعارف سے بے نیاز ہے زیر متن پانچ ترجمے ہیں پہلا شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ دوسرا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا۔ تیسرا شاہ رفیع الدین صاحب کا۔ چوتھا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ پانچواں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کا۔ حاشیہ پر احسن التفاسیر چھپی ہوئی ہے جو اردو زبان میں بہترین تفسیر ہے اور جو کبھی تنہا بیس روپیہ میں ملتی تھی۔ یہ قرآن مجید جو معنوی جامعیت کے لحاظ سے اس وقت سب سے بہتر قرآن پاک ہے، اب قریب الختم ہے۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خریدنا ہو تو اس وقت لے لیجیے مجلد صرف گیارہ روپیہ میں جلد نہایت اعلے قسم کی کلکتہ والی سنہری ہے۔

تصوّف اور قرآن

تصوف کے متعلق عرصہ دراز سے افراط و تفریط جاری ہے متصوفین کا ایک گمراہ گروہ سمجھتا ہے کہ تصوف شریعت سے بالکل الگ کوئی چیز ہے اور ایک دوسری جماعت خالص ارباب ظاہر کی ہے جو نفس تصوف ہی کی مخالف ہے اور اس کے نزدیک تصوف ایک بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ حضرت حکیم الامت مدظلہ نے اس کتاب "مسائل السلوک" میں تصوف کی تمام اصول و فروع کو کتاب اللہ سے اخذ کر کے ثابت کیا ہے کہ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے اور دونوں میں تفریق کرنا بیدینی یا جہالت ہو قیمت ہے رعایتی عہ

ملنے کا پتہ :- مکتبۃ الفرقان بریلی - یو-پی

تاریخ وسیرت کی چند قابل دید کتابیں

رحمۃ للعالمین

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے بیان اور اسلام و قرآن کے خصائص کی توضیح وتشریح میں قاضی محمد سلیمان پٹیالوی مرحوم کی بے مثل جذب انگیز اور ایمان افروز تصنیف جو تین ضخیم جلدوں میں ہے قیمت جلد اول دو روپیہ (عہ) جلد دوم کمیاب (للعہ) جلد سوم تین روپیہ۔ کامل کی رعایتی قیمت ساڑھے آٹھ روپیہ (۸۸)

نشر الطیب

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور تالیف ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود نوری سے وفات شریف بلکہ داخل جنت تک کے حوال مستند روایات سے لکھے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) رعایتی ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

سیرت خاتم الانبیاء

از مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی اختصار کے باوجود جامع، معتبر اور مستند سیرت ہے علماء نے اس کو بہت پسند کیا ہے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

رسول کریم

سیرت نبوی کے موضوع پر یہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی بلند اور فاضلانہ تصنیف ہے جو دور حاضر کی ضروریات اور جدید علمی مذاق کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے بہت سے تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۱۲ر رعایتی ۸ر

صاحب قرآن قرآن میں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت جو صرف قرآن کی روشنی میں لکھی گئی ہے اصلی نام "سیرت الحبیب الشفیع" ہے تالیف مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قیمت چار آنہ رعایتی ۰۳ر

پہلی تقریر سیرت

از مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند سیرت نبوی کی روشنی میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ جس سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی حیات انسانی کے تمام شعبوں میں آج بھی رہبر کامل کا کام دے رہی ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی ۱۴ر

دوسری تقریر سیرت

یہ مولانا ممدوح کی دوسری تقریر ہے جو پہلی سے بھی زیادہ جامع اور دلچسپ ہے قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ) رعایتی ایک روپیہ ایک آنہ (عہ)

پاک زندگی

یہ بھی مولانا ممدوح ہی کی تصنیف ہے جس میں حضرت ابراہیم اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگیوں کو خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے قیمت چار آنہ (۴ر) رعایتی (۰۳ر)

سلمان فارسی کا اسلام

مختصر قابل دید رسالہ ہے قیمت (۲ر) رعایتی ڈیڑھ آنہ (۰۱ر)

حیات خضر:۔ حضرت خضر علیہ السلام کی معتبر سوانح عمری قیمت ۵ر رعایتی ۴ر

مولوی معنوی:۔ مولانا رومی کی سوانح حیات قیمت ۵ر رعایتی ۴ر

سوانح مجدد الف ثانی:۔ از علامہ احسان اللہ عباسی مرحوم قیمت دو روپے (عہ) رعایتی پونے دو روپیہ (عہ)

النبی الخاتم:۔ سیرت نبوی کے موضوع پر حضرت مولانا گیلانی کی وجد آور تصنیف مفصل اشتہار ٹائٹل پر ملاحظہ فرمائیے قیمت مجلد خوشنما ایک روپیہ (عہ) رعایتی ۰۱۴ر

تاریخ الاسلام

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپکی عزیز اولاد دیانت صدق اور قوت عمل وغیرہ وغیرہ جملہ اخلاق حسنہ میں تعلیمات اسلام کے سچے پیرو ہوں تو آپ ضرور بالضرور تاریخ اسلام کے یہ حصے ان کو پڑھائیے پہلے حصہ میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی بیان کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں مدنی زندگی اور تتمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اخلاق فاضلہ، روزانہ کے پروگرام، معاشرتی اور اقتصادی مجالس مقدسہ کے آداب وغیرہ وغیرہ نہایت سلیس زبان میں بڑی احتیاط کے ساتھ مستند طور پر سوال و جواب کی شکل میں ترتیب دیئے گئے ہیں قیمت حصہ اول ۸ر رعایتی ۶ر حصہ دوم بارہ آنہ (۱۲ر) رعایتی ۱۰ر حصہ سوم ۸ر رعایتی ۶ر

پیغمبر اسلام

تاریخ اسلام سے پہلے بچوں کو یہ رسالہ پڑھانا چاہیئے خاص اسی واسطے لکھا گیا ہے قیمت تین آنے رعایتی ڈھائی آنہ (۰۲ر)

رسول مقبول

بچوں کے خاص ذوق اور ان کی دلچسپی وحد برداشت کا پورا لحاظ رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس قابل ہے کہ ہر مدرسہ میں داخل نصاب کی جائے جابجا مولانا حالی اور حفیظ جالندھری جیسے بلند پایہ شعرا کا منظوم کلام بھی اس میں درج کرکے ذکر نبوی کی حلاوت اور دلچسپی کو بڑھا دیا گیا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں اس کتاب کو شوق سے پڑھتے ہیں۔ قیمت آٹھ آنے رعایتی چھ آنے (۶ر)

سیرت خلفاء راشدین

حضرات خلفاء اربعہ کے مناقب وفضائل ان کے سوانح حیات اور ان کی خلافت کی حقانیت کے ثبوت میں مولانا عبد الشکور صاحب کی بے مثل تالیف قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

بیان الامراء

علامہ سیوطی کی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء کا اردو ترجمہ قیمت دو روپیہ (عہ) رعایتی عہ

فردوس آسیہ

صحابہ کرام اور اہل بیت کے فضائل خلفاء راشدین ازواج مطہرات، اور حضرت فاطمہ زہرا۔ وحضرات حسنین کے سوانح حیات ومناقب پر واعظانہ رنگ میں اچھی کتاب ہے۔ جابجا اشعار کی چاشنی بھی ہے قیمت عہ رعایتی ایک روپیہ دو آنہ (عہ)

نیک بیبیاں

اس میں حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر اور سبق آموز حالات لکھے گئے ہیں کوئی مسلمان بچی اس کے مطالعہ سے خالی نہ رہنی چاہیئے قیمت پانچ آنے (۵ر) رعایتی چار آنے ۴ر

امت محمدیہ کا پہلا مجذوب

یعنی حضرت ابوذر غفاری کی قابل دید سیرت از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ کتاب کیا ہے اللہ و رسول کے اس سرگشتہ عاشق کی جیتی جاگتی تصویر ہے، ناپسندیدگی کی صورت میں بعد مطالعہ واپسی کی شرط ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی بارہ آنے (۱۲ر)

اشرف السوانح کامل

تین جلدوں میں حضرت تھانوی کی سوانح حیات قیمت سات روپیہ (عہ) رعایتی ساڑھے پانچ روپیہ (عہ)

تاریخ جہاد اسلامی!

اگر آپ چاہتے ہیں کہ عہد نبوی اور دور خلافت راشدہ کے غزوات وفتوحات کا مطالعہ کریں اور ایثار وقربانی کا سچا ایمانی جوہر آپ میں پیدا ہو تو کتب ذیل ملاحظہ فرمایئے، یہ دراصل تاریخ واقدی کے جدید تراجم ہیں جو زمانہ حال کی اردو زبان میں تیار کرائے گئے ہیں۔

فتوح العرب

اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے تمام غزوات، بدر، احد، خیبر، حنین، فتح مکہ، غزوہ تبوک وغیرہ غرض عہد نبوی کی تمام چھوٹی بڑی جنگوں کے مفصل حالات ہیں ۵۰۳ صفحات قیمت ؎ رعایتی ؎

فتوح الشام

ملک شام دمشق، بصرہ، فلسطین، اجنادین حمص، بیت المقدس اور یرموک وغیرہ کی جنگوں کا مفصل حال اور رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی معجزانہ فتوحات کا تماشہ اس کے اوراق میں دیکھیے ۱۲۸ صفحات قیمت ؎ رعایتی صرف دو روپیہ آٹھ آنہ ؎

فتوح المصر

مصر، اسکندریہ اور براعظم افریقہ کے دوسرے علاقوں میں قرن اول کی اسلامی فتوحات اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر اور ان کے رفقاء مجاہدین اسلام کے محیر العقول کارناموں کی تفصیلات قیمت (عہ) رعایتی تیرہ آنے ۱۳/

فتوح العجم

ایران کی فتح اور قادسیہ، مدائن، بابل وغیرہ کی جنگوں کا مفصل حال اور بہادران اسلام کے محیر العقول کارنامے اس کے صفحات میں ملاحظہ فرماکر اسلام کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کیجیے، قیمت ایک روپیہ چار آنہ ؎ رعایتی عہ

سیرۃ سید احمد شہید

(تہذیب تنقیح شدہ ہے)

تالیف مولٰنا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی استاد تفسیر ندوۃ العلما لکھنؤ

یہ امیر المومنین امام المجاہدین سیدنا حضرت سید احمد رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل تذکرہ اور آپ کی تحریک جہاد فی سبیل اللہ اور سعی تجدید و اصلاح کی عبرت انگیز اور سبق آموز تاریخ ہے پھر یہ کتاب صرف "تذکرہ" اور سوانح حیات ہی نہیں ہے بلکہ آج کل کے مردہ دل اور مایوس مسلمانوں کیلئے اس میں سامان زندگی و دارو ے حیات اور منزل کے بھٹکے ہاروں و یاس قنوط کے ماروں کیلئے پیغام بہاری اور راہ عمل بھی ہے، ضرورت ہے کہ عہد حاضر کا کوئی تعلیم یافتہ مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے ضخامت قریباً ۵۰۰ صفحات طباعت کتابت کاغذ نہایت عمدہ مجلد خوشنما قیمت ؎

الجہاد فی الاسلام

(تالیف مولٰنا سید ابوالاعلےٰ مودودی)

اسلام کے جن مسائل کے خلاف یورپ نے بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا ہے ان میں مسئلہ جہاد سب سے اہم ہے اور اہل علم و ارباب تحقیق کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسئلہ جہاد کی تحقیق میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی مکمل اور محققانہ کتاب کسی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی، صرف مطالعہ ہی سے آپ اس کتاب کی قدر و منزلت پہچان سکیں گے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں آپ کو مرعوبانہ ذہنیت کی کہیں جھلک بھی نظر نہیں آئے گی اور نہ اسلامی مسئلہ کی یورپ پسند تاویلیں، بلکہ ہر بحث محققانہ و عادلانہ اور ساتھ ہی تسلی بخش ملے گی، کاغذ، کتابت، طباعت نہایت اعلےٰ ہے قیمت چار روپیہ رعایتی (؎) مجلد نہایت خوشنما قیمت پانچ روپیہ (صہ) رعایتی چار روپیہ آٹھ آنہ (؎)

اشاعت اسلام مکمل مدلل

تالیف حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند

یہ کتاب تعارف سے بے نیاز ہے اس میں بتلایا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟ جس نے فاران کی چوٹی سے طلوع ہو کر اقصائے عالم پر کس طرح اپنا پرچم لہرایا، غرض عہد نبوی اور دور صحابہ کرام میں دین الٰہی کی تبلیغ و اشاعت کی مفصل اور مستند تاریخ ہے، اسکے مطالعہ کے بعد کسی معاند کیلئے بھی یہ کہنا مشکل ہوگا کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا"۔ یہ اس جلیل القدر کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے اس کے حاشیہ میں وہ آیات و احادیث اور کتب تاریخ و سیر کی وہ اصل عبارات بھی درج کر دی گئی ہیں جن کا اصل کتاب میں پہلے صرف حوالہ تھا۔ قیمت کاغذ سفید چکنا (ے) رعایتی ؎ ایضاً کاغذ سفید رف ؎ رعایتی صرف ؎

جہاد فی سبیل اللہ

جملہ احادیث متعلقہ جہاد کا اردو ترجمہ قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۰/

سیف اللہ الجبار

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح عمری قیمت ۴/ رعایتی ۳/

حکایات صحابہ

(تالیف حضرت مولٰنا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث)

اس میں دیباچہ اور خاتمہ کے علاوہ بارہ باب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں:-

(۱) صحابہ کرام اور دین کی خاطر بے پناہ سختیوں کی برداشت (۲) صحابہ کرام اور خوف خدا (۳) صحابہ کی فقیرانہ زندگی (۴) تقویٰ اور پرہیزگاری (۵) صحابہ کا عشق نماز (۶) باہمی ہمدردی و غمخواری (۷) شجاعت اور شوق شہادت (۸) علمی مشاغل اور علمی انہماک (۹) اطاعت نبوی (۱۰) صحابیات کے جذبات (۱۱) صحابی بچوں کا دینی ولولہ (۱۲) محبت نبوی کا نشہ۔ ان عنوانات کے ماتحت نہایت سبق آموز واقعات حدیث وسیر کی معتبر کتابوں سے منتخب کر کے درج کیے گئے ہیں، آج کل کے مسلمانوں، مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت بارہ آنے رعایتی نو آنے (۹/)

متکلم اسلام مولٰنا سید ابوالاعلےٰ مودودی کی تالیفات

یورپ کی سرزمین سے اُمڈنے والے الحاد و دہریت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے اور ملحدوں دہریوں کو اسلام کے آغوش میں لے آنے کا جیسا سلیقہ حق تعالیٰ نے مولٰنا مودودی کو دیا ہے وہ قدرت کی تقسیم میں صرف انہی کا حصّہ ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تالیفات درحقیقت اُس جدید علم کلام کی کتابیں ہیں جس کی قریباً نصف صدی سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے — علماء دین اور جدید تعلیم یافتہ حضرات دونوں ہی کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ نہ صرف مفید بلکہ حد درجہ ضروری ہے اور ان سے استفادہ نہ کرنا یقیناً بڑی محرومی ہے۔

خطبات

یہ مولٰنا مودودی کے ۲۸ "خطبات" (یا مواعظ) کا مجموعہ ہے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے ان کی زبان بہت سہل اور طرز بیان بڑا دلکش ہے۔ عام مسلمان ان کو پڑھ کر "دین اسلام" کی حقیقت اور فی زماننا اس کے تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور اہل علم ان کے مطالعہ سے دین کو پیش کرنے اور سمجھانے کا موثر اور کامیاب طریقہ معلوم کر سکتے ہیں۔ ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

مسلم اور کافر کا اصلی فرق، مسلمان ہونیکے لیے علم دین کی ضرورت، سوچنے کی باتیں۔ کلمہ طیبہ کے معنی، کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ، کلمہ طیبہ پر ایمان لانیکا مقصد مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کی کسوٹی۔ خدا کی اطاعت کس لیے؟ دین اور شریعت، عبادت، نماز، نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ نماز با جماعت، نمازیں بے اثر کیوں ہوگئیں؟ روزہ، روزہ کا اصل مقصد، زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی حقیقت۔ اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام، انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام۔ زکوٰۃ کے احکام۔ حج۔ حج کی تاریخ، حج کے فائدے، حج کا عالمگیر اجتماع۔ جہاد۔ جہاد کی اہمیت۔

کتابت، طباعت، کاغذ نہایت اعلیٰ ہے کتابی سائز ڈھائی سو صفحات قیمت عہ

پردہ

آج کل ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے اور علم کے بعض جاہل مدعیوں کے جاہلانہ دعووں نے بہت سوں کو اس شک میں ڈال دیا ہے کہ اسلام میں پردہ کا حکم ہے بھی یا نہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولٰنا مودودی کو آپ نے اس مسئلہ پر مبسوط محققانہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک بڑی دینی ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس کا نام تو "پردہ" ہے لیکن درحقیقت اس میں نسائیات سے متعلق پیدا شدہ تمام مسائل اور اسلامی نظام معاشرت کی پوری تشریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی مغربی نظام معاشرت پر قوانین فطرت کے لحاظ سے بھرپور تنقید بھی کی گئی ہے اور بے شک حکیمانہ بحث و تحقیق کا حق ادا کر دیا گیا ہے جو لوگ پردہ اور صنف نازک سے متعلق دوسری اسی قسم کے مسائل کو واقعی سمجھنا چاہیں اور اسلامی مسائل کو کتاب و سنت اور عقل و فطرت کی روشنی میں دیکھنا چاہیں وہ اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں، کتابت، طباعت، کاغذ نہایت اعلیٰ ڈھائی سو صفحات اور قیمت صرف عہ

اسلام کا نظریہ سیاسی

مفصل تعارف فہرست ہذا کے صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیے قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قایم ہوتی ہے؟ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

اسلام میں قربانی۔ قیمت رعایتی

دینیات

اس چھوٹی سی کتاب کے متعلق یہاں بس اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ دین مقدس کی حقیقت سمجھنے اور اس کی سچائی معلوم کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کافی ہے، ذمہ داری کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جو مغرب زدہ نوجوان دین اسلام کی صحیح معرفت نہ ہونے ہی کے باعث مغربی الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ ان کے ایمان کی بھی حفاظت کر سکے گا۔ یہ کتاب حکومت آصفیہ کی سررشتہ تعلیم مذہبی نے ایف۔ اے کے طلبہ کیلئے لکھائی ہے۔ قیمت ۱۰ر مجلد ۱۲ر

تنقیحات

اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم سے جو نئے مسائل اور شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں اُن کے متعلق محترم مولٰنا مودودی کے بیس نہایت بلند پایہ علمی تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے ہر تعلیم یافتہ مسلمان سے ہماری پُرزور سفارش ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرلے اس میں مغربیت کے زہر کا بہترین تریاق مہیا کیا گیا ہے یہی کتابی سائز ہے ۳۰۴ صفحات کاغذ طباعت وغیرہ عمدہ باایں ہمہ قیمت عہ (جو کتاب کے مقابلہ میں فی الحقیقت کچھ بھی نہیں)

(غیر مجلد موجود نہیں ہے)

تفہیمات

معرکۃ الآرا اسلامی مسائل کی تشریح و توضیح مولٰنا کے مضامین کا ایک مجموعہ "تنقیحات" کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، یہ دوسرا مجموعہ ہے جو اُس سے زیادہ اہم ہے اس میں اسلام کے اُن اہم مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جن کے متعلق آجکل عموماً غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، اس کے چند عنوانات یہ ہیں:۔ "عقل کا فیصلہ" "ہدایت و ضلالت کا راز" "اسلام میں عبادت کا تصور" "اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم" "رواداری" "نزول عذاب الٰہی کا قانون" "کیا نجات کیلئے صرف کلمہ توحید کافی ہے" "کیا رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے؟" "حدیث اور قرآن" "رسالت اور اس کے احکام" "حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب" وغیرہ وغیرہ۔ کتابت طباعت کاغذ نہایت اعلیٰ ۳۵۲ صفحات قیمت غیر مجلد عہ جو کتاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش معہ "مسئلہ قومیت"

موجودہ حالات میں مسلمانوں کیلئے صحیح راہ عمل کیا ہے اور اس ملک میں کس طرح ہم اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں ہر صاحب فہم مسلمان کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے مجلد نہایت خوشنما قیمت سوا روپیہ (عہ) قریباً چار سو صفحات

چند قابل دید علمی اور اصلاحی کتابیں

دین و دانش

مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب اسلامی اصول و احکام کے موافق فطرت اور مطابق عقل سلیم ہونے کے ثبوت میں یہ کتاب بالکل بے نظیر ہے جو حضرات اسلام کی حقانیت کو عقل اور فلسفہ جدید کی روشنی میں دیکھنا چاہیں یا جو اصحاب قلم یا زبان سے حمایت اسلام کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں اُن کیلئے اس کتاب کے مطالعہ کا ہم خاص طور پر مشورہ دینگے قیمت مجلد سنہری رعایتی ہے

دین و آئین

ایضاً مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب اس کتاب کو "دین و دانش" ہی کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیے اس میں فاضل مصنف نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت کی برتری اور صحت دُنیا کے تمام دوسرے قوانین اور نظام ہائے زندگی کے مقابلہ میں نہایت روشن دلائل و براہین سے ثابت کی ہے قیمت مجلد سنہری چار روپیہ (للعہ) رعایتی ساڑھے تین روپے (سے)

اخلاق محمدی

تمدن و معاشرت، آداب، اخلاق، غرض زندگی کے جس شعبہ کے متعلق بھی آپ کو قرآن و حدیث کی ہدایات دیکھنی ہوں اور جس مضمون کی آیات و احادیث کی آپکو تلاش ہو ان شاء اللہ اس کتاب (اخلاق محمدی) میں آپ ضرور پا سکیں گے ہر معاملہ میں خدا و رسول کا حکم ڈھونڈھنے والوں نیز واعظوں اور مضمون نگاروں کیلئے خاص تحفہ ہے۔ کل تین حصے ہیں قیمت ہر حصہ ۸/ ہر سہ حصہ رعایتی ایک روپیہ چار آنے (عہ)

جدید اربعین

یہ اربعین حضرت مولانا سید محمد فخر الدین صاحب مراد آبادی کی تالیف کردہ ہے مولانا موصوف نے عہد حاضر کے رجحانات اور احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اسلامی عقائد، اسلامی معاشرت وغیرہ جملہ ضروریات کے متعلق چالیس حدیثیں اور چالیس آیتیں جمع کی ہیں قابل دید تحفہ اور قابل عمل مجموعہ ہے قیمت ۶/ رہ ۵/

تقدیر اور عمل

لوگوں کی حماقت نے مسئلہ تقدیر کو بہت پیچیدہ بنا رکھا ہے اور بہت سے لوگ تو تقدیر کی غلط حقیقت سمجھ کر عمل و تدبیر ہی سے بے پروا ہو رہے ہیں، کچھ وہ ہیں جو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اس کے منکر ہو رہے ہیں۔ "اکسیر فی اثبات التقدیر" میں اس مسئلہ کے متعلق عالمانہ اور صوفیانہ انداز میں بحث کی گئی ہے قیمت ۱۲/ رعایتی ۹/

ثمرات الاوراق

یہ رسالہ تاریخی، اخلاقی، اصلاحی، فقہی عجیب و غریب اور بیحد مفید معلومات کا خزانہ ہے اور اسلاف اسلام کے قابل یادداشت اور عبرت آموز حالات و مقالات کا مرقع ہے اس کے چار حصے ہیں
قیمت ہر حصہ چار آنے (۴/)
رعایتی قیمت ۳/

حیات المسلمین مکمل و مدلل

حضرت حکیم الامت مدظلہ کی یہ جلیل القدر تصنیف ہے ان تمام اسلامی تعلیمات کو جن پر عمل کر کے مسلمان دینی و دُنیوی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں، پچیس ابواب کے ماتحت نہایت دلکش انداز میں جمع فرمایا گیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲/ رعایتی ۹/

تبلیغ دین محشی

یہ حضرت امام غزالی رح کی کتاب "اربعین" کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے جس میں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی تحصیل و تکمیل کا کامیاب طریقہ اور تمام امراض نفسانیہ کا مفصل علاج درج ہے کتاب کیا ہے شریعت و طریقت کا جوہر اور حقیقت و معرفت کا عطر ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان فی الحقیقت مکمل انسان بن سکتا ہے قیمت ۱۴/ رعایتی ۱۱/

جنت کی کنجی

از مولانا احمد سعید صاحب دہلوی اس کتاب میں (۱۲۳۵) ایسی حدیثوں کے مضامین درج ہیں جن میں خاص خاص اعمال صالحہ پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ گویا ترغیبی احادیث کا مکمل مجموعہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) رعایتی قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

دوزخ کا کھٹکا

یہ بھی مولانا ممدوح کی نہایت مفید اور کار آمد تصنیف ہے اس میں تمام وہ حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں جن میں بُری اعمال کرنیوالوں کو جہنم کا خوف دلایا گیا ہے جابجا عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں تاکہ استفادہ میں آسانی ہو اس میں ۸۰۴ حدیثوں کا ترجمہ درج ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲/ رعایتی ۱۰/

مشائخ چشتیہ اور اتباع شریعت

مشائخ چشتیہ کے متعلق بالکل غلط طور پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ان حضرات میں اتباع شریعت کا زیادہ اہتمام نہ تھا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی اس کتاب میں جس کا اصلی نام "الانتباہ فی الچشتیہ العلیہ" ہے واقعات کی روشنی میں اس بے بنیاد شہرت کی تردید کی ہے اس کتاب میں تین باب ہیں باب اوّل میں سلسلہ چشتیہ کے مشہور اکابر کے وہ اقوال ہیں جن میں اتباع شریعت کی بے انتہا تاکید کی گئی ہے۔ باب دوم میں انکے وہ احوال و واقعات ہیں جن سے اُن کا پابند شریعت اور متبع سنت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ باب سوم میں بعض ایسے اقوال و احوال کی توجیہات کی گئی ہیں جن سے بظاہر اُن کے خلاف شریعت ہونے کا شبہ ہوتا ہے عہ رعا ۱۲/

اماثل الاقوال

ائمہ شریعت و طریقت کے سبق آموز اور نہایت موثر حالات و ارشادات جن کو حضرت حکیم الامت مدظلہ نے سیکڑوں کتابوں سے منتخب فرمایا اور مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے اُردو کا جامہ پہنایا۔
قیمت چار آنے (۴/) رعایتی تین آنے (۳/)

اسلام کی صداقت ثابت کرنیوالی قابل دید تبلیغی کتابیں

تقریر دلپذیر

از حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح بانی دار العلوم دیوبند
اس کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ تمام اصول اسلام کو خالص عقلی اور منطقی طور پر ثابت کیا گیا ہے، اور کوئی ادنی سی بات بھی بے دلیل نہیں لکھی گئی ہے۔ حضرت مصنف مرحوم کی لاثانی قابلیت کا شاہکار ہے۔ پچھلے دنوں یہ کتاب نایاب ہوگئی تھی ابھی حال میں خاص اہتمام سے چھپوائی گئی ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) رعایتی ایک روپیہ چار آنہ عہ

حجۃ الاسلام

یہ بھی مولانا ممدوح رح ہی کی تصنیف ہے اس میں اسلام کے بنیادی اصولوں توحید رسالت، قیامت، الہام وغیرہ کا ناقابل تردید عقلی ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ گویا یہ "تقریر دلپذیر" کا آسان خلاصہ ہے قیمت آٹھ آنے (۸ر) رعایتی چھ آنے (۶ر)

انتصار الاسلام

از حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح سوامی دیانند بانی آریہ سماج نے اسلام پر دس اعتراض کیے تھے ان میں سے نو کا نہایت محققانہ جواب اس رسالہ میں دیا گیا ہے قیمت ۶ر رعایتی ۵ر

قبلہ نما

یہ انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ ہے جس میں سوامی جی کے دسویں اعتراض کا جواب نہایت تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے، اعتراض یہ تھا کہ مسلمان قبلہ کی طرف کو نماز پڑھتے ہیں یہ بت پرستی ہے قیمت ۸ر رعایتی ۷ر

مباحثہ شاہجہانپور

شاہجہانپور میں ایک مناظرہ گورنمنٹ کے انتظام سے ہوا تھا جس میں دور دور کے بڑے بڑے پادری اور پنڈت جمع ہوئے تھے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح بھی مسلمانوں کی طرف سے تشریف لے گئے تھے اور آپ کی تقریر نے مذہبی دنیا میں ہل چل ڈالدی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ ماننے کے قابل صرف مذہب اسلام ہے اس کا پہلا حصہ مباحثہ شاہجہانپور کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت سات آنے (۷ر) رعایتی صرف چھ آنے (۶ر)

میلہ خداشناسی

مباحثہ شاہجہانپور کا دوسرا حصہ ہے بالکل نایاب ہوگیا تھا۔ دفتر الفرقان نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت نہایت روشن دلائل سے اس میں ثابت کی گئی ہے۔ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

الاسلام

از حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ اس کے مطالعہ سے ہر شخص کو یقین آجاتا ہے کہ دنیا میں صحیح اور نجات دلانے والا مذہب صرف اسلام ہے قیمت ۵ر رعایتی صرف ساڑھے چار آنے ۴ر

مباحثہ سماج بریلی

یہ تناسخ اور الہام وید کے موضوع پر جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان اور آریہ سماج کے مشہور مایۂ ناز مناظر پنڈت رامچندر جی دہلوی سے ایک معرکۃ الآرا مناظرہ کی روئداد ہے مولانا ممدوح کی طرف سے وید کے غیر الہامی ہونے کی لاجواب اور خالص عقلی دلیلیں اور تناسخ کے ابطال میں دلکش نہایت روشن براہین اس میں آپکو ملیں گے۔ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

حدوث روح و مادہ

اس موضوع پر جناب مدیر الفرقان اور ایک درسماجی پنڈت جی کا دلچسپ مناظرہ قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

نئی روشنی کی شبہات کی حقیقت

یعنی حل الانتباہات مغرب کے خام فلسفہ سے اسلام کے متعلق جو شبہات یورپ زدہ نوجوانوں کو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں اور ذیل پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے، حدوث مادہ، عموم قدرت باری تعالے، معجزات، نبوت، ملئکہ، جنات، ابلیس، حیات بعد الممات عذاب قبر، صراط، کائنات طبعیۃ مثلاً رعد، برق وغیرہ کی حقیقت، مسئلہ تقدیر، قابل دید کتاب ہے اور نیچریت کا بھوت اُتارنے کے لئے بے مثل چیز ہے۔ قیمت جلد اول ۶ر رعایتی ۵ر جلد دوم ۱۲ر رعایتی ۱۰ر

الانتباہات المفیدہ

یہ گویا "حل الانتباہات" کا متن یا خلاصہ ہے مگر پھر بھی کافی ہے قیمت ۹ر رعایتی ۸ر
قیمت قسم دوم ۷ر رعایتی ۶ر

ازالۃ الشکوک جلد دوم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ مہاجر کی وہ تصنیف جس نے قرآن کے متعلق دشمنان اسلام کے تمام شبہات کو ہمیشہ کیلئے غرق جہنم کر دیا ہے کاغذ اور چھپائی معمولی ہے صفحات پانچسو سے زیادہ قیمت تین روپیہ رعایتی صرف دو روپیہ (عہ) (حصہ اول نایاب ہے)

نوید جاوید

امام المناظرین مولانا ناصر الدین ابو المنصور متوفی ۱۲۵۶ھ نے یہ کتاب اسلام کی حمایت اور عیسائیت کے رد میں تصنیف کی تھی یہ عیسائیوں پر قیامت تک کیلئے خدا کی حجت قاہرہ ہے، اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے صفحات ۲۰۸ اور قیمت اصلی ۲ ہے رعایتی صرف پونے دو روپیہ (۱عہ)

علم الکلام نمبر ۱

از مولانا محمد ادریس صاحب استاذ دار العلوم دیوبند اس میں وجود خالق اور توحید الٰہی پر سلیس اُردو زبان میں عقلی بحث کی گئی ہے قیمت ۲ر رعایتی ۱۰ر

علم الکلام نمبر ۲

اس میں صفات باری تعالے اور مسئلہ تقدیر کے متعلق اسلام کے نظریہ کو عقلی دلائل سے حق ثابت کیا گیا ہے قیمت ۴ر رعایتی صرف تین آنہ ۳ر

فلسفہ بعثت انبیا

بعثت انبیاء پر فلسفیانہ بحث قیمت چار آنے رعایتی تین آنہ (۳ر)

عدم انجیل

اس رسالہ میں نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جو انجیل خدا کی طرف سے حضرت مسیح پر نازل ہوئی تھی وہ دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ لاجواب قابل دید کتاب ہے قیمت تین آنے رعایتی صرف دو آنہ (۲ر)

العقل والنقل

اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت کے بالکل موافق ہیں قیمت ۱۰ر رعایتی ۸ر

اعجاز القرآن

اسمیں اعجاز قرآن پر مدلل بحث کر کے قرآن پاک کا منزل من اللہ ہونا نہایت واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے قیمت ۴ر رعایتی صرف ۳ر

حضرات اکابر علماء دیوبند کی تصنیفات

اِن کتابوں کا تعارف ناظرین سے بارہا کرایا جا چکا ہے

تصانیف حضرت مولٰنا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تقریر دلپذیر طبع جدید	عہ	۱۴ر
حجۃ الاسلام	۸ر	۶ر
انتصار الاسلام	۶ر	۵ر
آب حیات	عہ	۱۴ر
قبلہ نما	۸ر	۶ر
مباحثہ شاہجہانپور	۷ر	۶ر
گفتگوئے مذہبی	۳ر	۲ر
الدلیل المحکم	۲ر	۰۱ر
توثیق الکلام	۰۱ر	[illegible]
الحق الصریح	۱ر	[illegible]
تحذیر الناس	۳ر	۲ر
تحفہ لحمیہ	۱ر	[illegible]
تصفیۃ العقائد	۳ر	۰۲ر
جمال قاسمی	۱ر	[illegible]
فیوض قاسمی	۰۳	۳ر
لطائف قاسمی	۲ر	۱ر
قصائد قاسمی	۳ر	۰۲ر
سوانح قاسمی	۳ر	۲ر
اسرار الطہارۃ	۳ر	۲ر

تصانیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ضیاء القلوب (فارسی)	۵ر	[illegible]
،، ترجمہ اردو	۶ر	۵ر
غذائے روح	۵ر	[illegible]
مثنوی تحفۃ العشاق	۲ر	۱ر
جہاد اکبر	۰۱ر	۱ر
گلزار معرفت	۲ر	[illegible]
ارشاد مرشد معہ فیصلہ ہفت مسئلہ	۲ر	۱ر
کلیات امدادیہ	۱۲ر	۱۰ر

تصانیف حضرت مولٰنا میاں اصغر حسین صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ظہور المسلمین ۳ر ۰۲ر علم الاولین	۰۱ر	[illegible]
دست غیب ۲ر ۱ر خواب شیریں	۲ر	۰۱ر
چہل حدیث ۳ر ۰۲ر رحمۃ خوان	[illegible]	۱ر
الجواب المتین باحادیث سید المرسلین	۵ر	۴ر
حیات خضر ۵ر ۴ر مولوی معنوی	۵ر	۴ر
الصالحات (رنگیں بی بیاں)	۵ر	۴ر
میراث المسلمین	۳ر	۰۲ر
مفید الوارثین	[illegible]	۶ر

تصانیف شیخ الحدیث مولٰنا زکریا صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
الاعتدال فی مراتب الرجال سیاسیات حاضرہ میں خود اکابر علماء دیوبند میں جو اختلاف ہوگیا ہے اس کی وجہ سے جو بدگمانیاں اور بے عنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں انکے انسداد کیلئے یہ کتاب لکھی گئی ہے بڑی فاضلانہ کتاب ہے ہر شخص کے دیکھنے کے لائق ہے قیمت	۱۲ر	۱۰ر
حکایات صحابہ	۱۲ر	۹ر
رسالہ تبلیغ	۰۳	۲ر
چہل حدیث (فضائل قرآن)	۵ر	۴ر
فضائل نماز	۶ر	۵ر
فضائل رمضان	۵	۴ر
فضائل ذکر	[illegible]	۱۲ر

تصانیف حکیم الامۃ حضرت تھانوی مدظلہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
تفسیر بیان القرآن مکمل مجلد جدید	[illegible]	[illegible]
مسائل السلوک کامل	[illegible]	۸ر
حیات المسلمین مکمل مدلل	۱۲ر	۹ر
اکسیر فی اثبات التقدیر	۱۲ر	۹ر
مکمل تعلیم الدین	۹ر	۶ر
شوق وطن	۴ر	۳ر
آداب معاشرت	۰۲ر	۲ر
صفائی معاملات	۰۲ر	۲ر
حق السماع	۰۲ر	[illegible]
جزاء الاعمال	۰۲ر	۲ر
زاد السعید	۰۲ر	[illegible]
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	۴ر	۳ر
القول البدیع	۰۲ر	[illegible]
القول الصواب	۲ر	۰۱ر
سبق الغایات	۰۹	۰۷ر
خطبات الاحکام	[illegible]	۱۳ر
احکام التجلی	۳ر	۰۲ر
اصلاح الرسوم	۶ر	۵ر
قصد السبیل	۲ر	۰۱ر
فروع الایمان	۴ر	۳ر
حقوق الاسلام	۱ر	[illegible]
آئینہ ترتیب	۶ر	۵ر
جمال القرآن محشی	۳ر	۲ر
آداب التبلیغ	۰۳	[illegible]
تبلیغ دین طبع جدید عمدہ	۱۴ر	۱۱ر
الانتباہات المفیدہ	۹ر	۷ر
حقوق العلم ۵ر ۴ر اشرف الجواب	[illegible]	[illegible]

تصانیف حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
فتاویٰ رشیدیہ کامل	[illegible]	[illegible]
کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟	۳ر	۲ر
سبیل الرشاد	۳ر	۲ر
رد الطغیان فی اوقاف القرآن	۱ر	[illegible]
اوثق العری	[illegible]	[illegible]
قطوف دانیہ	۰۱ر	[illegible]
فتویٰ احتیاط الظہر	۰	[illegible]
الرای النجیح فی رکعات التراویح	۱ر	[illegible]
ہدایۃ المعتدی	۳ر	۰۲ر

تصانیف مولٰنا محمد شفیع صاحب

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
سیرت خاتم الانبیاء	۱۰ر	۸ر
آداب المساجد	۳ر	۲ر
آداب النبی	۴ر	۳ر
آداب الاخبار	۱ر	[illegible]
آداب السفر	۰۱ر	۱ر
آداب الشیخ والمرید	۲ر	۰۱ر
مساوات اسلامی کی حقیقت	۴ر	۳ر
بعض التفصیل لمسئلۃ التفضیل	۳ر	۲ر
التصویر لاحکام التصویر	۱۲ر	۱۰ر

مختلف بزرگوں کی متفرق تصانیف

نام کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
اشاعت اسلام قسم اول	[illegible]	[illegible]
ایضاح الادلہ کامل	[illegible]	[illegible]
اسیر مالٹا	۱۰ر	۸ر
براہین قاطعہ	[illegible]	[illegible]
افادات حسینیہ	۳ر	۲ر
سلاسل طیبہ	۳ر	۲ر
التشبہ فی الاسلام حصہ دوم	۱۲ر	۹ر

اشرف السوانح ہرسہ جلد کامل

یعنی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی سوانح عمری ہے، حضرت کی ولادت باسعادت ۱۲۸۰ھ سے ۱۳۵۵ھ تک کامل ہے، سال کے حالات اور فیوض وبرکات وتکمیل وارشاد کا مرقع جس کا مطالعہ ہی ایک مرشد کامل کا کام دینے والا ہے ہر سچے مسلمان کیلئے قابل دید ہے قیمت جلد اول ۶ر رعایتی ۶ر جلد دوم ۶ر رعایتی ۶ر جلد سوم ۶ر رعایتی ۶ر تینوں جلدوں کی رعایتی قیمت صرف سوا پانچ روپیہ (۵ ؁)

حضرت تھانوی مدظلہ کے مواعظ اور دیگر حضرات اکابر کی بھی وہ کتابیں جو عدم گنجائش کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جاسکیں طلب فرماسکتے ہیں اُن کے جمع کرنے کا ہمارے یہاں پورا اہتمام ہے۔

المعلن
ناظم مکتبہ الفرقان بریلی۔ یو۔ پی

ندوۃ المصنفین دہلی کی

قابل مطالعہ کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام میں غلامی کی حقیقت مجلد سنہری	ہے
اسلام میں غلامی کی حقیقت غیر مجلد	عمہ/
غلامان اسلام	عہ
اسلام کا اقتصادی نظام	عہ/
سوشلزم کی بنیادی حقیقت	عہ/
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام مجلد سنہری	عہ/
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام غیر مجلد	عہ/
فہم قرآن	عہ/۸
نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم)	۱۲/
قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ	۳/
اخلاق و فلسفہ اخلاق مجلد سنہری	صہ
اخلاق و فلسفہ اخلاق غیر مجلد	للعہ

مطبوعات مجلس علمی ڈابھیل

تخریج زیلعی (نصب الرایہ) جسمیں ہدایہ کی تمام احادیث کی تخریج اور تنقیح کی گئی ہے مجلس علمی نے تصحیح اور تحشیہ کی پوری خدمت کے ساتھ مصر میں چھپوائی ہے کاغذ نہایت اعلیٰ دبیز ولایتی چار جلد بڑی تقطیع للعہ

"فیض الباری" (شرح بخاری) از حضرت مولانا انورشاہ قدس سرہ صرف جلدیں اولیں مطبوعہ مصر سے،

کتاب	قیمت
"بدور بازغہ" (از شاہ ولی اللہ رح)	عہ/
خیر کثیر (" " " ")	عہ
تفہیمات الٰہیہ کامل (" " " ")	ہے/۸
"زاد الفقیر" (از امام ابن ہمام)	۱۲/
"معارف لدنیہ" (از امام ربانی)	۶/
"مشکلات القرآن" از حضرت انورشاہ رح	عہ
"خزائن الاسرار" (" " ")	۶/
"اکفار الملحدین" (" " ")	۱۲/
"عقیدۃ الاسلام" (" " ")	عہ/
"تحیۃ الاسلام" (" " ")	۱۲/
"خاتم النبیین" (" " ")	۸/
نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین	۱۰/
"بسط الیدین" (حاشیہ نیل الفرقدین)	۶/
"اللمعہ فی صلوۃ الجمعہ" (مسئلہ جمعہ فی القری)	۸/
"کشف الستر عن صلوۃ الوتر"	۸/
"الروح فی القرآن" (اردو)	۲/
"خوارق عادات" (اردو)	۳/

احناف و اہلحدیث کے

نزاعی مسائل کی کتابیں

کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
ایضاح الادلہ از حضرت شیخ الہند رح	عہ	عہ
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	۴/	۳/
سبیل الرشاد	۳/	۲/
القول البدیع	۲/	۲/
اوثق العری	۱/	۱/
ہدایت المعتدی ۳/ ، ۲/ الدین الحکم	۴/	۱/
توثیق الکلام ۱۰/ ، ۷/ الحق الصریح	۱/	[illegible]

حضرت شاہ ولی اللہ رح اور حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی کتابیں

کتاب	قیمت
"حجۃ اللہ البالغہ" مصری	ہے
حجۃ اللہ البالغہ (معہ ترجمہ اردو)	۱۲/
"بدور بازغہ" مطبوعہ مجلس علمی	عہ
خیر کثیر "	۱۱/
"تفہیمات الٰہیہ" "	عہ
مسوّیٰ مصفّیٰ کامل (اردو شرح موطا) قیمت اصلی معہ	ہے/۸
"انصاف" (معہ ترجمہ اردو کشاف)	رجہ
"عقد الجید" (معہ ترجمہ)	۸/
فیوض الحرمین (معہ ترجمہ)	۸/
انفاس العارفین (فارسی)	۱۲/
شفاء العلیل ترجمہ اردو القول الجمیل	عہ
الفوز الکبیر مع فتح الخبیر کامل	۶/
صرف الفوز الکبیر (عربی)	۸/
سطعات مع جزء اللطیف کاغذ خستہ	۸/
"بستان المحدثین" از شاہ عبدالعزیز رح	۳/
"عجالہ نافعہ"	۸/
تفسیر عزیزی فہرست ہذا کے صفحہ ۳ پر ملاحظہ ہو	۲/
فتاوی عزیزی " صفحہ ۴ "	

کتب رد خاکساریت

کتاب	قیمت
خاکسار تحریک مذہب و سیاست کی روشنی میں	۸/
المشرقی علی المشرقی	۳/
خیر جاری	۱/
خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟	۱/
مشرقی اور اسلام ۶/ ، خاکساری فتنہ	۳/
عیسائیت کے دو پودے	۴/
تبصرہ بر تذکرہ ۱۰/ ، ضرب کاری	/

کتب رد مرزائیت

"قادیانی مذہب" - از پروفیسر الیاس برنی سب سے آخری مکمل ترین اڈیشن قریباً ۱۲۰۰ صفحات

کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
قادیانی مذہب	ہے	ہے
ختم النبوت کامل ہر سہ حصہ	۸/	عہ
عشرہ کاملہ	عہ/۱۲	عہ
مباہلہ پاکٹ بک مجلد	۸/	۷/
مسیح موعود کی پہچان	۲/	۱۰/
اسلام اور مرزائیت	۲/	۱/
ملفوظات مرزا	۵/	۴/
دعاوی مرزا		۱/
عقائد قادیانی منظوم		۱/
امراض مرزا / ، چیستان مرزا		۱/
فتوی تکفیر قادیانی ا/ ، اول المعین		۳/

رد شیعہ کی لاجواب کتابیں

کتاب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
نصیحت الشیعہ ہر سلسلہ کامل	عہ	عہ
فتنہ ابن سبا	عہ	۱۴/
فتنہ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد	۳/	۲/
تنبیہ الحائرین معہ تکملہ	عہ	۱۲/
الاول من المائتین ہر چہار نمبر	۴/	۳/
الثالث من المائتین	۱/	[illegible]
الرابع من المائتین	۳/	[illegible]
الخامس من المائتین	۴/	۳/
تحریف کی خانہ ساز حقیقت کا جواب	۲/	۱/
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۳/	[illegible]
ابن سبا	۲/	۱/
دفع المجادلہ عن آیت المباہلہ	۴/	۳/
ذریت ابن سبا اور قرآن	۶/	[illegible]
عقد ام کلثوم	۲/	۱/
مناظرہ امروہہ ہر دو حصہ	۳/	[illegible]
ہزیمت شیعیان پنجاب	۴/	۳/
شفائے روحانی	۲/	۱/
ہزیمت ایڈیٹر اصلاح	۱/	[illegible]
الاسئلۃ البدیعیہ	۲/	[illegible]
مناظرہ منٹگمری	۲/	[illegible]
فتح مبین	۳/	[illegible]
تحفۃ الانصاف	۴/	۳/
مباحثہ مکیریاں	۵/	۴/
الوا ائمہ کی تعلیم	۳/	[illegible]

کتب مندرجہ بالا کا مفصل تعارف پہلی فہرستوں میں بارہا کرایا جاچکا ہے جن کتابوں کی رعایتی قیمتیں نہیں لکھی گئی ہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ ناظم مکتبہ الفرقان بریلی

ردِّ شرک و بدعت کی کتابیں

تقویت الایمان کامل از حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رح قیمت ایک روپیہ چار آنہ رعایتی عہ

ایضاح الحق الصریح بدعات مروجہ متعلقہ تجہیز و تکفین و رسوم مروجہ بعد الموت کی تردید میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم النظیر فاضلانہ کتاب جو عرصہ دراز سے قطعاً نایاب تھی۔ اصل زبان فارسی ہے اب اردو ترجمہ کے ساتھ شایع کی گئی ہے قیمت بارہ آنے (۱۲/) رعایتی دس آنہ (۱۰/)

مسائل اربعین محشی (فارسی) بدعات اور رسوم مروجہ کی تردید و تنقیح میں حضرت شاہ اسحٰق صاحب رح کا یہ ایک قابل دید رسالہ ہے اسمیں ۴۰ مباحث ہیں ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ فقہ سے دیا گیا ہے قیمت ۴/ رعایتی ۰۳/

رفاہ المسلمین ترجمہ اردو "مسائل اربعین" قیمت ۸/ رعایتی قیمت ساڑھے چھ آنہ ۰۶

تنشیط الاذان اذان خطبہ کے اندرون مسجد مشروع ہونیکے ثبوت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح کا لاجواب رسالہ بہت کمیاب ہے قیمت ۲/ رعایتی ۰۱/

دلیل الخیرات تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کی مروجہ بدعات کا رد از حضرت مفتی کفایت اللہ قیمت ۱۰/ رعایتی ۹

التصدیقات بریلوی خرافات کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا قابل دید رسالہ ہے علماء دیوبند کے عقائد حقہ کا بدلیل بیان اور علماء حرمین شریفین و علماء مصر و شام کی تائیدات قیمت ۶/ رعایتی پانچ آنے ۵/

الشہاب الثاقب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے رد میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ المحدیث کا بہترین اور لاجواب رسالہ ہے قیمت ۸/ ر ۶/

مائۃ مسائل شہزادگان تیموریہ نے اپنے زمانہ کے علماء میں اختلاف دیکھ کر حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں سو سوال پیش کیئے اور اصرار کیا کہ ان کا مفصل جواب کتب معتبرہ سے لکھا جائے چنانچہ انہی کے جواب میں شاہ صاحب موصوف نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی، اس میں اختلافی مسائل بالخصوص مروجہ رسوم و بدعات پر نہایت سیر حاصل اور فیصلہ کن مباحث ہیں مضامین کی صحت اور بلند پایگی کیلئے حضرت مصنف کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے قیمت ۶/ رعایتی ۵

امداد السائل یہ مائۃ مسائل کا اردو ترجمہ ہے جسمیں حسب موقع مباحث کی توضیح و تشریح بھی کردی گئی ہے قیمت ۱۲

براہین قاطعہ میلاد، عرس، فاتحہ، مروجہ، تیجہ، دسواں وغیرہ بدعات مروجہ کی تردید میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مبسوط کتاب ہے جسمیں اہل بدعت کے تمام شبہات کے تفصیلی جوابات بھی دیئے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) رعایتی ایکروپیہ چار آنے عہ

طریقہ مولد میلاد کا صحیح طریقہ اسمیں بتلایا گیا ہے قیمت ۱/

النفائس المرغوبہ دعاء ثانیہ کے بدعت و منکر ہونیکا ثبوت از حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قیمت ۸/ رعایتی ۰۷

فتاوی میلاد شریف اس میں مروجہ میلاد کے متعلق اکابر علماء ہندوستان کے مدلل و مستند فتاوی درج ہیں قیمت ۲/ رعایتی ۰۱

حفظ الایمان مع بسط البنان و تغییر العنوان حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کی مشہور ترین کتاب ہے قیمت ڈیڑھ آنہ رعایتی ۱

تحریری مناظرہ شرک و بدعت کے رد میں مختصر اور بہت مفید رسالہ قیمت رعایتی ۱/

مولانا سید محمد مرتضی حسن صاحب کے مناظرانہ رسایل

تزکیۃ الخواطر خانصاحب بریلوی کے جعلی تکفیری فتویٰ "حسام الحرمین" اور ان کی مایہ ناز کتاب تمہید ایمان پر لاجواب تنقید کر کے ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک کر دیا گیا ہے۔ قیمت ۴/ رعایتی ۰۳/

الطامۃ الکبری فی الحقیقت بریلوی پارٹی کیلئے یہ رسالہ قیامت کبریٰ ہے قیمت ۱/

احدی العشرۃ و التسعین مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ترکی بہ ترکی جواب اسمیں دیا گیا ہے اور ان کے کفر کے فتووں کو انہی کی منطق سے انہی پر لوٹا گیا ہے ۲/ ر ۱/

التسہیل علی التجہیل قیمت رعایتی ـ/

بئس المہاد لمن تخلف المیعاد قیمت ۱/

بریلوی کا نادان دوست ـ/ رعایتی ـ/

اسکات المعتدی ابن شیر خدا کی مناظرانہ قابلیت کا شاہکار اس میں قریباً ڈیڑھ سو مناظرانہ سوالات کیئے گئے ہیں ضرور ملاحظہ فرمایئے قیمت ۴/ رعایتی ۲/

انتصاف البری خانصاحب بریلوی کو مناظرہ کا پیغام اور مباحث کی تنقیح قیمت ۱/ رعایتی ۱/

توضیح البیان فی حفظ الایمان حفظ الایمان کی عبارت کی توضیح میں قابل دید فاضلانہ کتاب ہے جسمیں خود خانصاحب بریلوی کو الٹا ملزم ثابت کرکے دکھایا گیا ہے آج تک لاجواب ہے۔ قیمت ۲/ رعایتی ۰۱/

الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی ۲/ ۰۱

نئے مجدد کا نیا ایمان ۰۱/ رعایتی ۱/

سلسلہ ردِ بدعت و اہلِ بدعت میں مکتبہ الفرقان کی اپنی مطبوعات

شرک و توحید

از افادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح یہ حضرت شاہ صاحب کے ایک بے نظیر عربی مقالہ کا ترجمہ ہی قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

اسلامی توحید

توحید و شرک کے بیان میں قابل دید رسالہ ہی قبر پرستی وغیرہ کا نہایت موثر رد صرف قرآن سے کیا گیا ہی قیمت ۲۰/ رعایتی ۲/ قسم دوم ۲/ رعایتی ۱۰/

ہماری گیارھویں

توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی مذمت میں غوث اعظم رح کے گیارہ مضمون ان کی کتابوں سے اس میں جمع کیئے گئے ہیں قیمت ۲/ رعایتی ۱۰/

حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت

اس میں اہل بدعت کے گمراہانہ عقائد کا رد صرف حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات سے کیا گیا ہی قیمت ۳/ رعایتی ۲/

مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر

قیمت ا/ رعایتی ۳/

حاضر ناظر

عقیدہ حاضر ناظر کے رد میں حضرت مدیر "الفرقان" کا مختصر مگر قابل دید مقالہ قیمت ا/ رعایتی ۳/

امعان النظر فی اذان القبر

بعض مقامات پر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینے کی بدعت رائج ہو گئی ہے اس کے رد میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب کا قابل دید رسالہ ہی جس میں علاوہ اس خاص مسئلہ کی بدعت کے متعلق نہایت محققانہ عام اصولی بحث بھی کی گئی ہی جس سے تمام مروجہ بدعات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہی اور حامیان بدعت کی تمام ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہی قیمت ۳/ رعایتی ۲/

بوارق الغیب حصہ اول

اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ علم غیب کلی اور علم جمیع ماکان وما یکون کی تردید میں یہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مدیر "الفرقان" بریلی کی معرکۃ الآرا کتاب ہی جس میں چالیس صاف صریح قرآنی آیات اور دو سو ساٹھ احادیث نبویہ و ائمہ سلف کے ارشادات سے عقیدہ علم غیب کا بطلان ثابت کیا گیا ہی صرف اس حصہ میں حدیث و تفسیر وغیرہ کتب معتبرہ دینیہ کے تین سو ساٹھ حوالے ہیں پوری کیفیت آپ صرف مطالعہ ہی سے معلوم فرما سکیں گے ضخامت ۴۰۸ صفحات ٹائٹل رنگین دبیز کاغذ قسم اعلیٰ سفید گلیز قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۲/ ایضاً قسم دوم کاغذ رفیکٹ رعایتی ۱۲/

مروجہ مجالس مولود اور محافل میلاد پر تبصرہ

یہ ایک محققانہ مقالہ ہے جو ایک بدایونی مولوی صاحب کے میلادی مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہی باوجود اختصار کے قابل دید اور فیصلہ کن ہی قیمت ۱۰/ رعایتی ایک آنہ

تیجہ

تیجے دسویں وغیرہ رسوم مروجہ بعد الموت کے بدعت اور ناجائز ہونے کے ثبوت میں مدیر الفرقان کا رسالہ جس میں فقہ حنفی کی کتب معتبرہ کے علاوہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اقوال سے بھی ثبوت دیا گیا ہی قابل دید ہی قیمت رعایتی ۱/

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

قیمت ۰/ رعایتی

شارع حقیقی

اہل بدعت کے گمراہانہ عقیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریع یعنی شریعت مقرر کرنے میں مختار مطلق تھے، جس چیز کو چاہتے اپنی طرف سے حرام کر سکتے تھے اور جسکو چاہتے حلال کر سکتے تھے، جس پر چاہتے کوئی چیز فرض کر دیتے اور جس سے چاہتے کوئی فرض ساقط کر سکتے تھے اس خیال باطل کے رد میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہی جس میں اہل بدعت کی تمام اُن چیزوں کا نہایت شافی جواب دیا گیا ہی جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں قیمت قسم اول چار آنے (۴) رعایتی ۳/ قسم دوم ۳/ رعایتی ۲/

خاکسار تحریک

مذہب و سیاست کی روشنی میں

اگر آپ خاکسار تحریک پر متین و سنجیدہ تنقید اور منصفانہ تبصرہ دیکھنا اور اس تحریک کے مذہبی نتائج اور سیاسی انجام معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اڈیٹر الفرقان بریلی کی یہ کتاب ملاحظہ فرمائیے جو اسی کتابی سائز کے ۱۲۰ صفحات پر ہے اس تحریک کے متعلق ایسی محققانہ اور بصیرت افروز کتاب ابتک نہیں لکھی گئی ہی اس کتاب نے خاکسار تحریک کے جن خاص مذہبی و سیاسی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہی اُن تک بہت کم نظروں کی رسائی ہو سکتی ہی۔ قابل دید کتاب ہی قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟

خاکسار تحریک کے متعلق مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی ایک بصیرت افروز تقریر ہی۔ قیمت ا/ رعایتی ۶/ سو نسخے خریدنے کی صورت میں تین روپے فی سیکڑہ۔

احکام النذر لاولیاء اللہ

اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے نذر لغیر اللہ کے شرعی احکام بیان کیئے گئے ہیں اور اس مسئلہ میں بعض بدعت نواز مصنفین نے اپنی کج بحثیوں سے جو پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اُن سب کو سلجھا کر مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہی نیز آیت کریمہ "وما اھل بہ لغیر اللہ" کی صحیح تفسیر مدلل طور پر کر کے مبتدعین کی تمام بیجا موشگافیوں پر پانی پھیر دیا گیا ہی قیمت ۲/ رعایتی ۱۰/

تاریخ میلاد

اس کتاب میں مروجہ مجلس میلاد اور قیام کی مکمل تاریخ اور مفصل سرگزشت لکھی گئی ہی کہ ان کو کب اور کیوں، اور کس نے ایجاد کیا۔ یہ لوگ کس مذہب کے تھے۔ ہر زمانہ کے علما نے اس کے متعلق کیا خیالات ظاہر کیئے اپنے موضوع میں بے نظیر اور قابل دید کتاب ہی قریب الختم ہے اور طبع ثانی کی امید بھی نہیں ہے۔ ۱۵۰ صفحات قیمت دس آنے (۱۰/) رعایتی ۸/

مسئلہ علم غیب پر معرکہ خیز اور فیصلہ کن مناظرہ

یہ سلانوالی (پنجاب) کے اس معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو حضرت مدیر الفرقان اور بریلوی پارٹی کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین مسئلہ غیب پر ذی الحجہ ۵۵ھ میں ہوا تھا اس موضوع پر اتنا مکمل مناظرہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فی الحقیقت اس بحث کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہلسنت کے بے شمار لاجواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک زود نویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا، آپ کو اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئیگا قیمت قسم اول ۸ رعایتی ۶ قسم دوم ۸ رعایتی ۵

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکہ خیز مناظرہ کی مکمل روئداد ہی جو محرم ۵۴ھ میں رضاخانیوں کے مدرسہ جامعہ رضویہ میں ہوا تھا، بانی مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہلسنت کے حق میں زبردست فیصلہ دیا ہی وہ بھی آخر میں درج ہی ضخامت معہ ضمیمہ ۱۳۶ صفحات قیمت قسم اول آٹھ آنے رعایتی ۶ قسم دوم ۶ رعایتی ۴

تحریری مناظرہ

اس میں آپ کو اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مدلل بحث ملے گی قیمت دو آنہ رعایتی ۱

کوائف بمبئی

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضاخانی مولویوں کی نفاق انگیز شورش، اور مسلمانان بمبئی کی بہ اصرار استدعا پر مناظرہ کے لئے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف وحالات قیمت ۲ رعایتی ۱

جہنم کی بشارت

قبلہ گان بریلی کی طرف سے ایک رسالہ بنام "موت کا پیغام"، شایع ہوا تھا یہ اس کا مسکت اور دنداں شکن جواب ہے یہ بحث بھی نہایت تفصیل اور تحقیق سے آگئی ہے کہ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے اور اپنے اصول سے خود کافر ٹھہرتے ہیں بالکل لاجواب ہے قیمت ۳ رعایتی صرف ۲

کتب رد آریہ وعیسائی

مباحثہ سماج بریلی

تناسخ اور الہام وید کے موضوع پر یہ جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان اور آریہ سماج کے مشہور رایہ ناز مناظر پنڈت رامچندر جی دہلوی کے ایک معرکۃ الآرا مناظرہ کی روئداد ہے مولانا ممدوح کی طرف سے وید کے غیر الہامی ہونے کی لاجواب اور خالص عقلی دلیلیں اور تناسخ کے ابطال میں دس نہایت روشن براہین ہیں آپ کو ملیں گی قیمت تین آنے رعایتی سوا دو آنے (۲)

حدوث روح ومادہ

یہ حضرت مدیر الفرقان دام فیضہ اور پنڈت گوپی چند دہلوی کے ایک دلچسپ مناظرہ کی روئداد ہی اس میں مدیر ممدوح نے روح و مادہ کے حادث ہونے پر عقلی و نقلی دلائل پیش کیے تھے قیمت ۱۰ رعایتی ۱

عدم انجیل

اس رسالہ میں نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جو انجیل خدا کی طرف سے حضرت مسیح پر نازل ہوئی تھی وہ دنیا میں کہیں موجود نہیں

قیمت تین آنے رعایتی صرف دو آنہ (۲)

میلہ خدا شناسی

از حضرت مولانا محمد قاسم صاحب تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا ثبوت قیمت تین آنے (۳) رعایتی سوا دو آنے ۲

ہدایت ربانی برائی فرقہ رضاخانی

یعنی "روئداد مناظرہ گیا" یہ اس عظیم الشان تحریری اور تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو حسام الحرمین کی تکفیری بحث پر اواخر ۱۳۵۴ہجری میں مدیر "الفرقان" اور رضاخانیوں کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن متواتر ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ۸ رعایتی ۶

رضاخانیت پر کاری ضرب

یعنی رسالہ "مقامع الحدید" اس رسالہ میں تحریک رضاخانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہو اور رضاخانیوں کے ان تیس اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اکابر علماء دیوبند پر کیے جاتے ہیں نیز رضاخانی مذہب کا نہایت دلچسپ فوٹو رضاخانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے، یقین ہے کہ آپ نے اس موضوع پر ایسی پرلطف کتاب ملاحظہ نہ فرمائی ہو گی ضخامت سو صفحات کاغذ اعلیٰ قیمت ۶ رعایتی ۵

وہابی کی پہچان

بڑی دلچسپ اور پرلطف کتاب ہے عرصہ سے نایاب ہوگئی تھی ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے، پڑھیے اور خوب ہنسیے اور سبق حاصل کیجئے۔ قیمت ۱ رعایتی ۳

الکوکب الیمانی

اس کا روشن ثبوت کہ خان صاحب بریلوی کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح درست نہیں ہو سکتا قیمت دو آنے (۲) رعایتی ڈیڑھ آنہ (۱۰)

نئے مجدد کا نیا ایمان

دلچسپ اور قابل دید ہی قیمت ۱۰ رعایتی ایک آنہ ۱

مکتبہ الفرقان کی خاص اصلاحی کتابیں

تذکرۂ امام ربانی

یعنی "الفرقان" کا مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ ہمکو بجا فخر ہے کہ حضرت امام ربانی کے جن تجدیدی کارناموں کو دنیا نے یکسر بھلا دیا تھا تین سو برس گے بعد ادارہ الفرقان کی اس کوشش نے پھر اس کی یاد تازہ کر دی ہے اس نمبر میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات زندگی اور مساعی احیاء ملت کے متعلق مشاہیر علماء کرام و ارباب تحقیق کے بیس نہایت بلند پایہ اور ایمان افروز مقالے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد ہی آپ کو بعض اکابر کے اس ارشاد کی صداقت معلوم ہوگی کہ جس نے یہ نمبر نہ دیکھا وہ بڑی نعمت سے محروم رہا اب چند ہی نسخے باقی ہیں۔ قیمت کاغذ اعلےٰ ایک روپیہ آٹھ آنہ کاغذ قسم دوم ایک روپیہ (عہ)

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ کے عربی زبان ہی میں ہونیکی عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں قیمت صرف دو آنہ رعایتی ۱۰/

تذکار شہید

یعنی "الفرقان" کا شہید نمبر ۱۳۵۵ھ الفرقان کا یہ نمبر حضرت شاہ اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ کی یادگار میں شائع ہوا تھا اس میں شہید ممدوح کی سوانح حیات آپ کی دینی و ملی خدمات اعلاء کلمۃ الحق کیلئے آپ کی تحریک جہاد اور احیاء توحید و سنت کیلئے آپ کی عام مساعی کا نہایت مکمل و مفصل تذکرہ ہے نیز اہل بدعت نے آپ کے خلاف جو بعض ناپاک الزامات تراشے ہیں ان کا نہایت مدلل اور بلیغ رد کیا گیا ہے۔ قریب النختم ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸/)

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کے سیاسی نظام پر متکلم اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں قیمت ۳/ رعایتی ۲/

داڑھی اور فطرت

یہ مقالہ درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چند اشارات کی تشریح ہے جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کیلئے داڑھی منشاء فطرت ہے قیمت صرف ۳/ رعایتی ۲/

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

مولانا عبد الماجد دریابادی بی اے ایڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱۰/ رعایتی ۱/

سیرت نبویہ کے متعلق ساڑھے تین سو جدید منظر بات

پیغمبر اسلام کو برہان کامل کی صورت میں پیش کرنیوالی پہلی کتاب

النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

(تصنیف رئیس التحریر حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مد ظلہ العالی)

کاغذ بہترین، کتابت طباعت عمدہ مجلد خوشنما۔ قیمت ایک روپیہ رعایتی اس وقت ۱۳/

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ جو موصوف نے "بزم تاریخ و تمدن اسلامی" مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک خاص مجلس منعقدہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء میں پڑھا تھا، ہر تعلیم یافتہ مسلمان کے لیے اس کا مطالعہ آجکل بہت ضروری ہے۔ قیمت ۲/ رعایتی ۲/

جدید تعلیم اور علمائے کرام

اس رسالہ میں مسلمہ تاریخی شواہد اور ناقابل تردید دلائل کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ سر سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک سے علماء کا اختلاف کس بنیاد پر تھا اور وہ اس میں کیا ترمیم چاہتے تھے، نیز یہیں دکھلایا گیا ہے کہ اس مغربی نظام تعلیم کے نتائج کے متعلق اب سے ساٹھ سال پہلے علماء کرام نے جو خدشات ظاہر کیے تھے اب وہ سب واقعات بن کر سامنے آچکے ہیں۔ اور خود سر سید احمد خاں کے جانشین آج علماء کی صائب رائے کا اعتراف کر رہے ہیں بلکہ علماء کی اسی پالیسی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں خود سر سید احمد خاں کے رفیقوں کی شہادت سے یہ راز فاش کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی جس کی ذمہ داری غریب علماء پر ڈالی جاتی ہے وہ خود سر سید احمد خاں کی مخصوص پالیسی کا نتیجہ ہے غرض خفقا گویا ہے جو قابل دید رسالہ ہے قیمت صرف ۳/ رعایتی ۲/

فتنہ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد

رفض و تفضیلیت کے رد میں اگرچہ علماء کرام نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں لیکن حضرت امام ربانی نے اپنے مختلف مکتوبات میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل بے نظیر ہے بعض مضامین کے متعلق تو خود حضرت نے ارقام فرمایا ہے کہ الہام کے ذریعہ سے مجھ پر ان کا انکشاف ہوا ہے۔ حضرت کے یہ تمام مضامین اس رسالہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں، مکتوبات کی اصل فارسی عبارت کے ساتھ ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے قیمت تین آنے (۳/) رعایتی صرف سوا دو آنے

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک بالغ النظر کمیونسٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کے نتائج سے واقف ہونیکے لیے بالکل کافی ہے قیمت کثرت اشاعت کیلئے صرف ۱/ رکھی گئی ہے

مسلمانوں کا روشن مستقبل

اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے بالخصوص ہر اس مسلمان کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہے آخری ایڈیشن جسمیں بہت کچھ اضافات ہو چکے ہیں قیمت وہی دو روپیہ آٹھ آنہ

وہ خاص بڑی کتابیں جنکی قیمتوں میں خصوصی رعایت کیجاتی ہے

[**عام عربی درسی کتابوں** کے متعلق تو ہم نے یہ اصول مقرر کر لیا ہے کہ جو کمیشن اُن پر ہمکو ملتا ہے ہم اس کا نصف اپنے ہر خریدار کو دیتے ہیں بشرطیکہ فرمایش آٹھ روپے سے کم کی نہ ہو پس جو کتابیں یہاں درج نہیں کی جاتی ہیں وہ سب آپکو اسی حساب سے دی جائینگی اور اگر فرمایش آٹھ روپیہ سے کم کی ہوگی تو بھی کچھ نہ کچھ مناسب رعایت آپ کو ضرور دی جائیگی ——— جن کتابوں کی رعایتی قیمتیں یہاں درج کیجارہی ہیں اُن پر اس کے علاوہ کوئی اور رعایت نہ ہوگی۔]

صحیح بخاری شریف
طبع جدید

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے مکمل قدیمی حاشیہ اور "اسماء الرجال" کے ساتھ اس مرتبہ خاص الخاص اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ حاشیہ پر حل لغات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور شروع میں علاوہ قدیمی مقدمہ کے حضرت شاہ ولی اللہ کا پورا رسالہ شرح تراجم ابواب "صحیح بخاری" لگا دیا گیا ہے بے انتہا کوشش اور بیدریغ روپیہ صرف کر کے متعدد علماء سے اس کی تصحیح کرائی گئی ہے، خط بہ نسبت سابقہ نسخوں کے جلی اور روشن ہے طباعت بہت صاف ہوئی ہے اور کاغذ نہایت اعلےٰ سفید چکنا لگایا گیا ہے اور باوجود اسکے قیمت وہی ہے جو پہلے تھی یعنی (عـہ) لیکن اس وقت اس کے نصف یعنی صرف ساڑھے بارہ روپیہ میں آپ کو مل سکتی ہے وقت کو غنیمت جانئے (عـہ)

صحیح مسلم شریف مع شرح نووی

اصح المطابع دہلی کی چھپی ہوئی ہے اعلیٰ صحت نفیس کتابت طباعت کی صفائی اور کاغذ کی عمدگی کے لحاظ سے مشہور و مقبول ہو چکی ہے قیمت اصلی گیارہ روپیہ رعایتی صرف سات روپیہ (عـہ)

مشکوٰۃ شریف

مطبوعہ اصح المطابع خط کی وضاحت اعلیٰ صحت طباعت کی صفائی اور کاغذ کی عمدگی کے لحاظ سے مشکوٰۃ کے تمام نسخوں پر فائق ہے۔ قیمت اصل (صہ) ر (عـہ)

جلالین شریف

ایضاً مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہر حیثیت سے نہایت اعلےٰ و بالا ہے، حواشی طلبہ اور اساتذہ سب کیلئے بہت مفید ہیں قیمت اصلی چھ روپیہ رعایتی (عـہ)

کوکب دری یعنی تقریر ترمذی شریف

از حضرت مولانا گنگوہی رح دو جلد جس کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تعلیقات اور اضافات نے ترمذی شریف کی ایک مستقل اور کافی شرح بنا دیا ہے قیمت اصلی ہر دو جلد (عـہ) ر (صہ)

اوجز المسالک شرح موطا مالک

حال متن از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب موجودہ دور کی قابل فخر تصنیف ہے، تین ضخیم ترین جلدیں قیمت اصلی ہر سہ جلد (عـہ) رعایتی اس وقت گیارہ روپیہ (عـہ)

مسوّی مصفّیٰ

موطا امام مالک کی دو شرحیں از حضرت شاہ ولی اللہ رح ایک عربی دوسری فارسی دونوں ساتھ ساتھ طبع ہوئی ہیں، دو جلد قیمت سات روپیہ (عـہ) اس وقت صرف (صہ)

فتح الملہم شرح صحیح مسلم

تالیف حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر دار العلوم دیوبند۔

یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب نے "صحیح مسلم" کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے "صحیح مسلم" کی یہ شرح زمانہ حاضر کے مذاق کی رعایت رکھ کر لکھی گئی ہے۔ شروع میں قریباً سو صفحہ کا بصیرت افروز مقدمہ ہے جسمیں فنون متعلقہ حدیث پر مبسوط کلام کیا گیا ہے علمی اور فنی نقطہ نظر سے "علم حدیث" میں عصر حاضر کا بہترین شاہکار ہے بلاد اسلامیہ کے علما نے بڑی قدر دانی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا ہے اس وقت تک تین جلدیں شایع ہو چکی ہیں باقی زیر تالیف ہیں قیمت ہر جلد چھ روپے رعایتی پانچ روپیہ (صہ)

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح

تالیف حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی استاذ حدیث و تفسیر دار العلوم دیوبند اس بے نظیر کتاب کے متعلق اہل بصیرت علماء کرام کی رائے ہے کہ یہ صرف "مشکوٰۃ" ہی کی شرح نہیں ہے بلکہ فن حدیث کی کتابوں میں ایک نہایت قابل قدر بلکہ عصر حاضر کے لیئے لائق فخر اضافہ ہے اگر اس شرح کی روشنی میں حدیث کا درس ہو تو دین میں خاص بصیرت پیدا ہو سکتی ہے۔ نہایت اعلےٰ کاغذ پر دمشق میں طبع ہوئی ہے ابھی چار جلدیں تیار ہوئی ہیں دو باقی ہیں قیمت چہار جلد سولہ روپیہ (عـہ)

الفوز الکبیر (عربی)

اصول تفسیر پر حضرت شاہ ولی اللہ رح کا یہ رسالہ فارسی زبان میں تھا پہلے اس کا عربی ترجمہ ایک مصری عالم نے کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں آخری فصل ان سے رہ گئی تھی اب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ استاذ دار العلوم دیوبند نے اس کی تکمیل کرا کے خاص الخاص اہتمام سے اس کو چھپایا گیا ہے قیمت [illegible]

شرح نقایہ ۔ فقہ حنفی میں ملا علی قاری کی مستند اور بہترین کتاب ہے بہت سی جگہ شرح وقایہ کی بجائے داخل درس بھی ہو چکی ہے محشیٰ از حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ العالی قیمت (عـہ)

اِلہام المصیب ۔ خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہ رح پر جو اعتراضات کیئے تھے اُن کا جواب اشاہان اسلام میں سے ایک علامہ وقت بادشاہ نے دیا تھا جو صرف جدہ کے ایک کتب خانہ میں قلمی موجود تھا۔ خاص کوششوں سے اس نسخہ کو حاصل کر کے ہندوستان لایا گیا ہے اور اس نادر تحفہ کو عام کرنیکے لیے چھاپ کر شایع کر دیا گیا۔ اہل علم کے لیئے قابل دید اور لائق قدر ہے۔ قیمت (عـہ) رعایتی صرف (ایک روپیہ)

چند خاص کتابیں
فقط ایک ایک دو دو نسخے اس وقت کتبہ میں ہیں

عمدۃ القاری شرح بخاری شریف المعروف بہ عینی ۲۵ جلد طبع جدید مصری کاغذ نہایت اعلیٰ سفید مجلد در ۱۳ جلد قیمت ساٹھ روپیہ (عـہ) ۔ تفسیر ابن کثیر کاغذ نہایت اعلےٰ سفید ولایتی (عـہ) المبسوط للسرخسی حنفی (۳۰ جلد) (عـہ) حجۃ اللہ البالغہ مصری کاغذ اعلےٰ سفید (عـہ) ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مصری پانچ روپیہ (صہ) المنجد (لغت) سب سے آخری اور مکمل ترین ایڈیشن مجلد نہایت اعلیٰ قیمت (عـہ) شرح شفا از ملا علی قاری مجلد ہر چہار جلد پانچ روپیہ (صہ)

ہر فن کی درسی کتابیں

یعنی کتب تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، لغت، معانی، صرف، نحو، منطق، فلسفہ وغیرہ مکتبہ الفرقان سے طلب فرمائی جا سکتی ہیں۔ امکانی رعایت ہمارا التزامی اصول ہے۔

Regd. No. A-353.

Cover & Pictures printed at the National Press, Bareilly.